کلیاتِ مکاتیبِ اقبال

جلد دوم

(جنوری ۱۹۱۹ء تا دسمبر ۱۹۲۸ء)

(مع حواشی و تعلیقات)

مرتبہ

سید مظفر حسین برنی

اردو اکادمی دہلی

کلیاتِ مکاتیبِ اقبال

کلیاتِ مکاتیبِ اقبال

جلد دوم

(جنوری ۱۹۱۹ء تا دسمبر ۱۹۲۸ء)

(مع حواشی و تعلیقات)

مرتّبہ

سیّد مظفّر حسین برنی

اُردو اکادمی، دہلی

کلیات مکاتیب اقبال جلد ۔۱

سلسلۂ مطبوعات اردو اکادمی ۶۲

KULIYAT MAKATEEB-E-IQBAL
Ed. DR. S.M.H. BURNEY
RS.280.00

سنہ اشاعت: ۱۹۹۱ء
قیمت: ۲۸۰/- روپے
تعداد: ۳۰۰
بہ اہتمام: ڈاکٹر انتظار مرزا
طباعت: شمع آفسٹ پرنٹرز، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
ناشر و تقسیم کار: اردو اکادمی، دہلی گھٹا مسجد روڈ، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ISBN 81-7121-073-2

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں!
غلغلہ ہائے الاماں بت کدۂ صفات میں!

(علامہ اقبالؔ)

ترتیب

۲۴۰	میر سید غلام بھیک نیرنگ	عکس	۴ جنوری	۱۹۲۳ء	۴۱۶
۲۴۱	عبدالماجد دریا بادی		۶ جنوری	″	۴۱۸
۲۴۲	مولانا گرامی		۷ جنوری	″	۴۱۹
۲۴۳	مہاراجہ کشن پرشاد		۲۴ جنوری	″	۴۲۰
۲۴۴	عبدالواحد بنگلوری	عکس	۲۸ جنوری	″	۴۲۱
۲۴۵	″	″	۸ فروری	″	۴۲۵
۲۴۶	صغرا ہمایوں مرزا		۱۸ فروری	″	۴۲۵
۲۴۷	مولانا گرامی	عکس	۲۳ فروری	″	۴۲۶
۲۴۸	محمد دین فوق		۴ مارچ	″	۴۲۹
۲۴۹	مولانا گرامی	عکس	۸ مارچ	″	۴۳۰
۲۵۰	خان محمد نیاز الدین خاں		۱۲ مارچ	″	۴۳۴
۲۵۱	شیخ مبارک علی	عکس	مارچ	″	۴۳۶
۲۵۲	″	″	″	″	۴۳۶
۲۵۳	مہاراجہ کشن پرشاد		۱۹ مارچ	″	۴۳۹
۲۵۴	مہجور کاشمیری		۶ اپریل	″	۴۴۱
۲۵۵	شیخ فیض محمد	عکس غیر مدون	۱۶ اپریل	″	۴۴۱
۲۵۶	عبدالماجد دریا بادی		۱۷ اپریل	″	۴۴۳
۲۵۷	مولانا گرامی		۲۴ اپریل	″	۴۴۵
۲۵۸	مہاراجہ کشن پرشاد		۱۰ مئی	″	۴۴۶
۲۵۹	خان محمد نیاز الدین خاں		۲۵ مئی	″	۴۴۷
۲۶۰	میر خورشید احمد		۳۰ مئی	″	۴۴۸
۲۶۱	″		۳۱ مئی	″	۴۵۰
۲۶۲	″		۱ جون	″	۴۵۱

حرفِ آغاز

دہلی ہندوستان کا دل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شہر اپنی تہذیبی روح، ثقافتی رنگا رنگی اور تاریخی کردار کے اعتبار سے ایک چھوٹا سا ہندوستان ہے۔ دہلی کلچر کے فروغ میں اُردو نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے، اور آج بھی یہ زبان اس کی ادبی و تہذیبی شناخت کا اہم وسیلہ ہے۔ اردو کلچر کی اہمیت اور دہلی کی ثقافتی زندگی سے اس کے گہرے رشتے کے پیشِ نظر آنجہانی محترمہ اندرا گاندھی سابق وزیرِ اعظم مرکزی حکومتِ ہند کے ایما پر ۱۹۸۱ء میں اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا تھا۔

اکادمی کا اپنا ایک انتظامی ڈھانچہ اور طے شدہ دستور العمل ہے۔ دہلی کے لفٹیننٹ گورنر اس کے صدر نشین (چیرمین) ہیں اور اکادمی کے اراکین کو دو سال کے لیے نامزد کرتے ہیں۔ ان اراکین میں ممتاز اہلِ قلم، ادیب، نقاد، صحافی، معلّم اور محقق شامل ہیں۔ اکادمی، دہلی اور بیرونِ دہلی کے دوسرے علمی، ادبی، تہذیبی اور تعلیمی حلقوں سے بھی رابطہ قائم رکھتی ہے اور اپنی سرگرمیوں میں اُن کے تعاون اور مشوروں کو خوش آمدید کہتی ہے۔

ہمیں احساس ہے کہ کتاب انسان کی بہترین ساتھی ہے اور کتاب کا مطالعہ اس کا شریف ترین مشغلہ۔ کتاب ماضی کو حال اور حال کو مستقبل سے جوڑنے کا سب سے عمدہ وسیلہ ہے۔ اپنے اس بیش بہا ورثے کو محفوظ کرنا اسے خوب تر اور مفید تر بنانا ہمارے تہذیبی فرائض کا سب سے اہم حصہ ہے۔ یہ گویا ادبی روشنیوں کو عام کرنا اور علمی خوشبوؤں کو پھیلانا ہے۔

اکادمی نے نہایت اہم موضوعات پر اچھی کتابوں کی اشاعت کا جو منصوبہ بنایا ہے" کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" جلد اول، دوم، سوم اور چہارم اسی سلسلہ

پیش کش کا ایک حصہ ہے۔ جلد اول ۱۹۸۹ء میں شائع کی جا چکی ہے۔ اس میں ۱۸۹۹ء تا ۱۹۱۸ء کے خطوط شامل تھے، جلد دوم میں ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۸ء تک کے خطوط شامل کیے گئے ہیں، جلد سوم اور جلد چہارم پر ابھی کام ہو رہا ہے۔

اقبال ایک بڑے شاعر ہی نہیں اپنے عہد کے ایک بڑے دانشور اور مفکر بھی ہیں۔ علامہ کے خطوط ان کی شاعری ہی کی طرح ان کی فکر و دانش کا مرقع ہیں بلکہ خطوط میں ان کی عظیم شخصیت کے بہت سے ایسے پہلو بھی نمایاں ہوئے ہیں جن کا اظہار اس اکملیت کے ساتھ شاعری میں نہیں ہو سکا ہے۔ جناب سید مظفر حسین برنی نے علامہ اقبال کے خطوط کو بڑی محنت اور جاں فشانی سے جمع کیا ہے اور پھر انھیں ایک خاص ترتیب سے یکجا کر دیا ہے۔ امید ہی نہیں یقین ہے کہ اہل علم ان کے اس کام کی قدر کریں گے۔ اس کے لیے ہم فاضل مرتب کی علمی کاوشوں کے ممنون ہیں اور اس تعاون کے بھی جو اشاعتی کمیٹی کے ارکان کی طرف سے ہمیں میسر آتا ہے اور ہمارے لیے روشنی و رہنمائی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ دہلی کی تاریخ و ادبیات سے متعلق کچھ ایسی اہم کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں جو کمیاب بلکہ نایاب ہو گئی تھیں۔ ایسی مزید کچھ کتابیں ترتیب و اشاعت کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔

یہاں ہم ایک معذرت بھی پیش کرنا چاہیں گے۔ یہ کتاب بوجوہ بڑی عجلت میں شائع کی جا رہی ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ اس کی کتابت و طباعت میں کچھ خامیاں رہ گئی ہوں۔ ان کے لیے قارئین ہمیں معاف فرمائیں۔

ہم اپنے موجودہ سرپرست اور اکادمی کے صدر نشین جناب مارکنڈے سنگھ صاحب، لفٹیننٹ گورنر دہلی، کی عنایات اور توجہات کے لیے صد ممنون ہیں۔ نائب صدر نشین جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی عنایت کا بھی اعتراف ہے اور ان کی رہنمائی کے لیے بھی شکر گزار ہیں۔

سید اشتیاق عابدی
سکریٹری

مقدمہ

"کلیات مکاتیبِ اقبال" کی پہلی جلد ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ میرے لیے یہ بھی باعثِ فخر و مسرّت ہے کہ اس کتاب کی رسمِ اجرا، عالی جناب ڈاکٹر شنکر دیال شرما صاحب نائب صدرِ جمہوریہ ہند کے مبارک ہاتھوں سے ۲۰ نومبر ۱۹۸۹ء کو انجام پائی۔

اس کے مقدمے میں اقبال کی مکتوب نگاری سے متعلق بعض ضروری اور بنیادی باتوں سے بحث کی جا چکی ہے۔ کتاب پر ہندوستان و پاکستان کے موقر علمی رسالوں میں تبصرے بھی ہوئے اور بعض احباب نے بھی اپنے ملاحظات بھیج کر مجھے ممنون کیا۔ علمی حلقوں نے اس کتاب کا خیر مقدم کیا۔ اور اہلِ نظر نے یہ محسوس بھی کیا کہ بظاہر ترتیب و تدوین کے اس سیدھے سے کام میں مؤلف کو کن صبر آزما مرحلوں سے گذرنا پڑا ہوگا۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن جلد ہی ختم ہو گیا اور اب اردو اکادمی دہلی نے اس کا عکس ثانی شائع کر دیا ہے جس میں چند اور خطوط کا اضافہ بھی ہوا ہے جو کتاب کی طباعت کے بعد مؤلف کو دستیاب ہوئے۔ اس جلد کا باضابطہ دوسرا ایڈیشن زیرِ ترتیب ہے۔ اس پر احباب کے ملاحظات اور تبصروں کی روشنی میں مکمّل نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ اس کے بعض حواشی میں بھی تناسب کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ بعض کتابوں تک مؤلف کی رسائی نہ ہو سکی تھی اب ان سب کوتاہیوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

چند اہلِ ذوق حضرات نے مجھے نہایت وقیع اور مفید مشورے دیے۔ جن سے حواشی کے وزن و وقار میں اضافہ ہوگا۔ ایک عزیز دوست نے تو میری نثر کی نوک پلک بھی

سنوارنے کی کوشش کی۔ ان سب احباب کے گراں قدر مشوروں کی روشنی میں باقی جلدوں کی ترتیب و تدوین کی گئی ہے اور امید ہے کہ نقش ثانی اب نقشِ اول سے کچھ بہتر ہو گا۔

"کلیات مکاتیب اقبال" کی زیرِ نظر جلد دوم میں علامہ اقبال کے وہ چار سو اکتیس (۴۳۱) خطوط شامل ہیں جو انھوں نے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۸ء تک نو سال کی مدت میں لکھے۔ اس مدت کا تعین اس لحاظ سے کیا گیا کہ ۱۹۲۸ء میں علامہ نے "فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید" کے موضوع پر اپنے مشہور زمانہ خطبات لکھے تھے اور ان خطبات کے مباحث پر اس عہد کے علما سے خط و کتابت کرتے رہے تھے۔ ان میں ایک خط غیر مطبوعہ بھی ہے اور چھ (۶) خطوط وہ ہیں جو ابھی تک کسی مجموعے میں شامل نہیں ہوئے۔ ایک سو بارہ (۱۱۲) خطوط کے عکس بھی دیے جا رہے ہیں۔ تینتیس (۳۳) خطوط انگریزی میں لکھے گئے ہیں ان کا اردو ترجمہ یہاں دیا جا رہا ہے اور انگریزی متون جلد پنجم میں شامل ہوں گے۔

غیر مطبوعہ خط مورخہ ۲۱/ اگست ۱۹۲۶ء بنام شمس العلما حکیم خواجہ شمس الدین ہے جو جناب وجاہت علی سندیلوی صاحب نے مرحمت فرمایا۔ خواجہ صاحب لکھنؤ کے نہ صرف ایک نامور حاذق طبیب تھے بلکہ علوم دین اور اردو ادب میں بھی مشہور تھے۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ کلیات کی جلد اول میں ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۸ء تک (جو "رموزِ بے خودی" کا سال اشاعت ہے) لکھے ہوئے مکتوبات درج کیے گئے تھے۔ خطوط کے متن کی صحت کے لیے جلد اول کی طرح اس جلد میں بھی دستیاب شدہ عکس سے مقابلہ کر لیا گیا ہے اور مزید احتیاط کے طور پر "اقبال نامہ" کے اس نئے ایڈیشن کو بھی سامنے رکھا گیا ہے جس کا ذکر جلد اول کے مقدمہ میں آچکا ہے۔ جن مکاتیب کی تاریخیں واضح نہیں تھیں داخلی شہادتوں یا دوسرے قرینوں کی روشنی میں، ان کا زمانہ متعین کرنے پر خاص دھیان دیا گیا ہے۔

"کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" کی جلد اوّل کے دیباچے میں یہ اشارہ کر دیا گیا تھا کہ خطوطِ اقبال کی اشاعت کے وقت دوسرے جامعینِ مکتوبات نے مصلحتہً یا از راہ سہل انگاری بعض عبارتیں حذف کر دی تھیں یا وہ متن میں شامل ہونے سے رہ گئی تھیں۔ "اقبال نامہ" کی اشاعت اوّل کے بعض صفحات تبدیل بھی کر دیے گئے تھے۔ ہم نے پاکستان کے کرم فرماؤں کی مدد سے سات سو پچاس (۷۵۰) خطوط کے عکس حاصل کیے اور چھیاسی (۸۶) خطوط کے عکس ہندوستان کے مختلف گوشوں سے فراہم کیے۔ ان عکسوں کی مدد سے ہم نے خطوط کے ناقص متون کی تکمیل کی ہے بعض خطوط میں تو پورا پیراگراف درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ اس اعتبار سے ہماری کتاب میں مشمولہ خطوط اقبال کے متون نہ صرف مکمل بلکہ مستند بھی ہیں اس لیے کہ جن خطوط کے عکس مل سکتے تھے وہ وہیں موقع پر درج کر دیے گئے ہیں۔

حواشی کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ جہاں سوانحی خاکے مرتب کرنے کے لیے ایک سے زیادہ مآخذ دستیاب تھے وہاں ابتدائی ماخذوں پر اعتبار کیا گیا ہے۔ حالاتِ زندگی درج کرتے ہوئے تاریخِ ولادت و وفات کی صحت پر ممکن حد تک توجہ دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں عبدالرؤف عروج مرحوم کی تالیف "رجال اقبال" بڑی سودمند ثابت ہوئی گو اس میں کافی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں۔ جہاں اور مآخذ دستیاب تھے وہاں ان کی مدد سے اس کتاب میں درج شدہ سوانحی حالات میں مناسب ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۸ء تک کا زمانہ علامہ کی زندگی میں بڑا اہم گذرا ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں بھی یہ دور ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب پنجاب میں جلیانوالہ باغ کے المیہ کے بعد ۱۹۱۹ء میں مارشل لا نافذ کیا گیا تھا جس کا ذکر علامہ کے مکاتیب میں بھی ملتا ہے۔ (ملاحظہ ہوں مکتوب مورخہ ۳۰/اپریل ۱۹۱۹ء بنام خان محمد نیاز الدین خاں اور ۲۵/اپریل ۱۹۱۹ء بنام مہاراجہ کشن پرشاد)۔ تحریکِ خلافت اور گاندھی جی کی تحریک کا بھی یہی زمانہ ہے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"گاندھی صاحب کا خاموش مقابلہ یہاں تک رنگ لایا ہے کہ حکام لاہور اور پنجاب کے دوسرے مقامات میں مارشل لا کے اجرا پر مجبور ہو گئے۔"

(مکتوب محررہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۹ء بنام اکبرالٰہ آبادی)

تحریکِ خلافت پر علامہ کی رائے تھی کہ:

"مسئلہ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے اس خیال سے کہ اس مسئلے کے متعلق مسلمانوں کو امر بالمعروف کرنا میرا فرض ہے جلسے میں چلا گیا۔"

(مکتوب مورخہ ۹ نومبر ۱۹۱۹ء بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

اسی زمانے میں شدھی کی تحریک نے بھی زور پکڑا تھا جس کا مسلمانوں پر خاص اثر پڑا۔ شدھی اور سنگٹھن کی تحریک کے پس منظر میں علامہ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ ہندوستان کی سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہبِ اسلام کے لیے خطرۂ عظیم ہے۔ شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔"

(مکتوب محررہ ۵ دسمبر ۱۹۲۳ء بنام میر غلام بھیک نیرنگ)

مسلم رہنماؤں نے اس دور میں کابل کو ہجرت کرنے کی تحریک چلائی تھی۔ اس کا حوالہ بھی علامہ کے خطوط میں ملتا ہے مثلاً:

"سندھی مہاجرینِ کابل کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا۔"

(مکتوب بتاریخ ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء بنام مولانا گرامی)

انہیں دنوں پرنس آف ویلز (PRINCE OF WALES) بھی ہندوستان آیا تھا۔ اس سلسلے میں اقبال لکھتے ہیں:

"یہاں شہزادہ عالی مقام کی آمد آمد ہے۔ فروری کے آخر میں لاہور میں جلوہ افروز ہونگے۔ ان کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

(مکتوب محررہ ۳۰ فروری ۱۹۲۲ء بنام مہاراجہ کشن پرشاد)

یہی وہ زمانہ ہے جب بین الاقوامی سطح پر مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے برطانوی حکومت نے ایک کمیشن قائم کیا تھا اور اقبال کو اس کی رکنیت پیش کی تھی۔ مختلف وجوہ کی بنا پر وہ اسے قبول نہ کر سکے۔

(ملاحظہ ہو مکتوب مورخہ ۹ فروری ۱۹۲۲ء بنام گرامی)

نجی اور ذاتی زندگی میں بھی یہ زمانہ علامہ کے عروج کا تھا۔ ۱۹۲۲ء برطانوی سرکار نے ان کو "سر" کا خطاب عطا کیا۔ اس اعزاز کے بارے میں ۴ جنوری ۱۹۲۲ء کو میر غلام بھیک نیرنگ کو لکھتے ہیں:

"میں آپ کو اس اعزاز کی خود اطلاع دیتا مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں اس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فروتر ہیں۔ رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا ہے سو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی! دنیا کی کوئی بھی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے۔"

بعینہ اسی مضمون کا خط مولانا گرامی کو ۷ فروری ۱۹۲۳ء کو لکھا ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کو ۲۴ جنوری ۱۹۲۳ء کو لکھتے ہیں:

"یہ "اسرار خودی" کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اس پر یورپ اور امریکہ میں متعدد ریویو چھپنے کا نتیجہ ہے۔ دنیوی نقطہ نگاہ سے یہ ایک قسم کی عزت ہے مگر یہ یہ عزت فقط اللہ کے لیے ہے۔"

علامہ اقبال ۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسلیٹیو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ چنانچہ مکتوب مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء میں مہاراجہ کشن پرشاد کو اطلاع دی ہے۔

"اب میں خود بھی اہل لاہور کے اصرار پر پنجاب کونسل کے الکشن میں گرفتار تھا الحمدللہ کہ تین ہزار کی مجارٹی سے کامیاب ہوا۔"

علامہ اقبال کو کبوتر پالنے کا شوق تھا۔ اس کا ذکر کئی خطوط میں ہے۔ ایک مکتوب محررہ ۴ ستمبر ۱۹۱۹ء میں خان محمد نیاز الدین خاں کو مطلع کیا۔

"کبوتروں کے دو جوڑے جو آپ نے بکمال عنایت عطا فرمائے تھے ان میں سے ایک جوڑا انڈے بچے نہیں دیتا۔ انڈے توڑ دیتا ہے دوسرے جوڑے نے بچے دیے ہیں مگر ان میں سے دو جو بہت اچھا اڑتے تھے شکاری جانوروں کا شکار ہو گئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ چند بچوں کے جوڑے اور بھجوائیے۔"

چنانچہ خان نیاز الدین خاں نے کبوتروں کے جوڑے بھیجے:

"جن میں سے ایک کا عدم اور وجود برابر تھا کیونکہ وہ اپنے انڈے توڑ دیتا تھا۔"

مکتوب بتاریخ ۱۰/ اپریل ۱۹۲۰ء میں پھر فرمائش کی کہ:

"دو۲ جوڑے" اگر دو نہیں تو ایک ارسال فرمائیے۔"

۱۱/ مئی ۱۹۲۰ء کے مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں:

"نواب ابراہیم علی خاں صاحب نے کنج پورہ سے چند سفید کبوتر بھیجے ہیں۔ چوں کہ بھیجنے والا بانیِ کعبہ کا ہم نام ہے اس واسطے میں نے ان کبوتروں کو کبوترانِ حرم کا خطاب دیا ہے۔"

ان سیاسی اور سماجی حالات کے علاوہ اقبال ان چند برسوں میں اپنے تخلیقی کاموں میں بھی سرگرم رہے۔ اقبال نے اپنی دو بلند پایہ اور شہرۂ آفاق نظمیں "خضرراہ" (۱۹۲۱ء) اور "طلوع اسلام" (۱۹۲۲ء) اسی زمانے میں لکھیں۔ اقبال کا پہلا مجموعہ کلام اردو "بانگِ درا" (۱۹۲۴ء) میں شائع ہوا۔ یہ زمانہ اقبال کی فارسی شاعری میں بھی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے وہ اپنی فارسی گوئی کے اسلوب کو آب و رنگ دینے میں مشغول نظر آتے ہیں۔ اس کا اندازہ مولانا گرامی کے موسومہ خطوط سے ہو سکتا ہے کہ وہ کس طرح ایک ایک مصرعہ کی نوک پلک سنوارنے کے لیے ان سے مشورے کے طالب ہوتے ہیں۔ تخلیقی عمل کی تیزی اور شدت کا احساس ان کے خطوط پڑھ کر ہوتا ہے۔ وہ مشہور فارسی شعرا کی غزلوں پر غزلیں لکھتے ہیں (مکتوب بتاریخ ۲۶ جون ۱۹۲۲ء بنام مولانا گرامی) گرامی کے اشعار پڑھتے ہیں اور لطف اٹھاتے ہیں۔

"عصیان ما و رحمت پرور دگار ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا سُبحان اللہ۔ گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہئے۔ یہی کمال شاعری ہے جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے۔"

(مکتوب محررہ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۱۹ء بنام خان محمد نیاز الدین خان)

اپنے اشعار مولانا گرامی کو لکھ کر بھیجتے ہیں تاکہ ان کے تاثرات سے مستفید ہوں۔ خان محمد نیاز الدین خاں کو بھی اپنے پسندیدہ اشعار لکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اپنی فارسی شاعری کو مشق و مہارت کی کٹھالی (CRUCIBLE) میں دو آتشہ سہ آتشہ بنا رہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ المانوی شاعر گوئٹے کے "دیوان مغربی" کے مقابلہ میں "پیام مشرق" (۱۹۲۳ء) اسی زمانے میں شائع ہوئی۔ (مکتوب محررہ ۱۹/ مارچ ۱۹۲۳ء بنام مہاراجہ کشن پرشاد) اس کا دوسرا ایڈیشن بھی تیار کر رہے ہیں ۲۹/ جون ۱۹۲۳ء کو سید شاہ نظیر احمد ہاشمی کو لکھتے ہیں :

"ستمبر کے آخر تک مجھے بالکل فرصت نہیں۔ بہت سے کام ہیں جن میں ایک "پیام مشرق" کے دوسرے ایڈیشن کی ترتیب ہے۔"

"زبور عجم" بھی اسی دور میں لکھی گئی چنانچہ ۱۳/ اگست ۱۹۲۲ء کے مکتوب بنام سید محمد سعید الدین جعفری سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت زیر تصنیف تھی اور اس وقت اس کا نام "زبور جدید" سوچا گیا تھا۔ بعد میں یہ "زبور عجم" کے نام سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ (ملاحظہ ہو مکتوب مورخہ ۳۱/ جنوری ۱۹۲۷ء بنام مولانا گرامی) اپنے مکتوب محررہ ۱۸/ ستمبر ۱۹۲۸ء میں تمکین کاظمی کو لکھتے ہیں :

"زبور عجم" پر شوق سے مضمون لکھیے۔"

اس زمانہ کے خطوط پڑھنے سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے کہ گو انھوں نے آتش کی طرح مرصّع سازی کی تو کوشش نہیں کی تاہم خصوصاً فارسی کلام میں انھوں نے کافی

جگر کاوی کی ہے اور فن شعر سازی پر توجہ دی ہے۔ مولانا گرامی کے نام لکھے گئے خطوط کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کو اپنے منفرد اور مخصوص اسلوب میں مہارت پیدا کرنے اور اسے باوقار بنانے کے لیے کن کن ذہنی کاوشوں کا سامنا کرنا پڑا مثلاً ایک خط مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۹ء میں گرامی کو لکھتے ہیں:

"ایں بتر خلیل است، باآزرتوان گفت،
حاضر ہے۔ مگر آپ نے جو مصرعے لگائے ہیں ان سے قلب کو تسکین نہیں ہوتی۔
قلب کچھ اور مانگتا ہے"

یہی مصرعہ مہاراجہ کشن پرشاد کو ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو لکھ کر بھیجتے ہیں۔

"کئی دن سے ایک مصرعہ ذہن میں گردش کر رہا ہے اس پر اشعار لکھیے یا اس پر مصرعہ لگائیے"

وہ الفاظ کے انتخاب کے علاوہ بندش کی چستی اور تراکیب کی ندرت پر بہت توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا گرامی کو اپنے مکتوب محررہ ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء میں لکھتے ہیں:

"الہامی غزل ابھی ختم نہیں ہوئی ...... ایک اور شعر بھی القا ہوا مگر یہ ابھی تمر دیدہ ہے"

وہ فن شاعری سے بھی واقف تھے اور الفاظ کی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنے مکتوب بتاریخ ۳ اپریل ۱۹۱۹ء میں مولانا سید سلیمان ندوی سے بعض الفاظ کے صحیح یا غلط ہونے پر بحث کرتے ہیں۔ کبھی فارسی تراکیب کی سند تلاش کرتے ہیں۔ اور جب مل جاتی ہے تو لکھ بھیجتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مکتوب مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۲۳ء بنام میر خورشید احمد)

"اردو نظموں کا مجموعہ (جو اب "بانگ درا" کے نام سے چھپا) اب تک مرتب نہ ہو سکنے کی ایک وجہ بعض لفظوں پر نظر ثانی کرنا ہے۔ جس کے لیے فرصت نہیں ملتی"

(مکتوب محررہ ۳ اپریل ۱۹۱۹ء بنام سید سلیمان ندوی)

۱۶ / مئی ۲۲ ۱۹ء کے خط میں گرامی کو لکھتے ہیں :

"خضر راہ (۱۹۲۱ء) آپ کو پسند نہیں اور آپ کی رائے میں اس کے تمام اشعار بے لطف ہیں اور بعض غلط .... یہ اعتراض منصور کے لیے شبلی کا پھول ہے۔"

اسی سلسلہ میں ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"خضر راہ میں جوشِ بیان کی کمی ہے کہ یہ نقص اس نظم کے لیے ضروری تھا۔"

(مکتوب مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۲۳ء بنام سید سلیمان ندوی)

"پیامِ مشرق" میں "بوئے گل" پر چند اشعار لکھے تھے آخری شعر تھا :

زندانیے کہ بند ز پایش کشادہ اند
آہے گذاشت است کہ بو نام دادہ اند

اس پر مولوی اسلم جیراجپوری نے اعتراض کیا کہ "گذاشت است" ذوق سلیم کو کھٹکتا ہے چنانچہ مولانا گرامی کو لکھتے ہیں :

"یوں بھی ہو سکتا ہے :

زان نازنین کہ بند ز پایش کشادہ اند
آہے است یادگار کہ بو نام دادہ اند"

(مکتوب مورخہ ۱۰ / اکتوبر ۱۹۲۳ء بنام مولانا گرامی)

اپنے مکتوب محررہ ۹ / فروری ۱۹۲۲ء میں گرامی کو لکھتے ہیں :

"مہربانی کر کے غزل کے تمام اشعار پر اعتراض لکھیے تاکہ میں پورے طور پر مستفید ہو سکوں۔ مجھے تعریف سے اس قدر خوشی نہیں ہوتی جس قدر اعتراض سے۔ کیوں کہ اعتراض اور تنقید سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔"

۳۱ / مارچ ۱۹۱۹ء کو خان محمد نیاز الدین خاں کو لکھا ہے :

"دونوں شعروں کا مضمون لاجواب ہے مگر بندشیں کھٹکتی ہیں۔"

یہاں یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ اقبال کا ارادہ "رامائن" کو اُردو میں ترجمہ کرنے کا تھا۔ چنانچہ اپنے مکتوب محررہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۹ء میں مہاراجہ کشن پرشاد سے مسیحی جہاں گیری کی فارسی منظوم رامائن ان کے کتب خانہ سے چند روز کے لیے عاریتہً طلب کرتے ہیں۔ دو سال بعد مہاراجہ کو لکھتے ہیں:

"زمانے نے مساعدت کی تو "گیتا" کا اُردو ترجمہ کرنے کا قصد ہے۔
فیضی "گیتا" کی روح سے ناآشنا رہا۔"

(مکتوب مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۱ء)

۱۹۲۸ء میں مُسلم ایسوسی ایشن مدراس کی دعوت پر علامہ اقبال نے اسلام پر لیکچر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ لیکچر "فکرِ اسلامی میں تشکیلِ جدید" کے موضوع پر تھے اور انگریزی میں لکھے گئے۔ پہلے تین لیکچر ۱۹۲۸ء کے اواخر میں لکھے گئے اور جنوری ۱۹۲۹ء کے اوایل میں مدراس، میسور اور حیدر آباد میں پڑھے گئے۔ باقی تین لیکچر اس سفر سے واپسی پر چھ سات ماہ کے اندر لکھے گئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی استدعا پر نومبر ۱۹۲۹ء میں وہاں پڑھے گئے۔ ان کے موضوعات تھے۔ (۱) علم اور مذہبی مشاہدات (۲) مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار (۳) ذاتِ الٰہیہ کا تصوّر اور حقیقتِ دُعا (۴) خودی جبر و قدر، حیات بعد الموت (۵) اسلامی ثقافت کی روح (۶) الاجتہاد فی الاسلام۔ ساتواں خطبہ "کیا مذہب کا امکان ہے؟" بعد میں اضافہ کیا گیا۔ یہ خطبات بعد میں

THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM

کے نام سے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئے۔ ان کا اُردو ترجمہ سید نذیر نیازی نے "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے عنوان سے کیا ہے۔ اُسے بزمِ اقبال (اس وقت اقبال اکیڈمی) نے ۵۸-۱۹۵۷ء میں لاہور سے شائع کیا تھا۔ ہندوستان میں یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۸۶ء میں اسلامک بُک سینٹر، کلاں محل، دہلی سے شائع ہوا۔ اسی زمانہ میں علامہ اقبال ان خطبات کی تیاری میں مصروف

تھے چنانچہ ان خطبات کے مباحث پر متعدد خطوط اس جلد میں ملاحظہ سے گذریں گے۔ وہ خاص طور پر مسئلہ زمان و مکان پر اسلامی فکر کی روشنی میں مطالعہ کر رہے تھے جو آئن اسٹائین کے نظریہ اضافت کی اشاعت کے بعد سائنس کی دُنیا میں ایک اہم موضوع بن کر ابھرا تھا۔ اور اس موضوع سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ وہ مولانا سیّد سلیمان ندوی سے حکماے اسلام کے نظریۂ حقیقتِ زمان پر بحث کے متعلق استفسار کرتے ہیں (ملاحظہ ہو مکتوب مورخہ ۷ / مارچ ۱۹۲۸ء) چنانچہ عراقی کے "تذکرے" کے لیے براؤن کی "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" ڈاکٹر عبداللہ چغتائی سے منگاتے ہیں۔ (مکتوب بلا تاریخ ۱۹۲۷ء)

اسرار خودی کی طباعت (۱۹۱۵ء) کے بعد اقبال کے فلسفۂ خودی کی مخالفت اور موافقت میں بحث شروع ہو گئی اور عرصہ تک چلتی رہی۔ جب انگریزی نقادوں نے انسانِ کامل، خدا اور الوہیت اور فلسفۂ سخت کوشی پر تنقید کی تو علاّمہ نے اپنے مکتوب محررہ ۲۴ / جنوری ۱۹۲۱ء بنام ڈاکٹر نکلسن (مترجم "اسرار خودی") میں ان موضوعات پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ خط علاّمہ کی شاعری اور فلسفہ کو سمجھنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

رسالہ "الناظر" (لکھنؤ) میں اسرار خودی پر حافظ محمد اسلم جیراجپوری کا تبصرہ شائع ہوا تو حافظ کے اشعار حذف کر دینے کی وجہ کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے نام ایک مکتوب محررہ ۱۷ / مئی ۱۹۱۹ء میں لکھا:

"تصوّف جب فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظامِ عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔"

"اسرار خودی ..." کے ترجمہ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

"نکلسن نے جو دیباچہ لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ یورپ میں پڑھے لکھے آدمیوں میں امید نہیں کہ یہ کتاب مقبول ہو۔"

(مکتوب مورخہ ۱۱ر جنوری ۱۹۲۱ء بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

اسی دوران بمبئی سے کسی عرب نے خط لکھا کہ وہ ''اسرار خودی''، کو عربی میں ترجمہ کرانا چاہتا ہے۔ علامہ نے اجازت دے دی۔

(مکتوب مورخہ ۱۳ر اپریل ۱۹۲۲ء بنام مولانا گرامی)

ایک طرف خطوط کی افادیت کا اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ حاجی محمد احمد خان سیتاپور کو اپنے خط محررہ ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء میں لکھتے ہیں:

''شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اس کے کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجے کے شعراء کے خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے''

دوسری طرف خان محمد نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں:

''مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا کہ آپ میرے خطوط محفوظ رکھتے ہیں۔ خطوط ہمیشہ عجلت میں لکھے جاتے ہیں اور ان کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔ عدیم الفرصتی تحریر میں ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں۔ مگر اشاعت ان کی نظر ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیئے''

''کلیات مکاتیب اقبال''، کی جلد اول کے بعد اب تک اقبال کے خطوط کا کوئی نیا مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا۔ عبدالرؤف عروج کی کتاب ''اقبال کے غیر مدون خطوط'' (ناشر نفیس اکیڈمی۔ کراچی) مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر صابر کلوروی صاحب کا نیا مجموعہ مکاتیب ابھی اشاعت پذیر نہیں ہوا۔ اس میں بقول ان کے پونے دو سو غیر مدون خطوط شامل ہیں۔ سنا ہے کہ جناب فرید الحق صاحب (کراچی) مصنف ''اقبال۔ جہان دیگر''، کی تحویل میں ۵۵ مکاتیب اقبال ہیں۔ میں نے ان سے بار بار رجوع کیا لیکن جواب سے محروم رہا۔ اب انھوں نے ایک نئے مجموعہ خطوط بنام ''کشور اقبال''، کا اشتہار دیا ہے مگر میرے علم میں نہیں کہ یہ کتاب شائع ہوئی ہے یا نہیں۔ پاکستان سے کتابوں کی درآمد آج بھی ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ وہاں کے دوستوں کا کرم ہے کہ ان کے تعاون سے بعض کتابیں حاصل ہوتی رہتی ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ حواشی لکھنے میں جن حضرات سے بطورِ خاص مدد ملی ہے ان میں جناب مالک رام صاحب پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، ڈاکٹر ٹی۔ آر۔ سرین۔ ڈائرکٹر انڈین کاؤنسل آف ہسٹوریکل ریسرچ، نئی دہلی، پروفیسر آل احمد سرور صاحب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب، پروفیسر عبدالودود اظہر صاحب صاحبزادہ شوکت علی خاں صاحب، ڈائرکٹر مولانا آزاد عربک اینڈ پرشین ریسرچ لائبریری، ٹونک (راجستھان، بھارت) جناب میر عابد علی خاں صاحب، مدیر اعلیٰ، روزنامہ "سیاست"، حیدرآباد، دکن، پروفیسر عبدالرحمٰن مومن صاحب، صدر شعبہ عمرانیات، بمبئی یونیورسٹی اور ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کا تہ دل سے ممنون ہوں۔

محبِ مکرم ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں کہ اس کتاب کی ترتیب و تالیف کا دشوار کام ان کے بھرپور تعاون، ہر ممکن امداد اور گرانقدر مشوروں کے باعث بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ جس کے لیے میں ان کا تاحیات رہینِ منّت رہوں گا۔

جناب سید راشد حسین صاحب میرے لٹریری اسسٹنٹ کی حیثیت سے قابلِ قدر کام کرتے رہے۔ ان کی بے پناہ محنت، انتھک لگن مستعدی اور احساسِ ذمہ داری کا نتیجہ ہے کہ یہ تالیف بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ڈاکٹر تنویر احمد خاں صاحب نے عکسِ نقول سے مکاتیب کا موازنہ نہایت دیدہ ریزی اور محنت شاقہ سے کیا۔ دوسری جلد میں جناب ریحان عبّاسی اور اقبال عباسی صاحب نے بہت توجہ اور ذمہ داری کے ساتھ کام کیا۔ میں ان سب حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اردو اکادمی دہلی اور اس کے اربابِ حل و عقد بھی دلی اور پُرخلوص شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس کے سابق سکریٹری جناب سید شریف الحسن نقوی نے اس جلد کی تکمیل و طباعت میں بھی پورا پورا تعاون کیا۔ میں ان کا سدا احسان مند رہوں گا۔

مجھے امید ہے کہ اب نئے سکریٹری پروفیسر اشتیاق عابدی صاحب سے بھی تعاون حاصل ہوتا رہے گا کہ اگلی دو جلدیں بھی طباعت و اشاعت کے لیے تیار رہیں۔

سید مظفر حسین برنی

۸- لودی اسٹیٹ،
نئی دہلی-۱۱۰۰۰۳
۳۰/جون ۱۹۹۱ء

سیّد شوکت حسین کے نام[1]

لاہور

۳ر جنوری ۱۹۱۹ء[2]

سر[3]

اخبار بھیجنے کا شکریہ۔ چند دن پہلے میں اسے دیکھ چکا تھا۔ میرے خیال میں یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کا جواب دیا جائے۔ یہ نظم بیس برس پہلے لکھی گئی تھی اور مجھے معلوم نہیں کہ اسے کس نے شائع کرایا ہے۔ اشاعت سے پہلے اگر مجھ سے اجازت لے لی جاتی تو مناسب ہوتا مگر اس ملک میں ادبی اخلاقیات مفقود ہیں۔ مصنّف کا ذہن اور زاویۂ نگاہ مسلسل تغیّر پذیر رہتے ہیں مگر مصنّف کو کوئی بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ باوجود اس کے کہ یہ نظم میری ابتدائی کاوشوں میں سے ہے تاہم چند اعتراضات طباعت کی غلطیوں پر مبنی ہیں جن کی ذمہ داری مجھ پر عاید نہیں ہو سکتی۔ بہر حال حضرتِ ناقد نظم کی اصل خامیوں کو دیکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ شاعری محض محاورات اور اظہارِ بیان کی صحت سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے۔ میرے معیارِ تنقید نگاروں کے ادبی معیاروں سے مختلف ہیں۔ میرے کلام میں شاعری محض ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے قطعاً یہ خواہش نہیں کہ دورِ حاضر کے شعراء میں میرا بھی شمار ہو۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور

(انگریزی سے) (خطوطِ اقبال)

---

[1] سیّد شوکت حسین ابتدائی عمر ہی سے، علامہ اقبالؔ کے مدّاح تھے۔ وہ انٹرمیڈیٹ میں پڑھتے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

تھے کہ ایک دفعہ "اودھ پنچ" میں اقبال کی غزل پر تنقید شائع ہوئی جس کا مقطع ہے ؎

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
نو گرفتار پھڑکتا ہے تہِ دام ابھی

شوکت صاحب نے "اودھ پنچ" کا تراشہ علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجا اور تنقید کے بارے میں ان کا تاثر دریافت کیا (اوراق گم گشتہ، ص ۱۵۲) جواباً اقبال نے مندرجہ بالا خط روانہ کیا۔

۱ہ پہلی بار اس خط کا اردو ترجمہ "اقبالنامہ" حصہ دوم (ص ۲۵۳-۲۵۴) میں شائع ہوا۔ اس میں سن ۱۹۲۶ء درست نہیں۔ خط کی صحیح تاریخ تحریر ۳ جنوری ۱۹۱۹ء ہے۔ اصل انگریزی متن میں YOURS TRULY کے الفاظ ہیں جن کا اردو ترجمہ شیخ عطاء اللہ نے "نیاز مند" کیا جو سیاق و سباق میں درست نہیں۔

دوسری بار اس کا ترجمہ عابد نظامی صاحب نے اپنے مضمون "علامہ اقبال کا ایک گمنام ممدوح" میں چٹان ۲۱ جون ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔

۳ہ تیسری بار اس کا عکس اور متن پروفیسر رحیم بخش شاہین نے "اسلامک ایجوکیشن" کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ خط کے عکس میں القاب محض SIR ہے لیکن متن میں DEAR SIR لکھا ہے جو درست نہیں۔

چوتھی بار اس کا اردو ترجمہ "چٹان" کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۵۳) میں نقل کیا گیا (اس میں THE PAPER کا ترجمہ "اخباری تراشہ" محل نظر ہے)۔

(رفیع الدین ہاشمی)

سید شوکت حسین کے نام[1]

لاہور

۶ / جنوری ۱۹۱۹ء

جنابِ من!

آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے نظم کا ابتدائی مطبوعہ متن ڈھونڈ نکالا ہے[2]، میرے پاس اصل مسودے کی نقل بھی موجود نہیں، نظم خامیوں سے بَری نہیں مگر اب اس طرف توجہ کے لیے مجھے فرصت نہیں۔ کسی پرانی نظم کو ٹھیک کر کے نئے سانچے میں ڈھالنے کی نسبت نئی نظم کہہ لینا کہیں زیادہ آسان ہے۔ بہرحال نظم کی خامیاں نفسیاتی ہیں اور بعض مقامات پر خامیوں کا تعلق اظہارِ بیان سے ہے۔ لکھنوی ناقدوں کو ابھی تنقید کے اصول سیکھنے کی ضرورت ہے۔ تاہم مجھے خوشی ہے کہ آپ کو اس معاملے میں اطمینان ہو گیا۔

رہی پوچھنے کی زحمت، تو آپ نے مجھے کوئی زحمت نہیں دی۔

آپ کا

محمد اقبال

(انگریزی سے) (خطوطِ اقبال)

---

[1] ۱۔ پہلی بار اس خط کا اُردو ترجمہ اقبال نامہ حصہ دوم (ص ۲۵۴-۲۵۵) میں شائع ہوا۔ اس ترجمہ میں کئی خامیاں ہیں مثلاً

(الف) : LUCKNOW CRITICS کا ترجمہ ہندوستانی ناقدین کیا گیا ہے۔

(ب) : آخری پورے انگریزی جملے کا ترجمہ رہ گیا ہے۔

(ج) : آخر میں YOURS ETC. کا اُردو ترجمہ بھی نہیں دیا گیا ہے۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

۲۔ دوسری بار اس کا اُردو ترجمہ عابد نظامی صاحب نے اپنے مضمون مطبوعہ چٹان ۲۱ جون ۱۹۷۱ء میں نقل کیا ہے۔ یہ ترجمہ مکمل ہے۔

۳۔ تیسری بار خط کا عکس اور متن رحیم بخش شاہین نے "اسلامک ایجوکیشن" کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ اس متن کے آخر میں "محمد اقبال" کے بعد لفظ "لاہور" زائد لکھا گیا ہے۔

۴۔ چوتھی بار اس کا اُردو ترجمہ چٹان کے حوالے سے "اوراق گم گشتہ" (ص ۵۴) میں شائع کیا گیا۔ اس ترجمے میں بھی LUCKNOW CRITICS کا ترجمہ "ہندوستانی نقادوں" کیا گیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اقبال کی اپنی تحریر میں خط کا آخری جملہ اس طرح ہے

AS TO WRONG YOU HAVE DONE ME NOTHING OF THE KIND.

پروفیسر شاہین نے اسے AS TO ASKING YOU HAVE DONE ME NOTHING OF THE KIND پڑھا ہے مگر اس طرح یہ جملہ بے معنی ہے۔ اگر اسے AS TO DIS-REGARD YOU HAVE DONE ME NOTHING OF THE KIND پڑھا جائے تب یہ بامعنی بنتا ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

ہاشمی صاحب نے DISREGARD کو سہواً DISREG لکھ دیا ہے۔ اس سے بھی جملہ بے معنی رہتا ہے۔ اس لیے اغلب یہ ہے کہ بشیر احمد ڈار کی کتاب LETTERS OF IQBAL جس میں اس جملے کو اس طرح لکھا گیا ہے:

AS TO WRONG YOU HAVE DONE ME NOTHING OF THE KIND صحیح اور بامعنی معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

۵۔ اس خط میں جس "نظم" کا حوالہ ہے اس کی شناخت میں کچھ خلط مبحث ہوگیا ہے۔ رفیع الدین ہاشمی نے (خطوطِ اقبال: ۱۳۲) میں اس غزل کی نشان دہی کی ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی

مگر عبداللہ قریشی نے (معاصرینِ اقبال کی نظر میں: ۳۷۹) کے حوالے سے بحرِ طویل کی ایک یہ نعت درج کی ہے:

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنّت میں دل نہ بہلا
تسلّیاں دے رہی ہیں حوریں، خوشامدوں سے منا منا کر
بہارِ جنّت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینے سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر
لحد میں سوئے ہیں تیرے شیدا تو حورِ جنّت کو اسمیں کیا ہے
کہ شورِ محشر کو بھیجتی ہے خبر نہیں کیا سِکھا سکھا کر
تری جدائی میں خاک ہونا اثر دکھاتا ہے کیمیا کا
دیارِ یثرب میں آ ہی پہنچے صبا کی موجوں میں مل ملا کر
شہیدِ عشقِ نبیؐ کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی، ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر
رکھی ہوئی کام آ ہی جاتی ہے جنسِ عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے درِ شفاعت دکھا دکھا کر
ترے ثنا گر عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر
کرے کوئی کیا کہ تاڑ لیتی ہے لاکھ پردوں میں بھی شفاعت
رکھے تھے ہم نے گناہ اپنے ترے غضب سے چھپا چھپا کر
بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم، یہ گلستانِ عرب کی بُو ہے
مگر نہ اب ہاتھ لا ادھر کو، وہیں سے لائی ہے تو اُڑا کر
تری جدائی میں مرنے والے ننا کے تیروں سے بے خطر ہیں
اجل کی ہم نے ہنسی اُڑائی، اسے بھی مارا ٹھٹھا کر
ہنسی بھی کچھ کچھ نکل رہی تھی، مجھے بھی محشر میں تاکتی ہے
کہیں شفاعت نہ لے گئی ہو مری کتابِ عمل اُٹھا کر

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

اُڑا کے لائی ہے اے صبا تو، جو بُو کسی زلفِ عنبریں کی
ہمیں سے اچھی نہیں یہ باتیں، خدا کی رہ میں بھی کچھ دیا کر

یہ پردہ داری تو پردہ در ہے مگر شفاعت کا آسرا ہے
دبک کے محشر میں بیٹھ جاتا ہوں، دامنِ تر میں منہ چھپا کر

شہیدِ عشقِ نبی ہوں، میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی
اُٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

جسے محبت کا درد کہتے ہیں، مایۂ زندگی ہے مجھ کو
یہ درد وہ ہے کہ میں نے رکھا ہے دل میں اس کو چھپا چھپا کر

خیالِ راہِ عدم سے اقبال تیرے در پر ہُوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

محمد عبداللہ قریشی — معاصرین اقبال کی نظر میں
ص ۳۷۲ — ۳۸۹

ہاشمی صاحب اور قریشی صاحب کے بیانوں کی روشنی میں قطعی فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا ہے، اس لیے کہ انگریزی خط کے ترجمہ میں لفظ "نظم"، استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بحث اقبال کے کلام پر 'اودھ پنچ' میں شروع ہوئی تھی۔ سید شوکت حسین نے 'اودھ پنچ' کا تراشہ اقبال کی خدمت میں بھیج کر اُن کی رائے دریافت کی تھی۔

(مرتب)

خان محمّد نیاز الدّین خاںؒ کے نام

لاہور ۲۸؍ جنوری ۱۹۱۹ء

ڈیر خان صاحب! السّلام علیکم

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مارچ میں آپ لاہور تشریف لاویں تو مولوی گرامی صاحب کو بھی ہمراہ لائیں، وہ ایک مدّت سے وعدہ کر رہے ہیں مگر کبھی ایفا نہیں کرتے — کیا خوب! آپ نے سنا کہ اقبال نے وکالت چھوڑ دی شاید یہ بھی کسی نے کہا ہو کہ کسی جنگل میں کُٹیا بنالی ہے اور ہاؤ ہو کے نعرے بلند کر رہا ہے! بہرحال روزی کے لیے سب ڈھنگ ہیں، بیرسٹری چھوڑے گا تو کوئی اور ڈھنگ اختیار کرنا ہوگا۔ کسی نے خوب گپ اُڑائی ہے معلوم نہیں اس کا مقصد اس خرافات سے کیا تھا؟

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں، امّید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خان کے نام

لاہور ۵۔ فروری ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

الحمد للہ کہ گرامی صاحب بستی میں تشریف لائے اور آپ کی آرزو پوری ہوئی۔ کاش میں بھی وہاں موجود ہوتا اور ان کے "تازہ افکار" سے بہرہ اندوز ہو کر لذتِ روحانی حاصل کرتا۔ آخر فروری یا ابتدائے مارچ میں دہلی جانے کا قصد ہے ذوالفقار علی خاں صاحب سے اس کا وعدہ ہو چکا ہے لاہور سے دہلی جاتے ہوئے یا وہاں سے واپس آتے ہوئے انشاء اللہ جالندھر ٹھہروں گا اور آپ سے اور گرامی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔ ہاں گرامی صاحب نے مصرع خوب لگایا ہے۔ مسلمان کے پاس سوائے خدا کے اور کیا ہے انشاء اللہ اس کا حال عنقریب روشن ہو جائے گا۔ آپ نے سنا ہے: الیس اللہ بکاف عبدہ (کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟) زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ مولینا گرامی کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ یہ شعر بھی ان کی خدمت میں پیش کیجیے، اور میری طرف سے عرض کیجیے کہ بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیں:

ضبط از دل من بُرد و فرو ریخت بجانم
آں نکتہ کہ با مومن و کافر نتواں گفت[1]

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] ترجمہ: اُس نکتے نے جو مومن و کافر سے کہا نہیں جا سکتا، صبر و ضبط میرے دل سے چھین لیا ہے اور میری جان میں ڈال دیا ہے (یعنی دل بے صبر ہے اور جان گراں ہے)

ڈاکٹر محمد حسین کے نام

لاہور ۷، فروری سنہ ۱۵ء

مخدومی شاہ صاحب، السلام علیکم

دل میں درد ہو تو اس کے اظہار کا بہترین طریق شعر ہے، بھائی کے فراق نے آخر آپ کو شاعر بنا دیا مگر جو اشعار آپ نے کہے ہیں، وہ سنگِ مزار کے لیے موزوں نہیں۔ میں قطعۂ تاریخ عرض کرتا ہوں اُسے مزار پر کندہ کرائیے۔ مادۂ تاریخ الہامی ہے۔

والسلام، محمد اقبال

قطعۂ تاریخ [1]

سیدِ والا نسب نادر حسین
در رہِ صدق و صفا جولانگرے

چوں جدِ خود از جہاں مظلوم رفت
آں گروہِ صادقاں را سرورے

گفت ہاتف مصرعِ سالِ رحیل
کُشت سید را یزیدے کافرے

۱۳۳۷ھ

(عکس ۱)

---

[1] ترجمہ: عالی نسب سید نادر حسین جو صدق و صفا کی راہ میں سرگرم تھے
اپنے جدِ امجد کی طرح اس دنیا سے مظلوم گئے وہ جو گروہ صادقاں کے سردار تھے
ہاتف نے اُن کی رحلت کا مصرعِ تاریخ یوں کہا "کُشت سید را یزیدے کافرے"
(ایک کافر یزید نے سید کو مار ڈالا)

خان محمد نیاز الدین خاںؒ کے نام

لاہور ۱۱ فروری ۱۹۱۹ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
والا نامہ مل گیا ہے۔ گرامی صاحب، اُمید ہے، بخیریت ہوں گے۔
آپ کے دوسرے مصرع میں ایک بہت بڑے شاعر سے توارد ہوگیا۔ ان کا شعر ہے:

آں چیز[۱] کہ در سینہ نہان است نہ وعظ است
بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

مگر مصرع جو قابل مصرع لگانے کے ہے یہ ہے

ایں سرِ خلیل است باآذر نتواں گفت[۲]

گرامی صاحب کی خدمت میں پیش کیجئے۔ یہ مصرع کارڈ ہذا لکھتے ہوئے خیال میں آیا، مگر دوسرے مصرع کے لیے فکر کرنے کی فرصت نہیں۔ فرصت کے اوقات میں انشاءاللہ فکر کروں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام۔

مخلص
محمدؐ اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[۱] اصل شعر میں چیز کی جگہ راز ہے (وہ راز جو سینے میں چھپا ہوا ہے وعظ نہیں ہے، اُسے دار پر بیان کیا جا سکتا ہے، منبر پر نہیں) (کلیات غالبؔ فارسی)

[۲] یہ خلیل (ابراہیمؑ) کا راز ہے اسے آزر (بُت گر) سے بیان نہیں کر سکتے۔

خان محمّد نیاز الدّین خاں کے نام

لاہور، ۱۴؍ فروری ۱۹۱۹ء

مخدومی! السّلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا تھا، اُمید کہ پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گذرا ہوگا۔

مولانا گرامی کے اشعار جواہر ریزے ہیں! سبحان اللہ! ان کی خدمت میں عرض کیجیے کہ برائے خدا غزل پوری کریں۔ آپ کے اشعار سے مجھے تعجب ہوا۔ معلوم نہ تھا کہ آپ چھپے رستم ہیں۔ کیوں نہ ہو، آخر مولانا گرامی کے ہم وطن ہیں۔

وافر اور ظاہر قوافی اس غزل میں درست نہیں۔ آپ نے شاید کافر بکسر فا کا خیال کیا ہوگا، مگر غزل میں کافر بفتح فا ہے اور یہ لفظ بفتح فا بھی اساتذہ نے لکھا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ کیا اچھا ہو، مولینا گرامی ہفتہ دو ہفتہ کے لیے لاہور آجائیں اور یہاں سے اکٹھے دہلی چلیں۔ کل حکیم محمد اجمل خاں صاحب بھی آنے والے ہیں۔ ذوالفقار علی خاں صاحب کے ہاں ان کا قیام ہوگا۔

والسّلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور

۱۶ فروری ۱۹ء

"ڈیر مولانا گرامی! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والانامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

مصرع " ایں سرِ خلیل است " الخ حاضر ہے۔ تصرف بے جا کی کون سی بات ہے آپ کا مال ہے مگر آپ نے جو مصرعے لگائے ہیں ان سے قلب کو تسکین نہیں ہوئی۔ قلب کچھ اور مانگتا ہے اور معلوم نہیں کیا؟ چند اشعار خان نیاز الدین خاں صاحب کے خط میں تھے۔ غزل پوری کر کے ارسال فرمائیے۔ پھر ایک ہی دفعہ داد دوں گا۔" باسوختگاں قصہ زکوثر نتواں گفت " خوب مصرع ہے[1]۔ اقبال بھی غزل ضرور لکھے گا مگر گرامی کی لطافت اور حلاوت کہاں سے لائے گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ عجیب و غریب مضامین خیال میں آرہے ہیں مگر ان کی تکمیل کے لیے فرصت اور وقت کہاں سے آئے گا۔ گذشتہ شب سے بارش ہو رہی ہے۔ سردی پھر عود کر آئی ہے۔ والسلام!

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] اس خط میں گرامی کے جن اشعار کی داد دی گئی ہے، وہ یہ ہیں:

با دل شدگاں قصہ زمحشر نتواں کرد

با سوختگاں حرف زکوثر نتواں گفت

آں رمز جلیل است ابوجہل چہ فہمد

آں سرِ خلیل است بآذر نتواں گفت

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۰۷۹

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۱ر فروری ۱۹ء

سرکار والا تبار تسلیم

تار مرسلہ سرکار عالی آج صبح ملا۔ سیتا رام صاحب سے میں پہلے آشنا نہ تھا نہ ان کا نام بحیثیت ایڈیٹر کے کبھی سُنا تھا۔ لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر اخبار دیش کو بلوا کر ابھی دریافت کیا ہے۔ ان کو بھی کوئی حالات سیتا رام صاحب کے معلوم نہ تھے اور نہ انھوں نے پیشتر اس کے ان کا نام کبھی سُنا تھا۔ مگر تحقیق سے جو کچھ ان کو معلوم ہوا عرض کرتا ہوں۔

(حاشیہ، گزشتہ سے پیوستہ)

یہ شعر بھی اسی غزل کا ہے:

در دیدۂ معنی نگہاں حضرت اقبال
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

(دیوان گرامی صفحہ ۳۰-۳۱)

ترجمہ:

۱۔ دل باختہ لوگوں سے حشر کا قصہ نہیں کہہ سکتے،
جو جل بھُن گئے ہیں ان سے نہر کوثر کا ذکر نہیں ہو سکتا۔

۲۔ وہ ایک بھاری راز ہے اُسے ابوجہل کیا سمجھے گا
وہ ابراہیم خلیل اللہ کا راز ہے آذر سے نہیں کہا جا سکتا۔

۳۔ معنی پر نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں حضرت اقبال نے پیغمبری کی ہے مگر انھیں پیغمبر نہیں کہہ سکتے۔

لالہ سیتا رام صاحب ایف - اے تک تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ایف - اے کا امتحان پاس نہیں کیا - کھتری پترکا نام سے ایک اخبار نکالنے کا قصد رکھتے ہیں۔ ابھی تک یہ اخبار نکلا نہیں ہے - لالہ کانشی رام ایڈیٹر اخبار بلاٹن[1] ان کے رشتہ دار ہیں اور ان کے ایک بھائی انت رام بیرسٹر ہیں جن سے میں واقف نہیں ہوں باقی ان کے پرائیویٹ کیریکٹر و وسائل کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

اگر مزید تحقیقات کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمایئے اور تحقیق کی جائے گی۔ بندے کی خدمات سرکار عالی کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے ۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا - یہاں کے حالات بدستور ہیں - والسلام۔

مخلص

تار کا جواب عرض کر چکا ہوں۔ محمدؐ اقبال

(عکس) (شاد اقبال)

شیخ نور محمدؒ کے نام

قبلہ وکعبہ ام السلام علیکم

آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ گھر میں سب طرح خیریت ہے - میں دہلی ۲۸ ، فروری کو غالباً جاؤں گا اور وہاں سے دو چار روز بعد واپس آجاؤں گا۔ آپ ابھی آجاتے تو یہاں بھی میری عدم موجودگی میں رونق ہو جاتی - اگر آپ تحریر فرمادیں تو میں اعجاز یا علی بخش کو سیالکوٹ بھیج دوں کہ آپ کو ہمراہ لے آئے اور اگر ماہ مارچ میں آنے کی صلاح ٹھہری تو مضائقہ نہیں اس وقت علی بخش یا اعجاز کو بھیج دیا جائے گا اعجاز تو امتحان میں مصروف ہوگا علی بخش کو بھیج دیا جائے گا - باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے - یہ سُن کر خوشی ہوئی

---

[1] BULLETIN

کہ بھاوج صاحبہ کو اب بالکل آرام ہے۔ بھائی صاحب کا خط بھی آج آیا تھا وہ بھی بفضلِ خدا خیریت سے ہیں۔

والسلام۔

محمدؐ اقبال لاہور ۲۲ ؍ فروری ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

محمدؐ دین فوق کے نام

ڈیر فوقؔ السلام علیکم۔

ایک کاپی اس نظم کی مجھے بھی ارسال کیجئے جو میں نے آپ کو 'نظام' میں شائع کرنے کے لیے بھیجی تھی۔ اس کا مسودہ بھی میرے پاس موجود نہیں[1]۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

۲۵ ؍ فروری ۱۹ء

(انوارِ اقبال) (عکس)

---

[1] "نظام" کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا تھا اس میں اقبالؔ کی مندرجہ ذیل نظم شائع ہوئی تھی۔

مکافاتِ عمل

ہر عمل کے لیے ہے ردِّ عمل	دہر میں نیش کا جواب ہے نیش
شیر سے آسمان لیتا ہے	انتقام غزال و اشتر و میش
سرگزشتِ جہاں کا سرِّ خفی	کہہ گیا ہے کوئی نکو اندیش
شمع پروانہ را بسوخت ولے	زود بریاں شود بہ روغن خویش

ترجمہ: (شمع نے پروانے کو جلا تو دیا ہے مگر جلد ہی وہ اپنے تیل میں خود بھی جل جائے گی)۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور

۲۶ ، فروری ۱۹۱۹ء

سرکارِ عالی تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے اقبالؔ سراپا سپاس ہے اس سے پہلے سرکار کا جو نوازش نامہ آیا تھا اس کا جواب بھی عرض کر دیا تھا مگر نہ معلوم سرکار تک کیوں نہ پہنچا۔ تار کا جواب بھی عرض کر دیا تھا۔ اور بعد میں ایک مفصل عریضہ بھی سیتا رام صاحب کے متعلق لکھ دیا تھا خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھا ہوں اور شادؔ کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں۔ دل تو ملاقاتِ شادؔ کے لیے تڑپتا ہے مگر حالات پر نہ شاد کو قدرت ہے نہ اقبالؔ کو۔ امور کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں زمین پر محض ان کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ دیکھیں اس امر کے فیصلے کا اشتہار کب ہوتا ہے۔

۲۸ ، فروری کو دہلی جانے کا قصد ہے۔ وہاں سے ممکن ہوا تو سرکارِ خواجہ میں بھی حاضر ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ خواجہ حسن نظامی اگر رفیقِ راہ ہو گئے تو کیا عجب کہ

"دلِ بیتاب جا پہونچے دیارِ پیرِ سنجر میں
میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی"

امیر حبیب اللہ والئ افغانستان کی خبر آپ نے سن لی ہو گی۔ جلال آباد میں کسی نے انھیں قتل کر دیا۔ لاہور میں تو یہ خبر پرسوں سے مشہور تھی۔ کل اخبارات میں اس کا اعلان ہوا۔ بطنِ گیتی میں بھی نہ معلوم کیا کیا حوادث پوشیدہ ہیں۔ مرزا غالبؔ خوب کہہ گئے

اے سبزۂ سپردہ از جورِ پا چہ نالی
در کیشِ روزگاراں کس خوں بہا ندارد[1]

---

[1] ترجمہ اگلے صفحہ پر

زیادہ کیا عرض کروں ۔ دعا کرتا ہوں ۔ اُمید کہ سرکارِ عالی کا مزاج بمع جمیع لواحقین و متوسلین بخیر ہو گا ۔ والسّلام ۔

مخلص قدیم محمدؐ اقبال

(عکس) (شاد اقبال)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی السّلام علیکم[1]

خط ملا الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔

میں ابھی تک علیل ہوں کسی قدر افاقہ ضرور ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذلک ، دو چار روز میں دہلی جانے کا قصد ہے کہ حکیم صاحب اور ڈاکٹر انصاری سے مشورہ کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا ۔

بھائی صاحب سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے۔ والد مکرم ابھی یہیں ہیں اور سلام کہتے ہیں۔ علی بخش کے پھوڑے کا آپریشن کرا دیا تھا۔ اب بالکل اچھا ہے گو کسی قدر کمزور ہے۔ والسّلام ۔

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترجمہ : اے راستے کے سبزے تو قدموں کے ظلم کی کیا شکایت کرتا ہے اس دنیا کا رواج یہ ہے کہ پھولوں کا خوں بہا نہیں ہوتا ۔

[1] یہ خط غالباً فروری یا مارچ ۱۹۱۹ء کا ہے ۔

خان محمد نیاز الدین خاںؒ کے نام

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ دہلی گیا تھا، مگر جو دن جالندھر کے لیے رکھا تھا وہ وہیں دہلی نے لے لیا ۔ حکیم صاحب نے باصرار ٹھہرالیا۔ اس واسطے آپ کی خدمت میں نہ ٹھہر سکا کہ ۷ مارچ کو کچہری میں کام تھا ۔ انشاء اللہ آپ سے جلد ملاقات ہوگی ۔ گرامی کی صحبت نیاز کو نظامی بنا ڈالے گی ۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ گرامی صاحب کی تپ کوئی نہیں بات نہیں ۔ شاعروں کو قدرتی تپ ہوتی ہے ۔

والسلام

محمدؐ اقبال، لاہور

۱۳، مارچ ۱۹۱۹ء

(مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۶، مارچ ۱۹۱۹ء

جناب مولانا گرامی السلام علیکم

کیا خوب! گرامی تو اقبال کو پورا سال ٹالتا رہے اور اقبال ایک ہی خط سے آجائے یہ کیونکر ممکن ہے اصل بات یہ ہے کہ شاعر جس قدر بلند نظر ہوگا اس قدر سادہ دل بھی ہوگا ۔ حضرت یہ توقع آپ کی مبنی بر انصاف نہیں ۔ پہلے آپ لاہور تشریف لائیں، پھر اقبال بھی جالندھر آئے گا

نیاز الدین خاں صاحب کا خط مجھے بھی آیا تھا آپ نے تو ان کو شاعر بنا دیا ۔ واقع میں اوروں کی انتہا اُن کی ابتدا ہے ۔ کل کسی ہندو فارسی شاعر کا ایک شعر نظر سے

گذرا کیا لطیف و نازک مضمون پیدا کیا ہے

"بسکہ بے روئے تو در پرواز رنگ گلشن است[۱]

رشتۂ نظارہ بندد بر ہوا گلدستہ را"

دہلی میں نواب صاحب لوہارو سے ملاقات ہوئی تھی وہ آپ کے بڑے مداح ہیں۔ مجھ سے بھی شعر کی فرمائش کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے شعر پڑھنا سوء ادب ہے۔

بہرحال کچھ نہ کچھ اشعار انہیں سنانے پڑے۔ تعجب ہے کہ لوگ مجھے شاعر سمجھ کر مجھ سے شعر کی فرمائش کرتے ہیں حالانکہ مجھے شاعری سے کچھ سروکار نہیں۔ آپ کی غزل لاجواب ہے: "عشوہ[۲] مفروش کہ محمود غلام است اینجا" للہ درک۔ گرامی خود بوڑھا مگر اس کا فن جوان ہے۔

جب پیر ہو گئے ہیں تو یہ فن جواں ہوا

"آفتاب لب بام" بھی خوب نکلا۔ لیکن "خام" ابھی باقی ہے۔ اس پر ضرور لکھیے۔ زیادہ کیا تحریر کروں۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

خان صاحبان نیاز الدین خاں و امیر الدین خاں کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

(عکس نامکمل) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

۱۔ ترجمہ: ترے موجود نہ ہونے سے گلشن کا رنگ اڑا جا رہا ہے

تارِ نظر سے ہوا میں گلدستے سے بندھ رہے ہیں!

۲۔ جن اشعار کی طرف اس خط میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ گرامی کی اس غزل کا مطلع اور مقطع ہیں، جو دیوان گرامی میں موجود ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

۲۱ مارچ ۱۹۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ الحمد للہ کہ مولانا گرامی اور آپ مع الخیر ہیں۔

دونوں شعروں کا مضمون لاجواب ہے، مگر بندش کھٹکتی ہے۔ پہلے شعر میں "ناقہ نشیں" کھٹکتا ہے اور "ایں جا" حشو معلوم ہوتا ہے۔ اگر پہلا مصرع یوں ہوتا "قیس می گفت کہ از جام بلوریں رستم" تو غالباً "اینجا" کی حشویت کسی قدر کم ہو جاتی، گو مطلق دور نہ ہوتی۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں بھی "اینجا" حشو معلوم ہوتا

(گذشتہ سے پیوستہ)

عشق را لاف مزن کار تمام است اینجا

عشوہ مفروش کہ محمود غلام است اینجا

جلوہ افروز گرامی ست بہ خاکِ پنجاب

آفتاب امت ولے بر لبِ بام است اینجا

اس زمین میں دیگر اساتذہ نے بھی طبع آزمائی کی ہے مثلاً عرفی، نظیری، مخفی وغیرہ۔

ترجمہ: عشق کی ڈینگ مت مارو، یہاں کام تمام ہو چکا ہے

نازو ادا نہ دکھاؤ، یہاں تو محمود بھی غلام ہے

پنجاب کی دھرتی میں گرامی جلوہ افروز ہے

ہے تو آفتاب — مگر یہاں لبِ بام ہے!

ہے، بالخصوص جب کہ "بر درِ مے کدہ" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ ان پر نظر ثانی فرمایئے۔
میں نے جام اور خرام بھی لکھے تھے:

نشہ از حال بگیریم و گذشتم ز قال
نکتۂ فلسفہ دردِ تہِ جام است اینجا[1]

اے کہ تو پاس غلط کردۂ خود می داری
آنچہ پیش تو سکون است خرام است اینجا

اور "لبِ بام" اس طرح لکھا تھا:

ما دریں رہ نفس دہر بر انداختہ ایم[2]
آفتاب سحر او لب بام است اینجا

جب دو آدمیوں کا دوڑنے میں مقابلہ ہو اور ایک تھک کر رہ جائے اور اُس کا دم پھول جائے تو فارسی میں کہتے ہیں 'نفس او بر انداختہ است'؛ جیسے پنجابی میں کہتے ہیں "دموں کڈھ دینا"۔ مقصود یہ ہے کہ ہم اس قدر تیز رفتار ہیں کہ روزگار کو بھی ہم نے نفس بر انداختہ کر دیا ہے، یہاں تک کہ اس کی صبح کا آفتاب ہمارے ہاں لبِ بام ہے۔ اس نظم کا عنوان تھا "دنیائے عمل" اور اسی مطلب کے یہ سب اشعار تھے۔
باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ یہ خُدا کا فضل ہے کہ جالندھر کے افاغنہ میں ذوقِ سخن باقی ہے اور یہ قوم ابھی اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھتی ہے۔ افسوس

---

[1] ترجمہ: ہم قال (گفتگو) سے گزر کر حال سے نشہ حاصل کرتے ہیں
فلسفے کے نکتے یہاں ہمارے جام کی تلچھٹ ہیں
اے وہ کہ تو اپنے غلط کام کی بھی پاسداری کرتا ہے
جو تیرے نزدیک سکون ہے وہ یہاں خرام سمجھا جاتا ہے

[2] ترجمہ: ہم نے اس راہ میں زمانے کے بھی چھکے چھڑا دیے ہیں
اس کی سحر کا آفتاب یہاں لبِ بام آگیا ہے!

کہ میں پشتو نہیں جانتا، ورنہ سرحد کی مارشل شاعری کو اُردو یا فارسی لباس پہنانے کی کوشش کرتا۔

مولینا گرامی کی خدمت میں عرض کیجئے کہ اگر لاہور تشریف لانے کا قصد ہو تو ابھی آنا چاہیئے، ورنہ پھر گرمی بڑھ جائے گی اور لطف صحبت خاک نہ رہے گا۔ کل نواب ذوالفقار علی خاں صاحب بھی دہلی سے آنے والے ہیں، وہ مولانا گرامی سے ملنے کے بڑے آرزومند ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ شیخ صاحب کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔

مخلص
محمدؐ اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۳، مارچ ۱۹۱۹ء

مخدومی۔ السلام علیکم

ایک عرصہ سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ معارف میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر نقل کیا ہے۔ کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالٹہ سے کونسی تاریخ کو لکھا گیا تھا؟ صاحبِ مضمون نے خط کی تاریخ نہیں بتائی۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۹ مارچ ۱۹۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ مع کتابوں کے ایک پیکٹ کے مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ مثنوی آئینۂ وحدت بلحاظ زبان اور خیالات کے بالخصوص پسند ہے

اللہ کرے حُسنِ رقم اور زیادہ

دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ "پیر سنجر" کے دربار میں حاضر نہ ہو سکا انشاء اللہ پھر جاؤں گا۔ اور اس آستانے کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہت اچھی قوالی سنوائی سرکار بہت یاد آئے خدا کرے کہ ملاقات ہو اور بہت سی باتیں ہوں جن کے اظہار کے لیے دل تڑپتا ہے افسوس کہ حیدر آباد دور ہے اور اقبال کا عزم کمزور و ناتوان ہے ورنہ کم از کم چھ ماہ میں ایک دفعہ تو آستانۂ شاد پر حاضر ہوا کرے۔

کئی دن سے ایک مصرع ذہن میں گردش کر رہا ہے اس پر اشعار لکھیے یا اسی پر مصرع لگائیے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں بھی یہ مصرع ارسال کیا ہے اور مولانا اکبر کی خدمت میں بھی لکھوں گا۔

"این سر خلیل است با آذر نتواں گفت"[1]

---

[1] یہ ابراہیم خلیل اللہ کا راز ہے آذر سے نہیں کہا جاسکتا

اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا اور جملہ متعلقین و متوسلین اچھے ہوں گے۔

مخلص قدیم محمدؐ اقبال

(عکس) (شاد اقبال) (ر ر)

محمد احمد خاںؒ کے نام[1]

لاہور

۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء

مکرم بندہ تسلیم۔ "محمل" کو میں مذکر لکھتا ہوں۔ شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اس کے کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے شعراء کے خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے۔

مخلص
محمدؐ اقبال

(انوار اقبال)

---

[1] حاجی محمد احمد خاں سیتاپور کے ذی علم رئیس تھے۔ انھوں نے ایک شاندار کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں مشاہیر عالم کے آٹوگراف کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ حاجی صاحب نے اکثر مشاہیر سے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ یہ خطوط ایک البم کی شکل میں کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ اس البم میں دو خطوط اقبال کے بھی ہیں۔
(بشیر احمد ڈار۔ انوار اقبال ص ۔ ۱۱)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۳ ر اپریل ۱۹۱۹ء

مخدومی ۔ السلام علیکم

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ الحمد للہ کہ مولینا آزاد کو آزادی[1] ملی کیفِ باطن میں بالخصوص آج کل "صحو" ہی کی ضرورت ہے ۔ نبی کریمؐ نے صحابہؓ کی تربیت اسی حال میں کی تھی "سُکر" کی حالت عمل کی دشوار گذار منزل کو طے کر لینے کے بعد ہو تو مفید ہے باقی حالات میں اس کا اثر رُوح پر ایسا ہی ہے جیسا جسم پر افیون کا ۔ مولانا آزاد اب کہاں ہیں پتہ لکھیے کہ اُن کی خدمت میں عریضہ لکھوں ۔

میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کیا کیجیے آپ کو زحمت تو ہو گی لیکن مجھے فائدہ ہو گا ۔ "بادۂ نارسا"[2] کے لیے مجھے کوئی سند یاد نہیں بادۂ نارس یا میوۂ نارس (بمعنی خام) لکھتے ہیں ۔ لفظ مینار غلط ہے صحیح لفظ منار (بغیری کے ہے) ۔ یہ الفاظ اُس زمانہ کی نظموں میں واقع ہوئے ہیں جس زمانہ میں مَیں سمجھتا تھا کہ لٹریچر میں ہر طرح کی آزادی لے سکتے ہیں یہاں تک کہ بعض نظموں میں مَیں نے اصول بحر کا بھی خیال نہیں کیا اور ارادۃً ۔

مجموعہ[3] اب تک مرتب نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب ان تمام نظموں پر نظرثانی کرنا چاہتا ہوں جس کے لیے فرصت نہیں ملتی ۔ انشاء اللہ بعد از نظرثانی شائع

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد رانچی کی نظربندی سے جنگ عظیم کے بعد رہا ہوئے تھے ۔

[2] یہ دو غلط لفظ اقبال نے استعمال کیے تھے ۔

[3] میرا بار بار اصرار تھا کہ اُردو نظموں کا مجموعہ چھپوا دیجیے ۔ یہی مجموعہ بانگِ درا کے نام سے چھپا ہے ۔
(شیخ عطاء اللہ)

کروں گا اگرچہ مقصود اس شعر گوئی کا نہ شاعری ہے نہ زبان مولانا گرامی جالندھری (شاعر حضور نظام) نے ایک غزل لکھ کر ڈاک میں ارسال کی ہے جس کے اشعار عرض کرتا ہوں پسند ہوں تو معارف میں شائع کیجیے۔

پنہانم و پیدایم کیفم بشراب اندر[1]
پیدایم و پنہانم داغم بکباب اندر
دیباچۂ بودم ہیچ انگیزِ وجودم ہیچ
مضمونِ خیالم پیچیدہ بخواب اندر
آں نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این است
جاں ہست بجسم اندر دریا بہ حباب اندر
از موسیِ من می پرس از غیر چہ می پرسی
شوقم بسوال اندر ذوقم بجواب اندر
رمزیست حکیمانہ می خوانم و می رقصم
خوابست بمرگ اندر مرگ ست بخواب اندر
در کشمکشِ لائیم در جذبۂ الّائیم
ہیچیم و ہمہ مائیم چوں عکس بآب اندر
دیدیم گرامی را در خلد بریں امشب
ابلہ بہ بہشت اندر دانا بعذاب اندر

مخلص محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ) (عکس)

---

[1] ترجمہ: ۱- میں ظاہر بھی ہوں اور پوشیدہ بھی جیسے شراب میں نشہ
پیدا بھی ہوں، پنہاں بھی جیسے کباب میں داغ
۲- میری ہستی کی تمہید ہیچ ہے میرے وجود کا خاکہ بھی ہیچ ہے

(باقی اگلے صفحہ کے حاشیہ میں)

شیخ نور محمدؐ کے نام

قبلہ و کعبہ السّلامُ علیکم ۔ آپ کا کارڈ مل گیا ہے ۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔ اعجاز کل سیالکوٹ گیا ہے ۔ لاہور کے حالات اس نے مفصل بیان کئے ہوں گے۔ لاہور میں آج دو روز سے ہڑتال ہے ۔ دکانیں بند ہیں اور شہر میں قبرستان کی خموشی الحمدللہ کہ امرتسر وغیرہ کی طرح یہاں کوئی ایسا فساد نہیں ہوا ۔میں خدا کے فضل و کرم سے بمع اہل و عیال تندرست ہوں ۔ کل ایک مقدمہ کے لیے پٹیالہ جاؤں گا ۱۷ ار کو وہاں سے واپس آجاؤں گا بھائی صاحب کو اُمید ہے رخصت مل جائے گی اور اگر مل گئی تو امید ہے

(گذشتہ صفحہ کا بقایا حاشیہ)

گویا میں ایک خیالی مضمون ہوں جو خواب میں لپٹا ہوا ہے ۔

۳۔ وہ نکتہ جو عارف کو وجد میں لے آیا یہ ہے کہ جان جسم کے
اندر اس طرح ہے جیسے دریا حباب میں سما گیا ہو۔

۴۔ مجھ سے غیر کا کیا پوچھتے ہو میرے موسیٰ کے بارے میں پوچھو
میرا شوق سوال میں ہے، میرا ذوق جواب میں ہے ۔

۵۔ یہ ایک حکیمانہ نکتہ ہے جسے پڑھ پڑھ کر جھومتا ہوں
کہ موت میں نیند ہے اور نیند میں موت ہے ۔

۶۔ ہم لَآ (نفی) کی کشمکش اور اِلّا (اثبات) کی کشش میں ہیں
کچھ نہیں ہیں اور سب کچھ ہیں جیسے پانی میں عکس ہو ۔

۷۔ ہم نے آج رات گرامی کو جنت میں دیکھا
بے وقوف لوگ جنت میں ہیں اور دانا عذاب میں مبتلا ہیں ۔

وہ کل یا پرسوں تک آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔ باقی خیریت ہے۔ بچوں کو دعا۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

۱۴ اپریل ۱۹۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۱۵ اپریل ۱۹۱۹ء

برادر مکرم السلام علیکم۔ الحمد للہ کہ آپ مع الخیر سیالکوٹ پہنچ گئے۔ میں نے آپ کو تین چار روز ہوئے خط لکھا تھا جواب نہ آنے سے تردد تھا۔ ڈاک اور ریل کا نظام درست نہیں۔ اس واسطے خطوط نہیں پہنچتے۔ کل والد مکرم کی خدمت میں کارڈ لکھا تھا امید ہے پہونچا ہوگا لیکن گجرانوالہ میں سنا ہے کہ فساد ہوگیا ہے اور کوئی پل توڑ دیا گیا ہے اس واسطے ممکن ہے کہ ڈاک میں تعویق ہو جائے۔ مجھے آج ایک مقدمے کے لیے پٹیالے جانا تھا۔ ریل کا انتظام مخدوش ہونے کی وجہ سے نہیں جا سکا۔ کل وہاں تار دیدیا تھا کہ ٹکٹ نہ ملتے تھے۔ غرضیکہ بڑی گڑبڑ ہے۔ ہر طرف سے وحشت ناک خبریں آرہی ہیں لاہور میں آج چھ روز سے ہڑتال ہے پہلے تو کچھ فساد ہوا اور چند لوگ مارے گئے مگر اب شہر میں بالکل خموشی ہے اور لوگ دکانیں نہیں کھولتے اپنی ضد پر قائم۔ غالباً آج یا کل (اگر یہی حالت رہی) تو شہر فوجی قبضے میں دیدیا جائے گا۔ مجمع اب نہیں ہوتا۔ اعجاز کو میں نے پہلے سے منع کر دیا تھا اور کل پیغام بھی بھیجا تھا کہ وہ یہاں آجائے اور مطالعہ کرے کہ بورڈنگ میں اسے تکلیف ہوتی ہوگی مگر وہ کہتا ہے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آج میں نے آپ کا خط اس کو دکھانے کو بھیجا ہے۔ اوّل تو یہاں آجائے گا ورنہ سیالکوٹ چلا آئے گا۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے کوئی تردد کی بات نہیں ہے آپ مطمئن رہیں۔ جب تک پورا اطمینان نہ ہو جائے

کہ ریل کا انتظام درست ہے آپ لاہور کی طرف نہ آئیں کیونکہ تکلیف کا احتمال ہے۔ پرسوں رات امرتسر میں پھر شدید فساد ہوا ہے بہت سے ریلوے اسٹیشنوں کو آگ لگا دی گئی ہے۔ خدا رحم کرے۔ میں تو آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ ملازمت چھوڑ کر گھر آجایئے۔ جو کچھ تھوڑا بہت پاس ہے اس پر مل جل کر گزارہ کریں گے۔ پشاور کی تبدیلی کے موقع پر بھی میں نے آپ کو لکھا تھا کہ جہاں آپ ہیں وہیں رہیے۔ اس طرف نہ جایئے اس وقت نظام عالم کا مطلع نہایت غبار آلود ہے اور معلوم نہیں کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے۔ دمکروا ومکراللہ واللہ خیر الماکرین۔

لاہور میں بالکل خموشی ہے اور کسی قسم کا فساد نہیں ہے مطمئن رہیئے۔ والد مکرم کی خدمت میں سلام عرض کردیں۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

اکبرؔ الہ آبادی کے نام

لاہور

۲۰ اپریل ۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ مل گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور خط آپ کا ملا۔ اس وقت تک خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ اُمید کہ آنجناب بخیر و عافیت ہوں گے۔ لاہور کے حالات آپ نے اخباروں میں دیکھ لیے ہوں گے۔ گاندھی صاحب کا خاموش مقابلہ یہاں تک رنگ لایا ہے کہ حکام لاہور اور پنجاب کے دیگر مقامات میں مارشل لا[1] (آئینِ عسکری)

---

[1] MARTIAL LAW

کے اجراء پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ عجب زمانہ آرہا ہے۔

زچہا گذشتہ باشی بچہا رسیدہ باشی[1]

ٹھیک ہے۔ جو شخص

زجہاں گذشتہ باشی بجہاں رسیدہ باشی[2]

پڑھتا ہے، وہ زبان اور شعر دونوں کے ذوق سے معرّا ہے۔

آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ مگر یہ زمانہ گھر سے باہر نکلنے کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کے لوگوں کی حالت پر رحم کرے!

مومن کو چاہیئے کہ خدا ہی کا ہو رہے

چند روز ہوئے ایک مصرع ذہن میں آیا تھا۔ دوسرا مصرع نہیں ہو سکا۔

ایں سرِّ خلیل است بآذر نتواں گفت[3]

غور فرمایئے۔ کچھ ذہن میں آئے تو مطلع کیجیئے۔ خواجہ صاحب کا خط بھی آج آیا ہے۔ وہ خیریت سے ہیں۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] ترجمہ: تم کاہے سے گزرو گے اور کن چیزوں تک پہنچو گے۔

[2] ": تم ایک جہاں سے گزرو گے دوسرے جہاں میں پہنچو گے۔

[3] ": یہ ابراہیم خلیل اللہؑ کا راز ہے آذر سے نہیں کہا جا سکتا۔

نوٹ:- اس لفافہ پر PASSED BY CENSOR کی سلپ لگی ہوئی ہے۔

(عطاء اللہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے شکرگزار ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہوں اور دست بدعا ہوں کہ آپ مع جملہ اقربا و احباب کے تندرست ہوں۔ آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ لاہور میں مارشل لا کا اجرا کر دیا گیا ہے۔ حکام اس بات پر مجبور ہوتے ہیں۔ مگر امن پسند لوگوں کے لیے اس میں کوئی اندیشہ نہیں۔ اُمید کہ مولینا گرامی مع الخیر ہوں گے۔ اُن کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال لاہور

۲۰ر اپریل ۱۹۱۹ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۵ر اپریل ۱۹۱۹ء

سرکار والا مرتبت۔ تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ سرکار عالی مع اقربا و احباب خیریت سے ہیں۔ بندۂ درگاہ بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہے۔ سرکار نے اقوامِ ہند کے متعلق جو کچھ فرمایا بجا ہے۔ جو مسائل انسان حل نہ کر سکے اب معلوم ہوتا ہے قدرت خود انہیں حل کرنا چاہتی ہے۔ یہاں کے حالات ملاقات ہو تو عرض کروں۔ تحریر سے ادا نہیں ہو سکتے۔ آج آٹھ دن سے مارشل لا یعنی قانون عسکری یہاں جاری ہے پنجاب کے بعض دیگر

اضلاع میں بھی گورنمنٹ یہی قانون جاری کرنے پر مجبور ہوئی ہے جن لوگوں نے قصور و امرتسر وغیرہ میں قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا ان کو گرفتار کیا گیا ہے اور اُن پر مقدمات چلائے گئے ہیں کل سے ان کا ٹرائل بھی شروع ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ مگر خواجہ حافظ کا شعر تسکین کا باعث ہے۔

"ہاں مشو نومید چوں واقف نہ ای از سرّ غیب

باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور[۵]"

میرا ارادہ راماین کو اُردو میں لکھنے کا ہے۔ سرکار کو معلوم ہوگا مسیح جہانگیری نے راماین کے قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ افسوس ہے وہ مثنوی کہیں سے دستیاب نہ ہوئی مگر سرکار کے کتب خانے میں ہو تو کیا چند روز کے لیے عاریتہً مل سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کا تتبع کرنا بہتر ہوگا۔

اِس کے متعلق اور مشورہ سے بھی سرکار دریغ نہ رکھیں زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔

خیریت مزاج سے آگاہ فرمایا کیجئے۔

مخلص قدیم محمدؐ اقبال لاہور

(شاد اقبال)

(عکس)

---

۵ تم غیب کے اسرار سے واقف نہیں ہو خبردار، نا اُمید مت ہونا
کچھ تماشے پس پردہ بھی ہوا کرتے ہیں غم نہ کرو

شیخ نور محمّد کے نام

لاہور

۳۰ر اپریل ۱۹۱۹ء

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا کارڈ بھی آیا ہے وہاں بھی خدا کا فضل ہے۔ آپ کی طبیعت ناساز تھی اپنی خیریت مزاج سے آگاہ فرمائیں کہ اب کیا کیفیت ہے۔ بچّوں کو دعا۔

والسلام

محمّد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمّد کے نام

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ بھائی صاحب کا خط آج ہی ملا ہے وہاں بھی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ الحمدللہ کہ اب آپ کا مزاج بالکل ٹھیک ہے۔ موسم بھی غیر معمولی ہے۔ یہاں سب لوگ بفضلہ خیریت سے ہیں اور سب کی طرف سے آداب عرض ہے۔ بچّوں کو دُعا۔

محمّد اقبال۔ لاہور۔ ۵ مئی ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمدؒ کے نام

لاہور

۱۰ مئی ۱۹۱۹ء

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

آج آپ کا کارڈ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ سب طرف خیریت ہے۔ اعجاز امتحان دے رہا ہے۔ اس کے پرچوں کے متعلق لکھ چکا ہوں کہ اس وقت تک اس نے کام اچھا کیا ہے امید ہے کہ آپ کی دعا برکت سے کام یاب ہو جائے گا۔ بھائی صاحب کا تار آیا تھا خیریت سے ہیں۔ آج اُن کو بھی خط لکھا ہے۔ باقی خدا کا فضل ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ انصاف نہ کرے۔ کیونکہ ہم اس کے انصاف کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ البتہ وہ ہم پر اپنا فضل و رحم کرے[1]۔ بچوں کو دعا۔

والسلام

لاہور محمد اقبال ۱۰ مئی ۱۹۱۹ء

(مظلوم اقبال)

---

[1] اس خط کے آخری فقروں کا پس منظر یہ ہے کہ پھوپھی کریم بی بی جو میاں جی کے خطوط لکھا کرتی تھیں اپنے کسی عزیز سے کچھ اَن بن ہو گئی تھی۔ پھوپھی جی کے خیال میں اس تنازعہ میں زیادتی اُس عزیز کی طرف سے ہوئی۔ انہوں نے میاں جی کے خط میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی طرف سے لکھا کہ اللہ تعالےٰ منصف ہے وہ انصاف کرے گا۔ اس کے جواب میں چچا جان نے لکھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے انصاف طلب نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ہم اس کے انصاف کے متحمل نہیں ہو سکتے البتہ ہمیں اس کے فضل و رحم کی استدعا کرنا چاہیئے۔

(شیخ اعجاز احمد)

شیخ نور محمدؐ کے نام

قبلہ وکعبہ ام السّلام علیکم

بھائی صاحب کے دو خط سات اور آٹھ تاریخ کے لکھے ہوئے مل گئے ہیں۔ میں نے آج صبح ان کو تار دیا تھا مگر تار دینے کے بعد ہی یہ خطوط مل گئے۔ الحمد للہ کہ وہ بہمہ نوع خیریت سے ہیں تردّد رفع ہوگیا ہے امید ہے کہ آپ کو بھی ان کی خیریت کا خط مل گیا ہوگا۔ چونکہ سرکار انگریزی کی جنگ افغانستان سے شروع ہوگئی ہے اِس واسطے خطوط کے ملنے میں دیر ہوئی امید ہے کہ اس صورت حال کا خاتمہ جلد ہوجائے گا۔ پھر اس قسم کی تعویق نہ ہوگی۔ میں نے تو اُن کو لکھا تھا کہ گرما کے مہینوں کے لیے رخصت لے لیویں مگر اب بوجہ جنگ چونکہ ان کا کام زیادہ ہوجائے گا۔ اس واسطے ان کو رخصت نہ مل سکے گی۔ باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے اپنی خیریت سے مطلع کریں۔ اعجاز کا پہلا پرچہ آج ہوگیا ہے۔ اور اس نے یہ پرچہ اچھا کرلیا ہے۔

والسّلام

محمدؐ اقبال لاہور ۱۲، مئی ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمدؐ کے نام

قبلہ وکعبہ ام السّلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا تھا۔ خدا کے فضل وکرم سے سب طرح خیریت

ہے ۔بھائی صاحب کا تار بھی آیا ہے ۔یہ تار انہوں نے معلوم ہوتا ہے از خود دیا ہے۔ میرے تار کا جواب نہیں معلوم ہوتا ۔کیونکہ میں نے بھی ان کو تار دیا تھا ۔بہرحال خدا کے فضل و کرم سے وہاں پر سب طرح خیریت ہے امید ہے کہ اس جنگ کا جلد خاتمہ ہوجائے گا کیونکہ سرکار انگریزی کی قوت کے مقابلے میں افغان کچھ نہیں کرسکتے ۔دیگر خیریت ہے ۔اعجاز کا انگریزی کا امتحان ہوگیا ہے ۔اب تاریخ کا امتحان ہے ۔اس کے بعد اُس کو آٹھ روز کی فرصت ہوگی ۔میں نے اسے کہا تھا کہ وہ یہاں آجائے مگر وہ بورڈنگ میں رہنا پسند کرتا ہے ۔ وہاں بھی بورڈنگ ہر طرح محفوظ ہے ۔کوئی فکر کی بات نہیں ہے ۔ اُمید ہے کہ غلام نبی کا خط بھی آگیا ہوگا ۔ والسلام ۔بچوں کو دُعا ۔

محمدؐ اقبال لاہور ۱۴ مئی ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

اسلم جیراجپوری کے نام

لاہور ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء

مخدومی ۔ السلام علیکم

آپ کا تبصرہ اسرارِ خودی پر رسالہ الناظر میں دیکھا ہے جس کے لیے مَیں آپ کا نہایت شکر گزار ہُوں ۔

"دیدمت مردے دریں قحط الرجال"[۱]

خواجہ حافظ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے ان کا مقصود محض ایک لٹریری اُصول کی تشریح اور توضیح تھا خواجہ کی پرائیویٹ شخصیت یا اُن کے معتقدات سے سروکار نہ تھا مگر عوام اس باریک امتیاز کو سمجھ نہ سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر بڑی لے دے ہوئی ۔ اگر

---

۱ میں نے اس قحط الرجال کے زمانے میں تمہیں ایک مرد پایا ۔

لٹریری اصول یہ ہو کہ حسن حسن ہے خواہ اس کے نتائج مفید ہوں خواہ مُضر تو خواجہ دُنیا کے بہترین شعرا میں سے ہیں بہر حال میں نے وہ اشعار حذف کر دیے ہیں اور ان کی جگہ اسی لٹریری اصول کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے جس کو میں صحیح سمجھتا ہوں۔ عرفی کے اشارے سے محض اس کے بعض اشعار کی طرف تلمیح مقصود تھی مثلاً

گرفتم آنکہ بہشتم دہند بے طاعت[1]
قبول کردن و رفتن نہ شرطِ انصاف است

لیکن اس مقابلے سے میں خود مطمئن نہ تھا اور یہ ایک مزید وجہ ان اشعار کو حذف کر دینے کی تھی۔ دیباچہ بہت مختصر تھا اور اپنے اختصار کی وجہ سے غلط فہمی کا باعث تھا جیسا کہ مجھے بعض احباب کے خطوط سے اور دیگر تحریروں سے معلوم ہوا جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں۔ کیمبرج کے پروفیسر نکلسن بھی اس خیال میں آپ کے ہمنوا ہیں کہ دیباچہ دوسری ایڈیشن سے حذف نہ کرنا چاہیئے تھا۔ انہوں نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کرایا ہے۔ شاید انگریزی ایڈیشن کے ساتھ شائع کریں۔

پیرزادہ مظفر الدین صاحب نے میرا مقصد مطلق نہیں سمجھا تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرونِ اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا)، تو کسی مسلمان کو اُس پر

---

[1] ترجمہ:
میں نے مانا کہ مجھے بغیر حُسنِ عمل کے جنّت دے دیں گے،
مگر اُسے قبول کرنا اور جنّت میں جانا تو انصاف کی بات نہیں ہے (یعنی بے محنت معاوضہ لینے والی بات ہے)

اصل خط میں شعر درست ہے دیوان عرفی مطبوعہ نولکشور کانپور ۱۸۸۰ء ص ۲۴ پر بھی اسی طرح ہے۔ مگر اقبال نامہ (جلد ۱/۵۳) میں دوسرا مصرعہ یوں لکھا گیا ہے جو غلط ہے:

قبول کردنِ صدقہ نہ شرط انصاف است

(مرتّب)

اعتراض نہیں ہوسکتا ہاں جب تصوّف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظامِ عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری رُوح اُس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ مَیں نے ایک تاریخ تصوف کی لکھنی شروع کی تھی مگر افسوس کہ مسالہ نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا۔ پروفیسر نکلسن "اسلامی شاعری اور تصوّف" کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں جو عنقریب شائع ہوگی ممکن ہے کہ یہ کتاب ایک حد تک وہی کام کردے جو میں کرنا چاہتا تھا۔ منصور حلّاج کا رسالہ کتاب الطواسین جس کا ذکر ابنِ حزم کی "فہرست" میں ہے فرانس میں شائع ہوگیا ہے مؤلف نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے مسلمان منصُور کی سزا دہی میں بالکل حق بجانب تھے اس کے علاوہ ابنِ حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ منصُور کے متعلق لکھا ہے اس کی اس رسالے سے پُوری تائید ہوتی ہے لُطف یہ ہے کہ متقدمین صوفیہ قریباً سب کے سب منصُور سے بیزار تھے۔ معلوم نہیں متاخرین اس کے اس قدر دلدادہ کیوں ہوگئے۔ مذہب آفتاب پرستی کے متعلق جو تحقیق حال میں ہو رہی ہے اس سے اُمید ہوتی ہے کہ عجمی تصوّف کے پوشیدہ مراسم کی اصلیت بہت جلد دنیا کو معلوم ہو جائے گی۔

مجھے اُمید ہے کہ اس طویل خط کے لیے آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔ آپ کے تبصرہ سے مجھے بڑی تسکینِ قلب ہوئی اس وجہ سے مجھے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت ہوئی۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال لاہور ۷ ۱ مئی ۱۹ء

(عکس) (اقبال نامہ)

لہ صابر کلوروی صاحب نے یہ ابواب مع دیگر یادداشتوں کے کتابی شکل میں 'تاریخ تصوف' کے عنوان سے مارچ ۱۹۸۵ء میں (مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور) شائع کر دیے ہیں۔ (مرتب)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی خان صاحب! السّلام علیکم ۔ مجھے تو یقین ہے اور اس کا اظہار بھی کسی پہلے خط میں کر چکا ہوں کہ مولانا گرامی آپ کو شاعر بنا کر چھوڑیں گے ۔ یہ غزل انہیں ضرور دکھائیے :

شیخ در عہد جوانی بہ گل و مل می زیست[۱]
وعظ فرما شدہ آں روز کہ از کار شدہ

خوب شعر ہے ۔ تھوڑی مشق کے بعد معمولی نقص جو اَب پائے جاتے ہیں ، دُور ہو جائیں گے ۔

کیا مولوی گرامی لاہور آنے کا بھی قصد رکھتے ہیں یا نہ ؟ معلوم ہوتا ہے کہ خوفزدہ ہو گئے ، مگر خوف کی کوئی بات نہیں ۔ کل ایک شعر لکھا تھا ، مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے :

برق را ایں بجگر می زند، آں رام کند[۲]
عشق از عقل فسوں پیشہ جگر دار تر است

مخلص محمدؐ اقبال لاہور ۱۹ مئی ۱۹۱۹ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

ترجمہ :

[۱] شیخ صاحب عہد جوانی میں شراب و شاہد کے ساتھ وقت گزارتے تھے ،
جب ناکارہ ہو گئے تو وعظ فرمانے لگے ۔

[۲] یہ برق کو جگر پر لیتا ہے اور وہ اُسے رام کرتی ہے ،
عشق ، عقلِ فسوں پیشہ سے زیادہ بہادر ہے ۔

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ و کعبہ ام ۔ السّلام علیکم

خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ آپ کا کارڈ مل گیا ہے۔ بھائی صاحب کا تار بھی پرسوں آیا تھا ۔ وہ بھی خیریت سے ہیں ۔ اُمید ہے کہ آپ کی دعا سے امتحان میں کام یاب ہو جائے گا ۔ آیہ کریمہ کا ورد شروع ہے ۔ ہمشیرہ بھی چند گھنٹوں کے لیے لاہور ٹھہری تھی ۔ والسّلام

محمدؐ اقبال لاہور ۱۹ ؍مئی ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ و کعبہ ام ۔ السّلام علیکم

کارڈ مل گیا ہے الحمدللہ کہ گھر میں سب طرح خیریت ہے ۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا ۔ وہاں بھی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ بچّوں کو دعا ۔

والسّلام

محمدؐ اقبال لاہور ۲۹ مئی ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ وکعبہ ام السلام علیکم
کارڈ مل گیا الحمدللہ کہ گھر میں ہر طرح خیریت ہے ۔ بھائی صاحب کے کل دو خطوط آئے تھے وہاں بھی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے ۔ ظفر کوئٹہ سے آیا ہوا ہے ۔امتحان میں پاس ہوگیا ہے۔ آئندہ کالج کی فکر کر رہا ہے۔ کل یہاں سے روانہ ہوکر نت جائے گا۔ باقی خیریت ہے ۔ بچوں کو دعا۔

محمد اقبال لاہور ۷ جون ۱۹ء

اعجاز کا خط بھی مل گیا تھا ۔

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

لاہور
۹ جون ۱۹۱۹ء
قبلہ وکعبہ ام السلام علیکم
آپ کا کارڈ ابھی ملا الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔یہاں بھی خدا کے فضل سے خیریت ہے ۔میں امتحان کے پرچوں میں مصروف رہا اور اب تک ہوں اس واسطے خط لکھنے میں توقف ہوا انشاء اللہ جون کے آخر سب کاموں سے فراغت ہو جائے گی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اُمید ہے جون کے آخر پرچے بھی ختم ہو جائیں گے اور ریل کے سفر کی مشکلات بھی کم ہو جائیں گی۔ ظفر چلا گیا ہے میں نے اس کو یہی مشورہ دیا تھا کہ کتابیں ابھی نہ خرید کرے ۔پہلے نت جائے گا ۔ وہاں سے سیالکوٹ آئے گا ۔اس کا

ارادہ ہے کہ لاہور اسلامیہ کالج میں داخل ہو ابھی دو ماہ باقی ہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

محمدؐ اقبال لاہور ۹ جون ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور

۱۱ر جون ۱۹۱۹ء

مائی ڈیر اعجاز

تمہارا خط (ملا) تمہیں ابھی سے ملازمت کی فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم ابھی تو امتحان کے نتیجہ کا انتظار کریں۔ یونیورسٹی تمہیں ۵۰ روپے ماہانہ پر دفتر میں کلرک رکھ سکتی ہے مگر اس صورت میں تم بحیثیت کلرک ایم۔ اے کے امتحان میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اگر تمہیں شعبۂ تاریخ میں اسسٹنٹ پروفیسری مل جائے تو یہ کہیں بہتر ہوگا۔ مجھے پورا یقین تو نہیں ہے کہ تاریخ کے مضمون میں اچھے نمبر آتے ہیں شاید معاشیات میں تاریخ کے بالمقابل زیادہ نمبر آئیں۔ لیکن اس معاملہ پر امتحان کے نتائج نکلنے پر غور کیا جائے گا۔ جب تم ایم۔ اے پاس کر لو گے تو میں سرکار ہند میں تمہاری ملازمت کے حصول کے لیے کوشش کر سکتا ہوں۔ اگر تمہیں کوئی ملازمت نہ ملی تو میں کسی نہ کسی طرح ایم۔ اے کی پڑھائی کے اخراجات کی کفالت کر لوں گا۔

دعا گو

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے)

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ و کعبہ ام - السلام علیکم

کئی دن ہوئے خط لکھا تھا امید ہے پونچکر ملاحظہ عالی سے گزرا ہوگا۔ اعجاز کے نام بھی خط لکھا تھا۔ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ یہاں پر خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ آپ اپنی خیریت مزاج سے آگاہ کریں۔ بھائی صاحب کے خطوط بھی آتے جاتے ہیں وہ بھی بفضلہ خیریت سے ہیں۔ گرمی کا سخت زور ہے۔ بارش کے کوئی آثار نہیں ایسے زور سے لاہور میں آج تک گرمی نہیں ہوئی۔ باقی خیریت ہے۔ بچوں کو دعا۔

والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۷ جون ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

لاہور

۲۰ جون ۱۹۱۹ء

قبلہ و کعبہ ام۔ السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ گھر میں سب طرح خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا۔ وہ بھی خیریت سے ہیں۔ اب تو ضلع کے انتظام ہو رہے ہیں امید ہے سفر کی مشکلات کا جلد خاتمہ ہو جائے گا۔ چند روز تک شاید مزید گاڑیاں کھل جائیں۔ پھر موٹر کی ضرورت نہ رہے گی۔ بھائی کرم الہٰی کے موٹر اگر منگوائے گئے تو ان کو کرایہ کا بہت نقصان ہوگا۔ ذوالفقار علی خان کا موٹر موجود ہے مگر چونکہ پرانا

ہوگیا ہے اس واسطے لمبے سفر کے قابل نہیں رہا لہٰذا میں انتظار میں ہوں کہ شاید ریل گاڑی کی ہی سہولت ہو جائے۔ اس کے علاوہ مختار لدھیانے گئی ہے آٹھ دس روز میں آئے گی۔ اس کا انتظار بھی کرنا ہوگا دونوں ملازم بھی اپنے اپنے گاؤں جانا چاہتے ہیں۔ پیچھے مکان کی حفاظت کے لیے ایک آدمی کا رہنا ضروری ہے۔ اس کے لیے بھی علی بخش نے ہشیار پور خط لکھا ہے اس کا بھی انتظار ہے۔ نوکر تو لاہور سے بھی شاید مل جاتا مگر ایسا آدمی پیچھے چھوڑنے کی ضرورت ہے جو قابلِ اعتبار ہو جہاں ایک دفعہ گھر بن جائے وہاں سے اُٹھنے کے لیے سَو انتظام کی ضرورت ہوتی ہے پھر ماہِ جولائی کے مقدمات کا بھی انتظام کرنا ہے۔ وہ بھی کسی کے سپرد ہو جائیں تو یہاں سے ہل سکوں۔ یہ بھی خیال ہے کہ جولائی کے مہینے میں تو میں نے چھٹی کر لی آگے دو ماہ کے لیے کچہری چھٹی کر دے گی گویا تین ماہ بیکاری کے ہوں گے خیر اللہ مالک ہے۔ میں مناسب موقع پر آپ کی خدمت میں لکھوں گا کہ کب حاضر ہوں گا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ بچّوں کو دُعا

محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور

۲۶ر جون ۱۹۱۹ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

آج صبح مستری نور دین سیالکوٹ سے آیا تھا وہ کہتا تھا کہ سیالکوٹ سے وزیر آباد تک تو کوئی دقّت سفر کی نہیں ہے مگر وزیر آباد سے لاہور تک آنے میں بہت دقّت ہے۔ وہاں سے پرمٹ لینا چاہیئے اور پرمٹ ملنے پر بھی یقینی نہیں کہ گاڑی میں جگہ مل جائے۔ اس معاملے کی تحقیق کر کے مجھے جلد خط لکھو کیونکہ ۲۴ر جولائی کو مجھے پٹیالہ جانے کے لیے سیالکوٹ سے واپس آنا ہوگا۔ اگر واپس آنے میں دقّت ہو تو پھر میں سب کام

کر کے آؤں کہ دو ماہ تک پھر واپس آنا نہ پڑے ۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب ۔ بچوں کو پیار ۔

محمدؐ اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور

۸ ؍جولائی ۱۹ ء

برخوردار اعجاز کو بعد دعائے عمر درازی کے واضح ہو تمھارا خط مل گیا تھا ۔ طاہر دین پھر پشاور گیا ہے کل اُمید ہے واپس آجائے گا ۔ تمہارے ابا کا خط بھی آیا تھا ۔ وہاں ہر طرح خیریت ہے ۔ طاہر دین بھی زبانی پیغام خیریت کا لے آئے گا ۔ اس سے پیشتر بھی طاہر دین گیا تھا ۔ اس کے متعلق پہلے لکھ چکا ہوں ۔

میں انشاء اللہ ۲۹ ؍جولائی کو یہاں سے سیالکوٹ آنے کا قصد رکھتا ہوں اگر ریل کے سفر کی حالت بدستور رہی تو موٹر کے لیے تم کو تار دوں گا یا خط لکھ دوں گا ۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آیا موٹر میں اتنے آدمیوں کے لیے جگہ ہوگی پھر کچھ تھوڑا بہت اسباب بھی ہوگا معلوم نہیں بھائی کرم الٰہی کے موٹر میں کتنے آدمی بیٹھ سکتے ہیں ۔ تین آدمی تو ہم ہونگے دو نوکر یعنی کھانا پکانے والی عورت اور اس کی لڑکی ۔ ان سب کے علاوہ تم اور موٹر ہانکنے والا ۔ کل سات آدمی ہوئے ۔ دو تین ٹرنک اسباب بھی ہوگا ۔ غرضیکہ تم یہ سب امور پہلے دیکھ کر مجھے مطلع کرو کہ آیا اس موٹر میں اس قدر وسعت ہے ۔ اگر ہو تو جب میں لکھوں تم موٹر لے کر آجانا ۔ یہاں سے سیالکوٹ تک گجرانوالہ کے رستے صرف تین چار گھنٹے کا سفر ہے صبح پانچ بجے چل کر ۸ یا ۹ بجے سیالکوٹ پہنچ سکتے ہیں ۔ پٹرول وہیں سے خرید لینا قیمت ادا کر دی جائے گی کیونکہ ممکن ہے یہاں سے نہ ملے یا گراں ملے ۔

میں نے آج نواب صاحب کو بھی شملہ خط لکھا ہے کہ ان کا موٹر مرمت ہو کر سفر

کے قابل ہوا یا نہیں۔ اُمید نہیں کہ ہوا ہو کیونکہ یہاں پر ان کے آدمیوں میں سے آج کل کوئی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا امور کے متعلق مجھے جلد آگاہی دو۔ انشاء اللہ سردیوں میں شاید میں اپنا موٹر خرید لوں گا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں میری طرف سے آداب کہیں۔ تم اپنے نتیجہ امتحان کی طرف سے مطمئن رہو۔ انشاء اللہ ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ اب یہ سوچنا چاہیئے کہ ایم۔اے میں کون سا مضمون لو گے۔ باقی خیریت ہے۔ وسیمہ کو پیار۔

محمدؐ اقبال۔ لاہور

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ و کعبہ ام۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا ہے وہاں بھی خدا کا فضل ہے۔ یہ خدا تعالیٰ نے اچھا سبب بنا دیا ہے۔ بھائی صاحب کی خیر خیریت ہر دوسرے تیسرے روز مل جاتی ہیں۔ یا تو کوئی آدمی وہاں سے آجاتا ہے یا دستی خط آجاتا ہے۔ غرضیکہ یہ خدا کا خاص فضل ہے۔ اعجاز برات پر آیا تھا اور مجھ سے بھی ملا تھا۔ اب وہ گھر پہنچ گیا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کو اس نے سب حالات بتا دیے ہوں گے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ آپ کی زندگی میں یہ خوشی نصیب ہوئی۔ بارش کل تھوڑی سی ہوئی تھی مگر آج گرمی بدستور ہے۔ انشاء اللہ میں ۲۹ر جولائی کو حاضر ہونے کا قصد رکھتا ہوں۔ موٹر منگوا لیا جائے گا۔ گھر کے سب آدمی اس میں آجائیں گے۔ ذوالفقار علی خاں کا موٹر مرمّت ہو رہا ہے اور امید نہیں کہ اس کی مرمّت آخر جولائی تک

مکمل ہو۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے بچّوں کو دعا۔

محمدؐ اقبال لاہور ۱۰ جولائی ۱۹۱۵ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم۔

اعجاز کے امتحان کا نتیجہ کل شام نکل گیا۔ پاس ہوگیا ہے۔ آپ کو اور بھاوجہ صاحبہ کو مبارک ہو۔ اب اس کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ایم اے میں داخل ہو یا قانون کے امتحان ایل ایل بی میں داخل ہو، دونوں امتحانوں کے لیے دو سال ہیں۔ ایل ایل بی کا امتحان پاس کرنے میں بھی بہت سے فوائد ہیں بھائی صاحب کی خدمت میں بھی میں نے یہی لکھا ہے۔ اعجاز کو بھی اپنی قابلیت کا جائزہ لینا چاہیے۔ وکیل کا کام اگر بہت نہ بھی چلے تو دو ڈھائی سو روپے ماہوار کما لیتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے چند سال محنت کرنی پڑتی ہے اور انتظار کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے اس پر غور کرنے کے بعد مجھے لکھیے کہ اس کی طبیعت کا میلان کدھر ہے۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور ۱۶ جولائی ۱۹۱۵ء

(خطوطِ اقبال) (عکس)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم۔

پٹیالہ کے مقدمہ سے فارغ ہو کر میں آج صبح واپس آگیا ہوں۔ مقدمہ میں بھی کامیابی ہوئی۔ یہ وہاں کے ایک پیرزادہ خاندان کا مقدمہ تھا جو تمام ریاست میں مشہور تھا۔ اب ۲۸ جولائی کو لاہور میں ایک مقدمہ ہے۔ اس سے فارغ ہو کر انشاء اللہ ۳۰ جولائی کو حاضر خدمت ہونے کا قصد ہے۔ اعجاز ۳۰ کو یہاں موٹر لے آئے۔ مگر میں تار بھی دوں گا۔ میرا تار ملنے پر موٹر لائے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

والسلام
محمدؐ اقبال لاہور ۲۶ جولائی ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمدؐ کے نام

لاہور
۳۰ جولائی ۱۹ء

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ یہاں پر بھی خدا کے فضل سے ہر طرح خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا وہ بھی خیریت سے ہیں۔ اعجاز کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور میرے باقی دوستوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ہے اگر اس نے محنت کر کے یہ امتحان پاس کر لیا تو مجھے یقین ہے آئندہ زندگی میں بہت فائدہ اُٹھائے گا۔ اگر پریکٹس نہ بھی کرے تو ملازمت کے حصول میں آسانی ہوگی۔ بھائی صاحب کا خط ابھی اس بارے میں نہیں آیا اور نہ یہ معلوم ہوا ہے کہ اعجاز کی رائے کیا ہے۔

بارش یہاں پر بھی ہوئی ہے۔ ہوا کا سوز کم ہو گیا ہے اور وہ تپش نہیں رہی۔ مگر بارش کچھ زیادہ نہیں ہوئی۔ مطلع ابر آلود ہے۔ اُمید ہے کہ اور بھی برسے گا۔ پشاور میں بھی ابھی کچھ بہت بارش نہیں ہوئی۔ بھائی صاحب کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ

تھوڑی سی بارش ہوگئی ہے۔ باقی خیریت ہے۔

والسلام

محمد اقبال لاہور ۳۰ جولائی ۱۹۱۰ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ۔

کل میں نے تمہیں تار دیا تھا کہ موٹر نہ لاؤ وجہ یہ تھی کہ بڑی سعی سفارش سے گاڑی سیالکوٹ تک ریزرو کرائی تھی مگر عین وقت پر جب کہ ہم لوگ اسٹیشن پر جا چکے تھے۔ ریل والوں نے جواب دے دیا کہ گاڑی بوجہ ملٹری افسروں کے آجانے کے نہیں دی جاسکتی چنانچہ رات کے ایک بجے میں مع عیال سٹیشن سے واپس آیا اور اس قدر رُوحانی اور جسمانی تکلیف ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ یہ تکلیف اس قدر ہمت شکن ہے کہ اب ریلوے سفر کی دوبارہ ہمت مجھ میں باقی نہیں ہے۔ جب بارش تھم جائے اور سڑک وغیرہ ٹھیک ہوجائے تو موٹر لے آنا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کرنا۔ بچوں کو دعا۔

محمد اقبال لاہور ۳ اگست ۱۹۱۰ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ ایل ایل بی کا جو مشورہ

میں نے تم کو دیا تھا اس میں مندرجہ ذیل امور میرے ذہن میں تھے۔ (۱) ایل ایل بی پاس کر لینے کے بعد اگر تم پریکٹس نہ کرو تو عمدہ ملازمت ملنے میں سہولت ہوتی ہے۔ (۲) اگر پریکٹس کرو تو کام میں تم کو خود سکھا سکتا ہوں اور گھر میں جو کتب خانہ قانونی کتابوں کا جمع ہو رہا ہے اس سے بھی تم فائدہ اٹھا سکو گے۔ یہ کام مذاق کا اس قدر نہیں جس قدر کہ محنت اور تجربے کا ہے۔ پریکٹس سے آدمی اس کے سب پہلو سیکھ جاتا ہے۔ البتہ اعلیٰ درجہ کے قانونی کام کے لیے جس میں بڑی بڑی تقریروں کی ضرورت پڑتی ہے مذاق اور قابلیت کی ضرورت ہے سو وہ پنجاب میں فی الحال ہی نہیں۔ (۳) تین سال کی پریکٹس کے بعد (اگر تم پریکٹس کرو) تو ہائی کورٹ کے وکیل ہو جاؤ گے اس وقت اگر حالات مساعدت کریں تو تم کو دو سال کے لیے ولایت بھیج دیا جائے گا جہاں سے بآسانی بیرسٹر بن کر آ سکو گے۔ لیکن اگر تمہاری طبیعت اس سے نفور ہے تو پھر بی۔ ٹی پر میں امتحان ایم۔اے کو ترجیح دیتا ہوں۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد تم کو کالج میں ملازمت مل سکتی ہے بشرطیکہ ایم۔اے عمدہ طور پر پاس کرو۔ موجودہ صورت میں عمدہ ملازمت ملنا مشکل ہے۔ ایل ایل بی یا ایم اے مزید QUALIFICATIONS ہیں۔ پریکٹس کا ارادہ نہ بھی ہو تو ان دونوں میں سے کسی QUALIFICATION کو حاصل کرنا چاہیئے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

والد مکرم کی خدمت میں آداب، ان کا کارڈ بھی مل گیا ہے۔ فریقین کو سخت تکلیف ہوئی مگر والد مکرم کی خدمت میں عرض کریں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ دوسرے روز ایک مقدمہ مل گیا جس میں معقول فیس مل گئی۔ اگر میں گاڑی پر سوار ہو جاتا تو اس سے محروم رہتا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور ۷ اگست ۱۹ء

آموں کی کوئی اور پیٹی آئے تو اسے کھول کر ریل سے آم لے لینا چاہیئے۔

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ والد مکرم کا خط بھی ساتھ ملا اور ادھر سے بھائی صاحب کا خط بھی آگیا۔

غلام نبی کا میرے پاس مبلغ چار سو روپیہ ہے۔ تم ان کو وہاں سے دے دو۔ طاہر دین کے پشاور جانے کی اب ضرورت نہیں رہی کیونکہ بھائی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ خود سیالکوٹ آئیں گے۔ پیچش کی وجہ سے صاحب فراش ہوں چونکہ اس موسم کی پیچش کے بڑھ جانے کا امکان ہے۔ اس واسطے آج صبح اس کا ٹیکہ لگوالیا ہے۔ تمہاری چچی بھی کئی دن سے بیمار تھی اب اس کو آرام ہے۔ باقی خدا کا فضل ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض۔

والسلام

محمدؐ اقبال ۱۱راگست ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

کل میں نے تمہیں خط لکھا تھا مگر ایک دو باتیں بھول گیا۔ (۱) کشمیرے کا سوٹ تم بنالو فی الحال مجھے ضرورت نہیں (۲) قانون کے متعلق جو مشورہ تم کو دیا گیا اس میں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اس میں کوئی مجبوری نہیں اگر تمہاری طبیعت خود اس

فیصلے پر صاد کرے تو اس پر عمل کرنا چاہیئے ورنہ کوئی ضرورت نہیں بصورت دیگر ایم اے میں داخل ہو سکتے ہو۔

(۳) یہ بات دریافت طلب ہے کہ جب موٹر تم وزیر آباد لائے تھے تو کیا سڑک کی خرابی کی وجہ سے موٹر کو کوئی نقصان پہنچ گیا تھا؟ اگر ایسا ہوا تو کیا نقصان ہوا؟ باقی خیریت ہے۔

والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کردیں۔

والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۲ اگست ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

بھائی صاحب نے لکھا تھا کہ کشمیرے کے کوٹ کے لیے استر سیالکوٹ سے خرید نہ کرنا۔ وہیں سے بھیجا جائے گا۔ میں پھر گاڑی ریزرو کرانے کی کوشش کر رہا ہوں اُمید ہے دو تین روز تک ہو جائے گی۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا وہ بھی خیریت سے ہیں۔ افغانستان کے ساتھ چھ ماہ کے لیے عارضی صلح ہو گئی ہے اب امید ہے ان کو ہفتہ دو ہفتہ کے لیے رخصت مل سکے گی۔ والدعا

محمد اقبال لاہور ۱۴ اگست ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط ابھی ملا ہے۔ والد مکرم اور بھائی صاحب کے خطوط بھی اس کے ساتھ ہی ملے۔ الحمدللہ کہ سب طرف خیریت ہے۔ پیچش سے اب بالکل آرام ہے اور تمہاری چچی بھی تندرست ہے اس کی گردن و بازو پر گرمی دانے نکلے تھے۔ جو بڑھ کر پھوڑے بن گئے کہ ان میں پانی پڑ گیا تھا۔ اب اسے بھی بالکل آرام ہے۔ باقی خدا کا فضل ہے۔ والد مکرم کے نام ابھی خط لکھ چکا ہوں۔ ڈاک میں ڈالنے کے بعد تمہارا خط پونچا۔ والد مکرم کی خدمت میں عرض کریں کہ اب کوئی شکایت نہیں۔ ٹیکا محض احتیاطاً لگوایا گیا تھا کہ پیچش طویل نہ ہو جائے۔

والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۶ر اگست ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور

۲۰ر اگست ۱۹ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

بعد دعا کے واضح ہو تمہارا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ گھر میں ہر طرح خیریت ہے۔ والد مکرم کا کوئی خط تمہارے متعلق ابھی نہیں ملا۔ بہرحال اگر تمہاری طبع کا میلان قانون کی طرف نہیں ہے تو بہتر ہے ایم۔اے کلاس میں داخل ہو جاؤ۔ یہ سب کچھ

میں تم کو پہلے لکھ چکا ہوں ۔ حیدر آباد عثمانیہ یونیورسٹی کا اگر تمہیں خیال ہے تو فارسی اور اُردو میں اچھی لیاقت پیدا کرنی چاہیئے ۔ خود ہسٹری کے مطالعہ کے لیے بھی فارسی بلکہ عربی کی بھی ضرورت ہے ۔ عربی نہ سہی تو فارسی کے بغیر کام چلانا مشکل ہے ۔ بشرطیکہ اوریجنل کام مقصود ہو ۔ میں ابھی سیالکوٹ آنے کے لیے چند روز کا اور انتظار کروں گا ۔ اگر گاڑی مل گئی تو ضرور آؤں گا ۔ بارش پھر ہو رہی ہے ۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں ۔ بچوں کو دعا ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے ۔

محمدؐ اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور

۲۰ راگست ۱۹ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

بعد دعا کے واضح ہو تمہارا خط ابھی ملا ہے ۔ والد مکرم کی علالت کی خبر سے تردّد ہے ۔ ان کی خیریت سے جلد آگاہ کرنا چاہیئے ۔ انشاء اللہ میں بھی دو چار روز تک حاضر ہوں گا ۔ گاڑی کے ریزرو کرانے کی بھی کوشش کر رہا ہوں ۔ کھانے کے لیے انہیں ساگودانہ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اراروٹ دیا جائے ۔

قانون کے متعلق تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو بہتر چشم ماروشن دل ماشاد مگر تم تو کہتے تھے کہ طبیعت ہی ادھر راغب نہیں میجارٹی کی رائے طبیعت میں رغبت نہیں پیدا کر سکتی ۔ بہرحال اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو بہتر ہے ۔ میں مکان کی تبدیلی کے فکر میں ہوں ۔ لیکن اب تک کوٹھی نہیں مل سکی ۔ جب تک کوٹھی نہ ملے تم لا کالج ہوسٹل میں رہو یا مسلم ہوسٹل میں ۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب کو اس بارے میں لکھ دوں گا ۔ فی الحال تم لا کالج کے پرنسپل کے نام ایک عرضی ایڈمشن کے لیے لکھ دو ۔ لالہ کنور سین ایم اے بیرسٹر ایٹ لا

پرنسپل لاکالج لاہور) یہ اس واسطے ہے کہ ایک مقرر تعداد (۲۰۰) سے زیادہ ایڈمٹ نہیں کی جاتی ۔ تمہاری عرضی وقت پر پہنچنی چاہیئے۔ بہتر ہو کہ ابھی لکھ دو۔ وقت پر میں بھی ان کو خط لکھ دوں گا۔ اُمید ہے اس میں کوئی دقت نہ ہو گی ۔ تمہارا بستر ابھی تک نہیں ملا۔ علی بخش یہاں نہیں ہے ۔ دوسرے ملازم کو بھیجا تھا مگر جو لڑکا بستر لایا تھا وہ وہاں موجود نہ تھا اور اس کے ساتھیوں نے بستر دینے سے انکار کیا اور کہا کہ اس لڑکے کے آنے پر بستر وہیں بھجوا دیا جائے گا مگر اب تک انہوں نے بستر نہیں بھیجا آج پھر آدمی ارسال کروں گا ۔ والسلام

والد مکرم کی خدمت میں آداب   محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا تھا لیکن آپ کی علالت طبع سے تردد ہے۔ اعجاز کا خط بھی آیا تھا میں نے اسے لکھا ہے کہ آپ کی خیریت سے آگاہ کرے ۔ گاڑی کا انتظام ہو جائے گا آج باقاعدہ درخواست کروں گا امید ہے کہ تین دن میں گاڑی ملے گی پھر میں انشاء اللہ حاضر خدمت ہوں گا اور سب کو ہمراہ لاؤں گا ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے اپنی خیریت سے آگاہ فرمائیے ۔ بچوں کو دعا ۔

والسلام

محمد اقبال لاہور ۲۶ ر اگست ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۶ ر اگست ۱۹ء

مخدومی ۔ السلام علیکم

معارف میں ابھی تصوف و تناسخ پر ایک مضمون نظر سے گذرا ۔ ہندوستان

ریویو میں بھی مَیں نے یہ مضمون دیکھا تھا۔ خیر علمی اعتبار سے تو اس کی وقعت کچھ بھی نہیں، البتہ ایک بات آپ سے دریافت طلب ہے " ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام[۱]" الخ کی نسبت آپ نے لکھا ہے کہ یہ مولانا کا شعر ہے مجھے ایک عرصہ سے اس میں تامّل ہے مثنوی کبھی شروع سے لیکر آخر تک پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر ایک قابلِ اعتبار بزرگ نے قریباً چار سال ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ یہ شعر مولانا کا نہیں ہے اور نہ مثنوی میں ہے اگر مثنوی کے کسی ایڈیشن میں آپ کی نظر سے یہ شعر گذرا ہو تو مہربانی کر کے ایڈیشن اور صفحہ کا حوالہ دے کر ممنون فرمائیے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

(اقبالنامہ)

---

[۱] یہ شعر مولانا کی مثنوی میں نہیں۔ مولانا کی کلیات میں ہے (الشیخ عطاء اللہ)

پُورا شعر یوں ہے ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

ترجمہ۔ (سات سو ستر جون بدلے ہیں اور سبزے کی طرح بار بار پیدا ہوا ہوں)۔

اس سے آواگون کا نظریہ مقصود نہیں۔ انسان کی فکری اور روحانی تقلبات کی طرف اشارہ ہے۔ کلیات رومی ص ۵۴۸ میں اس مفہوم کے درج ذیل تین اشعار ملتے ہیں۔

۱۔ اے پسر اندر سپہر ہفتمیں با ملائک سالہا گردیدہ ام

۲۔ گر بگویم شرح جان خویش را ہنصد و ہفتاد قالب دیدہ ام

۳۔ تو مپرسندم ز حال زندگی ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

ترجمہ۔ ۱۔ اے بیٹے! میں نے ساتویں آسمان میں فرشتوں کے ساتھ برسوں گردش کی ہے (یا سیر کی ہے)

۲۔ اگر اپنی رُوح کی شرح بیان کروں تو میں نے نو سو ستر قالب دیکھے ہیں۔

۳۔ تو مجھ سے میری زندگی کا حال مت پوچھ۔ میں سبزہ کی طرح بار بار اُگا ہوں۔

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر ۲ کا مصرع ۲ اور شعر ۳ کا مصرع ۲ مل کر مذکورہ بالا شعر زبان زد ہوگیا ہے۔ ورنہ قطعہ کی اصل شکل یہی ہے۔

(مؤلف)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط اور والد مکرم کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ گھر میں خیریت ہے۔ ابھی ایک خط ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔

مجھے اس بات کا تعجب ہے کہ تم ہسٹری کے طالب علم ہو اور تمہیں قانون سے رغبت نہیں کہ ان دونوں علوم کا نہایت گہرا تعلق ہے۔ بہرحال جب تم قانون پڑھوگے تو مجھے اُمید ہے تم کو اس سے رغبت ہو جائے گی۔ کتابیں تم کو سب خرید کرنی چاہیئیں کہ مجھے ہر وقت پریکٹس میں ان کی ضرورت رہتی ہے۔ البتہ DYCE اور ALBERT دونوں سیالکوٹ کی کتابوں میں دیکھو شاید وہاں سے مل جائیں، ممکن ہے کہ RATIGAN جوری پروڈنس[1] بھی ہو لیکن یقینی نہیں کہہ سکتا۔ اس کے علاوہ میرے پاس پرانی ایڈیشن ہیں تم کوئی ایڈیشن پالک وغیرہ کی خرید کرنی چاہئیں لالہ کنورسین کے نام میرے حوالے سے ایک خط لکھ دو فارم بعد میں پُر کر دیا جائے گا۔ ہر معاملے میں اپنی رائے کو دخل نہ دیا کرو۔ اس ضمن میں جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ اس واسطے تھا کہ میں نے لالہ کنورسین صاحب سے تمہارا عرصہ ہوا ذکر کر دیا تھا۔ پھر تم لاہور آؤگے تو ایک دستی خط ان کے نام دوں گا۔ امید تو نہیں کہ ان سو زائد درخواستیں ہوں تاہم یہ سب کچھ میں نے ازراہِ احتیاط کیا تھا۔ باقی خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں عرض کر دیں کہ کوٹھی کی تلاش میں ہوں تعویق اس وجہ سے ہوئی کہ کوٹھی موقع پر نہیں ملتی اور جو کوٹھیاں موقع پر ہیں ان کے مالک ہندو ہیں جو قدرتی طور پر ہندو کرایہ داروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ کوٹھی نہ ملنے کی اصل وجہ یہ ہے کم بخت

نوٹ: یہ خط ۲۹ راگست ۱۹۱۹ء کو لکھا گیا جیسا کہ اگلے خط سے ظاہر ہے۔ (مرتب)

[1] JURISPRUDENCE

..... نے وعدہ کیا اور بعد میں بدعہدی کر کے جو آج کل کے مسلمانوں کا عام شیوہ ہے کوٹھی کسی اور کو دے دی۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

یہاں کتابوں میں نکل آئی ہے البرٹ[1] DYCE وہاں تلاش کرو یہاں نہیں ہے۔ صبح خط لکھ چکا ہوں۔ امتیاز[2] کے لیے دوائی کل بذریعہ پارسل روانہ ہوگی۔

محمد اقبال ۲۹ اگست ۱۹۱۹ء لاہور

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۳۰ اگست ۱۹۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

کئی روز ہوئے، آپ کا والا نامہ ملا تھا، مگر میں ان دنوں پیچش

---

[1] ALBERT

[2] امتیاز میرے منجھلے بھائی کے لیے جو دوائی بھیجنے کا لکھا تھا وہ سیالکوٹ میں دستیاب نہ تھی اور انہیں لاہور سے بھیجنے کے لیے لکھا گیا تھا۔ (شیخ اعجاز احمد)

میں مبتلا تھا، جواب نہ لکھ سکا۔ آج میز پر تلاش کرتا ہوں تو وہ خط ندارد ہے۔ تعجب ہے کہ آپ غزل تو مولوی گرامی صاحب کی صحبت میں لکھیں اور اصلاح کے لیے مجھ سے ارشاد ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اصفہان میں رہنا اور سرمہ ہندوستان سے خرید کرنا۔ آپ نیاز ہیں مگر گرامی صاحب کی صحبت ہے تو تمام جہان کے شعرا سے بے نیاز۔

بے نیازانہ ز ارباب کرم می گذرم[1]

چوں سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشاں گذرد

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سیالکوٹ جانے کی دو دفعہ کوشش کی، مگر ریزرو گاڑی نہ مل سکی۔ ایک دفعہ ریلوے اسٹیشن سے واپس آنا پڑا کہ حکام نے ریزرو گاڑی دینے کا غیر مشروط وعدہ نہ کیا تھا، اتفاق سے اسی شب ملٹری افسر آگئے۔ مجھے بمع اہل و عیال رات کے ساڑھے بارہ بجے واپس آنا پڑا۔ اس تکلیف کے بعد اب کہیں جانے کی ہمت نہیں رہی۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ ان سے کہیے کہ علم کی ہجو میں کوئی شعر فرمائیے، مگر صوفیانہ رنگ میں نہ ہو یعنی العلم حجاب الاکبر کا رنگ نہ ہو۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] ترجمہ:

اربابِ کرم سے میں اس طرح بے نیاز گزر جاتا ہوں،

(یعنی ان کا رہینِ منت نہیں ہوں)۔

جیسے کوئی خوبصورت آنکھوں والا سُرمہ فروشوں کے سامنے سے بے نیاز گزر جاتا ہے۔

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط مل گیا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا۔ وہ اتوار کے روز وہاں سے چلیں گے۔ غالباً میں بھی اسی روز چلوں گا یا ایک روز بعد پانچ چھ ستمبر کو لاہور کی نیم شبی گاڑی کا تعلق وزیرآباد سے سیالکوٹ جانے والی گاڑی کے ساتھ ہو جائیگا۔ میل میں تو آج کل کسی کو جگہ نہیں ملتی رات کی گاڑی میں ہی آنا ہوگا کیونکہ بھائی صاحب کے کپڑوں کا ٹرنک بھی ساتھ لانا ہے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔

بچوں کو دُعا۔ محمد اقبال لاہور ۳ ستمبر ۱۹ء

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۴ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

سیالکوٹ نہ جاسکنے کی وجہ عرض کرچکا ہوں۔ اب پھر ارادہ کیا ہے، لیکن اُمید ہے کہ ارادہ کی تکمیل ہو جائے، اس واسطے کہ اکیلا جاؤں گا۔ اہل و عیال ہمراہ نہ ہوں گے۔ میرے برادر بزرگوار پشاور سے دس روز کی رخصت پر آئے ہیں، اُن سے ملنا ہے۔ ایک ہفتہ یا شاید اس سے بھی (زیادہ) وہاں قیام رہے گا۔ واپس آکر فیصلہ کروں گا کہ جالندھر بھی حاضری ہو سکے گی یا نہیں۔ مولینا گرامی کی خدمت میں عرض

کیجیے گا کہ پنشن بند کروانے کا اچھا نسخہ ان لوگوں کو سوجھا۔ انشاء اللہ اب لاہور بلانے کے لیے بھی یہی نسخہ استعمال کیا جائے گا۔ اُن کو معلوم ہوگا، سیّد علی امام وہاں پہنچ گئے ہیں۔ اگر وہ لاہور نہ آئے تو میں اُنہیں ضرور لکھوں گا کہ گرامی کی پنشن بند کی جائے اور اُس کی عرضیوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے۔

آپ کی غزلوں میں مجھے دُوسری غزل (نخفت است) کا مطلع پسند ہے۔ باقی اشعار پھر لکھیے۔

کبوتروں کے دو جوڑے جو آپ نے بکمال عنایت فرمائے تھے۔ اُن میں سے ایک جوڑا بچے نہیں دیتا، انڈے توڑ دیتا ہے اور دوسرے کبوتروں کے نیچے بھی اس کے انڈے رکھے جائیں تو بچے نہیں نکلتے۔ دوسرے جوڑے نے بچّے دیے، مگر اُن میں سے دو جو بہت اچھا اُڑتے تھے، شکاری جانوروں کا شکار ہوگئے، ایک باقی ہے، جوڑے میں نَر ضعیف اور کمزور ہے، اُمید نہیں دیر تک زندہ رہے: بہتر یہ ہے کہ چند بچّوں کے جوڑے بھجوا دیجیے، اگر ممکن ہو تو — میں نے لُدھیانے بھی لکھا ہے اور شاہجہانپور سے بھی انشاء اللہ کبوتر آئیں گے۔

آپ کے صاحبزادے نے ذکر کیا تھا کہ فیروز پور میں کوئی شخص ہے جو کبوتروں کو مستقل رنگ دے سکتا ہے، جو رنگ ان کے بچّوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔ مہربانی کرکے صاحبزادے سے دریافت کیجیے کہ اُس آدمی کا پتہ کیا ہے۔ کل کرنل اسٹیفنسن[۱] صاحب سے، کبوتروں کے رنگ کے متعلق بہت گفتگو ہوئی۔ اُنھوں نے چند کتابوں کے نام لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہو۔

مخلص

محمّد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام محمد نیاز الدین خان)

---

[۱] COL. STEPHESON

وحید احمد مسعود بدایونی کے نام[1]

لاہور

۴۔ستمبر

مکرمی تسلیم

"نقیب" کے لیے دو تین اشعار حاضر ہیں:

از من اے باد صبا گوے بہ دانائے فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تر است
برق را ایں بہ جگر می زند آں رام کند
عشق از عقل فسوں پیشہ جگر دار تر است
چشم جز رنگ گل و لالہ نہ بیند ورنہ
آنچہ در پردۂ رنگ است پدیدار تر است[2]

مخلص
محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

---

[1] ان خطوط کے مکتوب الیہ شیخ وحید احمد مسعود بدایونی مدیر "نقیب" (بدایوں) ہیں۔ یہ رسالہ پہلے ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا اور کچھ عرصے کے بعد بند ہوگیا۔ ۱۹۲۱ء میں دو بارہ جاری ہوا۔ اقبالنامہ حصہ اول (صفحہ ۴۲۵ - ۴۲۸) میں یہی خطوط عشرت رحمانی کے نام سے درج ہیں لیکن بقول جناب عابد رضا بیدار یہ خطوط وحید احمد کو لکھے گئے تھے جیسا کہ تیسرے خط کی آخری سطر سے ظاہر ہوتا ہے (دیکھئے اقبالنامہ حصہ اول صفحہ ۴۲۸) (شبیر احمد ڈار)

اصل قصہ یہ ہے کہ عشرت رحمانی مدیر رسالہ "نیرنگ" (دہلی) کی ہمشیرہ کی شادی شیخ وحید احمد مسعود کے خاندان میں ہوئی تھی انہوں نے "نقیب" کے دفتر سے جملہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور
۱۷ ستمبر ۱۹۱۸ء

سرکار والا تبار۔ تسلیمات عرض۔

عید کارڈ موصول ہوگیا تھا جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے پنجاب میں عید امسال بہت سی قربانیاں لے کے گئی تاہم مبارک ہے کہ انشاء اللہ نتائج مبارک ہوں گے۔ امید کہ سرکار مع اعزہ و اقربا ہر طرح خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ملاقات کو جی ترستا ہے مگر کیونکر ہو؟ گذشتہ سرما میں دہلی گیا تھا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ قوالی کی صحبت رہی آپ بہت یاد آئے۔

زمانے کے گذشتہ نمبر میں سرکار کی ایک نظم نظر سے گزری معنوی ملاقات

خطوطِ اقبال لے لیے۔ شیخ صاحب کا بیان ہے کہ ان خطوط کی تعداد پچاس سے زاید تھی لیکن صرف تین چار خط جو "نیرنگ" میں چھپے تھے وہی عشرت رحمانی نے شیخ عطاء اللہ صاحب مرتب 'اقبال نامہ' کو بھیج دیے اور اس طرح غلطی سے یہ خطوط عشرت رحمانی کے نام شائع ہوگئے۔
رحیم بخش شاہین: اوراق گم گشتہ ص ۱۷۳

۲ یہ تین اشعار 'نقش فرنگ' کے عنوان سے پیام مشرق (ص ۲۲۵-۲۲۶) میں شامل ہیں۔

ترجمہ:

اے باد صبا میری طرف سے دانائے فرنگ سے کہہ دینا کہ،
جب سے عقل نے پَر پُرزے نکالے ہیں اور بھی زیادہ گرفتار ہوگئی ہے۔
برق (بجلی) کو یہ جگر پر سہتا ہے اور عقل اسے مسخر کرتی ہے،
دیکھا جائے تو عقلِ فسوں ساز سے عشق زیادہ جیالا ہے۔
آنکھ سوائے رنگِ گل و لالہ کے کچھ نہیں دیکھتی ورنہ،
جو کچھ رنگ کے پردے میں چھپا ہوا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے۔

تو ہوگئی ظاہری باقی ہے خدا کو منظور ہوا تو اس کا وقت بھی آجائے گا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا آغاز ہوگیا ہے مجھے یقین ہے کہ آپ کے اسکالرشپ اور علمی قدردانیوں سے ارکانِ یونیورسٹی کو طرح طرح کے فائدے ہوں گے۔ بھلا یہ دو شعر کیسے ہیں؟ بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمایئے۔

یزداں روزِ محشر برہمن گفت — فروغِ زندگی تاب شرر بود[1]
ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم — صنم از آدمی پایندہ تر بود

مخلص قدیم محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبالنامہ)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۷ ستمبر ۱۹ء

مخدومی۔ السلام علیکم

والانامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے مگر میں لاہور میں نہ تھا اس واسطے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمایئے گا۔

یہ شعر گلشن راز کا[1] نہیں ہوسکتا اس کی بحر اور ہے۔ ع

یقیں داند کہ ہستی جز یکے نیست[2]

انشاء اللہ معارف کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ کئی ماہ کے بعد صرف تین شعر

---

[1] ترجمہ:

حشر کے دن برہمن نے یزداں سے کہا، زندگی کی نمود ایک شرارے سے زیادہ نہیں تھی۔

اگر تو بُرا نہ مانے تو کہوں کہ ہمارے بُت آدمی سے زیادہ پایندہ تھے!

[1] اور [2] اگلے صفحہ پر دیکھیے۔

لکھے تھے نقیب[۳] کا عرصہ سے تقاضا تھا اُس کے لیے بھیج دیے۔

مَیں تو اپنے اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتا لیکن جب ایڈیٹر معارف ان کے لیے تقاضا کرتے ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان میں کچھ ہو۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

حیدر آباد کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں افواہاً مَیں نے بھی کئی دفعہ سُنا ہے کہ وہاں اقبال کا تذکرہ ہے مگر مجھ تک کبھی کوئی باقاعدہ اطلاع نہیں آئی نہ مَیں نے خود کوئی درخواست آج تک کی۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(اقبالنامہ)

(عکس)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۷ ستمبر ۱۹ء

مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دُوسرے صفحہ پر چند اشعار معارف کے لیے لکھتا ہوں۔ مدت سے یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ گذشتہ رات زکام کی وجہ سے سو نہ سکا یہ تاثر

۱؎ یقین جانئے کہ ہستی ایک کے سوا دُوسری نہیں ہے۔

یہ مصرعہ مولانا رومی کا ہے جو مثنوی میں نہیں کلیات میں ہے۔ (عطاء اللہ)

۲؎ یہ مشہور مثنوی علامہ محمود شبستری (متوفی ۷۲۰ھ) نے فنِ تصوف میں لکھی ہے تفصیل کے لیے حواشی ملاحظہ ہوں۔

۳؎ نقیب نام کا ایک رسالہ بدایوں سے نکلتا تھا جس کا ذکر ۲۸ ستمبر ۱۹۱۸ء کے خط کے نوٹ میں ہے۔ (مولف)

ایک چھوٹی سی تضمین کی صورت میں منتقل ہوگیا۔ درد سر نے زیادہ شعر نہ لکھنے دیے اور نہ طبیعت پر زیادہ زور دے سکا۔ معلوم نہیں آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے۔ واقعات صاف اور نمایاں ہیں مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان نہیں سمجھتے اور لندن کے شیعوں[1] کے اشارہ پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔ افسوس مفصل عرض نہیں کر سکتا کہ زمانہ نازک ہے، بہر حال اگر یہ اشعار آپ کو پسند نہ ہوں یا رسالہ معارف کے لیے آپ انہیں موزوں نہ تصور فرمائیں تو واپس بھیج دیجیے۔

مسئلۂ تصویر پر آپ نے خوب لکھا اور اصولِ تشریعی واضح کرکے کئی اور مسائل کو بھی بالکنایہ حل کر دیا للہ درک

اس خط کو پرائیوٹ تصور فرمائیے

بہت آزمایا ہے غیروں کو تُو نے — مگر آج ہے وقتِ خویش آزمائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟ — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہُو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی

"مرا از شکستن چنیں عار ناید[2]

کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

مخلص محمدؐ اقبال

عنوان اِن اشعار کا آپ خود تجویز کرلیں۔ اصل فارسی شعر میں "دیگراں کی جگہ" "ناکساں" ہے۔ مَیں نے یہ لفظی تغیر ارادۃً کیا ہے۔ (اقبالنامہ)

---

[1] اشارہ ہز ہائی نس آغا خان کی طرف ہے۔ مجلسِ خلافت کی بنیاد اسی طرح پڑی تھی یعنی یہ کہ آغا خاں نے منشی مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم بیرسٹر کو آمادہ کیا۔ اور انہوں نے مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محل کو لکھ کر آمادہ کیا۔ (شیخ عطاء اللہ)

[2] ترجمہ:

مجھے ٹوٹنے سے اتنی شرم نہیں آتی جتنی دوسروں سے مومیائی مانگنے میں آتی ہے۔

بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے – مگر آج ہے وقتِ خویش آزمائی
نہیں تجھکو تاریخ سے آگہی کیا ؟ – خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جسکو اپنے لہو سے – مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی

"مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

مخلص محمد اقبال

عنوان ان اشعار کا آپ خود تجویز کر لیں – اصل فارسی شعر میں "دیگراں"
کی جگہ "ناکساں" ہے میں نے عمداً یہ لفظ تبدیل کر دیا ہے –

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۷ راکتوبر ۱۹ء

سرکار والا تبار. تسلیم

والا نامہ کل شام موصول ہوا۔ مثنوی خمار شاد کی کاپیاں بھی وصول ہوئیں۔ چند احباب اس وقت بیٹھے ہوئے تھے ان میں تقسیم ہوگئیں۔ بات یہ ہے کہ علمی دنیا میں کیا اور سوشیل اعتبار سے کیا خماری شاد ایک خاص آدمی ہیں، جن کے افکار سے ہر آدمی کو دل چسپی ہے۔

خدا کا فضل و کرم ہے کہ اس وقت بہمہ وجوہ خیریت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ سرکار والا بھی معہ متعلقین و متوسلین مع الخیر ہیں۔ سر سیّد علی امام اگر آپ کو اخ معظّم کہتے ہیں تو حقیقت حال کا اظہار کرتے ہیں واقع میں ایسا ہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے اور ان کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہیں گے۔ سید علی امام سے جہاں تک مجھے واقفیت ہے وہ نہایت نکتہ رس اور تعلقات کو نباہنے والے آدمی ہیں۔ عام زندگی میں ان کا بے تکلفانہ انداز اور سادگی نہایت دل فریب ہے اور یہ خصوصیات مجھے یقین ہے دکن کی آب و ہوا کا بخوبی مقابلہ کرسکیں گی۔

اب کے موسم گرما یہیں لاہور میں گزرا۔ کشمیر جانے کا قصد تھا مگر یارانِ طریقت ہم سفر نہ ہو سکے اکیلے سفر کرنا اقبال سے ممکن نہیں۔ ع

اکیلے لطفِ سیر وادی سینا نہیں آتا

آج تعطیلاتِ گرما ختم ہوگئیں موسم سرما کا آغاز ہے۔ لاہور میں چہل پہل ہے اور رونق شروع ہو رہی ہے۔ کالج طلبہ سے معمور ہو گئے۔ بازاروں میں طلبہ کے جھنڈ پھر نظر آنے لگے۔ غرض کہ خدا خدا کر کے گرمی کا خاتمہ ہوا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ سرکار نے یہ کیا لکھا کہ "نہ آپ آتے ہو نہ مجھے بلاتے ہو"، اقبال ایک

مدت سے منتظر امام ہے۔ کئی سال پیشتر عرض کر چکا ہے۔ ع

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں

سرکار ظہور امام کی خبر دیتے ہیں۔ پھر کیا عجب کہ اقبال کی دیرینہ ارادت اور حماری شاد کی کشش متحد ہو کر کام کر جائیں۔ اور اقبال جو معنوی اعتبار سے پہلے ہی شاد کا آستانہ نشیں ہے صوری اعتبار سے بھی حاضر ہو جائے! اقبال کی کشش تو ایک عرصے سے قوت کھو چکی ہے۔ شاد کی کشش کا امتحان باقی ہے۔

اُمید کہ مزاج عالی بخیر و عافیت ہوگا۔

بندۂ درگاہ مخلص محمد اقبال لاہور

(شاد اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

ملفوف خط سٹیشن ماسٹر سیالکوٹ کے نام ہے۔ میں نے یہاں لاہور کے سٹیشن سے تمام حالات دریافت کر کے لکھا ہے۔ یہاں سے یہ ہدایت ہوئی ہے کہ اس مضمون کا خط سٹیشن ماسٹر سیالکوٹ کے نام لکھا جائے۔ اُمید ہے اس عرضی سے گاڑی آپ کے لیے ریزرو ہو جائے گی۔ اور اس میں صرف عورتیں بیٹھ سکیں گی۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ صبح ۳۰ ستمبر کو آپ وہاں سے چلیں۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ وکعبہ ام، السّلام علیکم

کئی دن ہوئے ایک خط غلام محمدؐ کے لڑکے کے بارے میں آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔ جس کا مفہوم اعجاز کہتا ہے کہ میں نے اسے سمجھا دیا تھا۔ آج میر ہدایت اللہ صاحب کا جواب آیا ہے جو میرا خیال تھا صحیح نکلا۔ ڈاکٹر میر ہدایت اللہ لکھتے ہیں کہ کالج و اسکول کا داخلہ بند ہو چکا ہے اب کسی کے اثر و رسوخ سے کوئی لڑکا اسکول میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اطلاعاً عرض ہے۔ اب اس کو یا تو اسلامیہ کالج میں داخل ہو جانا چاہیئے یا ایک برس انتظار کرنا ہوگا اگر وہ میڈیکل اسکول میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

محمدؐ اقبال، لاہور
۹ر اکتوبر ۱۹۱۹ء
(مظلوم اقبال)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۰ اکتوبر ۱۹ء

مخدومی - السلام علیکم
نوازش نامہ ملا۔ عنوان جو آپ نے تجویز فرمایا ہے ٹھیک ہے تبصرہ کے متعلق میں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ میرا مجموعہ شائع ہولے تو لکھیے فی الحال میں ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب لکھ رہا ہوں جس کا قریباً نصف حصّہ لکھا جاچکا ہے کچھ نظمیں فارسی میں ہوں گی کچھ اُردو میں۔ کلام کا بہت سا حصّہ نظر ثانی کا محتاج ہے لیکن اور مشاغل اتنی فرصت نہیں چھوڑتے کہ ادھر توجہ کرسکوں تاہم جو کچھ ممکن ہے کرتا ہوں۔ شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمح نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس۔ اس بات کو مدّنظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہُوں اُن کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں اس واسطے کہ آرٹ (فن) غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے اور یہ بات موجودہ حالات میں میرے لیے ممکن نہیں۔ جرمنی کے دو بڑے شاعر ہیں سڑھتے یعنی گوئٹے[1] اور اوہلنڈ[2]۔ گوئٹے تھوڑے دن پریکٹس کرکے ویمر[3] کی ریاست کا تعلیمی مشیر بن گیا اور اس طرح فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کا اُسے پورا موقع مل گیا اوہلنڈ تمام عمر مقدمات پر بحث کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت تھوڑی نظمیں لکھ سکا اور وہ کمال پورے طور پر نشوونما

---

[1] GOETHE

[2] پورا نام LUDWIG UHLAND ہے۔

[3] WEIMAR

نہ پاسکا جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ موجودہ حالات میں میرے افکار اس قابل نہیں کہ ان کی تنقید کے لیے سید سلیمان کا دل و دماغ صرف ہو لیکن اگر احباب تبصرہ پر مصر ہیں تو یہی بہتر ہے کہ مجموعہ کا انتظار کیا جائے اس کے علاوہ میں اپنے دل و دماغ کی سرگذشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں اور یہ سرگذشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لیے نہایت ضروری ہے مجھے یقین ہے کہ جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ہیں اس تحریر سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہوگا۔

زیادہ کیا عرض کروں اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص۔ محمد اقبال

"کاش" یاجوج ماجوج" پر آپ کوئی مضمون لکھتے یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔

محمد اقبال

(عکس)

(اقبالنامہ)

مس ویگے ناسٹ کے نام

لاہور (ہندوستان)

۱۰/اکتوبر ۱۹۱۹ء

عزیزہ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

آخرکار وہ ہولناک جنگ اب ختم ہوگئی ہے[1]۔ اور چار سال کی طویل خاموشی کے بعد مجھے دوبارہ آپ کو خط لکھنے کا موقع حاصل ہوا ہے۔ آپ کا ملک ایک عظیم آزمائش سے گزرا ہے۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ جلد ہی وہ اُن نقصانات کو پورا کر سکے گا، جو اس جنگ میں اسے پہنچے ہیں۔ اس تمام عرصے میں میں آپ کی اور آپ کے

---

[1] پہلی جنگ عظیم نومبر ۱۹۱۸ء میں بند ہوگئی تھی۔ مگر انگلستان اور جرمنی میں صلح نامے پر دستخط ۲۸/جون ۱۹۱۹ء کو ہوئے تھے۔

عزیزوں، اور بالخصوص آپ کے بھائیوں[۱] کی سلامتی کے متعلق بہت تشویش مند رہا ہوں۔ براہِ کرم جلد از جلد مجھے اپنے بھائیوں کے حالات کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔ جرمن قوم کو واقعی بہت بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔

میں یہ خط انگریزی میں لکھنے کے لیے بڑا معذرت خواہ ہوں، لیکن میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ آپ کو اس خط کا ترجمہ کروانے کی زحمت اُٹھانی پڑے، بہ نسبت اس کے کہ میں اپنی غلط سلط اور بھونڈی جرمن سے آپ[۲] کی سمع خراشی کروں۔

براہِ کرم ہائیڈل برگ والی محترمہ پروفیسر صاحبہ کے بارے میں بھی اطلاع دیجئے۔ کیا آپ کو جناب رائنر HERR REINER صاحب کی بھی کوئی خیر خبر ملتی رہتی ہے؟ وہ کہاں ہیں، اور کیا کر رہے ہیں؟

آپ کا مخلص

محمد اقبال

بیرسٹرایٹ لاء

لاہور

(انگریزی سے)

(اقبال یورپ میں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

کارڈ ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ شیخ صاحب سے میں نے آپ کے

۱۔ یہاں BROTHERS (برادران) لکھا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے خط میں انہوں نے صیغۂ واحد میں بھائی لکھا ہے۔ (سید اختر درانی)

۲۔ ترجمہ میں ذرا سی ترمیم کی ہے۔ (مولف)

خط کا تذکرہ کیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ دسمبر کی تعطیلوں سے مُراد تھی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح نومبر میں یا اگر ممکن نہ ہوا تو دسمبر میں) آپ کی خدمت میں ہم دونوں حاضر ہوں گے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں آداب عرض ہوں۔ وہ کب حیدر آباد جانے کا قصد رکھتے ہیں؟ حیدر آباد سے ایک بزرگ نے اپنا دیوان مجھے ارسال کیا ہے۔ اُن کا نام عزیز جنگ (شمس العلماء خان بہادر) ہے۔ گرامی صاحب اُنہیں جانتے ہوں گے۔ والسلام

اُمید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

۱۴ ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

عصیان ما و رحمت پروردگار ما[1]

ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ شعر (کے) مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیئے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف، مجھے یقین ہے فارسی لٹریچر میں

---

[1] ہمارے گناہ اور ہمارے پروردگار کی رحمت،
نہ ان کی کوئی حد ہے اور نہ اُس کی کوئی انتہا ہے۔

اِس پائے کا شعر کم نکلے گا۔ انسان کی بے نہایتی کا ثبوت دیا ہے، مگر اس انداز سے کہ موحد کی رُوح فدا ہو جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک معنی میں انسان بھی بے نہایت ہے اور یہی صداقت مسئلۂ وحدت الوجود میں ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو اس خوبی سے نمایاں کیا ہے کہ پڑھنے والے پر اسلامی حقائق کا انکشاف ہوجاتا ہے یہی ہے کمال شاعری جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے ؎

"تمہید نیم خند تو مرگِ ولایتے"[1]

اگر یہ شعر مطلع ہوتا تو خواجہ کی پوری غزل کا جواب ہوتا اور اگر یہ مصرع خواجہ کو سوجھتا تو وہ اس پر فخر کرتے، البتہ پہلے مصرع میں جو لفظ "آں" آیا ہے، اس کو کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہیئے (عنوان آں نگاہ) یہ مشورہ مولینا کی خدمت میں پیش کیجئے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ شعر مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا فوری اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے، بلکہ اپنی ولایت میں بھی اُنہیں شک نہ رہتا۔ اُمید کہ

---

[1] ترجمہ:-

تیرے اُدھورے مُسکان کی تمہید بھی ایک عالم (ولایت) کی موت ہوتی ہے!

نوٹ: مندرجہ بالا خط "اقبال نامہ" حصہ دوم (ص - ۳۱۸) پر ۱۴ اپریل ۱۹۱۹ء کے تحت شامل کیا گیا ہے جبکہ "مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں" میں اسے ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے تحت رکھا گیا ہے۔ ہم بھی یہاں اس خط کو ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء کی ذیل میں ترتیب دے رہے ہیں کیونکہ ماہ اپریل کے دوسرے خطوط کے سیاق و سباق سے اس خط کا جوڑ نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ "مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں" کے مجموعہ پر ماہر اقبالیات اور محقق جناب ایس۔ اے رحمٰن نے کتاب کے متن کا موازنہ اصل خطوط سے کرنے کے بعد ہی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

(مرتب)

اُن کا روپیہ حیدر آباد سے آگیا ہوگا۔ لیکن اگر پریشانی اُن سے ایسے اشعار لکھواتی ہے تو اہلِ ذوق کو حضور نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجنی چاہیے کہ اُن کا منصب بند کر دیا جائے۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال لاہور
۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

(مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۹ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ گرامی صاحب کے شعر میں "یک" نہایت موزوں ہے۔ "یک نگاہ" اور نیم خند کا مقابلہ نہایت لطیف ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ صاحب الہام اپنی بلاغت سے بھی آگاہ ہو۔ اگر گرامی صاحب کے خیال میں وہ معانی نہ تھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اُن کے الفاظ میں تو موجود ہیں۔

مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا کہ آپ میرے خطوط محفوظ رکھتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا، جب انہوں نے میرے بعض خطوط ایک کتاب میں شائع کر دیے تو مجھے بہت پریشانی ہوئی۔ کیوں کہ خطوط ہمیشہ عجلت میں لکھے جاتے ہیں اور اُن کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔ عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں۔ مگر اشاعت اُن کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیئے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیت کے ساتھ لاپرواہ ہوں۔ اُمید ہے، آپ میرے خطوط کو اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص، محمدؐ اقبال، لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاںؒ)

شوق سندیلوی کے نام[1]

لاہور

۴، نومبر ۱۹۱۹ء

مکرم بندہ

سلام مسنون۔ میں اس رنگ کی شاعری سے بے بہرہ ہوں، اس واسطے آپ کی تعمیل ارشاد سے قاصر ہوں۔ بظاہر کوئی غلطی اس میں نظر نہیں آئی۔

مخلص

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۹، نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ جس کے لیے شکر گزار ہوں۔

مسئلۂ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے۔ اس خیال سے کہ اس مسئلے کے متعلق مسلمانوں کو امر بالمعروف کرنا میرا فرض ہے۔ جلسے میں چلا گیا۔ سکریٹری شپ انجمن حمایت اسلام کے لیے میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ مسلمان پبلک میرے سپرد یہ کام کرنا چاہتی ہے اور میں نے بعض معززین سے وعدہ کیا ہے کہ اگر

---

[1] عبدالعلی شوق سندیلوی نے اقبال کو اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجنا شروع کیا۔ اگرچہ اقبال نے معذرت کی لیکن شوق کے استقلال نے آخر اقبال کو اصلاح پر آمادہ کر دیا۔ یہ خط اقبال نے اسی سلسلے میں شوق کو لکھا تھا تفصیل کے لیے حواشی ملاحظہ ہوں۔ (بشیر احمد ڈار)

عبدالعزیز صاحب مستعفی ہو جائیں، تو میں یہ کام اپنے ذمہ لے لوں گا۔ اس سے زیادہ میری اور کوئی کوشش نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ مقصود جاہ طلبی اور نام و نمود نہیں۔ اگر عبدالعزیز صاحب نے یہ کام چھوڑ دیا تو میں جہاں تک میرے بس میں ہوگا، کام کروں گا۔

آپ کے دوست کے اشعار نہایت خوب ہیں، خاص کر یہ مصرع

"اپنی ہستی کے ہم سوالی ہیں"

"ہو اثر کیا حروف خالی ہیں"، بھی پتے کی بات ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں، خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔

۲۳ دسمبر کو دہلی جاؤں گا، وہاں سے ۲۵ یا ۲۶ کو واپس ہوتا ہوا ایک آدھ روز کے لیے آپ کی خدمت میں بھی ٹھہر جاؤں گا، بشرطیکہ صحت اچھی رہی۔ سردی کا سفر بہ سبب ضعف گردہ میرے لیے مضر ہوتا ہے۔ مولینا اکبر الہ آبادی دہلی میں ہیں اور آخر دسمبر تک قیام کریں گے۔ اُن کی زیارت ضروری ہے۔ اس کے لیے فقیر سید نجم الدین صاحب کے لڑکے کی شادی ہے، وہ اصرار کر رہے ہیں۔ اگر مولینا اکبر کی کشش نہ ہوتی تو فقیر صاحب سے معافی مانگ لیتا۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۰؍ نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی۔ السلام علیکم۔
کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ مؤکلین وکلاء کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لیے آتے ہیں تو ان میں سے بعض پھل پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لے آتے ہیں۔ یہ ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں۔ کیا یہ مال مُسلمان کے لیے حلال ہے؟

مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ بہت دلچسپ کتاب ہے، مگر دیباچہ[1] میں مولوی فضل الدین احمد لکھتے ہیں کہ۔ 'اقبال کی مثنویاں تحریک الہلال ہی کی آوازِ بازگشت ہیں'۔ شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کیے ہیں ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں۔ اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریریں نظم و نثر انگریزی و اُردو موجود ہیں جو غالباً مولوی صاحب کے پیشِ نظر نہ تھیں بہرحال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ اُنھوں نے ایسا لکھا مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ نام آوری البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ اُن کے خیال میں اقبال تحریکِ الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا۔

---

[1] وحید احمد مسعود بدایونی ایڈیٹر 'نقیب' (بدایوں) نے سب سے پہلے علامہ کو اس سے مطلع کیا وہ اپنے مضمون 'اقبال اور وحید احمد مسعود بدایونی' میں جو 'ادبی دنیا' کے دورِ ششم کے شمارہ نمبر ۲۲ میں شایع ہوا لکھتے ہیں کہ علامہ نے جواب میں نہایت عجز کا اظہار کیا کہ اصل مقصد تعلیم ہے وہ کسی نام سے ہو بہتر ہے تاریخ میں اگر میرا نام نہ آئے تو مضائقہ نہیں۔
(رحیم بخش شاہین: اوراق گم گشتہ ص ۱۷۰)

تحریک الہلال نے اُسے مسلمان کیا ان کی عبارت سے ایسا مترشّح ہوتا ہے ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سُنے گئے اُن میں اور مثنویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے کیا سُنا تھا اور سُنی سنائی باتوں پر اعتبار کرکے ایسا جملہ لکھنا جس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں کسی طرح ان لوگوں کے شایانِ شان نہیں جو اصلاح کے علمبردار ہوں۔ مجھے معلوم نہیں مولوی فضل الدین صاحب کہاں ہیں ورنہ یہ موخر الذکر شکایت براہِ راست اُن سے کرتا اگر آپ سے اُن کی ملاقات ہو تو میری شکایت اُن تک پہنچائیے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔

آپ کا خادم
محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبالنامہ)

محمد علی کے نام

لاہور
۱۲/نومبر ۱۹۱۹ء

مائی ڈیر محمد علی

ہمارے وفد کی عرض داشت کے جواب میں والیسرائے بہادر نے جو دلیل دی ہے اس کا موثر جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ چند ممبرانِ اسمبلی چھوت چھات پر ایک بل پیش کریں۔ اس میں ضروری ہوگا کہ اچھوت کی تعریف دی جائے اور ان لوگوں کے چھوت چھات کے عمل کو قابلِ تعزیر قرار دیا جائے:

۱۔ جو کسی کو کنوئیں سے اس وجہ سے پانی لینے سے روکتے ہیں کہ وہ اچھوت ہے
۲۔ جو اسے مندر جانے سے جانے سے باز رکھتے ہیں۔
۳۔ جو اسے چھونے سے گریز کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ چھوت چھات کا مسئلہ ایک سماجی معاملہ ہے۔ کیا سرکار اس معاملہ میں کوئی قانون بنانے کے لیے تیار ہے؟ اس قسم کے قانون کے بارے میں مختلف فرقوں کا رویہ دلچسپی کا موجب ہوگا جن کے نمائندے اسمبلی میں منتخب ہوئے ہیں۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

پس نوشت:
میں نے میر غلام بھیک[1] کو بھی لکھا ہے۔

محمد اقبال

انگریزی سے (عکس)
(غیر مدون)

مآخذ: یہ خط ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں محفوظ محمد علی کاغذات سے دستیاب ہوا ہے۔ (مؤلف)

[1] میر غلام بھیک نیرنگ سے مراد ہے۔

وحید احمد مسعود بدایونی کے نام[1]

لاہور

۱۸، نومبر ۱۹۱۹ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

آپ کے دونوں خط مجھے مل گئے تھے۔ پہلے خط میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کا جواب جلدی دیا جائے۔ دوسرا خط ملا تو میں بخار کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا۔ اب کچھ افاقہ ہے۔

افسوس ہے کہ کوئی شعر اس وقت لکھا ہوا موجود نہیں۔ مشاغل اجازت نہیں دیتے کہ جب چاہوں ادھر توجہ کر سکوں اور فکر کر کے کچھ شعر لکھ لوں۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

(اقبالنامہ)

---

[1] یہ دونوں خط یعنی محررہ ۱۸، نومبر اور ۲۷، نومبر شیخ وحید احمد مسعود بدایونی مدیرِ 'نقیب' (بدایوں) کے نام لکھے گئے تھے نہ کہ عشرت رحمانی کے نام جیسا کہ 'اقبال نامہ' میں مذکور ہے۔

(بہ حوالہ رحیم بخش شاہین: اوراق گم گشتہ ص ۱۷۷)

وحید احمد مسعود بدایونی کے نام

لاہور

۲۷ر نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی - السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے - جس کے لیے سراپا سپاس ہوں - خدا کے فضل وکرم سے اب بالکل اچھا ہوں - میری زندگی میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں جو اوروں کے لیے سبق آموز ہو سکے - ہاں خیالات کا تدریجی انقلاب البتہ سبق آموز ہو سکتا ہے - اگر کبھی فرصت ہو گئی تو لکھوں گا - فی الحال اس کا وجود محض عزائم کی فہرست میں ہے -

مولانا اکبر کا خط مجھے دہلی سے آیا تھا - اگر وہ کچھ روز وہاں ٹھیرتے تو میں بھی ان کی زیارت کے لیے آجاتا -

مخلص

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

شوق سندیلوی کے نام[1]

مکرم بندہ۔ تسلیم۔

مجھے آپ کی غزل میں کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ اگر نظر آتی تو کم ازکم آپ کی توجہ ضرور دلاتا۔

"اے قافلۂ یاس ......" مجھ سے پڑھا نہیں گیا اور نہ مصرع کسی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ یہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ باقی اشعار خوب ہیں۔

"جُز خواب نہیں وعدۂ باطل ...." پُرانا اور مبتذل مضمون ہے[2]۔ آپ کے باقی اشعار میں تازگی پائی جاتی ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

---

[1] شوق سندیلوی کے نام علامہ کے چار خطوط دستیاب ہوئے ہیں ان میں پہلا خط ۴، نومبر ۱۹۱۹ء کا ہے۔ بقیہ خطوط کے سیاق وسباق سے گمان ہوتا ہے یہ خطوط بھی نومبر ۱۹۱۹ء میں ہی لکھے گئے ہوں گے۔ اس بنا پر ان خطوط کو نومبر ۱۹۱۹ء کے تحت ترتیب دیا جارہا ہے۔ (مولف)

[2] پورا شعر یوں ہے :-

جز خواب نہیں وعدۂ باطل کی حقیقت
جز وہم نہیں موجۂ طوفانِ تمنا

(بشیر احمد ڈار)

شوق سندیلوی کے نام

مکرم بندہ۔ تسلیم

حسنِ اعتقاد کی داد دیتا ہوں۔ زبان غزل میں فارسیت کی شان نہیں ہے۔

ہمہ غیر محدود در ملک باطن[1]

بظاہر بقیدِ تعیّن اسیرے

خوب شعر ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

شوق سندیلوی کے نام

مخدومی۔

السلام علیکم آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ زبان کی اصلاح تو میں کیا دوں گا۔ خیالات ماشاء اللہ خوب ہیں۔ "اے قافلہ یاس ......" اس شعر کا پہلا مصرع پڑھ نہیں سکا۔[2]

مخلص

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

---

[1] ترجمہ:- جو کچھ عالمِ ظاہر میں قیدِ تعیّن میں اسیر ہے وہ سب ملکِ باطن میں غیر محدود ہے

[2] اگلے صفحہ پر دیکھیے

کریم بی بی کے نام[۱]

لاہور

۸ر دسمبر ۱۹ء

ہمشیرہ عزیزہ السلام علیکم

تمہارا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ گھر میں سب طرح خیریت ہے۔ اس وقت واقعی وہی حالت دنیائے اسلام کی ہے جو تم کو خواب میں دکھائی گئی اور والد مکرم نے جو نتیجہ نکالا وہ بھی خدا کے فضل و کرم سے صحیح ہے اور میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نئی زندگی عطا فرمائے گا اور جس قوم نے آج تک اس کے دین کی حفاظت کی ہے اس کو ذلیل و رسوا نہ کرے گا۔ مسلمان کی بہترین تلوار دُعا ہے سو اسی سے کام لینا چاہیئے۔ ہر وقت دعا کرنا چاہیئے اور نبی کریمؐ پر درود بھیجنا چاہیئے کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کی دعا سُن لے اور اس کی غریبی پر رحم فرمائے۔ میں جو اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے اگر یہ قوےٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسول کی میں کوئی خدمت کر سکتا اور جب مجھے خیال آتا ہے کہ والد مکرم مجھے دینی علوم پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس

(گذشتہ سے پیوستہ) ۲ے شعر یوں ہے:

اے قافلۂ یاس گزر دل میں نہ ہو کر	پامال نہ کر گور غریبان تمنا

(بشیر احمد ڈار)

۱ے اقبال کی چھوٹی بہن۔ جو ان سے تین سال چھوٹی تھیں۔ کریم بی بی کا انٹرویو روز نامہ "آفاق" لاہور شمارہ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں چھپا۔

(صابر کلوروی۔ اقبال کے ہم نشین۔ ص ۳۵۲-۳۵۵)

کے کہ صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا۔ بہرحال جو کچھ خدا کے علم میں تھا ہوا اور مجھ سے بھی جو کچھ ہو سکا میں نے کیا۔ لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہیئے تھا اور زندگی تمام دکمال نبی کریمؐ کی خدمت میں بسر ہونی چاہیئے تھی۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت آداب عرض کریں۔ بھائی صاحب کی علالت کے متعلق تم نے کچھ نہیں لکھا اُمید ہے کہ اُن کا مزاج بخیر ہوگا۔ اعجاز کے ہم دست مرچ تمباکو اور دوائی بھیجی جائے گی۔ ڈاکٹر علی نقی کہتے ہتھے کہ پھوڑوں پر جونک نہ لگوانی چاہیئے جو دوا وہ ارسال کریں گے وہ خون کے لیے بھی مفید ہوگی۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۱۰ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ کل شام موصول ہوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

اِس سے پہلے سرکار کا کوئی نوازش نامہ نہیں ملا۔ بلکہ میں اپنے عریضے کے جواب کا منتظر تھا۔ الحمد للہ کہ خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ سردی کا خوب زور ہے۔ جشن صلح کی تیاریاں بھی ہیں۔ آج رات سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جائے گا۔

لاہور کے مسلمانوں نے ایک عام جلسہ میں یہ قرار دیا ہے کہ جشن صلح میں شرکت

نہ کی جائے۔ میں بھی اس جلسے میں شریک تھا۔ پولٹیکل جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کرتا۔ اس جلسے میں اس واسطے شریک ہوا کہ ایک بہت بڑا مذہبی مسئلہ زیر بحث تھا۔

حیدر آباد کے نئے دور کے .... آپ کی مساعی بار آور کرے۔ دیکھیں برار کی گتھی نئی وزارت سے سُلجھتی ہے یا نہیں؟ کیا عجب کہ اقبالِ آصف جاہی یہاں اپنا کام کر جائے اور حضور نظام کی یہ آرزو پوری ہو۔ آمین۔

آپ کی زیارت کو دل بہت چاہتا ہے۔ مگر بقول سرکار کے "دکن کا انقلابی دور" آپ کی کشش سے متحد ہو جائے تو شاید کوئی صورت مصافحہ و معانقہ کی بھی پیدا ہو جائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ بظاہر کوئی امید نظر نہیں آتی۔ خاکِ پاکِ پنجاب دامن گیر معلوم ہوتی ہے۔

مولانا اکبر آج کل دہلی کے حجرۂ رین بسیرا[1] میں مقیم ہیں انشاء اللہ ۲۲ر دسمبر کو میں بھی ان کی زیارت کے لیے دہلی جاؤں گا .... دھوم دھام کے جلسے ہیں۔ یعنی کانگریس اور لیگ کے .... ریلیشنز کمیٹی کی صدارت کے لیے مجھ سے کہا گیا تھا لیکن دُور رہتا ہوں اس کے علاوہ مولانا اکبر کی کشش دہلی کھینچ رہی ہے۔ ع

بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے[2]

زیادہ کیا عرض کروں اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال لاہور

(اقبالنامہ)

---

[1] بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی میں خواجہ حسن نظامی کے ایک مکان کا نام "رین بسیرا" تھا، اسی کی جانب اشارہ ہے۔

[2] ذوق کا شعر ہے: اے ذوقؔ کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے (مولف)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی ! السلام علیکم
کیا دسمبر کی تعطیلوں کے تمام دن آپ جالندھر ہی تشریف رکھیں گے یا کسی اور جگہ جانے کا بھی قصد ہے؟ مطلع فرمائیے۔
گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض۔

مخلص
محمد اقبال
۱۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۹ر دسمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی ! السلام علیکم
تقریر جو اس جلسے میں میں نے کی تھی، وہ ایک ریزولیوشن کی تائید یا شاید تحریک میں تھی (مسئلہ خلافت پر نہ تھی- مذہبی پہلو اس کا) حرمین کی حفاظت سے تعلق رکھتا ہے۔ اخباروں (مثلاً آفتاب) میں اس کا کچھ حصہ رپورٹ ہوا تھا- میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں، ورنہ مرسل خدمت ہوتی۔
۲۳ کی شام کو یہاں سے چلوں گا، مگر فقیر محمد صاحب کے لڑکے کی برات بھٹنڈ لائن سے جائے گی، اس واسطے جالندھر سٹیشن پر ملاقات نہ ہو سکے گی۔ واپسی پر انشاء اللہ ایک روز آپ کی خدمت میں قیام رہے گا اور مولوی گرامی صاحب سے

بھی ملاقات ہوگی۔ یہ ممکن ہے کہ ۲۵ دسمبر کی صبح کو جالندھر پہنچ جائیں یا شام کو۔ غرضکہ اس سفر میں انشاء اللہ ایفائے وعدہ کی پوری کوشش ہوگی۔ مولانا اکبر تو غالباً ۲۳ سے پہلے ہی الٰہ آباد چلے جائیں گے، کیونکہ اُن کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ میں نے بھی اُن کی زحمت کے خیال سے زور نہیں دیا کہ وہ دہلی میں میری آمد تک قیام فرمائیں۔

۲۵، ۲۶ اور ۲۷ کو آپ جالندھر میں نہ ہوں تو اطلاعی کارڈ لکھ بھیجیں۔ آپ کو سٹیشن پر آنے کی ضرورت نہیں۔ میں سیدھا امیر الدین خاں کی کوٹھی پر پہنچوں گا۔ آپ اُن کو مطلع کر دیں کہ وہ ۲۵ یا ۲۶ کو کسی وقت میرا انتظار کریں۔ مولوی گرامی صاحب سے بھی کہہ دیجیے گا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدوم مکرم! السلام علیکم

فقیر صاحب کے لڑکے کی برات کے ہمراہ میں نہیں جا سکا۔ اس روز بارش اور سردی اس شدت سے تھی کہ سفر کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ دیگر ذہنی کاوش یقینی۔ انشاء اللہ پھر کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

۲۵ دسمبر ۱۹۱۵ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور

۲۵ دسمبر سنہ ۱۹ء

برادر مکرم ۔ السلام علیکم

فقیر صاحب کی برات کے ہمراہ میں نہیں گیا۔ اس واسطے کہ اس روز بہت بارش اور سردی تھی ۔ اندیشہ تھا کہ اس سے کوئی تکلیف نہ ہوجائے ۔ اس کے علاوہ ٹرینوں کا رش سفر ممکن نہ تھا ۔ ریزرو گاڑی شاید ان کو نہ مل سکی ۔ باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے ۔ امید ہے کہ اعجاز بخیر و عافیت پہنچ گیا ہوگا اور گھر میں سب طرح خیریت ہوگی ۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ اُمید ہے کہ سردی کم ہونے پر وہ بھی لاہور تشریف لائیں گے ۔ باقی خیریت ہے ۔

والسلام

محمدؐ اقبال

(منظوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۴ جنوری ۲۰ء

جناب مولانا گرامی!

السلام علیکم۔ شیخ عمر بخش صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے علاج کے لئے لاہور تشریف لاتے ہیں مگر حسبِ معمول آپ تشریف نہ لائے۔ میں اس سے پہلے بھی کئی دفعہ آپ کو لکھ چکا ہوں کہ اپنا علاج لاہور آکر کرائیے۔ مگر آپ نے اپنی غفلت سے مرض کو پرانا کر لیا ہے اس مرض میں دواسے زیادہ فائدہ پرہیز میں ہے، جو آپ سے ناممکن ہے۔ بہتر ہو کہ آپ کچھ مدت کے لیے یہاں آکر ڈاکٹر محمد حسین صاحب سے علاج کرالیئے بشرطیکہ پرہیز کرنے کا ارادہ مستحکم ہو جائے۔ شاعرانہ کمال نے آپ کی قوتِ ارادی کو فنا کر دیا ہے۔ تخیل کی قیمت عزم وارادہ ہے؛ جو شاعر کو ادا کرنی پڑتی ہے باقی توفیق الٰہی ہو تو کچھ مشکل نہیں۔ تمام وہ چیزیں جو شکر پیدا کرنے والی ہوں یک قلم چھوڑ دینی چاہئیں اور چند روز نعمائے دنیا کی طرف سے مستغنی ہو جانا چاہیے۔ میرے جہاد کو دیکھیے کہ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک دفعہ کھاتا ہوں اور تمام ثقیل اور دیر ہضم چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں۔ امید کہ آپ بھی ایسا کریں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں بجز اس کے کہ خدا کے فضل وکرم سے سب طرح خیریت ہے۔ جنوری کے مہینے میں لاہور میں خوب رونق ہوتی ہے۔ سردی بھی خوب ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۱۱ فروری ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

"مہندر امنڈل" کی کسی کو خوب سوجھی! لیکن تعجب ہے کہ وہ "اندر سبھا کو نظر انداز

کر گئے۔

آپ کے خط سے یہ معلوم ہوا کہ آیا PRINCE'S ASSEMBLY سے مراد وہ "ایوانِ چیمبر" ہے جو انگلستان کے ہوس آف لارڈز کے طور پر ہندوستان کے نئے قانون اساسی کا ایک جزو ہوگا یا کوئی اور مجلس۔ نوابوں اور راجوں کی ایک کانفرنس تو شاید پہلے سے بھی قائم ہے۔ غالباً آپ کی مراد ایوانِ چیمبر سے ہے۔ انگلستان میں آپ کو معلوم ہے کہ دو ہوس ہیں۔ یعنی ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز۔ ہندوستان کے دو ہوسوں کو مجلس عمومی اور مجلس خصوصی کہہ سکتے ہیں یا مجلس عوام اور مجلس خواص۔ بہتر تو یہ ہے کہ انگریزی نام رکھے جائیں۔ کیونکہ دو غلا نام ایسا مشکل سے نکل سکے گا جو سب کو پسند ہو۔ ایرانیوں نے پارلیمنٹ کا ترجمہ مجلس ہی کیا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام علیکم عرض کیجئے۔ سنا ہے وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے خلافت کمیٹی سے کیوں استعفا دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو اُن کو حالات سے آگاہ کروں۔ جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبروں کا مقصد تھا، اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ ملا الحمدللہ کہ گھر میں سب طرح خیریت ہے۔ یہاں پر خدا کے

فضل سے خیریت ہے سردی چند روز خوب زور پر رہی۔ بارش بھی بہت ہوئی مگر اب آسمان صاف اور سردی بھی بہت کم ہوگئی ہے۔ والدِ مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں وہسہ اور سوٹ کیس پہنچ گئے تھے۔ والسلام

بچوں کو دعا

محمد اقبال لاہور ۱۶ر فروری ۱۹۲۰ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام[1]

مشکاف ہاؤس دہلی

۳ر مارچ ۱۹۲۰ء

مائی ڈیر اعجاز،

ابھی ابھی میں تمہیں ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں میں نے لاہور میں اپنی آمد کی امکانی تاریخ سے تمہیں آگاہ کیا تھا۔ یہ خط حوالۂ ڈاک کرنے کے معاً بعد لاہور سے جناب جلال الدین بیرسٹرایٹ لا کا خط ملا ہے جس میں انھوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ PROBATE CASE کے سلسلے میں دہلی میں ٹھہروں۔ لہٰذا چچی کو بتادو کہ مجھے یہاں روک لیا گیا ہے۔ مرزا جلال الدین ۵ تاریخ کو دہلی پہنچ رہے ہیں اور ۷ تاریخ تک یہاں رکنا پڑے گا۔

شاید تمھاری چچی کو (قیام دہلی کے) اس امکان کا پہلے سے کچھ اندازہ ہوگا۔

امید ہے تم بخیریت ہوگے۔

شفقت کے ساتھ

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(خطوطِ اقبال)

---

[1] پہلی بار یہ خط "اقبال ڈے سووینئر" IQBAL DAY SOUVENIR ۲۱ر اپریل ۱۹۶۲ء کراچی (باقی اگلے صفحہ پر)

شیخ عطا محمد کے نامؒ

لاہور، ۶ر مارچ ۱۹۲۰ء

برادر مکرم السلام علیکم

میں آج مع الخیر واپس آگیا ہوں امید ہے کہ گھر میں ہر طرح خیریت ہوگی۔ آپ کا ۲۵ فروری کا لکھا ہوا خط مل گیا ہے۔

میرا خیال تھا کہ آفتاب کو آپ نے خط لکھا ہوگا۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ حافظ صاحب سے اس بارے میں خط و کتابت کی جاتی۔ اگر وہ چاہیں تو میں اُن کی لڑکی کا حق مہر ادا کرنے کو تیار ہوں۔ اپنے ذمے ماہواری رقم رکھنی ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال اگر یہی خیال ہے کہ اس کو ماہواری تنخواہ دے دی جائے تو میں حاضر ہوں کہ اس کو تیس روپیہ مہینہ دے دیا کروں بشرطیکہ میرے ساتھ اور کوئی تعلق ان کا نہ رہے اور نہ وہ مجھے کبھی خط وغیرہ لکھیں۔ جس قدر وہ اپنے والدین کے ہاں رہی ہے اس کی تنخواہ کی وہ کسی طرح مستحق نہیں کیونکہ وہ اپنی مرضی سے گئی تھی اور باوجود ہمارے روکنے کے سیالکوٹ میں نہ رہی لیکن میں وہ رقم بھی دے دوں گا۔ اگر مذکورہ بالا شرط پر وہ قائم رہیں۔

(باقی حاشیہ گذشتہ صفحہ) اولڈ راوین ایسوسی ایشن (۲) میں شائع ہوا دوسری بار اسی حوالے سے رحیم شاہین نے "اسلامک ایجوکیشن" (۳) کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۵ء ص ۲۵ میں نقل کیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

[۲] رحیم بخش شاہین کے منقول متن میں "مشکاف ہاؤس لاہور" درج ہے غالباً خط نقل کرتے ہوئے جلدی میں دہلی کے بجائے لاہور لکھا گیا۔

[۳] یعنی وصیت نامہ کی توثیق کا مقدمہ۔

[۱] نوٹ :۔ "مظلوم اقبال" میں خط کے بیشتر حصے حذف کر دئے گئے تھے۔ عکسی خط کے مطابق اس خط کو پورے متن کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ (مولف)

میرے خیال میں تو آپ حافظ صاحب کو اس بارے میں خط لکھیں تاکہ کوئی قابل عمل فیصلہ ہو جائے اور آئندہ کے لئے اس خلش سے رہائی ہو۔ باقی شرعی قطع تعلق کا طریق اور اس کا علاج انشاء اللہ ہو جائے گا۔

مختصر طور پر میرا ارادہ یہ ہے (۱) اگر وہ حق مہر لینا چاہے تو پھر شرعی طور پر قطع تعلق ہو جائے (۲) اگر وہ ایسا کرنا پسند نہ کرے تو میں اسے تیس روپے ماہوار جب تک میں زندہ ہوں دے دیا کروں گا جتنا عرصہ وہ اپنے والدین کے ہاں رہی ہے اس کے الاؤنس کی وہ مستحق نہ ہوگی کیونکہ وہ خود چلی گئی تھی۔

میرے خیال میں یہ معاملہ کسی تیسرے آدمی کی وساطت سے طے ہونا چاہئے۔

والسلام

والد مکرم کی خدمت میں آداب۔ محمد اقبال

(عکس) (شاعر۔ اقبال نمبر ۱۹۸۸ء جلد اول)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

میں ایک طویل سفر کے بعد پرسوں لاہور آیا ہوں ایک مقدمہ کے ضمن میں آرہ (صوبہ بہار) گیا ہوا تھا۔ اب تو کچھ عرصہ تک مزید سفر کی ہمت نہ ہوگی چیمبر آف پرنسز کے واسطے میرے خیال میں ایوان خواص موزوں ہے۔ یا ایوان امرا۔ لیکن مقدم الذکر موزوں تر ہے اگر پہلے چیمبر کو ایوان عوام کہا جائے ایوان اوّل وثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر نام یا تو بالکل فارسی ہونا چاہئے یا بالکل ہندی۔ شتر گربہ کچھ نہ ہوگا اور کسی کو پسند بھی نہ ہوگا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سنا ہے گرامی صاحب نے رخصت کی توسیع کرائی ہے۔ والسلام

۹ مارچ ۱۹۳۰ء مخلص محمد اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۱۸ رمارچ ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

"دائرۃ المعارف، مصنفہ البستانی، مجلد سابع صفحہ ۴۴۲ ممن لہم شہرۃٌ من ولد خالد۔ ابنہ المہاجر وابنہٗ عبدالرحمٰن وحفیدہٗ خالد ابن المہاجر وغیرھم۔

وقال الزبیر ابن بکار قد انقرض ولد خالد ابن ولید ولم یبق منھم احد۔[1]

مقصود مندرجہ بالا عبارت کا یہ ہے کہ خالدؓ کی اولاد سے المہاجر عبدالرحمٰن اور خالد ابن المہاجر۔ ان کے پوتے، مشہور ہوئے ہیں۔ الزبیر ابن بکار کہتے ہیں کہ سلسلہ اولاد خالد ابن ولید کا منقطع ہوگیا۔

آپ کے سوال کا جواب اس میں آجاتا ہے۔ ابن خلکان نہیں دیکھ سکا لیکن سب سے زیادہ معتبر طبقات ابنِ سعد ہے۔ مجھے یقین ہے، خالدؓ بن ولید کا ذکر اس میں ضرور ہوگا۔ علی گڑھ کالج کے کتب خانہ میں ہے وہاں کسی کو لکھ کر دریافت کیجئے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] جن لوگوں کو خالد کی اولاد میں شہرت ہوئی ان میں اُن کا بیٹا مہاجر اور ان کا بیٹا عبدالرحمٰن اور ان کا پوتا خالد بن المہاجر وغیرہ ہیں۔

زبیر ابن بکّار کا کہنا ہے کہ خالد بن ولید کی نسل منقطع ہوگئی اور اب ان میں سے کوئی باقی نہیں۔

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور، ۷ ؍ اپریل سنہ ۲۰ء

برادرِ مکرم السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ میری بھی ذاتی رائے یہی ہے کہ سیالکوٹ میں ہو تو بہتر ہے لیکن اگر سیالکوٹ میں موزوں جگہ نہ ملے تو مجبوراً کسی اور جگہ تلاش کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ سیالکوٹ کو مقدم سمجھنے سے غیر موزوں جگہ پر قناعت کی جائے۔ اس امر کے علاوہ آپ کو اور لڑکوں اور لڑکیوں کے رشتے بھی کرنے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ تعلقات کا دائرہ وسیع ہو۔ میں نے اپنے بعض احباب سے ذکر کیا ہے اور اوروں سے بھی کروں گا۔

ہفتہ کے روز شام کو شملہ جاؤں گا۔ وہاں ایک ہفتہ قیام رہے گا۔ اعجاز ایک ہفتہ کے لیے یہاں آ جائے گا۔

ایک نوکر کی ضرورت ہے۔ اس کی تلاش رکھیے۔ میرا پرانا نوکر مہر الٰہی ہشیار پور سے آگیا تھا مگر پھر چلا گیا ہے اور اس کے بھائی اسے آنے نہیں دیتے۔ اگر سیالکوٹ سے کوئی آدمی ایسا مل جائے جس پر اعتبار ہو سکے تو بہت عمدہ بات ہے۔ اماموں سے پوچھیے وہ کہیں نہ کہیں سے پیدا کر دے گا۔ کام کچھ نہیں ہے صرف مکان کو صاف رکھنا اور حاضر باشی۔ مہر الٰہی آٹھ روپیہ ماہوار لیتا تھا اور کھانا۔ والدِ مکرم کی خدمت میں آداب عرض۔

والسلام

محمد اقبال

اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام

(مظلوم اقبال)

مخدومی۔ السلام علیکم

تالیف و اشاعت کی طرف ان شاء اللہ خاص توجہ ہوگی اور آپ سے بھی ضرور کام لوں گا

افسوس ہے آپ جب تشریف لائے میں مکان پر موجود نہ تھا۔ والسلام
مخلص محمد اقبال ۸/اپریل ۲۰ء

(عکس) (انوارِ اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۱۰/اپریل ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

انجمن کے حالات پھر کبھی ملاقات ہوئی تو عرض کروں گا۔ میں خود اس قسم کے جھگڑوں سے علیحدہ رہا اور ہمیشہ سے میرا یہی شیوہ ہے۔ مگر جب علمۂ مسلمین مجھ سے کسی خدمت پر اصرار کریں تو انکار نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک میری بساط ہوگی انشاءاللہ کام کیا جائے گا۔ چندہ کے اعتبار سے اس جلسے کو بڑی کامیابی ہوئی۔ حالانکہ کام کرنے کے لیے کوئی وقت نہیں ملا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

مولانا گرامی آئے ہوئے تھے۔ اُن کی طبیعت علیل تھی۔ آج صبح تشریف لے گئے ہیں۔ ہاں کبوتروں کے متعلق لکھنا بھول گیا۔ آپ نے دو جوڑہ ارسال فرمائے تھے جن میں سے ایک کا عدم و وجود برابر تھا۔ کیونکہ وہ اپنے انڈے توڑ دیتا تھا۔ اب مہربانی (کر کے) وہ جوڑہ یا اگر دو نہیں تو ایک ارسال فرمایئے۔ وہ نسل کبوتروں کی بہت عمدہ ہے، اس نسل کے ہوں جس سے وہ پہلے کبوتر تھے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مولانا گرامی اسٹیشن کی راہ سے ہی واپس آ گئے ہیں، کہتے ہیں کہ دو بجے کی گاڑی میں جاؤں گا۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۱۶ اپریل ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا ہے جس کے لیے سپاس گذار ہوں۔ کبوتروں کے واسطے میں نے ماسٹر رحمت اللہ، ڈرائنگ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول، جالندھر کو لکھا ہے۔ اگر وہ عنقریب آنے والے ہوئے تو اُن کے ہم دست روانہ فرما دیجیے گا اور اگر مجھے معلوم ہوا کہ وہ عنقریب آنے والے نہیں ہیں تو پھر میں آپ کے بلانے پر اپنا آدمی یہاں سے ارسال کر دوں گا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے کبوتروں کے برابر میرے تجربے میں کوئی نسل کبوتروں کی نہیں آئی۔ میں نے لدھیانہ، ملتان، سیالکوٹ، گجرات، شاہجہاں پور سے کبوتر منگوائے مگر اتنی تعداد اچھے خواص کی کسی نسل میں جمع نہیں، جتنی کہ آپ کے کبوتروں میں۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہری شکل خوبصورت اور اس کے ساتھ اُڑان اور کھیل۔

گرامی صاحب یہاں کئی روز رہے اور خوب شعر خوانی ہوتی رہی۔ مگر وہ کچھ بیمار ہو گئے، جس میں اُن کے وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب کو دکھلایا گیا اگر وہ ٹھہرتے تو اُن کا باقاعدہ علاج کرایا جاتا۔ جالندھر اور ہوشیار پور کی نسبت تو اُن کے قدردانوں کی تعداد لاہور میں زیادہ ہے۔ پھر معلوم نہیں وہ کیوں جلد اُداس ہو جاتے ہیں۔ کل اُن کا خط آیا تھا۔ جس میں انھوں نے ایک شعر نہایت مزے کا لکھا تھا۔ اس ضیافتِ روحانی میں آپ کو بھی شریک کرتا ہوں

سبق از یک ورق لیلیٰ و مجنوں را چہ حال است این[1]

یکے دیوانہ می گردد یکے فرزانہ می خیزد

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] ترجمہ: لیلیٰ اور مجنوں کو ایک ہی ورق سے سبق ملا ہے مگر یہ کیا بات ہے کہ ایک دیوانہ ہو جاتا ہے دوسرا فرزانہ ہو جاتا ہے۔

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام[1]

لاہور

۲۱ر اپریل ۱۹۲۰ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جسے پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ یہ ایک نادر موقع مل گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے بڑا فائدہ اٹھائیں گے۔ واپسیِ ہندوستان پر بھی یہ تجربہ آپ کے لیے ازبس مفید ہوگا۔ عربی زبان سیکھنے کے لئے میری رائے ناقص میں مصر بیروت سے بہتر ہے فلسفے کی مندرجہ ذیل کتب فی الحال پڑھیے پھر اور لکھ دوں گا۔[2]

یہ سب کتابیں غالباً لاہور سے مل جائیں گی۔ راما کرشنا کو لکھنا چاہیے نہ ملیں تو وہ انگلستان سے منگوا دے گا۔

فوٹو کی نسبت یہ عرض ہے کہ اس وقت میرا کوئی فوٹو میرے پاس موجود نہیں۔ ہاں بنواؤں گا تو آپ کی خدمت میں ایک کاپی ضرور مرسل ہوگی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ شیرازی صاحب سے بھی میرا سلام کہیے۔ امید کہ مقتضیاتِ زمانہ سے ادھر کے لوگ باخبر ہوتے جائیں گے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر ایام لائے۔

مخلص محمد اقبال، لاہور

(اقبال نامہ)

شیخ نور محمد کے نام

لاہور، ۲۳ر اپریل ۲۰ء

قبلہ و کعبہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

قریباً چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ مجھے ایک گمنام خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ نبی کریم کے دربار میں

---

[1] یہ مکتوب بحرین کے پتہ پر لکھا گیا جہاں مکتوب الیہ اس زمانہ میں ملازم تھے (شیخ عطاء اللہ)

[2] اس کے بعد چار انگریزی کتابوں کے نام درج ہیں (شیخ عطاء اللہ)

تمہاری ایک خاص جگہ ہے جس کا تم کو کچھ علم نہیں اگر تم فلاں وظیفہ پڑھا کرو تو تم کو بھی اس کا علم ہو جائے گا۔ وہ وظیفہ خط میں درج تھا۔ میں نے اس خیال سے کہ وہ گم نام تھا اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ اب وہ خط میرے پاس نہیں ہے معلوم نہیں ردّی میں مل ملا کر کہاں چلا گیا۔

پرسوں کا ذکر ہے کہ کشمیر سے ایک پیرزادہ مجھ سے ملنے کے لیے آیا۔ اس کی عمر قریب تیس پینتیس سال کی ہوگی۔ شکل سے شرافت کے آثار معلوم ہوتے تھے۔ گفتگو سے ہشیار، سمجھ دار اور پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ مجھ سے کوئی گفتگو کرے مجھ کو دیکھ کر بے اختیار زار و قطار رونے لگا۔ میں نے سمجھا کہ شاید مصیبت زدہ ہے اور مجھ سے کوئی مدد مانگتا ہے۔ استفسارِ حال کیا تو کہنے لگا کہ کسی مدد کی ضرورت نہیں مجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے۔ میرے بزرگوں نے خدا کی ملازمت کی اب میں اُن کی پنشن کھا رہا ہوں۔ رونے کی وجہ خوشی ہے نہ غم۔ مفصّل کیفیت پوچھنے پر اُس نے کہا کہ نوگام میں جو میرا گاؤں سری نگر کے قریب ہے۔ میں نے عالمِ کشف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار دیکھا۔ صفِ نماز کے لیے کھڑی ہوئی تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ محمد اقبال آیا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ محفل میں نہیں تھا۔ اس پر ایک بزرگ کو اقبال کے بلانے کے واسطے بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک جوان آدمی جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی اور رنگ گورا تھا مع اُن بزرگ کے صفِ نماز میں داخل ہو کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ پیرزادہ صاحب کہتے ہیں کہ اس سے پہلے میں آپ کی شکل سے واقف نہ تھا نہ نام معلوم تھا۔ کشمیر میں ایک بزرگ مولوی نجم الدین صاحب ہیں جن کے پاس جا کر میں نے یہ سارا قصہ بیان کیا تو انھوں نے آپ کی بہت تعریف کی۔ وہ آپ کو آپ کی تحریروں کے ذریعہ جانتے ہیں گو انھوں نے آپ کو کبھی دیکھا نہیں۔ اُس دن سے میں نے ارادہ کیا کہ لاہور جا کر آپ سے ملوں گا۔ سو محض آپ کی ملاقات کی خاطر میں نے کشمیر سے سفر کیا ہے اور آپ کو دیکھ کر مجھے بے اختیار رونا اس واسطے آیا کہ مجھ پر میرے کشف کی تصدیق ہو گئی کیونکہ جو شکل

آپ کی میں نے حالتِ کشف میں دیکھی اس سے سرِ مو فرق نہ تھا۔ اس ماجرا کو سن کر مجھ کو معاً وہ گمنام خط یاد آیا جس کا ذکر میں نے اس خط کے ابتدا میں کیا ہے۔ مجھے سخت ندامت ہو رہی ہے اور روح نہایت کرب و اضطراب کی حالت میں ہے کہ میں نے کیوں وہ خط ضائع کر دیا۔ اب مجھ کو وہ وظیفہ یاد نہیں جو اس خط میں لکھا تھا۔ آپ مہربانی کر کے اس مشکل کا کوئی علاج بتائیں کیونکہ پیرزادہ صاحب کہتے تھے کہ آپ کے متعلق میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ آپ کے والدین کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ انھوں نے کہا ہے بالکل صحیح ہے کیونکہ میرے اعمال تو اس قابل نہیں ہیں۔ ایسا فضل ضرور ہے کہ دعا کا ہی نتیجہ ہو لیکن اگر حقیقت میں پیرزادہ صاحب کا کشف صحیح ہے تو میرے لیے لاعلمی کی حالت سخت تکلیف دہ ہے اس کا یا تو کوئی علاج بتایئے یا مزید دعا فرمایئے کہ خدا تعالیٰ اس گرہ کو کھول دے۔ زیادہ کیا عرض کروں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا خط مل گیا تھا۔ کل پرسوں سے امتحانات کے پرچے آئیں گے۔ ان کو ختم کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، الحمد للہ کہ آپ کو صحت ہو گئی۔ جس کبوتر کا آپ نے ذکر (کیا ہے) اس کو میں نے بھی خصوصیت سے نوٹ کیا ہے۔ واقعی شکل سے بھی نہایت اچھا اور صاحب اوصافِ مطلوبہ معلوم ہوتا ہے

نواب ابراہیم علی خاں صاحب نے کنج پورہ سے چند سفید کبوتر بھیجے ہیں۔ دیکھنے میں وہ بھی نہایت اچھے ہیں۔ کیا عجب کہ اوصاف میں بھی اچھے ہوں۔ چونکہ بھیجنے والا بانیٔ کعبہ کا ہم نام ہے

اس واسطے میں نے ان کبوتروں کو کبوترانِ حرم کا خطاب دیا ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل کے کبوترانِ حرم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ۔ کسی فارسی استاد کا شعر تھا ۔ میں نے اس پر ایک اور شعر لگا کر شریف حرم کو خطاب کیا ہے ۔

بامُرغِ حرم از من دل سوختہ فرما

اے آنکہ بصحرا نفس آزاد برآری

جویائے گلستانی واز طالعِ گمراہ

ترسم کہ سراز خانۂ صیاد برآری[1]

آپ کا مضمون خلافت میری نظر سے نہیں گذرا ۔ مگر منگوا کر دیکھوں گا ۔ شیخ عمر بخش صاحب نے بھی اُس کا ذکر کیا تھا ۔ ایران کے فلسفے پر میں نے ایک کتاب لکھی تھی، محض ایک خاکہ تھا ۔ جسے بعد میں پُر کرنے کا مقصد تھا ۔ مگر وقت نے مساعدت نہ کی ۔ افسوس کہ اب اس کی کوئی کاپی میرے پاس موجود نہیں ۔ گورنمنٹ کالج کے کتب خانے میں ایک کاپی ہے ۔ کئی دن ہوئے میں نے راما کرشنا کتب فروش، لاہور سے کہا کہ لنڈن سے اُس کی ایک کاپی مجھے منگوا دے ۔ لنڈن سے مل سکتی ہے ۔ پتہ یہ ہے

MESSERS LUZAC & CO.
ORIENTAL PUBLISHERS & BOOKSELLERS.
OPPOSITE TO BRITISH MUSEUM
LONDON

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] ترجمہ :- حرم کے پرندے سے مجھ دل جلے کی طرف سے کہہ دو ، اے وہ کہ جنگل میں تو آزادی کا سانس لیتا ہے ۔ تجھے گلستاں کی تلاش ہے مگر تیری کھوٹی قسمت سے مجھے یہ ڈر ہے کہ تو صیاد کے گھر جا نکلے گا ۔

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۱۸؍مئی، ۱۹۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے ممنون ہوں۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ایک قصیدہ لکھنا شروع کیا ہے جس میں یہ سب مضامین انشاء اللہ آ جائیں گے۔ خدا کرے کہ یہ ختم ہو جائے۔ عرشی امرتسری نے چند شعر لکھ کر میرے زخم کو چھیڑ دیا۔ اُن کا معمولی جواب تو میں نے زمیندار میں شائع کر دیا تھا۔ جو آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اصل جواب ابھی باقی ہے۔ ابھی چند اشعار ہی لکھے ہیں مگر اُن کے لکھتے وقت قلب کی جو حالت ہوئی اس سے پہلے عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی۔ دو شعر لکھتا ہوں:

بہر نذرِ آستانت از عجم آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من

تیغ لا در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الاّئے من[1]

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] ترجمہ:۔ تیرے آستانے پر نذر کرنے کے لیے عجم سے ایک ایسا سجدۂ شوق لایا ہوں جو میری پیشانی میں خون ہو چکا ہے۔ اس پرانے کافر کے ہاتھ میں لا کی تلوار دے دے پھر دنیا میں میری الّا کا ہنگامہ تماشا کر۔

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۲۱ مئی ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

یہ معلوم کرکے رنج ہوا کہ آپ ابھی تک ناتواں ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجل کرامت فرمائے۔

جس رشتے کا میں نے ذکر کیا تھا۔ اس کے کوائف مختصر یہ ہیں:

آپ شاید........ کو جانتے ہوں گے۔ یہ صاحب عرصے سے لاہور میں مقیم ہیں اور........ کے رشتہ دار اور اصل میں........ کے رہنے والے ہیں۔........ کے مکان کے قریب ہی اُن کا مکان ہے یعنی........ کے باہر۔

جس لڑکی کا میں نے ذکر کیا تھا، وہ اُن کی نواسی ہے۔ لڑکی کے باپ........ کو میں کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ نہایت نیک نفس آدمی ہے۔ وہ بھی........ کے عزیزوں میں ہیں اور........ کے رہنے والے ہیں۔ فنانشل کمشنر کے دفتر میں بمشاہرہ یک صد یا شاید ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ملازم ہیں۔ اُن کے ہاں اور کوئی اولاد نہیں ہے........ کا بھی کوئی وارث سوائے اس لڑکی کی والدہ کے نہیں ہے۔ غرضکہ سارے خاندان میں صرف یہی ایک لڑکی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے لڑکی کی تعلیم و تربیت اچھی ہے اور شکل و صورت کے اعتبار سے بھی بہت اچھی ہے۔ والد اس کا خوش شکل آدمی ہے اس سے بھی قیاس ہوتا ہے........ صحیح النسب بھی ہوتے ہیں۔ مزید حالات بھی اگر آپ چاہیں تو معلوم ہو سکتے ہیں۔

میں نے بہت جلدی میں گھسیٹا ہے۔ اس واسطے کہ روزہ کی وجہ سے طبیعت پریشان ہے اور شام کا وقت قریب ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں

.... اصحاف متذکرہ کے نام اور کوائف مصلحتاً حذف کر دیے گئے ہیں۔

شیخ نور محمد کے نام

لاہور، ۳ جون ۲۰ء

قبلہ و کعبہ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ملا۔ الحمد اللہ کہ آپ کی صحت اچھی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ دیر تک آپ کا سایہ ہمارے سر پر رکھے گا۔ بھائی صاحب نے اس سے پہلے کسی خط میں آپ کے انتظام خوراک وغیرہ کے بارے لکھا تھا۔ یہ طریق بہت اچھا ہے اور اسی کو دستور العمل بنانا چاہئے۔ میں نے یورپ کے مشہور حکیم کی کتاب میں دیکھا ہے کہ جو شخص ہر روز دہی کی لسی پیا کرے اُس کی عمر بڑھتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کے جسم میں ایسے جراثیم ہیں جو قاطع حیات ہیں اور دہی کی لسی ان جراثیم کے لیے بمنزلہ زہر کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاؤں کے رہنے والے لوگ شہریوں کی نسبتاً عموماً طویل العمر اور تندرست ہیں علی بخش نے کل مجھے بتایا کہ اس کی چچی کی لمبی عمر ہوئی اور آخر عمر میں اس کا گذران زیادہ تر لسی پر تھی۔ تُرش لسی تو شاید آپ کے لیے مفید نہ ہو کہ آپ کا گلا خراب ہے۔ البتہ میٹھے دہی کی لسی اگر صبح پی جائے تو شاید مفید ہو اس کا تجربہ بھی کرنا چاہیے۔ افسوس ہے کہ کوئی اچھا مکان رہنے کو نہیں ملتا۔ موجودہ مکان میں جوان لوگ تو بہ آسایش رہ سکتے ہیں بوڑھوں کو تکلیف ہے ورنہ میری خواہش تھی کہ سال کا زیادہ حصہ آپ میرے پاس بسر کیا کرتے۔ ذرا ریل کا انتظام ٹھیک ہو جائے تو انشاء اللہ آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گا۔ ڈاکٹر عبد اللطیف نے آپ کے دانت بنائے تھے اگر وہ خراب ہو گئے ہوں تو اُن کو ڈاک میں بھیج دیجیے گا پھر مرمت کرا دیے جائیں گے اور اگر وہ قابلِ مرمت بھی نہ ہوں تو لکھیے ڈاکٹر عبد اللطیف کو سیالکوٹ بھیج دوں گا کہ وہاں جا کر آپ کے دانت بنا دے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گھر سے سب آپ کی خدمت میں آداب لکھواتی ہیں۔

روحانی کیفیات کا سب سے بڑا ممد و معاون یہی کھانے پینے کی چیزوں میں

احتیاط ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اس بات کا ثبوت ہے۔ میں خود اپنی زندگی کم از کم کھانے پینے کے متعلق اسی طریق پر ڈھال رہا ہوں۔ دنیا کے حالات اور عام لوگوں کے حالات ایسے ہی ہیں اُن کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے۔ عام لوگوں کی نگاہ بہت تنگ ہے۔ اُن میں سے بیشتر محض حیوانوں کی زندگی بسر کرتے ہیں اسی واسطے مولانا روم ایک جگہ لکھتے ہیں کہ چراغ لے کے تمام شہر میں پھرا کہ کوئی انسان نظر آئے مگر نظر نہ آیا۔ اور موجودہ زمانہ تو روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے اسی واسطے اخلاص محبت و مروّت و یکجہتی کا نام و نشان نہیں رہا۔ آدمی آدمی کا خون پینے والا اور قوم قوم کی دشمن ہے۔ یہ زمانہ انتہائی تاریکی کا ہے لیکن تاریکی کا انجام سفید ہے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ جلد اپنا فضل کرے اور بنی نوعِ انسان کو پھر ایک دفعہ نورِ محمدی عطا کرے۔ بغیر کسی بڑی شخصیت کے اس دنیا کی نجات نظر نہیں آتی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کا فضل ہے۔ غلام رسول بیمار تھا۔ کل میں نے اُس کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فیروز پور تار دیا تھا مگر تاحال جواب نہیں آیا۔ آج کل تار بھی دیر میں پہنچتے ہیں۔

والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۰ جون ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

انسانوں کو خدا نے قبائل میں تقسیم کیا۔ اس واسطے کہ اُن کی شناخت کی جا سکے۔ (وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا[1]) نہ اس واسطے کہ یہ امتیاز سلسلۂ ازدواج

---

[1] ترجمہ: ہم نے تمھیں شاخوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (قرآن)

یں ممد و معاون ہو۔

خویشتن را ترک و افغاں خواندہ ای
وائے بر تو آں چہ بودی ماندہ ای[1]

بہرحال میں مزید حالات دریافت کروں گا۔ اُن کے صحیح النسب افغان ہونے میں تو کلام نہیں، مگر ریاست میں وہ شاید یہ سلسلہ پسند نہ کریں۔ اگر امید افزا جواب ملا تو لکھوں گا۔

لندن و برلن کا سفر ضرور کیا تھا۔ مگر وہ بات اور تھی۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذّت کشاں کشاں مجھ کو

اگر وہی اُمراب بھی محرک ہو تو اقبال افریقہ کے ریگستان طے کرنے کو تیار ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھئے کہ جالندھر نہ آئے گا۔ آموں کی کششِ علم سے کچھ کم نہیں۔ یہ بات بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کھانے پینے کی چیزوں (میں) صرف آم ہی ایک ایسی شے ہے جس سے مجھے محبت ہے۔ کل سردار جوگندر سنگھ ایڈیٹر الیسٹ اینڈ ویسٹ[2] ملنے آئے تھے، کہتے تھے کہ لکھنؤ سے بھجواؤں گا اور ساری فصل بھجواتا رہوں گا۔ چند سال ہوئے مولانا اکبر نے الٰہ آباد سے لنگڑا آم بھیجا تھا۔ میں نے رسید میں یہ شعر لکھا۔

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبر
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا

غرض کہ انشاءاللہ اب کے جالندھر میں آپ سے ملاقات ہونے کی امید ہے۔ جولائی میں عدالت بند ہونے پر مجھے شاید کلکتہ یا الٰہ آباد جانا ہوگا۔ کیونکہ وہاں

---

[1] ترجمہ: ۔ تونے اپنے آپ کو ترک اور افغان کہا ہے افسوس کہ جو تو تھا اس کو چھوڑ دیا (اپنی حقیقت کو نہ پہچانا)

[2] EAST AND WEST

ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی کانفرنس ہے اور پنجاب یونیورسٹی نے مجھے اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے۔ اس سفر سے آتے ہوئے انشاء اللہ نیاز الدین خاں صاحب کا نیاز حاصل ہوگا۔

افسوس کہ قصیدہ ابھی تک ختم نہ ہوا۔ البتہ کچھ شعر اور ہو گئے ہیں۔ کیا کیا جائے یک سر و ہزار سودا۔ لیکن جو کچھ میرے دل میں ہے وہ کاغذ میں آگیا تو واقعی وہ قصیدہ ایسا ہی ہوگا کہ اُسے وظیفہ میں داخل کیا جائے۔ اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ جو پروفیسر نکلسن نے کیا ہے تیار ہو کر پبلشر کے پاس چلا گیا ہے۔ امید ہے دو چار ماہ میں شائع ہو جائے گا۔ پروفیسر نکلسن نے یہاں ایک پروفیسر کو خط لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس مثنوی کے خیالات MOST ORIGINAL AND REMARKABLE[1] ہیں۔ انگلستان میں انھوں نے کئی لیکچر اس مثنوی پر دئے ہیں۔ اُن کو یقین ہے کہ ترجمہ مقبول ہوگا۔

زیادہ کیا عرض کروں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرمی کی شدت یہاں بھی ہے۔ اب تک صرف گیارہ روزے رکھ سکا ہوں۔ وسط ایشیا کی ہانڈی اُبل رہی ہے خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔

تا بروید لالۂ آتش نژاد از خاکِ شام

باز سیرابش ز خونابِ مسلماں کردہ اند[2]

کونٹ ٹالسٹائی (روسی امیر جس نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی اور جو اس ملک کے بہترین مصنفین میں تھا) کا خیال تھا کہ "لالۂ آتش نژاد" منگولین قوم سے پیدا ہوگا اور اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا خروج یا ظہور کب ہوگا اور وہ اس وقت روس میں ہے یا وسط ایشیا میں یا شام میں۔

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] نہایت اچھوتے اور قابلِ قدر

[2] ترجمہ:۔ خاکِ شام کو پھر مسلمان کے خون سے سیراب کیا گیا ہے تاکہ وہاں سے پھر لالۂ آتش فام پیدا ہو۔

شیخ عطا محمد کے نام

برادرِ مکرّم السلام علیکم

الحمدللہ کہ آپ کے ہاں بارش ہوگئی۔ یہاں ابھی بارش کا انتظار ہے۔ ابر تو آج خوب آیا تھا مگر بخیل ثابت ہوا۔ البتہ گذشتہ رات آرام میں گذری۔ اعجاز پہنچ گیا ہے امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والد مکرّم کی خدمت میں آداب عرض کر دیں بچوں کو دعا

محمد اقبال لاہور ۸ جولائی ۲۰ء

(مظلوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام[1]

ڈیر مولانا گرامی

عید مبارک ہو۔ آپ حیدر آباد چلے گئے یا ابھی ہشیارپور میں ہی مقیم ہیں۔ لاہور آئیے تو آپ کا علاج اچھی طرح کرایا جائے، پھر تندرست و توانا ہو کر یہ سفر کیجیے۔ بھلا یہ شعر دیکھیے کیسا ہے

کم نہ شود خزانۂ ملّت بے نہایتست
یک دو نفس زیادہ کن غنچۂ نیم باز را[2]

مقصود یہ ہے کہ تیرے پاس وقت کا لازوال خزانہ ہے پھر غنچہ کی عمر اگر تھوڑی سی زیادہ کر دے تو اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ بہ نظر انتقاد ملاحظہ کیجیے۔

مولوی میر حسن صاحب کی خدمت میں بھی میں نے یہ شعر سیالکوٹ لکھا ہے دیکھیں اُن کی رائے کیا ہے۔

---

[1] یہ خط ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء سے پہلے کا ہے

[2] اگر ادھ کھلی کلی کو ایک دو سانس کی اور مہلت دے دے تو تیری بے نہایت مدت کا خزانہ کم نہ ہو جائے گا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

میں ایک روز دانت کے درد سے لاچار رہا۔ مسوڑا پھول گیا تھا۔ آخر ڈاکٹر کے نشتر نے آرام دیا۔

محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۲ر جولائی ۲۰ء

جناب گرامی

میاں عبدالعزیز[۱] آپ کے منتظر ہیں۔ کئی روز ہوئے کہتے تھے گرامی تعزیت کے لیے ضرور آئے گا۔ بہت بہتر، ضرور تشریف لائیے۔ ایک دو روز میں بارش بھی ہو جائے گی۔ فقیر صاحب[۲] تک آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ وہ خود پوچھتے تھے کہ چاول

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اقبال عرفی کی اس غزل کے جواب میں غزل لکھ رہے تھے جس کا مطلع ہے:

خیز و بجلوہ آب دہ سرو چمن طراز را
آب و ہوا زیادہ کن باغچہ نیاز را

ترجمہ:۔ (اٹھ اور سرو چمن طراز کو اپنے جلوے سے سیراب کر)

کچھ معلوم نہیں اقبال کے اس شعر کے متعلق مولانا سید میر حسن یا گرامی نے کیا رائے دی، مگر اقبال نے خود ہی اسے حذف کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا شعر لکھا۔

دیدۂ خواب ناک، اوگر بہ چمن کشادہ ای
فرصت یک نظر بدہ نرگس نیم باز را

ترجمہ:۔ (اگر اس کی خواب ناک آنکھیں چمن میں کھولی ہیں تو نرگس نیم باز کو ایک نظر کی فرصت بھی عطا کر)

اور یہی شعر "کشادہ ای" کی جگہ "کشودہ ای" اور "فرصت" کی جگہ "رخصت" کی جزوی تبدیلی کے ساتھ "پیام مشرق" میں موجود ہے (صفحہ ۱۷۵) (محمد عبداللہ قریشی)

۱-۲ دیکھیے اگلے صفحہ پر

کہاں پہنچاؤں ۔ ریل کے ذریعے پہونچ نہیں سکتے کہ بار برداری بند ہے۔ کسی آتے جاتے آدمی کے ہمدست ارسال کریں گے ۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آتے (جس کا مجھے یقین نہیں) تو یہیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے ۔

سندھی مہاجرین کابل کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں سٹیشن پر اُن کے استقبال کو حاضر تھے اہلِ لاہور نے بڑے جوش سے اُن کا خیر مقدم کیا۔ وہ شعر میں نے غزل سے کاٹ دیا ہے وقت ملاقات گفتگو ہوگی ۔

والسّلام

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

۱ میاں عبدالعزیز بیرسٹر، لاہور کی ایک معروف شخصیت ہیں ۔ وہ جب ولایت سے نئے نئے بیرسٹری کر کے آئے تو پہلے ہشیار پور میں پریکٹس شروع کی جہاں گرامی بھی موجود تھے ۔ دونوں میں بے تکلفی ہو گئی.....

میاں عبدالعزیز کے والد مولوی الٰہی بخش بھی گرامی کے خاص دوستوں میں تھے، ان کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا ۔ میاں عبدالعزیز بلدیہ لاہور کے صدر اور لاہور کارپوریشن کے پہلے میئر تھے ۔ پنجاب اسمبلی کے رکن اور کل ہند راعین کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے قومی کاموں میں خاص دلچسپی لیتے رہے ۔ ہندوستان کے عظیم قومی رہنما لاہور میں آپ ہی کے مہمان ہوتے تھے ۔ اب موصوف بڑھاپے کے باعث خانہ نشین ہیں ۔

۲ فقیر صاحب سے مراد سید نجم الدین ہیں جو لاہور کی مشہور فقیر فیملی سے تعلق رکھتے تھے ۔ گرامی موصوف نے ۴ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) کے خط میں ہشیار پور سے اقبال کو لکھا تھا:

> جناب سید فقیر نجم الدین خان بہادر کی خدمت میں گرامی کی طرف سے چاول کا شکریہ ادا کر دیجئے اور وہ چاول اپنے پاس گرامی کی امانت رکھیے ۔ گرامی چند روز تک خدمت میں حاضر ہوگا ۔

۳ برطانیہ نے پہلی عالمی جنگ کے دوران خلافت اور جزیرۃ العرب کے احترام و تحفظ کے جو وعدے مسلمانانِ ہند سے کیے تھے، جنگ کے بعد انہیں پس پُشت ڈال دیا اور ایسی روش اختیار کی جو احترام خلافت

(باقی اگلے صفحہ پر)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۹؍جولائی ۲۰ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے ۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ آپ نے شعر کا مطلب جو اس خط میں لکھا وہی میرے ذہن میں تھا لیکن شعر غزل سے نکال دیا ہے اس واسطے کہ پہلے مصرع کی ترکیب فلسفیانہ ہے شاعرانہ نہیں۔ میں نے ہر چند سوچا کوئی بات نہ نکلی اور نہ اچھے الفاظ ملے جو اس مضمون کو ادا کرنے کے لیے موزوں ہوں ۔ غرض کہ اس شعر کو نکا کر دوسرا شعر

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

اور تقدس جزیرۃ العرب کے سراسر خلاف تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے کھلم کھلا برطانیہ کی شدید مخالفت کے سوا چارہ نہ رہا۔ اسی سلسلے میں ایک تحریک ہجرت کی بھی تھی جو اصولاً مذہبی ارشادات کی بنا پر جاری ہوئی اور اس کا ایک اہم مقصد دنیا پر یہ آشکارا کرنا تھا کہ مسلمانانِ ہند برطانیہ سے اتنے بیزار ہیں کہ ملک چھوڑ کر جانے کے لیے تیار ہو گئے ہیں ۔ اس وقت تک کسی اور اجتماعی تحریک کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ ہمارے ہمسایہ ملک افغانستان نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ یہاں سے لوگ قافلہ در قافلہ جانے لگے ۔ اُن میں سے ایک بڑا قافلہ سندھی مہاجرین کا تھا جس کے سالار مرحوم جان محمد جونیجو بیرسٹرایٹ لا تھے ۔ اقبال کے مکتوب میں اسی قافلۂ مہاجرین کا ذکر ہے جو لاہور سے گذرا تھا۔

افغانستان کے وسائل اس زمانے میں ایسے نہ تھے کہ لامحدود مہاجرین کے لیے اسباب معیشت مہیا ہو جاتے ۔ اس لیے مہاجرین کو روکنا پڑا۔ جو جا چکے تھے، اُن میں سے بھی اکثر واپس آ گئے۔ اس اثنا میں ترکِ موالات کی تحریک اعلیٰ پیمانے پر شروع ہو چکی تھی جسے کانگریس نے عدمِ تعاون کے نام سے اختیار کیا اور یہ محض اسلامی ہی نہیں ملکی تحریک بھی بن چکی تھی ۔ یوں ہجرت کے بجائے خود ملک کے اندر حکومتِ برطانیہ سے پُرامن اور موثر مقاطع کا جہاد شروع ہو چکا تھا اور ہر مسلمان کے لیے اس جہاد میں شرکت ہی حصولِ مقاصد کا ایک اہم ذریعہ بن گئی تھی ۔

(عبداللہ قریشی)

لکھا ہے جو مضمون میں اس سے کسی قدر مختلف ہے ۔

دیدۂ خواب ناک او گر بہ چمن گشادہ ای
فرصتِ یک نظر بدہ نرگسِ نیم باز را[1]

آپ کو معلوم ہوگا عرفی کی غزل ہے مجھے ذرا کمزور نظر آئی اس لیے اس پر غزل لکھنے کی جرأت ہوئی ورنہ اس کی غزل پر غزل لکھنا گرامی کا کام ہے نہ اقبال کا کہ ایک آدھ شعر اچھا نکل گیا۔ عرفی کا مطلع ہے

خیز و بجلوہ آب دہ سروِ چمن طراز را
آب و ہوا زیادہ کن باغچۂ نیاز را[2]

میں نے عرض کیا ہے[3]

خیز و نقاب برکشا پردگیانِ ساز را[4]
نغمۂ تازہ یاد دہ مرغِ نوا طراز را

برہمنے غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستہ ای بندہ شدی ایاز را

جادہ زخونِ رہرواں تختۂ لالہ در بہار
نازکہ راہ می زند قافلۂ نیاز را

سجدۂ تو برآورد از دلِ کافراں خروش
اے کہ دراز ترکنی پیشِ کساں نماز را

گرچہ متاعِ عشق را عقل بہائے کم نہد
من نہ دہم بہ تختِ جم آہِ جگر گداز را

"حرفِ نگفتۂ شما برلبِ کو دکاں رسید"
از منِ بے زباں بگو خلوتیانِ راز را

---

[1] [2] ترجمہ :- ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء کے خط میں دیکھیے

[3] اشعار کی ترتیب بدل گئی ہے دیکھیے "پیامِ مشرق"، ص ۱۰۰ (عبداللہ قریشی)

[4] ترجمہ :- اٹھ اور پردگیانِ ساز کا نقاب اٹھا دے
مرغِ نواطراز کو تازہ نغمہ یاد دلا دے

(باقی اگلے صفحے پر)

بس اتنے ہی شعر تھے مقطع لکھنے کی عادت ہی نہیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ آپ نے مولانا فاخر پر خوب رباعی لکھی[1] دونوں شعروں میں ایک جہانِ معنی آباد ہے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اسرارِ خودی کا انگلستان میں خوب چرچا ہو رہا ہے۔ یونیورسٹی کیمبرج کے ایک پروفیسر نے اس پر متعدد لیکچر دیے ہیں اور اس کے مطالب پر مختلف ادبی سوسائٹیوں میں خوب بحث ہو رہی ہے۔ انگریزی ترجمہ موسم سرما میں شائع ہوگا۔ اس وقت پریس میں ہے۔ مسٹر محمد علی نے ایک پبلک ڈنر میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا)

ایک برہمن نے غزنوی سے کہا میری کرامت دیکھ
تو نے بُت توڑے ہیں مگر ایاز کا بندہ بن گیا ہے

راہروؤں کے خون سے بنا ہوا جادہ موسم بہار میں
گلِ لالہ کے تختے کی طرح ہے
یہ ناز ہے جو قافلۂ نیاز کی راہ زنی کرتا ہے

اے وہ کہ دوسروں کے سامنے تو اور بھی لمبے سجدے
کرتا ہے تیرا سجدہ کافروں کے دل سے فریاد پیدا کرتا ہے۔

اگرچہ عقل نے متاعِ عشق کی قیمت کم لگائی پر میں
آہِ جگر گداز کو تختِ جمشید کے عوض بھی نہ دوں

خلوتیانِ راز سے مجھ بے زباں کی جانب سے یہ کہہ دینا
کہ تمھارا حرفِ ناگفتہ بچوں کی زبان تک پہونچ گیا ہے

[1] مولانا فاخر پر جو رباعی گرامی نے کہی تھی وہ یہ ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

جس میں ایرانی و ترک و عرب تھے، تقریر کرتے ہوئے اس کے اشعار سنائے تو وہ لوگ محوِ حیرت و استعجاب ہو گئے اس امر کی تفصیلی کیفیت اخبار بمبئی کرانیکل میں چھپی ہے۔ کل شوکت علی صاحب سے معلوم ہوا۔ میں نے خود وہ اخبار نہیں دیکھا۔

اگست کے مہینے میں کشمیر جانے کا قصد ہے دیکھیں ارادہ پورا ہوتا ہے (یا) نہیں آپ کب تک لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں؟

امل افزوں زعمر دہ کرگس[1]!

اے سبحان اللہ حقائق و معانی سے لبریز ہیں یہ تینوں شعر جزاک اللہ۔ ان اشعار سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرامی زندہ جاوید ہے۔ علاج مرگ کی کیا فکر ہے لیکن اگر نتیجہ ہی مطلوب ہو تو ایک چھوٹی سی رباعی[2] عرض ہے جو تین چار روز ہوئے لکھی تھی۔

ترا یک نکتۂ سربستہ گویم	اگر درسِ حیات از من بگیری
بمیری گر بہ تن جانے نداری	وگر جانے بہ تن داری نمیری

زیادہ کیا عرض کروں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا)

علامۂ دہر شیخ اکمل فاخر ـــــ سجادہ نشیں شاہ اجمل فاخر
گفتم کہ بود ثانی شبلی و جنید ـــــ زد نعرہ بچرخ عقل اول فاخر

دیکھیے رباعیات گرامی، صفحہ ۲۰۷

(عبداللہ قریشی)

ترجمہ:۔ علامہ دہر شیخ اکمل فاخر الہ آبادی جو حضرت اجمل الہ آبادی کے سجادہ نشین ہیں میں نے پوچھا کہ شبلی و جنید کا ثانی کون ہو سکتا ہے تو عقلِ اوّل (جبریل) عرش پر پکار اٹھا کہ فاخر۔

[1] امید کی عمر دس گدھوں کی عمر سے زیادہ ہوتی ہے

[2] ترجمہ:۔ اگر تو مجھ سے درسِ حیات لے تو ایک سربستہ راز تجھے بتاؤں۔ اگر تیرے جسم میں جان نہیں ہے تو تو مر جائے گا اور بدن میں جان ہے تو نہیں مر سکتا۔

خیز و جلوه آب ده سرو چمن طراز را
آب و هوا زیاده کن باغچهٔ نیاز را

پہلا مصرع یہ ہے —

خیز و نقاب برگشا پردگیان ساز را
نغمهٔ تازه یاد ده مرغ نواطراز را

بر دم تیغ غزنوی گفت سر ایتم نگر
تو که ز خم شکسته‌ای بنده شدی ایاز را

جاده ز خون رهروان تختهٔ لاله در بهار
ناز که راه می‌زند قافلهٔ نیاز را

سجدهٔ تو برآورد از دل کافران خروش
ای که دراز تر کنی پیش کسان نماز را

گرچه متاع عشق را عقل بهای کم نهد
من ندهم به تخت جم آه جگرگداز را

حرف نگفتهٔ شما بر لب و کام ما رسید
از نفس نی زبان بگو خلوتیان راز را

مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام

لاہور، ۴ اگست ۲۰ء

مکرم بندہ. السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ ایران جانے والے ہیں۔ شیراز فارسیوں کے کلچر کا مرکز ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہاں کا قیام آپ کے لیے بہت مفید ہوگا۔ حال کی ایرانی شاعری میں کچھ نہیں۔ البتہ اس قوم کی بیداری کے شواہد کے طور پر اسے ضرور پڑھنا چاہیے۔ علاوہ اس کے زبان کی تحصیل کے لیے بھی مفید ہے۔ ایرانی شاعری کا تو قاآنی پر خاتمہ ہوگیا۔ خالص فلسفہ میں اگر کتابیں آپ کو مل جائیں تو انھیں جمع کرتے جائیے۔ قلمی ہوں یا مطبوعہ۔ تصوّف کی کتب کا جمع کرنا بھی مفید ہوگا۔ حال کے ایرانی حکماء میں ہادی سبزواری مشہور ہیں۔ ان کی کتاب اسرار الحکم میری نظر سے گذری ہے محض افلاطونیت کا چربہ ہے اور بس۔ حال کے دیگر حکماء میں سے اگر کسی کی تصنیفات آپ کے ہاتھ آجائیں تو غنیمت ہے۔ فلسفے اور تصوّف کی کتابوں پر اگر خرچ ہو تو پرواہ نہ کیجئے۔ اس میں مجھے بھی شریک سمجھئے۔ البتہ کتاب خریدنے میں احتیاط لازم ہے۔ کیونکہ نوّے فی صد کتابوں میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لوگ نام کی وجہ سے خرید لیتے ہیں۔

ایک کتاب غالباً "لطائف غیبی" نام ایران میں شائع ہوئی تھی۔ پروفیسر براؤن[۱] نے لٹریری ہسٹری[۲] میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اُن اعتراضات کے

---

[۱] PROF. BROWNE [۲] LITERARY HISTORY

جواب میں لکھی گئی ہے جو شیعہ حضرات نے وقتاً فوقتاً خواجہ حافظؒ پر کیے ہیں۔ اگر کہیں سے دستیاب ہو جائے تو میرے لیے خرید کر کے بھیج دیجیے۔

یونانیوں کے فلسفے پر حال ہی میں ایک نہایت عمدہ چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی ہے۔

A CRITICAL HISTORY OF GREEK PHILOSOPHY
BY W.T. STACE

اسے ضرور پڑھیے۔ میکمیلن[1] سے ملے گی۔ اس سے زیادہ صاف اور واضح کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گذری۔ بعد کا یوروپین فلسفہ سمجھنے میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔

اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ ہو گیا ہے۔ اس وقت پریس میں ہے۔ غالباً سردیوں میں شائع ہو گا۔ پرفیسر نکلسن[2] کا خط آیا تھا۔ انھوں نے وہاں کی لٹریری سوسائٹیوں میں اس کتاب کے مضمون پر متعدد لیکچر دیے ہیں جس کی وجہ سے اس نئے فلسفے کا وہاں بڑا چرچا ہے۔ اب میں گوئٹے کے "دیوان" کے جواب میں ایک فارسی دیوان لکھ رہا ہوں۔ جس کا ایک تہائی حصہ لکھ چکا ہوں۔ اسرارِ خودی کا ترجمہ یورپ کی اور زبانوں میں بھی ہو جائے تو تعجب نہیں۔ میں نے سنا ہے فرانس میں بھی اس کا چرچا ہے یہ غالباً پروفیسر نکلسن کے لیکچروں کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دیوان کا ترجمہ بھی ضرور ہو گا۔ کیونکہ یورپ کی دماغی زندگی کے ہر پہلو پر اس میں نظر ڈالی گئی ہے اور مغرب کے سرد خیالات و افکار میں کسی قدر حرارت ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ ہندوستان اور بالخصوص پنجاب سے بے شمار لوگ (مسلمان) افغانستان کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ اس وقت تک پندرہ بیس ہزار آدمی (اور ممکن ہے کہ زیادہ) جا چکا ہو گا۔

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] MACMILLAN

[2] PROF. NICHOLSON

مولوی نورالاسلام کے نام[1]

مخدومی. السلام علیکم

میری رائے میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم کے مزار پر مندرجہ ذیل رباعی بطور کتبے کے لکھنی چاہیے۔

"دلِ من رازدانِ جسم وجان است
نہ پنداری اجل برمن گران است
چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است"[2]

مخلص محمد اقبال لاہور ۲ ستمبر ۲۰ء

("الفاظ" علی گڑھ جنوری فروری ۸۰ء)

(عکس)
غیر مدون

کیفی چریاکوٹی کے نام

لاہور ۱۲ ستمبر ۱۹۲۰ء

بخدمت حضرت علامہ کیفی چریاکوٹی ایڈیٹر سبحان گورکھپور

مخدومی مولانا صاحب زاد کرمہٗ تسلیم

---

[1] مولوی نورالاسلام صاحب، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کے والد تھے۔

[2] ترجمہ:۔ میرا دل جسم وجاں کے بھید کا جاننے والا ہے۔
یہ نہ سمجھنا کہ موت مجھ پر بھاری ہے
اگر ایک دنیا میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تو کیا غم ہے
اس لیے کہ اب بھی میرے ضمیر میں سیکڑوں عالم پوشیدہ ہیں

مخدومی السلام علیکم

میری رائے میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم کے مزار پر مندرجہ ذیل رباعی بطور کتبہ کے لکھی جائے ۔

" دل من راز دان جسم و جان است
نہ پنداری اجل بر من گران است
چہ غم گر یک جہان گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است "

مخلص محمد اقبال لاہور ۲ ستمبر

آپ کی مرسلہ نظم پہنچی ۔ میری عزت ہوئی ۔ میں اس پر کیا اظہار خیال کروں ہم لوگ آپ کے زَر زُربا ہیں ۔ آپ کے خاندان سے ایک عالم فیض یاب ہے اور آپ کی ذات سے ہو رہا ہے آپ ہمارے رہنما ہیں ۔ اس شعر نے خدا جانے مجھے کس عالم میں پہنچا دیا ۔

پہچانتا نہیں ہے مجھ آستاں نشیں کو   تو نے جو ساتھ چھوڑا اے داغِ جبہ سائی

اقبال

(اقبالنامہ)

شاہ اسدالرحمٰن قُدسی کے نام

مکرم بندہ ۔ السلام علیکم

گل حسن[۱] شاہ صاحب قریباً ایک سال ہوا رحلت فرما گئے ۔

محمد اقبال

۲۴ ستمبر ۲۰ء

لاہور

(خطوطِ اقبال)

محمد احمد خاں کے نام

مکرم بندہ تسلیم

"آب رواں" ان معنوں میں مستند ہے ۔ عام طور پر بغیر اضافت بولا جاتا ہے لیکن فارسی یا عربی الاصل الفاظ کی ترکیب میں اگر اضافت یا واوٴ عاطفہ استعمال کریں تو میرے نزدیک غلط ہے ۔ خواجہ آتش کے اس شعر میں

کسی کی محرم آب رواں جو یاد آئی[۲]

---

[۱] گل حسن شاہ قادری خلیفہ حضرت غوث علی شاہ قلندر موٴلف تذکرۂ غوثیہ، حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے خلیفہ وجانشین تھے ۔ مزار پانی پت میں ہے ۔ (موٴلف)

[۲] خواجہ آتش کا شعر ہے ۔ اقبال نے پہلا مصرع سہواً غلط لکھا ہے ۔ اصل شعر یوں ہے

(باقی اگلے صفحے پر)

لفظ "محرم" بھی مہند ہے جس کو انھوں (نے) مضاف کیا ہے۔

لفظ "تنخواہ" فارسی میں سامان کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے لیکن چونکہ فارسی الاصل لفظ ہے اس واسطے اردو میں اگر کوئی شخص تنخواہ ملازم یا تنخواہ تحصیل دار لکھے تو غلط نہ کہنا چاہیے۔

علیٰ ہٰذالقیاس لفظ حسین (معنی خوب صورت، خوش شکل) فارسی میں نہیں آتا لیکن اردو میں سب لوگ حسین وجمیل و مہ جبیں بولتے اور لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اردو میں فارسی کے صدہا الفاظ داخل ہو گئے اسی طرح اضافت و واؤ عطف بھی آئی گو اضافت اور عطف کا استعمال صرف ان الفاظ تک محدود ہے جو فارسی ہوں یا عربی ہوں فارسی یا عربی الاصل ہوں، ہندی الفاظ میں درست نہیں۔ "آبِ رواں" کی ترکیب میں چونکہ دونوں لفظ فارسی ہیں اس واسطے اضافت غلط نہیں گو "مرکب افعال" کے اعتبار سے اردو ہے مگر اس بارے میں محققین اردو کی رائیں مختلف ہیں۔ مزید اطمینان کے لیے کسی صاحبِ زبان کی طرف رجوع کریں۔

محمد اقبال لاہور ۲۸ ستمبر ۶۲۰

(انوارِ اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور، ۱۰ اکتوبر ۶۲۰

مخدومی۔ السلام علیکم

مراجعت[1] مع الخیر مبارک۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کسی کے محرم آبِ رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا (مولف)

[1] مکتوب الیہ کے سفر یورپ سے واپسی پر۔

آپ نے بڑا کام کیا ہے جس کا صلہ قوم کی طرف سے شکر گذاری کی صورت میں مل رہا ہے اور دربارِ نبوی سے نہ معلوم کس صورت میں عطا ہوگا۔ وزرائے انگلستان کا جواب وہی ہے جو ان حالات میں ہمیشہ دیا گیا ہے۔

"انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عٰبدون"[1]

تاہم مجھے یقین ہے کہ ہندی وفد کا سفرِ یورپ بڑے اہم نتائج پیدا کرے گا۔

امید کہ آپ کی صحت اچھی ہوگی۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا تار ابھی ملا ہے۔ آج اتوار ہے کل کے مقدمات کا انتظام نہیں ہو سکتا لہٰذا میں منگل کے روز سیالکوٹ آؤں گا خدا تعالیٰ جلد فضل کرے۔ مجھے سخت تردّد ہو رہا ہے۔ اگر یہ کارڈ تم کو سوموار یا منگل کے روز صبح تم کو مل جائے اور بھائی صاحب کی حالت بھی رو بہ ترقی ہو تو مجھے بذریعہ تار مطلع کر دینا تاکہ اطمینان ہو جائے۔ باقی خیریت

---

[1] یہ قرآن پاک کی آیت اس موقع کی ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ یہ دونوں عام بشر تھے اور ان کی قوم فرعون کی غلام رعایا میں تھی۔ اس آیت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ (شیخ عطاء اللہ)

پارہ نمبر ۱۸، سورۃ المومنون آیت نمبر ۴۷

ترجمہ: کیا ہم ایمان لے آویں ایسے دو شخصوں پر جو کہ ہماری ہی طرح ہیں اور ان کی قوم ہمارے زیرِ حکم ہے۔

(مولانا اشرف علی تھانوی)

ہے والد مکرّم کی خدمت میں آداب۔

محمد اقبال لاہور ۱۷ اکتوبر ۲۰ء

(مظلوم اقبال)

محمد دین فوقؔ کے نام

ڈیر فوق۔ السلام علیکم

دونوں کتابوں کا پیکٹ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ نے "تاریخ حریتِ اسلام"[1] بھی لکھی ہے۔ یہ کتاب لاجواب ہوگی اور مسلمانوں کے لیے تازیانے کا کام دے گی۔ آپ بڑا کام کر رہے ہیں۔ اس کا اجر خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے ملے گا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۷ اکتوبر ۲۰ء

(انوارِ اقبال)

---

[1] تاریخ حریتِ اسلام میں زمانۂ جاہلیت، عہدِ خلافتِ راشدہ بنی امیہ اور بنی عباس سے لے کر عہدِ حال تک کے راست باز، حق پرست، حق گو بزرگوں کے حیرت خیز، جرأت آفریں، استقلال اور جوش وایثار کے عبرت آموز حالات درج ہیں۔ اس کتاب پر اقبال کی تفصیلی رائے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

فوق کو اسلامیات سے ہمیشہ شغف رہا ہے۔ اس سے پہلے ان کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں لیکن حق یہ ہے کہ "حریتِ اسلام" ان کی بہترین تصنیف ہے۔ دلیری اور بے باکی سے اعلان حق کرنا گزشتہ مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا مگر افسوس کہ عصرِ حاضر کے عام مسلمان تو تاریخ اسلامی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ موٹے موٹے واقعات سے بھی بے خبر ہیں۔ ان حالات میں فوق صاحب کی تصنیف پنجاب کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان خاندان اس بیش بہا کتاب کے مطالعے سے محروم نہ رہے گا۔ اسلامی اسکولوں اور کالجوں کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ ملا۔ الحمدللہ کہ اب آپ کا مزاج بخیر ہے۔ شیخ صاحب سے آپ کی خیر و عافیت کی خبر ملتی رہتی ہے۔

علی گڑھ سے ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی۔ اسلامیہ کالج میں بھی وہی حالات پیدا ہو چلے تھے۔ مگر طلبار کو چھٹی دے دی گئی اور الحاق کے بارے میں خود اُن کی رائے میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ اب اس بارے میں ارکین انجمن کو تردد نہ رہے گا۔ میری تو یہی رائے ہے کہ گرانٹ اور الحاق کے بارے میں جو فتویٰ علمار کا ہو۔ اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ چونکہ واجب الطاعت امام اس وقت موجود نہیں۔ اس واسطے جمہور مشاہیر علمار ہند کا فتویٰ ضروری ہوگا۔ صرف ایک عالم کا فتویٰ اس بارے میں کافی نہیں۔ خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ علمار کی غالب جماعت کا اس پر اتفاق ہونا چاہئے۔ ذاتی رائے میری خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر علمار کا فتویٰ میری ذاتی رائے کے خلاف ہو تو سرِ تسلیم خم ہے۔ جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں، قرآن کے احکام اس بارے میں صاف و واضح ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض مشہور علمار فتویٰ دیتے ہوئے خائف ہیں۔ بعض کی خدمت میں میں نے خطوط لکھے ہیں، مگر امید نہیں کہ جواب ملے۔

باقی رہا میرا اُن لوگوں سے ہم خیال ہونا' ہم خیالی صرف اسی حد تک ہے، جس حد تک قرآن کا حکم ہو اور بس۔ اخباروں میں انھوں نے شائع کیا ہے کہ اقبال نے

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کتب خانے خاص طور پر اس کے مطالعے کی طرف توجہ کریں۔ اس زمانے میں جبکہ جمہوریت کی روح ہندوستان میں نشو و نما پا رہی ہے۔ دیگر اہلِ ملک کے لیے بھی یہ کتاب سبق آموز ہوگی۔

(۱۰ر مارچ ۱۹۲۱ء) (بشیر احمد ڈار)

قومی آزاد یونیورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے تعمیلِ حکم میں کیوں کر تامل ہو سکتا ہے۔ تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے، بالکل غلط ہے اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اس بیان سے لوگ دھوکا نہ کھائیں، میں نے ایک تار آنریری سکریٹری کو دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، جو اخباروں میں شائع ہوئی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں، والسلام۔

مخلص محمدؐ اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور، ۳ر نومبر ۲۰ء

برادر مکرم السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ حاجی شمس الدین کشمیر گئے ہوئے ہیں ۱۰ر نومبر کو آئیں گے اُن سے خط لکھواؤں گا اتنے عرصے میں آپ لڑکی کے متعلق زیادہ تحقیق کریں۔ اگر ممکن ہو کیونکہ آپ نے لکھا ہے ہمیں لڑکی اچھی بتائی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا علم لڑکی کے متعلق محض شنید ہے۔ اس سے زیادہ تحقیق مطلوب ہے۔ کیا لڑکی ڈسکے میں ہے یا کاہل پور میں؟ بہر حال اگر حاجی صاحب جلد نہ آئے یا اُن کو خط لکھنے میں عذر ہوا تو اس اثنا میں کوئی اور دوست اُن کا تلاش کروں گا جو اُن کو خط لکھے یہ بھی نہ ہوا تو پھر خود لکھوں گا۔

گائے میں آپ کے لیے منٹگمری سے منگواؤں گا۔ اگر نہ آئی تو اپنی گائے بھیج دوں گا ابھی اس کے بچّہ دینے میں دو تین ماہ باقی ہیں بچّہ دینے کے بعد ارسال کروں گا۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب۔ والسلام

محمدؐ اقبال

(مظلوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۷ نومبر ۲۰ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

علی بخش کے ہمدست بیگم گرامی صاحبہ کا تحفہ پہنچا ہے جس کے لیے میری بیوی نہایت سپاس گذار ہے۔ اور کہتی ہے کہ میں اس کا شکریہ بیگم گرامی تک پہنچاؤں۔ آپ کا بہت انتظار رہا افسوس آپ نہ آئے پر نہ آئے۔ اگر آپ آتے تو خوب لطفِ صحبت رہتا شیخ نصیر الدین[1] کے کتب خانہ سے طالب آملی کے دیوان کا ایک قدیم خوشخط نسخہ نکلا ہے وہ بھی آپ کو دکھلاتے۔ اس کے علاوہ شاہ نعمت اللہ کرمانی کا مشہور قصیدہ "حالتِ روزگار می بینم" پروفیسر برون کی تاریخ ادبیات فارسی کی تیسری جلد میں جو حال میں انگلستان سے چھپ کر آئی ہے یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ہندوستان میں جو نسخے اس قصیدہ کے مروج ہیں بہت غلط ہیں۔ پروفیسر براؤن نے جو نسخہ شائع کیا ہے بہت صحیح ہے۔ اس کے بہت سے اشعار قابلِ غور اور حیرت انگیز ہیں۔ آپ آتے تو اُن اشعار کی باریکیوں پر گفتگو ہوتی۔ ہاں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا آپ نے سعدی کی غزل پر غزل لکھی تھی "فرہنگ است۔ آہنگ است" اس پر چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں فی الحال ایک دو شعر عرض کرتا ہوں۔

بیا کہ ساقیٔ گل چہرہ دست بر چنگ است
بچمن ز بادِ بہاراں چو نقش ارژنگ است

---

[1] شیخ نصیر الدین کا اصل وطن ہوشیار پور تھا پھر یہ لاہور منتقل ہو گئے۔ خاندانی رئیس تھے۔ ان کے دادا اور چچا سکھوں کے وقت میں کشمیر کے گورنر تھے۔ خود شیخ صاحب بھی بلند مناصب پر فائز رہے۔ شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔ (باقی اگلے صفحے پر)

برآ از کہنہ سرائے کہ ریختند ز خاک
جہانِ دل شدگاں آفریدۂ چنگ است
بلند تر ز سپہر ست منزلِ من و تو
براہ قافلہ خورشید میل فرسنگ است[1]

والسلام
محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

شیخ غلام محی الدین گورنر کشمیر (وفات ۱۸۴۵)

- شیخ امام الدین گورنر کشمیر
  - نواب شیخ غلام محبوب سبحانی (المتوفی ۱۹۰۳ء)
- شیخ فیروزالدین وفات (۱۸۸۰ء)
  - شیخ نصیرالدین (المتوفی ۱۹۲۰ء)
    - میاں ریاض الدین سپرنٹنڈنٹ پولس
      - میاں غیاث الدین (وفات ۱۹۶۳ء)
      - میاں جی معین الدین سی ایس پی سابق الیکشن کمشنر

(محمد عبداللہ قریشی)

[1] ترجمہ:۔ آؤ کہ پھول جیسے چہرے والا ساقی چنگ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے اور بادِ بہاراں سے چمن نقش ارژنگ کے مانند ہو رہا ہے مٹی سے بنی ہوئی اس پرانی سرائے سے باہر نکلو۔ عاشقوں کا جہاں تو اُن کی مٹھی سے پیدا ہوتا ہے (اپنی دنیا خود بناتے ہیں) ہماری منزل آسمان سے بھی بلند تر ہے۔ اس قافلے کے راستے میں سورج ایک سنگ میل ہوتا ہے۔

مدیر روزنامہ "زمیندار" کے نام

۱۵ر نومبر ۱۹۲۰ء

آج کے "زمیندار" میں جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ منعقدہ ۱۴ر نومبر ۱۹۲۰ء کی کارروائی پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس میں ایک آدھ فروگذاشت ہوگئی ہے جس کا ازالہ عام مسلمانوں کی آگاہی کے لئے ضروری ہے۔ اراکین کونسل کے سامنے تین تجویزیں تھیں:

(۱) اسلامیہ کالج کا الحاق پنجاب یونی ورسٹی سے جاری رکھا جائے۔ محرک میاں فضل حسین صاحب سکریٹری کالج، مؤید مولوی فضل الدین صاحب وائس پریذیڈنٹ انجمن۔

(۲) انجمن حمایتِ اسلام لاہور اپنے طور پر علمائے پنجاب و ہندوستان کی ایک کانفرنس طلب کرے جس میں حالات حاضرہ سے واقف کار لوگ بطورِ مشیر کام کریں تاکہ حضرات علمار مسائلِ متنازعہ فیہ کے ہر پہلو پر پوری بحث و تمحیص کے بعد نتائج پر پہنچیں۔

(۳) جمعیتِ علمار کا اجلاس دہلی میں عنقریب ہونے والا ہے، ان کے فتوے کا انتظار کیا جائے۔ میاں صاحب کی تجویز کے فوراً بعد دوسری اور تیسری تجاویز پیش کردی گئیں اور بحث انہیں تجاویز پر ہوتی رہی۔ بہرحال تجویز اوّل پر ووٹ لئے گئے جن کا نتیجہ یہ ہے کہ کثرتِ آرار میاں فضل حسین کی تجویز کے حق میں تھی۔ ۱۲ ممبروں نے، جن میں مولوی عبدالقادر صاحب قصوری، حاجی شمس الدین صاحب اور خاکسار شامل تھے، ووٹ دینے سے اس بنا پر انکار کیا کہ ان ممبروں کی رائے میں معاملۂ زیرِ بحث کا ایک نہایت اہم پہلو ہے جس کا فیصلہ علمار سے استفسار کئے بغیر ایک ایسی انجمن کے لیے ناممکن ہے جو انجمن حمایتِ اسلام کے نام سے موسوم ہو۔ میری رائے ناقص میں اس سوال کے مذہبی پہلو کو نظرانداز کر دینے سے اراکین کونسل نے خود انجمن کے لیے زندگی اور موت کا سوال پیدا کر دیا ہے۔

نوٹ:- مندرجہ بالا خط کا پورا متن دست یاب نہ ہوسکا چنانچہ یہ اقتباس "روحِ مکاتیبِ اقبال" (ص ۲۵۶ - ۲۵۵) مرتبہ محمد عبداللہ قریشی سے لیا گیا ہے۔ (مؤلف)

سیّد رحمت اللہ شاہ کے نام

لاہور

۲۲ نومبر ۳۰ء

مخدومی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں:

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است[1]

مخلص محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

مہاتما گاندھی کے نام[2]

لاہور

۲۹ نومبر ۳۰ء

مائی ڈیر مسٹر گاندھی

آپ کے گرامی نامہ کا بہت بہت شکریہ جو مجھے پرسوں موصول ہوا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر ضروری نہیں اور شاید اس وقت ممکن بھی نہیں ہے۔ ان حضرات کی آواز پر جن کی میرے دل میں بڑی عزّت ہے، لبیک کہنا میرے لیے مشکل ہے۔ اگرچہ میں قومی تعلیم کے شدید حامیوں میں سے ہوں۔ لیکن ایک تو یونیورسٹی کی رہنمائی کے لیے مجھ میں وہ صلاحیتیں نہیں ہیں جو مختلف کشمکشوں اور رقابتوں کی صورت میں عموماً ابتدائی مراحل میں پیدا ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ فطری طور پر

---

[1] ترجمہ:۔ یہ مت سمجھو کہ پیرِ مغاں کا کام پورا ہو گیا ابھی ہزار ناخوردہ شرابیں رگِ تاک میں پوشیدہ ہیں۔

([2] حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پس پرسکون حالات میں کام کرسکتا ہوں۔ ایک اور بات یہ بھی ہے کہ ہم جن حالات سے دو چار ہیں ان میں سیاسی آزادی سے قبل معاشی آزادی ضروری ہے اور معاشی

سلہ۔جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے وقت شیخ الجامعہ کے عہدے پر تقرری کے لیے گاندھی جی کی نظر انتخاب ڈاکٹر اقبال پر پڑی تھی۔ گاندھی جی نے تار بھیج کر یہ درخواست کی تھی کہ وہ یہ ذمہ داری قبول کرلیں اور اس کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل خط بھی لکھا۔

"مسلم نیشنل یونیورسٹی" (جامعہ ملیہ اسلامیہ) آپ کو آواز دے رہی ہے کہ اگر آپ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیں تو آپ کی فاضلانہ قیادت میں یہ ترقی کر سکے گی۔ حکیم اجمل خاں کے علاوہ علی برادران کی بھی یہی خواہش ہے۔ میری آرزو ہے کہ آپ اس آواز پر لبیک کہیں۔ آپ کے اخراجات جو نئی بیداری کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں گے بآسانی فراہم کیے جاسکیں گے۔ براہِ نوازش اس کا جواب پنڈت (موتی لال) نہرو کی معرفت الہ آباد کے پتے پر روانہ فرمائیں۔"

اس سلسلہ میں گاندھی جی نے حکیم اجمل خاں صاحب کو بھی لکھا کہ وہ ڈاکٹر اقبال کو یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لیے راضی کریں۔ خط کا اقتباس COLLECTED WORKS OF MAHATMA GANDHI, PUBLICATIONS DIVISION, NEW DELHI - 1979 سے لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے چند وجوہ کی بنا پر یہ پیش کش قبول نہ کرتے ہوئے گاندھی جی کو مندرجہ بالا خط تحریر کیا۔ خط کا پورا متن ڈاکٹر رضی احمد ڈائرکٹر، گاندھی سنگھرالیہ، راج گھاٹ نئی دہلی نے فراہم کیا ہے۔ اس کا اقتباس لطیف احمد شیروانی کی مندرجہ ذیل تصنیف میں شائع ہوچکا تھا لیکن پورا متن پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے۔ SPEECHES, WRITINGS AND STATEMENTS OF IQBAL, IQBAL ACADEMY, PAKISTAN, LAHORE - 1977 - P.203

صابر کلوروی صاحب نے اپنی تالیف "اقبال کے ہم نشیں" (ص ۸۴) میں اس خط کی تاریخ ۲۹ مئی ۱۹۲۰ء تحریر کی ہے جو درست نہیں۔ نیز اُن کے اس بیان کی اس خط سے کوئی تصدیق نہیں ہوتی کہ جامعہ ملیہ کی وائس چانسلر شپ قبول نہ کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ علامہ تعلیمی میدان میں انگریزوں کے ساتھ عدمِ تعاون کے خلاف تھے۔ (مرتب)

اعتبار سے ہندوستانی مسلمان دوسرے فرقوں کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں۔ بنیادی طور پر انھیں ادب اور فلسفہ کی نہیں بلکہ تکنیکی تعلیم کی ضرورت ہے اور اس قسم کی تعلیم پر ان حضرات کو اپنی تمام تر کوششیں مرکوز کرنی چاہئیں۔ جن حضرات نے جامعہ ملیہ قائم کی ہے انھیں چاہیے کہ اس نئے ادارے میں خصوصی طور پر طبیعی علم کے ساتھ ساتھ تکنیکی پہلوؤں پر بھی زور دیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کریں جن کو وہ مناسب سمجھتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ عالم اسلام بالخصوص عرب ملکوں اور مقدس مقامات میں جو واقعات پیش آئے ہیں ان کے پیش نظر ہندوستانی مسلمان کسی نہ کسی قسم کا عدم تعاون اختیار کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ لیکن تعلیم کا مذہبی پہلو میرے ذہن میں ہنوز غیر واضح ہے اور میں نے پورے مسئلہ پر بحث ومباحثہ کے لیے اپنی تجاویز شائع کر دی ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں شریعت کا ماہر نہیں ہوں لیکن میرا عقیدہ ہے کہ جہاں تک تعلیم کا سوال ہے موجودہ مجبوریوں کے تحت فقہ اسلامی ہماری مناسب رہنمائی کرنے سے معذور نہیں ہے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، لاہور

(انگریزی سے) (ماخذ ڈاکٹر رضی احمد۔ گاندھی سنگھرالیہ، نئی دہلی)

شیخ نور محمد کے نام

قبلہ وکعبہ ام، السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا تھا۔ الحمد للہ کہ سب خیریت ہے۔ امرتسر میں خوب رونق رہی۔ میں بھی دو روز جاتا رہا۔ شام کو واپس آجایا کرتا تھا۔ کانگرس کا جلسہ اس زور سے ہوا کہ اس سے پہلے آج تک نہیں ہوا۔ اور نہ امید ہے کہ ایسا جلسہ کبھی پھر

ہو۔ غرض کہ خوب رونق کا زمانہ رہا۔

سردی ذرا کم ہو جائے تو آپ ضرور تشریف لاویں۔ مرزا صاحب کی کتاب اچھی ہے مگر شرح لکھنے والے کا دل ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ مصنف کا۔ زیادہ کیا عرض کروں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ بھائی صاحب کی طبیعت اب بالکل اچھی ہوگی۔ والسلام

محمد اقبال یکم دسمبر ۲۰ء

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ لیکن اس کا جواب لکھنا کارے دارد۔ بہت طویل ہوگا۔ فرصت مل گئی تو لکھوں گا۔ ورنہ اس وقت کا منتظر رہوں گا جب میں جالندھر آؤں یا آپ لاہور تشریف لاویں۔ انجمن کی سکریٹری شپ سے میں نے استعفیٰ ضرور دیا تھا مگر کام اب تک کر رہا ہوں اور جب تک استعفیٰ منظور نہ ہو، کرتا رہوں گا۔ امید کہ عوام کی حالتِ جنوں اب زیادہ دیر تک نہیں رہے گی۔ تعلیم میں عدم تعاون کرنے کا یہ طریقہ نہ تھا، جو بعض لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر عدم تعاون کو شرعی فرض بھی تسلیم کر لیا جائے تو طریقِ کار میرے نزدیک شریعت اسلامیہ کی سپرٹ کے مخالف ہے اس پر مفصل گفتگو زبانی ہوگی اور احکامِ شریعت جو میری سمجھ میں آئے ہیں، عرض کروں گا۔ زمیندار میں آپ نے میرا مضمون ملاحظہ کیا ہوگا۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت اب اچھی ہے۔ انشاء اللہ کمزوری بھی رفتہ رفتہ دور ہو جائے گی۔

مخلص محمد اقبال، لاہور

۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

ضیاء الدین برنی کے نام

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے افسوس ہے کہ آپ کی مدت کی خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ میں مجموعہ مرتب کر رہا ہوں[1]۔ کچھ نظموں کی نظر ثانی باقی ہے۔ بعض دولت مند دوستوں نے اسے نہایت عمدہ کاغذ پر چھاپنے کا تہیّہ کیا ہے۔ ان کی خواہش ہے روپیہ وہ خرچ کریں اور فائدے تمام وکمال میں اٹھاؤں۔ دل اس کے قبول کرنے میں بھی متأمل ہے۔

والسلام

محمد اقبال

لاہور، ۲۳ر دسمبر ۲۰ء

(انوارِ اقبال)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور، ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء

مخدومی، السلام علیکم

سیرۃ عائشہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیۂ سلیمانی نہیں سرمۂ سلیمانی ہے

---

[1] برنی صاحب نے دوسرے بے شمار احباب کی طرح اقبال سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنا مجموعہ کلام مرتب کر کے چھپوادیں (بشیر احمد ڈار)

اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا خدا تعالیٰ جزائے خیر دے۔
یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ "حمیرا" والی سب احادیث موضوعات میں ہیں۔ کیا "کلمینی یا حمیرا" بھی موضوع ہے؟ کمال کا شعر کیا مزے کا ہے

این تصرف ہائے من در شعر من[۱]
کلمینی یا حمیرائے من است

زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

---

۱ ترجمہ:- میرے شعروں میں میرا یہ تصرف (کلمینی یا حمیرا) کی طرح ہے۔ یہ ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۳۰ دسمبر ۲۰ ء

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ بہتر ہے آپ اپریل تک انتظار کریں بعد میں ضرورت ہوئی تو مختار کو یہاں کے کسی سکول میں داخل کرا دیا جائے گا گو سکول لاہور کے بھی بہت خراب ہیں اور لڑکوں کی آوارگی کے ممد۔

اسلامیہ کالج کی حالت بدستور وہی ہے اور انجمن کے جنرل کونسل کے اکثر ممبروں کی رائے یہی ہے کہ خواہ کچھ بھی کالج اپنی موجودہ حالت میں رہے اور یہی تعلیم دے۔ ہاں اگر ضرورت ہو تو ایک نیشنل کالج بھی کھول دیا جائے۔ آئندہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ ہشیار پور کا سکول قومی ہو گیا تھا۔ اب سنا ہے کہ انھوں نے یونیورسٹی سے پھر ملحق کر لیا ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔ سردی کا بڑا زور ہے۔ بارش مطلق نہیں ہوئی۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

نوٹ سیالکوٹ میں کانگریس اور خلافت تحریکوں کا بڑا زور تھا۔ ترک موالات کی تحریک چل رہی تھی۔ سکولوں کا الحاق یونیورسٹی سے توڑ کر قومی سکول بنائے جانے پر زور دیا جا رہا تھا۔ میرا سب سے چھوٹا بھائی مختار احمد سکول میں پڑھتا تھا۔ ابا جان کا خیال تھا کہ اسے لاہور کے کسی سکول میں داخل کرا دیا جائے انھوں نے چچا جان کو لکھا جس پر انھوں نے مندرجہ بالا مکتوب لکھا۔

(شیخ اعجاز احمد)

شیخ نور محمد کے نام

لاہور ۳ جنوری ۱۹۲۱ء

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

اعجاز کی زبانی آپ کا پیغام پہونچا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت اداس رہتی ہے۔ کئی سال ہوئے ہیں نے ایک کتاب یورپ میں خریدی تھی مگر آج تک اس کے پڑھنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ ان تعطیلوں ہیں اسے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کا آغاز اور اختتام یہ فقرہ ہے۔"میری کوئی چیز نہیں اور میرے لیے تمام اشیاء کا وجود عدم برابر ہے" یہ ساری کتاب اسی جملے کی تشریح ہے اور حقیقت ہیں بہت خوب ہے۔ حقیقی شخصیت یہی ہے کہ انسان اپنی اصلی حقیقت کا خیال کر کے تمام تعلقات سے آزاد ہو جائے یعنی بالاتر ہو جائے۔ نبی کریمؐ کی زندگی ہیں بھی اس کی مثال ملتی ہے۔ ان سے زیادہ اپنے عزیزوں سے محبت کرنے والا بلکہ ساری دنیا کو اپنا عزیز جاننے والا اور کون ہوگا؟ لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا تھا۔ جب آپ کو نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عائشہ کون ہے اور ابوبکر کون ہے نہ یہ کہ محمدؐ کون ہے۔ ہمارے صوفیا نے اس کو فنا سے تعبیر کیا ہے لیکن سچ بات یہ ہے کہ یہ شخصیت یا خودی کا کمال ہے اُسے فنا نہیں کہنا چاہیئے اور انسانی حیات کی یہی کیفیت حیات مابعد الموت کی تیاری ہے۔ لیکن آپ اس نکتے کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ ہمارے عزیزوں ہیں آپس میں جب بگاڑ ہو جاتا ہے تو ہم جو ان کی صلح و آشتی میں خوش ہوتے ہیں ان کا بگاڑ دیکھ کر رنجیدہ اور پریشان ہوتے ہیں جب اسی قسم کا بگاڑ اور لوگوں میں ہو جو عام معنوں میں ہمارے عزیز یا رشتہ دار نہیں ہیں تو ہم کو کوئی رنج نہیں ہوتا اور کوئی

پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ جو آدمی انسانی زندگی کی حقیقت سے آگاہ ہے اسے معلوم ہے کہ تمام بنی نوع انسان آپس میں عزیز و رشتہ دار ہیں کیونکہ حیاتِ انسانی کی جڑ ایک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ چند آدمیوں کے بگاڑ سے جن کو ہم خاص طور پر اپنا رشتہ دار کہتے ہیں ہم کو رنج ہوتا ہے اور باقی لوگوں کے بگاڑ سے ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا حالانکہ عزیز تو حقیقت میں وہ بھی ہیں؟ انسان اس فطری میلان سے مجبور ہے کہ جو آدمی خون کے اعتبار سے ہمارے قریب تر ہیں ان کو اپنا رشتہ دار کہتا ہے اور جو دور ہیں ان سے بے تعلق ہو جاتا ہے حالانکہ خون اور زندگی میں قُرب اور بُعد نزدیکی و دوری کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ تعلقات کی وجہ سے جو پریشانی ہم کو لاحق ہوتی ہے اس کی بنا اصل میں ناانصافی پر ہے۔ ناانصافی یہ کہ بعض افراد کو قرب خونی کی وجہ سے قریب جاننا اور بعض کو بُعد خونی کی وجہ سے بعید جاننا حالانکہ زندگی کی حقیقت قرب و بُعد سے مُعرّا ہے۔ کامل انسان تمام عالم کیلیے رحمت ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ کامل انسان تعلقات سے بالاتر ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں آداب۔

اسرار خودی کا ترجمہ انگریزی میں ہو گیا ہے۔ آپ کو یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ جب یہ کتاب ہندوستان میں شائع ہوئی تو یہاں کے صوفیا نے اس پر اعتراض کیا کہ کتاب کا مصنف مسلمانوں کو مغربی خیالات سکھاتا ہے اور ان کو فرنگیت کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے مغرب والے مترجم نے دیباچے میں یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک زبردست آواز ہے جو مسلمانوں کو محمدؐ اور قرآن کی طرف بلاتی ہے اور اس آواز میں صداقت کی آگ ایسی ہے کہ ہم اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور

۱۰ جنوری ۱۹۲۱ء

مائی ڈیر اعجاز،

مجھے تمہارے دوست کی ان نظموں کے لئے درخواست قبول کرنے میں تامل ہے جن کی تفصیل سردست دینا ضروری نہیں مگر یہ سب سے اہم نظمیں ہیں اور میں پہلے ہی اپنی نظموں کا مجموعہ[۲] اشاعت کے لئے مرتب کر رہا ہوں۔

دعاگو

محمد اقبال

لاہور

(انگریزی سے) (خطوط اقبال)

---

[۱] :۔ شیخ اعجاز احمد نے زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی ذاتی بیاض میں کلام اقبال جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ سیالکوٹ کے ڈاکٹر شاہ انور صاحب بڑے خوشخط تھے وہ بیاض میں کلام اقبال نقل کرنے میں ان کی مدد کرتے۔ اس طرح "بانگ درا" کی اشاعت سے بہت پہلے ان کی بیاض میں بہت سا مطبوعہ اور زیادہ تر غیر مطبوعہ کلام جمع ہو گیا۔ شیخ اعجاز احمد کے ایک دوست کے عزیز مشتاق صاحب نے بیاض دیکھی تو انھیں اس کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا مگر اس کیلئے حضرت علامہ کی اجازت ضروری تھی۔ چنانچہ مشتاق صاحب نے شیخ اعجاز احمد سے علامہ کے نام خط لکھوا کر "کلام اقبال" شائع کرنے کی اجازت چاہی۔

[۲] :۔ اشارہ ہے "بانگ درا" کی طرف جو پہلی بار ستمبر ۱۹۲۴ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔

(رفیع الدین ہاشمی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۲۱ جنوری ۱۹۲۱ء

مخدومی ! السلام علیکم

والانامہ ملا، الحمد اللہ کہ اب آپ بالکل بخیریت ہیں اور مارچ میں لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوگی۔ صرف اسرار خودی کا ترجمہ انگریزی میں ہوا ہے۔ انگلستان اور امریکہ کے اخباروں میں عجیب و غریب ریویو اس پر شائع ہو رہے ہیں۔ اس وقت تک تین ریویو میری نظر سے گذرے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پچاس ریویو شائع ہو چکے ہیں۔ نکلسن (مترجم کتاب) نے جو دیباچہ لکھا ہے۔ وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ یورپ کے پڑھے لکھے آدمیوں میں امید نہیں کہ یہ کتاب مقبول ہو۔ کیونکہ زندگی کے اعتبار سے وہ ممالک خود پیری کی منزل تک پہنچنے کو ہیں۔ نوجوان ملکوں پر اس کا اثر یقینی ہے یا ایسی اقوام پر جن کو خدا تعالیٰ نئی زندگی عطا کرے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی اشاعت ایک اور کتاب کے لیے جو میں لکھ رہا ہوں، زمین تیار کر دے گی۔ اس کا یورپ میں مقبول ہونا بہت ممکن ہے۔ گو ہندوستان میں شاید وہ بھی قبول نہ ہو۔ بہر حال یہ محض قیاسات ہیں۔ قلوب کے حال کا سوائے خدا کے اور کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

کبوتر اب کے بہت سے شاہین نے ضائع کر دئے ہیں۔ آپ کے کبوتر سوائے ایک دو کے سب محفوظ ہیں۔ ایک جوڑے نے اتنے عرصے میں اب بچے دئے ہیں۔ جو اگلے سال اُڑنے کے قابل ہوں گے۔

مولوی گرامی صاحب کے خطوط چنداں قابل اعتبار نہیں ہوا کرتے۔ وہ جالندھر میں آجائیں تو ان کے لیئے مکان کا انتظام کیجیے۔

صائب کے مطلع کا دوسرا مصرع لاجواب ہے۔ آپ کا شعر بھی خوب رہا۔ والسلام

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

ڈاکٹر نکلسن کے نام

لاہور

۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء

محترمی ڈاکٹر نکلسن

شفیع کے نام آپ نے جو مکتوب تحریر فرمایا ہے۔ اس سے مجھے یہ معلوم کر کے بیحد مسرت ہوئی کہ اسرار خودی کا ترجمہ انگلستان میں قبولِ عام حاصل کر رہا ہے بعض انگریز تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نطشے[1] کے خیالات میں پایا جاتا ہے۔ دھوکا کھایا ہے۔ اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں "دی ایتھنیم[2]" والے مضمون میں جو خیالات ظاہر کئے گئے وہ بہت حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ لیکن اس غلطی کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر عائد نہیں ہوتی۔ اس نے اپنے مضمون میں میری جن نظموں کا ذکر کیا ہے۔ اگر اسے ان کی صحیح تاریخ اشاعت کا بھی علم ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میری ادبی سرگرمیوں کے نشو و ارتقا کے متعلق اس کا زاویہ نگاہ بالکل مختلف نظر آتا۔ نہ وہ انسانِ کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر سمجھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے خلطِ مبحث کر کے میرے انسان کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے۔ میں نے آج

نوٹ :۔ ترجمہ میں چند مقامات پر ضروری ترمیم کی گئی ہے۔ (مؤلف)

[1] NEITZSCHE

[2] THE ATHENAEUM

سے قریباً بیس سال قبل انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نٹشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا۔ نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گذری تھیں۔ یہ مضمون "انڈین انٹی کیوری[1]"، میں شائع ہوا جب ۱۹۰۸ء میں میں نے "ایرانی الٰہیات" پر ایک کتاب لکھی تو اس کتاب میں اس کو شامل کر لیا گیا۔

انگریزوں کو چاہئے کہ میرے خیالات کو سمجھنے کے لیے جرمن مفکر کے بجائے اپنے ایک ہم وطن فلسفی کے افکار کو رہنما بنائیں۔ میری مراد الگزنڈر[2] سے ہے جس کے گلاسگو[3] والے خطبات پچھلے سال شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات میں اس نے "خدا اور الوہیت" کے عنوان سے جو باب لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ صفحہ ۴۲۳ پر لکھتا ہے۔

"گویا ذہنِ انسانی کے نزدیک الوہیت دوسری اعلیٰ تجربی قوت ہے۔ جسے کائناتِ عالم وجود میں لانے کی سعی کر رہی ہے قیاس و اجتہاد کی رہنمائی سے ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ بطنِ گیتی میں اس قسم کی ایک قوت موجود ہے۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ قوت کیا ہے۔ ہم نہ تو اسے محسوس کر سکتے ہیں۔ نہ ہمارا ذہن اس کے تصور پر قادر ہے۔ انسان ابھی تک ایک نامعلوم خدا کے لیے معابد تعمیر کر رہا ہے۔ یہ معلوم کرنا کہ الوہیت کیا چیز ہے اس کا احساس کیسا ہوتا ہے اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم خدا بن جائیں۔"

الگزنڈر کے خیالات میرے عقائد کی نسبت زیادہ جسارت آمیز ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ کائنات میں جذبۂ الوہیت جاری و ساری ہے لیکن میں الگزنڈر کی

---

[1] INDIAN ANTIQUARY

[2] ALEXANDER

[3] GLASGOW

طرح یہ نہیں مانتا کہ یہ قوت ایک ایسے خدا کے وجود میں جلوہ آرا ہو گی۔ جو وقت کا تابع ہو گا۔ اس باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قوت ایک اکمل و اعلیٰ انسان کے پیکرِ خاکی میں ظاہر ہو گی۔ خدا کے متعلق میرا عقیدہ الگزنڈر کے عقیدے سے مختلف ہے لیکن اگر انگریزان جزوی اختلافات سے قطع نظر کر کے انسانِ کامل کے تخیل پر اپنے ایک ہم وطن مفکّر کے افکار کی روشنی میں نظر ڈالیں تو انھیں یہ عقیدہ اس قدر اجنبی اور غیر مانوس نہیں معلوم ہو گا۔

مجھے مسٹر ڈکنسن[1] کی تنقید بدرجۂ غایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس کے متعلق چند باتیں عرض کر دوں۔ براہ کرم انھیں یہ خط دکھا دیں مجھے یقین ہے کہ انھیں اس امر سے دلچسپی ہو گی کہ میں ان کے ریویو کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہوں۔

(۱) مسٹر ڈکنسن کے نزدیک میں نے اپنی نظموں میں جسمانی قوت کو منتہائے آمال قرار دیا ہے۔ (انھوں نے مجھے ایک مکتوب لکھا ہے جس میں یہی خیال ظاہر کیا ہے) انھیں اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ جب ایک قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوت پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رُو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے۔ لیکن میں اُن تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں جن کا مقصد محض کشور کشائی اور ملک گیری ہو۔ (حکایت میاں میرؒ اور شہنشاہ ہندوستان)

مسٹر ڈکنسن نے صحیح فرمایا کہ جنگ خواہ حق و صداقت کی حمایت میں ہو۔ خواہ ملک گیری اور فتح مندی کی خاطر تباہی اور بربادی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لیے اس کے استیصال کی سعی کرنا چاہیئے۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ معاہدے، لیگیں، پنچایتیں اور کانفرنسیں استیصالِ حرب نہیں کر سکتیں۔ اگر اس سعی میں ہمیں

---

[1] DICKINSON

پیش از پیش کامیابی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ ملل مستعمر جن ملتوں کو تمدن و تہذیب میں اپنا ہمسر نہیں سمجھتیں انھیں اپنے سہام جور و تعدی کا شکار بنانے کے لئے زیادہ پُر امن وسائل اختیار کر لیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے۔ جو ہمارے معاشرتی مسائل کی پیچیدگیاں سلجھائے۔ ہمارے تنازعات کا فیصلہ کرے۔ اور بین الملی اخلاق کی بنیاد مستحکم و استوار کر دے۔ پروفیسر میکنزی[1] کی کتاب ''انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی''[2] کے یہ دو آخری پیرا گراف کس قدر صحیح ہیں۔ میں انھیں یہاں لفظ بہ لفظ نقل کر دیتا ہوں۔

''کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراجِ کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لیے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں۔ بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے۔ جسے یوں کہنا چاہئے کہ یہ معما حل کرنے کے لیے ہم نور و حرارت دونوں کے محتاج ہیں۔ غالباً عہد حاضرہ کے معاشرتی مسائل کا فلسفیانہ فہم و ادراک بھی وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں۔ ہمیں معلم بھی چاہیئے اور پیغمبر بھی۔ ہمیں آج رسکن[3] یا کارلائل یا ٹالسٹائی[4] جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ جو ضمیر کو زیادہ متشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ غالباً ہمیں ایک نئے مسیح کی ضرورت ہے۔۔۔۔ یہ قول صحیح ہے کہ عہدِ حاضرہ کے پیغمبر کو محض ''بیابان کی صدا'' نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عہدِ حاضرہ کے ''بیابان'' آباد شہروں کے گلی کوچے ہیں۔ جہاں ترقی کی مسلسل و پیہم جد و جہد کا بازار گرم ہے۔ اس عہد کے پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے۔

---

[1] PROF. MACKENZIE

[2] INTRODUCTION TO SOCIOLOGY

[3] RUSKIN

[4] TOLSTOY

غالباً ہمیں پیغمبر سے بھی زیادہ عہد نو کے شاعر کی ضرورت ہے، یا ایک ایسے شخص کا وجود ہمارے لئے مفید ثابت ہوگا جو شاعری اور پیغمبری کی دو گونہ صفات سے متصف ہو۔ عہد ماضی کے شاعروں نے ہمیں فطرت سے محبت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ انھوں نے ہمیں اس قدر ژرف نگاہ بنا دیا ہے کہ ہم مظاہر فطرت میں انوار ربانی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم ابھی ایک شاعر کے منتظر ہیں جو ہمیں اسی وضاحت کے ساتھ پیکر انسانی میں صفات الٰہی کے جلوے دکھا دے۔ ہائنے نے ازراہ تفنن اپنے آپ کو "روح القدس" کا سپاہی کہا تھا۔ ہمیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو درحقیقت روح القدس کا سپاہی ہو۔ جو اس حقیقت پر ہماری آنکھیں کھول دے کہ ہمارے بلند ترین نصب العین روزمرہ کی زندگی میں پورے ہو رہے ہیں اور اگر اس زندگی کو ترقی دینے کی سعی کی جائے۔ تو ہمیں محض راہبانہ ریاضت اور نفس کشی ہی کا موقع نہیں ملے گا بلکہ ایسا ارفع و اعلیٰ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ جو تمام خیالات تمام جذبات اور تمام مسرتوں کو ترقی کے بلند مقام پر پہنچا سکتا ہے۔"

انگریزوں کو چاہئے کہ اس نوع کے خیالات کی روشنی میں انسان کامل کے متعلق میرے افکار کا مطالعہ کریں۔ ہمارے عہد نامے اور پنچایتیں جنگ و پیکار کو صفحۂ حیات سے محو نہیں کر سکتیں۔ کوئی بلند مرتبہ شخصیت ہی ان مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ اور اس شعر میں میں نے اسی کو مخاطب کیا ہے۔

باز در عالم بیار ایام صلح[1]
جنگ جویاں را بدہ پیغام صلح

(۲) مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے "فلسفۂ سخت کوشی" کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس باب میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا مدار علیہ وہ خیالات ہیں جو ہیں نے حقیقت

---

[1] ترجمہ:۔ دنیا بھر میں پھر صلح کا زمانہ لے آؤ
جنگ جو قوموں کو صلح کا پیغام دو

کے متعلق اپنی نظموں میں ظاہر کئے ہیں۔ میرے عقیدے میں حقیقت ایسے اجزا کا مجموعہ ہے۔ جو تصادم کے واسطہ سے ربط وامتزاج پیدا کر کے "کُل"، کی صورت میں تبدیلی کی سعی کر رہے ہیں۔ اور یہ تصادم لامحالہ ان کی شیرازہ بندی اور ارتباط پر منتج ہو گا۔ دراصل بقائے شخصی اور زندگی کے علو وارتقا کیلیے تصادم نہایت ضروری ہے۔ نطشے بقائے شخصی کا منکر ہے۔ جو لوگ حصولِ بقا کے آرزومند ہیں وہ ان سے بیدردی سے کہتا ہے۔ "کیا تم ہمیشہ کیلیے زمانے کی پشت کا بوجھ بنے رہنا چاہتے ہو" اس کے قلم سے یہ الفاظ اس لئے نکلے ہیں کہ زمانے کے متعلق اسکا تصور غلط تھا۔ اُسنے کبھی مسئلہ زمان کے اخلاقی پہلو کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ بخلاف اس کے میرے نزدیک بقا انسان کی بلند ترین آرزو اور ایسی متاعِ گراں مایہ ہے جس کے حصول پر انسان کو اپنی تمام قوتیں مرکوز کر دینا چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عمل کی تمام صور واشکال مختلفہ کو جن میں تصادم و پیکار بھی شامل ہے ضروری سمجھتا ہوں۔ اور میرے نزدیک اُن سے انسان کو زیادہ استحکام واستقلال حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر میں نے سکون وجمود اور اس نوع کے تصوف کو جس کا دائرہ محض قیاس آرائیوں تک محدود ہو، مردود قرار دیا ہے۔

میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں۔ حالانکہ اس باب میں نطشے کے خیالات کا مدار غالباً سیاست ہے۔ جدید طبیعیات سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مادی قوت کے جزوِ لایتجزیٰ نے ہزار ہا سال تک ارتقائی مدارج طے کرنے کے بعد موجودہ صورت اختیار کی ہے پھر بھی وہ فانی ہے اور مٹا دیا جا سکتا ہے۔ قوتِ ذہنی جوہر یعنی ذاتِ بشر کی بھی یہی کیفیت ہے۔ صدہا برس کی مسلسل جدوجہد اور تصادم و پیکار کے بعد وہ موجودہ صورت تک پہنچا ہے۔ پھر بھی عوارضِ ذہنی کے مظاہر مختلفہ سے اس کی بے ثباتی اور عدم استحکام ظاہر ہے۔ اگر وہ بدستور قائم وباقی رہنا چاہتا ہے تو یقیناً وہ ماضی کے درسِ عبرت کو فراموش نہیں کر سکتا۔ اُسے لامحالہ ان قوتوں سے اپنے قیام کی خاطر استمداد کرنی پڑے گی۔ جو آج تک اُس کے استحکام کی ضامن رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ فطرت کا ارتقا

ان قوتوں میں اصلاح کر دے۔ یا ان میں سے بعض کو (مثلاً تصادم اور جنگ و پیکار کو جو استحکام کے قوی عوامل میں سے ہیں) جو اس کے ارتقا کی کفیل بنی رہی ہیں بالکل مٹا دے۔ اور اس کے استحکام و بقا کی خاطر بعض ایسی قوتیں عرصۂ شہود میں لے آئے جن سے انسان آج تک نا آشنا رہا ہے۔ لیکن میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس باب میں کسی نصب العین کا پرستار نہیں ہوں۔ اس لئے میرے نزدیک اس نوع کے انقلاب کا زمانہ ابھی بہت دور ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ یورپ کی جنگِ عظیم میں انسان کی بصیرت و موعظت کا جو سرمایہ پنہاں ہے وہ اس سے عرصۂ دراز تک متمتع نہ ہو سکے گا۔

ان سطور سے واضح ہو گیا ہے کہ میں نے محض اخلاقی زاویۂ نگاہ سے تصادم و پیکار کو ضروری قرار دیا ہے۔ افسوس کہ مسٹر ڈکنسن نے "فلسفۂ سخت کوشی" کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے۔

(۳) مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے فلسفے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے اعتبار سے عالمگیر ہے۔ لیکن باعتبار اطلاق و انطباق مخصوص و محدود۔ ایک حیثیت سے ان کا ارشاد صحیح ہے۔ انسانیت کا نصب العین شعرا اور فلسفہ میں عالمگیر حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اگر اسے موثر نصب العین بنانا اور عملی زندگی میں بروئے کار لانا چاہیں تو آپ شاعروں اور فلسفیوں کو اپنا مخاطب اولین نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک ایسی مخصوص سوسائٹی تک اپنا دائرۂ مخاطبت محدود کر دیں گے جو ایک مستقل عقیدہ اور معین راہ عمل رکھتی ہو۔ لیکن اپنے عملی نمونے اور ترغیب و تبلیغ سے ہمیشہ اپنا دائرہ وسیع کرتی چلی جائے۔ میرے نزدیک اس قسم کی سوسائٹی اسلام ہے۔

اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدے کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگِ گراں ہے۔ نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔ رینان کا یہ خیال غلط ہے کہ سائنس اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ دراصل

اسلام بلکہ کائنات انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے۔
اور جو لوگ نوعِ انسان سے محبت رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع
کے خلاف عَلمِ جہاد بلند کر دیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ قومیت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافی
حدودِ ملک پر ہے دنیائے اسلام میں استیلا حاصل کر رہا ہے اور مسلمان عالمگیر اخوت کے
نصب العین کو نظرانداز کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو
ملک و وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے میں ایک مسلمان اور ہمدرد
بنی نوعِ انسان کی حیثیت سے انھیں یہ یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا حقیقی فرض
سارے بنی آدم کی نشو و ارتقا ہے۔ نسل اور حدودِ ملک کی بنیاد پر قبائل اور اقوام کی تنظیم حیاتِ
اجتماعی کی ترقی اور تربیت کا ایک وقتی اور عارضی پہلو ہے۔ اگر اُسے یہی حیثیت دی
جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میں اس چیز کا سخت مخالف ہوں کہ اسے انسانی
قوتِ عمل کا مظہرِ اتم قرار دیا جائے۔ کیونکہ تنہا یہی جماعت میرے مقاصد کیلیے موزوں
واقع ہوئی ہے۔ مسٹر ڈکنسن کا یہ خیال بھی تسامح سے خالی نہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روح
کسی خاص گروہ سے مختص ہے اسلام تو کائنات انسانیت کے اتحادِ عمومی کو پیش نظر
رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کر لیتا ہے قرآن کہتا ہے

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ [1]

میرے خیال میں مسٹر ڈکنسن کا ذہن ابھی تک یورپ والوں کے اس قدیم
عقیدے سے آزاد نہیں ہوا کہ اسلام سفاکی اور خونریزی کا درس دیتا ہے۔ دراصل
خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام انسان اس میں
داخل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ نسل اور قومیت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں اور
ایک دوسرے کی شخصیت تسلیم کر لیں۔ انجمنیں، حکمبرداریاں، اس قسم کے عہد نامے جن
کا ذکر مسٹر کینیز نے کیا ہے ملکیت خواہ وہ جمہوریت کی ہی قبا میں پوشیدہ کیوں نہ ہو

---

[1] ترجمہ:۔ اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔

انسان کو فوز و فلاح سے آشنا نہیں کر سکتی۔ بلکہ انسانی فلاح تمام انسانوں کی مکمل مساوات اور حریت میں پنہاں ہے۔ آج ہمیں اس چیز کی ضرورت ہے کہ سائنس کا محل استعمال قطعی طور پر بدل دیا جائے۔ ان خفیہ سیاسی منصوبوں سے قطعاً احتراز کیا جائے جن کا مقصد بھی یہ ہے کہ کمزور و زبوں حال یا ایسی اقوام جو عیاری اور حیلہ گری کے فن میں چنداں مہارت نہیں رکھتیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں۔ مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح جنگ کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے بھی فتوحات کی ہیں۔ مجھے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے بعض قافلہ سالار ذاتی خواہشات کو دین و مذہب کے لباس میں جلوہ گر کرتے رہے ہیں لیکن مجھے پوری طرح یقین ہے کہ کشور کشائی اور ملک گیری ابتداءً اسلام کے مقاصد میں داخل نہیں تھی۔

اسلام کو جہاں ستانی اور کشور کشائی میں جو کامیابی ہوئی ہے میرے نزدیک وہ اس کے مقاصد کے حق میں بے حد مضر تھی۔ اس طرح وہ اقتصادی اور جمہوری اصول نشو و نما نہ پا سکے جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جا بجا آیا ہے۔ بلا شبہ کہ مسلمانوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی۔ لیکن ساتھ ہی ان کے سیاسی نصب العین پر غیر اسلامی رنگ چڑھ گیا۔ اور انھوں نے اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں کہ اسلامی اصولوں کی گیرائی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔

بلا شبہ اسلام کا مقصد انجذاب ہے مگر انجذاب کے لیے کشور کشائی درکار نہیں بلکہ صرف اسلام کی سیدھی سادی تعلیم جو الٰہیات کے دقیق اور پیچیدہ مسائل سے پاک اور عقل انسانی کے عین مطابق واقع ہوئی ہے اس عقدہ کی گرہ کشائی کر سکتی ہے۔ اسلام کی فطرت میں ایسے اوصاف پنہاں ہیں جن کی بدولت وہ کامیابی کے بام بلند پر پہنچ سکتا ہے۔ ذرا چین کے حالات پر نظر ڈالیے۔ جہاں کسی سیاسی قوت کی پشت پناہی کے بغیر اسلام کے تبلیغی مشن نے غیر معمولی کامیابی حاصل کر لی اور لاکھوں انسان اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے! میں بیس سال سے دنیا کے افکار کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس طویل عرصے نے مجھ میں اس قدر صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ حالات و واقعات

پر غیر جانبدارانہ حیثیت سے غور کر سکوں۔

میری فارسی نظموں کا مقصود اسلام کی وکالت نہیں۔ بلکہ میری قوتِ طلب و جستجو تو صرف اس چیز پر مرکوز رہی ہے کہ ایک جدید معاشری نظام تلاش کیا جائے اور عقلاً یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں ایک ایسے معاشری نظام سے قطع نظر کر لیا جائے جس کا بیّن مقصد وحید ذات پات۔ رتبہ و درجہ۔ رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے۔ اسلام دنیوی معاملات کے باب میں نہایت ژرف نگاہ بھی ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیوی لذائذ و نعم کے ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اور حسنِ معاملت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اسی قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنج گراں مایہ سے محروم ہے۔ اور یہ متاع اسے ہمارے ہی فیضِ صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

میں اس بارے میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسرار خودی پر چند تشریحی نوٹ لکھے تھے جنھیں آپ نے دیباچہ اسرار میں شامل کر لیا ہے۔ ان تفسیری حواشی میں میں نے مغربی مفکرین کے افکار و عقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت حتمی طور پر واضح کی ہے۔ یہ طریق محض اس لیے اختیار کیا گیا تھا۔ تاکہ انگلستان کے لوگ میرے خیالات بآسانی سمجھ لیں۔ ورنہ قرآن حکیم، صوفیائے کرام اور مسلمان فلسفیوں کے افکار سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ابن عربی اور عراقی (وحدت الوجود) واحد محمود (کثرت وجود) الجیلی (انسانِ کامل کا تصور) اور مجدد سرہندیؒ (ذات بشر بہ تعلق ذات حق) چنانچہ میں نے اسرار کے پہلے اڈیشن میں بزبانِ اردو جو دیباچہ لکھا ہے اس میں یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ "اسرار" کا فلسفہ مسلمان صوفیا اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔ اور تو اور وقت کے متعلق برگسان کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں۔ قرآن الٰہیات کی کتاب نہیں۔ بلکہ اس میں انسان کی معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے پوری قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا تعلق

الہیات کے ہی مسائل سے ہے۔ عہدِ جدید کا ایک مسلمان اہلِ علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جن کا مبدا اور سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اہلِ مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے ناآشنائے محض ہیں۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں۔

مخلص محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۲۸ جنوری ۱۹۲۱ء

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا خط ملا الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ افسوس ہے آپ کو جھنگ جانے آنے کی ناحق تکلیف ہوئی۔ آپ کو اب اگر ملازمت کا خیال ہو بھی تو سوائے سیالکوٹ کے اور جگہ کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔ سیالکوٹ میں اگر مل جائے تو غنیمت ہے۔ ضرورتوں کا احساس بعض اوقات آپ کے دل کو ملازمت پر برانگیختہ کرتا ہے مگر خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے انشاءاللہ خود بخود سامان ان کے پورا ہونے کے نکل آئیں گے۔ آپ اطمینان فرمائیں۔ مجھے تو اس کی ذات پر بھروسہ ہے اس واسطے اگرچہ مجھ کو بھی ویسا ہی احساس ہے جیسا کہ آپ کو تاہم طبیعت فکرمند نہیں ہوتی۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔ اسرار خودی کے ریویو

انگریزی زبان میں ہیں جو کچھ ہندوستان میں ہوا وہاں بھی ہو رہا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ مگر بحیثیت مجموعی وہاں کے لوگ اس کے خیالات کو بہت اچھا جانتے ہیں۔ مترجم کا خط آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ کتاب کا استقبال اس ملک میں بہت اچھی طرح ہوا۔ گو بعض خیالات کے متعلق بعض ریویو لکھنے والوں کو غلط فہمی ہوئی۔ ایسا ہونا یقینی ہوتا ہے کیونکہ طبائع میں اختلاف ہے خصوصاً جب کہ زندگی پر ایک نئے نقطہ خیال سے نگاہ ڈالی جائے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں مصنف نے ایشیا والوں کو اور خصوصاً مسلمانوں کو جنگ کی تعلیم دی ہے اور اس کتاب کا ایک سیاسی مفہوم ہے اور اس کے ہر لفظ میں ایک سیاسی قوت مضمر ہے۔ ایک اور صاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم اس کتاب کو پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک بڑی زبردست ہستی کی صحبت میں بیٹھے ہیں غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ امریکہ کے اخبارات یہاں نہیں آتے ان میں بھی اس قسم کے خیالات ہوں گے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ہو جانے میں خدا کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے اس کتاب کے مقاصد کے پورا ہونے میں بڑی مدد ملے گی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

گائے نے بچہ دیا ہے مگر کچھ بیمار ہو گئی ہے امید ہے دو چار روز تک اچھی ہو جائے گی۔ ڈاکٹر علاج کر رہے ہیں۔ بچوں کو دعا۔

محمدؐ اقبال

لاہور کے ہندو کالجوں میں عدم تعاون کا زور ہو رہا ہے۔

(مظلوم اقبال)

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام

لاہور

۲فروری ۱۹۲۱ء

جناب من

جس نظم کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ "اسرار خودی" (فارسی ہیں) ہے کیمبرج کے ڈاکٹر نکلسن نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ جسے میک ملن اینڈ کمپنی نے شائع کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب میسرز میک ملن اینڈ کمپنی کتب فروش و ناشر کلکتہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ان کی برانچ مدراس میں ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہ کتاب فراہم کر سکتے ہیں۔

میرے پاس اس وقت کوئی تصویر نہیں ہے لیکن آپ کو یاد رکھوں گا جب دستیاب ہو گی۔

آپ کا

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے) (ماہنامہ شاعر اقبال نمبر۔ ۱۹۸۸ء۔ جلد اول)

(غیر مدون)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۱۰ مارچ ۱۹۲۱ء

برادر مکرم۔ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے الحمد للہ خیریت ہے۔

اس مردود نے مجھے تو خط لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ نہ معلوم والد مکرم کو کیوں خط لکھا۔ ہم کو تو اس کے ولایت جانے کی بھی اطلاع نہیں۔ حافظ صاحب کو اطلاع ہو گی یا انھوں نے اسے خرچ اخراجات کا یقین دلایا ہو گا۔ آج کل تو ولایت اسی کو جانا چاہیے جس کے پاس بالکل فضول روپیہ ہو۔ مس ایک کا

خط مجھے آیا تھا میں نے اسے جواب دے دیا جو طریق اس نے اختیار کیا ہے یہ نیا نہیں بلکہ اس کی پرانی چال ہے اور جو بیماری اسے ہے وہ بھی اس کی بد اعمالی اور بے باکی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے متعلق زیادہ کیا لکھوں۔

جموں کے مقدمے میں تاریخ ۸ امارچ ملی تھی مگر میں اس تاریخ پر نہ جاسکتا تھا وسط اپریل کی تاریخ طلب کی جو نہ ملی۔

اس اثنا میں ایک مقدمہ شملہ کا مل گیا ایک ہفتہ وہاں رہنا ہوگا۔ یہ مقدمہ وسط اپریل میں ہوگا۔ اس کے بعد ریاست کی طرف سے مجھے تار ملا کہ آپ کی خواہش کے مطابق وسط اپریل ہی کی تاریخ مقرر ہوگی۔ اب مشکل ہے کہ شملہ کا مقدمہ قبول کر چکا ہوں۔ آج کشمیر سے ملزموں کی طرف سے خط ملا ہے کہ ریاست سے استدعا کیجیے کہ مقدمہ سری نگر میں ہو آنے جانے کا خرچ موکل ادا کر دیں گے۔ بہر حال دیکھیں کس طرح ہو سکتا ہے

معاملہ معلومہ کے متعلق سلسلہ چل رہا ہے مگر چیف منسٹر صاحب جموں سے جا رہے ہیں۔ مہاراجہ اپنی ریاست میں بھی اصلاحات جاری کرنے والے ہیں جن کا اعلان عنقریب ہوگا۔ اگر چیف منسٹر کی جگہ سردار جوگندر سنگھ چلے گئے تو خوب ہوگا۔ معاملات پر بہت غور و فکر کرنے کے بعد بھی آخر انھیں تقدیر کے ہی سپرد کرنا پڑتا ہے۔ انسانی علم و عقل ذرا ذرا سی بات میں اپنی کمزوری اور عجز کا معترف ہے۔ والدِ مکرم کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ مولوی گرامی صاحب آئے ہوئے ہیں وہ ان کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ دنیا میں

نوٹ: مظلوم اقبال (ص ۳۰۶-۳۰۵) میں اس خط کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا گیا تھا۔ اسے عکس کے مطابق پورے متن کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

(مؤلف)

پھر بے چینی کے آثار پیدا ر ہیں۔ خدا تعالیٰ رحم فرمائے۔ اعجاز کی منگنی کے متعلق آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ اس کے کپڑوں کے لیے روپیہ بھیج دوں گا۔ والسلام

محمدؐ اقبال

عکس (شاعر اقبال نمبر ۱۹۸۸ء۔ جلد اول)

مولانا گرامی کے نام

لاہور۔ ۲۴ مارچ ۲۱ء

حضرت گرامی السلام علیکم

والا نامہ ملا الحمد للہ کہ آپ مع الخیر پہنچ گئے۔ بیگم صاحبہ کو بھی صحت ہو گئی۔ اصل میں وہ مراقبہ میرا نہ تھا آپ کا تھا آپ نے اس پر اعتبار نہ کیا میں نے اعتبار کر لیا۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ آپ کے تردّد کا خاتمہ ہوا۔ اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے تو کوئی فکر و تردّد نہیں ہوتا بلکہ افکار نزدیک نہیں پھٹکتے۔ کل سردار امراؤ سنگھ صاحب[1] آئے تھے آج شملہ جائیں گے آپ کو بہت بہت سلام کہتے تھے اور شہزادی دلیپ سنگھ تو آپ کو دیکھنے کی مشتاق ہی رہیں انھوں نے پیغام بھی بھیجا تھا کہ گرامی صاحب ہشیار پور تشریف لے گئے۔ الہامی غزل ابھی ختم نہیں ہوئی[2]۔

---

[1] سردار امراؤ سنگھ پنجاب کے مشہور جاگیردار تھے اور علامہ اقبال کے شیدائی تھے۔ ان کا سوانحی خاکہ 'کلیات مکاتیب اقبال' کی جلد اول میں ملاحظہ ہو۔

[2] "الہامی غزل ابھی ختم نہیں ہوئی۔ نماز ے والا شعر اس طرح پر لکھنے کا حکم ہوا ہے۔۔۔۔" وغیرہ فقرات سے پتہ چلتا ہے کہ اس خط سے قبل بھی اقبال نے کوئی خط لکھا تھا جس میں اس غزل کے چند شعر گرامی کو بھیجے تھے لیکن وہ بدقسمتی سے اس مجموعہ خطوط میں موجود نہیں۔ یہ فقرات دراصل گرامی کے اس خط کے جواب میں ہیں جو انھوں نے ہوشیار پور سے ۱۵ شعبان المکرم ۱۳۳۹ھ (۲۴ اپریل ۱۹۲۱ء) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

"نمازے"،والا شعراس طرح پر لکھنے کا حکم ہوا ہے:

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) کو لکھا تھا:

حضرت ڈاکٹر صاحب!

تسلیم۔ گرامی کچھ بیمار رہتا ہے۔ پیری و صد ہزار علّت۔ گرامی کو حکم ہوا ہے کہ دکن کو جاؤ۔ غالباً ملک الموت کو فرمان الٰہی یہی ہے کہ گرامی کی روح کو حیدر آباد میں نکالا جائے۔ پا بہ رکاب ہوں عنان گسستہ پہنچوں گا:

از کہ بگریزیم از خود ایں محال　　　از کہ برتابیم از حق ایں وبال

ترجمہ:۔ (ہم کس سے بھاگیں گے! اپنے آپ سے؟ یہ محال ہے؟ کس سے منھ موڑیں؟ حق سے؟ یہ وبال ہے۔)

گرامی پرانا آدمی ہے، سال خوردہ ہے۔ جو ہر محبت گرامی کے دل درد منزل میں بہت ہے۔ اسی جو ہر محبت کا تقاضا تھا کہ گرامی نے اقبال کو دیکھ لیا مگر ایک حسرت رہی، وہ یہ کہ ہائی کورٹ کی ججی پر جلوہ افروز نہ دیکھا۔ ہاں قلم روئے معانی میں گورنر کی کرسی پر جلوہ فرما دیکھتا ہوں اور یہی ابدی عہدہ جلیلہ ہے۔

حیدر آباد جاتا ہوں، بہتر یہ ہے کہ تمام نمائش اور ریا کاری کو یہاں ہی چھوڑ جاؤں۔

فرمایئے الہام کا کیا حال ہے؟ وہ غزل پوری ہوئی؟ پوری ہو گئی ہو گی، مگر گرامی اس قابل نہیں کہ اس کو وہ الہام آمیز کلام بھیجا جائے:

زستیز آشنایاں چہ نیاز و ناز خیزد
دلکے بہانہ سوزے نگہے بہانہ سازے

ترجمہ:۔ (جو جنگ کے خوگر ہوں ان سے نیاز و ناز کیا ہو گا۔ ایک بہانہ سوز دل اور ایک بہانہ ساز نگاہ)

پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے کوئی ربط نہیں۔ المعنی فی البطن شاعر یوں چاہئے:

دو شرارہ در کشاکش دو حریف در ستیزہ
دلکے بہانہ سوزے نگہے بہانہ سازے　　(بقیہ اگلے صفحہ پر)

رہِ دیر تختۂ گل ز جبینِ سجدہ ریزم[1]
کہ نیازِ من نگنجد بہ دو رکعت نمازے

---

[1] (ترجمہ) ۱۔ میں اپنی پیشانی سے دیر (بتکدہ) کے راستے میں پھول بچھا دیتا ہوں کیونکہ میری بھکتی دو رکعت نماز میں نہیں سما سکتی۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) ترجمہ:۔ (دو شرارے کشاکش میں ہیں، دو حرف برسرِ جنگ ہیں۔ ایک دل جو بہانہ سوز ہے دوسری نگاہ جو بہانہ ساز ہے)

اور دوسرا شعر یوں کر دیجئے:

بہ طوافِ محورِ خود ہمہ ذرّہ ہاست گرداں
دو سہ حرف عقل گوید بہ حکایتِ درازے

ترجمہ (اپنے محور کے طواف میں سارے ذرے رقص کناں ہیں۔ عقل حکایت دراز میں بھی دو چار باتیں کہتی ہے)

مثنوی اسرارِ خودی میں فلاطونِ حکیم کی اضافت غلط ہے۔ یوں کیجئے:

راہبِ دیرینہ افلاطون حکیم

حضرت ڈاکٹر صاحب! میں نے پہلے لکھ دیا تھا کہ ریاکاریاں اور لا بہ کوشیاں پستی آباد یعنی پنجاب ہی میں چھوڑ جاتا ہوں۔ میرا ضمیر ان فروگذاشت کو دیکھ رہا تھا مگر ریا غالب تھی۔ راستبازی کو کام میں نہ لا سکا۔ مجھے امید ہے کہ اس راستبازانہ تحریر سے ناراض نہیں ہوں گے۔ انشاء اللہ حیدرآباد پہنچ کر پھر خط لکھوں گا۔

راقم گرامی

افسوس شیخ معظم کے دربار عالی شان سے ہمارے جالندھری سیّد السادات محروم رہے۔ گرامی کی وقعت پنجاب میں یہ ہے۔ حیدرآباد میں گرامی نے جس کی سفارش کی وہ کامیاب ہو گیا۔

والسلام!

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ایک اور شعر بھی القا ہوا مگر یہ ابھی خراد پر ہے۔

ہمہ ذرہ ہائے عالم بہ طواف خویش گردد[1]
خرد ایں دو حرف گوید بحکایت درازے

پہلے مصرع میں عالم کھٹکتا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب عرض۔

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

(بقیہ صفحۂ گذشتہ کا)

اقبال کی زیر بحث غزل پیام مشرق کے صفحہ ۱۷۷-۱۷۶ پر موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے "کہ ز ستیز آشنایاں... الخ" والے شعر کو اقبال نے اسی طرح رکھا ہے۔ گرامی کو لفظ "ستیز" پر اعتراض تھا۔ انھوں نے اس کی جگہ "کشاکش" کا لفظ تجویز کیا اور مشورہ دیا کہ پہلے مصرع کو یوں کر دیا جائے:

دو شرارہ در کشاکش دو حریف در ستیزہ۔

مگر اس ترمیم سے نیاز و ناز پیدا ہونے والی بات ختم ہو جاتی تھی اور شعر بلند سطح سے گر کر پست سطح پر آجاتا تھا اس لیے اقبال نے گرامی کا مشورہ قبول نہیں کیا۔

دوسرے شعر "ہمہ ذرہ ہائے عالم... الخ کی جگہ گرامی نے جو شعر تجویز کیا وہ بھی اقبال کے خیال کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا تھا' اس لئے اسے غزل سے خارج کر دیا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

[1] (ترجمہ) ا۔ عالم کے تمام ذرے اپنا طواف کر رہے ہیں یہ دو حرف خرد (سائنس) بڑی لمبی چوڑی حکایت میں بتاتی ہے۔

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ اعجاز امتحان کی تیاری میں مصروف ہے اور مجھے بھی غیر معمولی مصروفیت گذشتہ دنوں میں رہی اس واسطے خط نہ لکھ سکا گو اس سے پہلے ایک کارڈ لکھا تھا جو امید ہے پہنچ گیا ہوگا۔ جموں کے مقدمہ کی تاریخ کشمیر میں مانگی تھی مگر ریاست نے نہیں دی۔ ۱۸ اپریل مقرر کی ہے مگر اس تاریخ کو مجھے شملہ جانا ہوگا اس واسطے یہ مقدمہ واپس ہی کرنا پڑے گا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ آج بیمہ مبلغ ایک سو روپیہ کا آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔ اعجاز کو ساٹھ روپئے کپڑوں کے واسطے دے دیئے تھے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض۔ گھر میں سب کو سلام۔ بچوں کو دعا۔

محمدؐ اقبال لاہور ۳۰ مارچ ۲۱ء

(مظلوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور۔ ۳۱ مارچ ۲۱ء

ڈیر مولانا گرامی

خط ملا الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کو مجھ پر یہ بدظنی ہوئی ہے کہ میں نے آپ کے بعض خطوط عمداً آپ تک نہیں پہنچائے۔

افسوس ہے کہ گرامی کے بے لوث قلب میں ایسے خیالات کی بھی گنجائش ہے۔ میں ایسا کرنے کو گناہ عظیم جانتا ہوں۔

ظہوری کے شعر میں جو تصرف آپ نے کیا لاجواب ہے۔ مولانا روم نے بھی اس خیال کو ظاہر کیا ہے مگر افسوس ہے اس وقت شعر یاد نہیں آتا۔ گرامی کے تصرّف کا صلہ دست بوسی ہی تھا ظہوری کا انصاف بھی ویسا ہی قابل داد ہے جیسا کہ آپ کا تصرّف۔ البتہ عرفی کے عتاب کو میں حق بجانب سمجھتا ہوں اس میں کچھ شک نہیں کہ عرفی کا پہلا مصرع اس قابل ہے کہ اس میں تصرّف کیا جائے اور لفظ "دراز" شعر کو زندہ کرنے کیلیے ضروری ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی آپ کا مصرع "براہ تست مرا رشتۂ امید دراز" کھٹکتا ہے۔ بھلا اگر یوں لکھیے تو کیسا ہو؟

۱؎ ظہوری اور عرفی ایسے اساتذہ کے اشعار میں گرامی کا تصرّف کرنا اور اقبال کا داد دینا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے مگر قرین قیاس یہ ہے کہ یہ اشعار کسی قدر کمزور ہوں گے، گرامی نے بادنیٰ تصرّف ان میں جان ڈال دی ہوگی۔ ویسے ظہوری کی پیروی میں گرامی نے پانچ چھ غزلیں کہی ہیں۔ ایک غزل میں کہا ہے:

گرامی دماغ ظہوری نداشت — خبر راز خود بے خبر ساختیم

ترجمہ:۔ (گرامی کا ظہوری کا سا دماغ نہیں تھا ہم نے خبر ہی کو خود سے بے خبر کر دیا)

(دیوان گرامی، صفحہ ۱۷)

قصائد میں عرفی کے جانشین بنتے ہیں:

بہ صورت جانشین عرفیم در معنیم عرفی
کہ گردد مستقل قائم مقام آہستہ آہستہ

ترجمہ:۔ (دیکھنے میں عرفی کا جانشین اور معنی میں عرفی ہوں قائم مقام آہستہ آہستہ مستقل ہوتا ہے)

(دیوان گرامی، صفحہ ۸۵)

۲؎ اقبال کا گرامی کو شعر میں تبدیلی کرنے کا مشورہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے استفادہ کرنے میں ہبکی محسوس نہیں کرتے تھے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

زفیض مژدۂ لطف تو روز عیش دراز[1]
نہ عہد وعدۂ وصل تو عمر غم کوتاہ

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۱۳ اپریل ۲۱ء

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا خط پہنچا الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ اعجاز کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر آپ یہ ارادہ مصمم کر چکے ہیں کہ سیالکوٹ کے باہر جانا نہ چاہیئے تو یہ معاملہ جس کے متعلق آپ نے لکھا ہے قابل غور ہے اور اگر آپ کا یہ ارادہ مصمم نہ ہو تو سیالکوٹ سے باہر بھی تلاش کرنی ضروری ہے مثلاً امرتسر، لاہور وغیرہ ہیں۔ چراغ دین کو میں جانتا ہوں وہ بھلا مانس آدمی ہے مگر اس کی اوقات کا انداز موزوں نہ تھا۔ ہاں لڑکیاں اس کی ضرور اچھی ہوں گی۔ شاید اب اس نے افغانستان جانا چھوڑ دیا ہے اور کپڑے کا روزگار شروع کر دیا ہے۔ بہر حال بہت جلد ایسے معاملے کا طے کرنا درست نہیں جب تک تلاش و تجسس پورے طور پر نہ کر لیا جائے۔ خدا نخواستہ آپ میں یا آپ کے لڑکے میں کوئی نقص نہیں۔ اچھی جگہ مل سکنے کی توقع ہے۔ بشرطیکہ سیالکوٹ سے

---

[1] ترجمہ:۔ تمہارے لطف کی خوش خبری کے فیض سے روز عیش دراز ہے اور تمہارے وعدۂ وصل کے عہد میں غم کی عمر کوتاہ ہو گئی۔

باہر بھی آپ کو خیال ہو۔ موجودہ حالات میں میری تو یہی رائے ہے کہ ابھی تلاش کو چھوڑنا نہ چاہیئے اور کم از کم دو تین ماہ تو تلاش کرنی چاہیئے۔ اگر آپ لکھیں تو میں امرتسر و لاہور میں بعض احباب کو لکھوں۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ سیالکوٹ سے باہر بھی خیال رکھتے ہوں۔ سیالکوٹ میں تو آپ کے مطلب کا کوئی آدمی نہیں۔ مہراں کی لڑکی سے ہو جاتا تو وہ اور بات تھی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔ بچوں کو دعا۔

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۲۳ اپریل، ۱۹۲۱ء

مخدومی! میں نواب ارشاد علی خاں صاحب کے مقدمہ کے لئے شملہ گیا ہوا تھا وہاں سے دس روز کے بعد واپس آیا تو آپ کا خط ملا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ یہاں شیخ عبدالقادر صاحب جج ہو گئے۔ وسط مئی سے کام شروع کریں گے۔

مولانا اکبر کی تنقید میں نے کبھی دیکھی ہے۔ ہمدم دیرینہ ہیں۔ اس واسطے مجھے یاد کر لیتے ہیں۔ مولانا گرامی کی کوئی نئی رباعی موصول نہیں ہوئی اسرار خودی کا ترجمہ انگریزی MESSERS MACMILLAN & CO. PUBLISHERS, CALCUTTA سے ملے گا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔

والسلام۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

میں شملہ سے بخیریت واپس آگیا۔ وہاں کام خدا کے فضل سے اچھا ہو گیا اب ۴۔۵ اور ۷ مئی کو ان مقدمات پر بحث ہو گی۔ انشاءاللہ امید کامیابی کی ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض۔ بچوں کو دعا۔ اعجاز سے معلوم ہوا کہ آپ میونسپل انتخاب میں نہیں آئے۔ لاہور میں خلافت کمیٹی کے نامزد کردہ ممبروں کو بہت کامیابی ہوئی۔

والسلام

محمد اقبال ۲۴ اپریل ۱۹۲۱ء

(مظلوم اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے الحمد للہ کہ سب طرح خیریت ہے۔ یہاں بھی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ اعجاز محنت کر رہا ہے امید ہے کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے رشتہ کے متعلق میں نے ایک دو جگہ لکھ رکھا ہے ابھی کوئی جواب نہیں آیا۔ کیا آپ نے بھی کوئی مزید جستجو کی ؟

کچھ عرصہ ہوا میں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ملازم کی ضرورت ہے اس کی تلاش کیجئے شاید سیالکوٹ سے کوئی معتبر آدمی مل جائے۔ انھوں نے ایک دفعہ ایک آدمی کا پتہ تبلایا تھا۔ میں نے اپنے پرانے نوکر خداداد کو بھی لکھا ہے

وہ راولپنڈی میں ہے ممکن ہے آجائے گو قوی امید نہیں ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ کل پٹیالے جاؤں گا۔ ۳۰ کو واپس پہنچوں گا۔

والسلام

محمد اقبال لاہور ۲۷ اپریل ۱۹۲۱ء

(مظلوم اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ میں مع الخیر پٹیالے سے واپس آگیا ہوں۔ طاہر دین آج آپ کی خدمت میں روپیہ ارسال کرے گا۔ اس میں سے پندرہ روپیہ ہمشیرہ کو دے دیجئے والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔

محمد اقبال لاہور ۲ مئی ۱۹۲۱ء

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

لاہور ۵ مئی ۲۱ء

قبلہ و کعبہ السلام علیکم

آپ کا خط (ملا) الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد (ہوا) بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا اس سے بھی یہ خبر معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ باداموں کی کھیر آپ کے لیے بڑی مفید ہے پھر آپ

نے اُسے کیوں ترک کر دیا اس پر مداومت کرنی چاہیئے۔ گرمی ابھی سے بہت شروع ہو گئی ہے۔ آج کل امتحان کے پرچوں کا بھی زور ہے اور کچہری کا کام بھی۔ اعجاز امتحان دے رہا ہے امید ہے کامیاب ہو جائے گا آپ اس کے لیے دعا کیا کریں رشتہ کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے بالکل مناسب ہے اگر سیالکوٹ میں موزوں رشتہ نہ ملے تو باہر جانا چاہیئے ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے

والسلام

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا کارڈ ملا جس سے تردد رفع ہوا خدا کا فضل ہے کہ والد مکرم کو بالکل صحت ہو گئی۔ اعجاز کا امتحان ابھی تین چار روز میں ختم ہو گا اس کے ہمدست تمام چیزیں ارسال خدمت ہوں گی۔ ایک گھی کا کنستر بھی اس کے ہاتھ مرسل ہو گا اس کے پاس اسباب بہت ہے اگر امتیاز پھر آیا تو اس کے ہاتھ بھیج دیا جائے گا مگر معلوم ہوتا ہے وہ چلا گیا ہے مجھے اس کے آنے کی اطلاع نہیں ہوئی مگر کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ سنا ہے بھائی کرم الٰہی اور فضل حق نے آپ کے الیکشن کے معاملے میں بڑی مدد کی ہے۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

والسلام

محمد اقبال لاہور ۹ مئی ۱۹۲۱ء

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور ۱۰ جون ۱۹۲۱ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط مل گیا ہے۔ نتیجہ جون کے آخر میں غالباً نکل جائے گا تم اس وقت تک انتظار کرو اور دیوانی اور فوجداری ضابطہ کا خوب مطالعہ کرو۔ جولائی اور اگست لاہور رہ کر تھوڑا بہت کام سیکھ لو بعد میں تم کو کسی جگہ بھیجا جائے گا۔ مجھے پہلے سے اس بات کی فکر ہے خیال ہے کہ شاید تمہارے لیے چکوال (ضلع جہلم) کی سب ڈویژن اچھی ہو۔ اتفاق سے وہاں کے سب ڈویژن افسر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور منصف تینوں مسلمان ہیں اور تینوں میرے احباب میں سے ہیں۔ علاوہ اس کے جہلم کے ضلع کا کام میں نے خصوصیت سے اچھا کیا ہے۔ میرے جاننے والے لوگ بھی وہاں ہوں گے یعنی مقدمہ باز جماعت میں۔ مگر یہ فیصلہ آخری نہیں ابھی دیگر احباب سے مشورہ کرنا باقی ہے جن کی اس معاملے میں مجھ سے زیادہ صائب رائے ہے۔ چکوال بھی خطوط لکھ دریافت کروں گا۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا۔ مضمون واحد ہے۔

والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

محمدؐ اقبال

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ فتح نامہ تیموری کا مجھے علم نہیں۔ تیموری تزک مشہور ہے۔ جس کی نسبت بعض مؤرخین کو شک ہے کہ تیمور کی نہیں بلکہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہے۔ ابن عرب شاہ نے تیموری تاریخ لکھی ہے جس میں مصنف نے خوب دل کھول کر گالیاں دی ہیں۔ تزک تیموری کا اردو ترجمہ مولوی انشاء اللہ، ایڈیٹر وطن نے کیا تھا۔ تزک پڑھنے کا شوق ہو تو یا بری بہترین کتاب ہے۔ والسلام۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۱۷ جون ۱۹۲۱ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

ماسٹر طالع محمد کے نام[1]

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ جس قسم کی تحقیق زبان آپ کو مطلوب ہے افسوس کہ میں اُس میں آپ کی کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ غالباً لکھنؤ سے ایک آدھ رسالہ اس قسم کا شائع ہوتا ہے مگر مجھے نام معلوم نہیں۔ اس بارے میں آپ مرزا یاس عظیم آبادی ایڈیٹر کار امروز لکھنؤ اور مرزا عزیز لکھنوی اشرف منزل لکھنؤ سے خط و کتابت کریں۔ وہ آپ کو بہتر مشورہ

---

[1] مکتوب الیہ نے جلال پور جٹاں ضلع گجرات پنجاب سے دریافت فرمایا: جب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دے سکیں گے۔ میں آپ کی قدر و منزلت کرتا ہوں کہ اس زمانے میں اور ایسے مقام پر آپ کو صحیح اُردو کا ذوق ہے۔

۱۸ جون ۱۹۲۱ء　　　　محمد اقبال، لاہور

(اقبال نامہ)

منشی سراج الدین کے نام[1]

مخدوم منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور ۶ بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل و کرم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ) الفاظ عربی یا فارسی زبان سے اردو میں منتقل ہوتے ہیں تو بعض اوقات اردو میں آن کر تلفظ بدل جاتا ہے مثلاً عربی میں شَفَقَت ہے لیکن اردو میں شَفْقَت صحیح ہے مگر بعض باریک بین اور نفاست پسند حضرات اصلی زبان کے تلفظ کو اردو میں خواہ مخواہ ٹھونسنے پر اُدھار کھائے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اصلی زبان کے تلفظ کو صحیح تصور کیا جائے یا وہ تلفظ صحیح ہے جو اہلِ زبان (دہلوی اور لکھنوی ادیب یا ان کا خواندہ طبقہ) استعمال کرتے ہیں۔

اس کے بعد ماسٹر صاحب موصوف نے الفاظ کی ایک فہرست دے کر ان کا درست تلفظ دریافت فرمایا۔ جواب میں یہ خط موصول ہوا۔

(شیخ عطاء اللہ)

[1] منشی سراج الدین جموں اور کشمیر میں افسر مال تھے۔　　　　(باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کی مستعدی، خدمت گزاری اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے کرتے منزل ختم ہوگئی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

میرا خیال تھا کہ آپ کے مقدمہ میں حکم سنا دیا گیا ہوگا۔ مگر سیٹھ کریم بخش صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب بہادر رخصت سے واپس آکر حکم سنائیں گے۔ آپ سیٹھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو پنڈت جانکی ناتھ نے پیش کیا ہے، مسل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ ہونا چاہئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے۔ سیٹھ صاحب اور بڑے شیخ صاحب سے کہئے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لیے یہ بات خاص کر حلاّل مشکلات ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ گرمی کی شدت ہے، بارش مطلق نہیں ہوئی اور نہ اس کے بظاہر کوئی علامات نظر آتے ہیں۔ خواجہ اسد اللہ صاحب (ایڈوکیٹ سری نگر، کشمیر) ملیں تو میرا ان سے سلام ضرور کہیے۔ والسلام

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش کشمیر کے نامور رئیس تھے لیکن بعد میں ان مالی حالت خراب ہوگئی۔ پنجاب نیشنل بنک سری نگر نے ان کے خلاف عدالت سے ڈگری کرائی اور ہزاروں کی جائداد سیکڑوں میں نیلام کرادی۔ اس میں کافی بے ضابطگیاں بھی ہوئیں۔

منشی سراج الدین نے جو شیخ محمد بخش مرحوم کے داماد تھے۔ اقبال کو اس سلسلے میں سری نگر بلایا۔ اقبال اور مولوی احمد دین وکیل تقریباً دو ہفتے اس مقدمے کے سلسلے میں سری نگر رہے۔

ان خطوط میں جو اقبال نے منشی صاحب کو لاہور سے لکھے اسی مقدمے کا ذکر ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء

(انوار اقبال)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی نہ سلامے نہ پیامے۔ کل زمیندار میں آپ کی غزل دیکھی تو معلوم ہوا کہ آپ زندہ سلامت موجود ہیں والحمد للہ علی ذالک۔ شیخ محمد اقبال[1] کا خط میرے نام آیا تھا جس میں وہ ہوشیار پور کی دعوت دیتے ہیں۔ افسوس ہے کہ گرمی بہت ہے ورنہ آپ کی زیارت کا ایک اور موقع مل جاتا۔ اس کے علاوہ میں کشمیر سے بیمار واپس آیا۔ ٹانگ میں درد ہے جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بھی دقت ہے۔ آج علاج شروع کیا ہے۔ شیخ محمد اقبال سے میری مجبوری کا ذکر کر دیجیے۔ ان کے کارڈ کا جواب اس واسطے نہیں لکھ سکا کہ وہ کارڈ کہیں گم ہو گیا اور ان کا پتہ مجھے یاد نہ تھا۔

امید کہ گرامی اور گرامی کے نصف بہتر کا مزاج بخیر ہوگا خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔

محمدؐ اقبال لاہور ۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء[2]

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] شیخ محمد اقبال صاحب بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی گرامی کے ملنے والے تھے ہوشیار پور میں رہتے تھے۔ اپنے کسی کام کے سلسلے میں لاہور آکر اقبال سے ملے تھے۔ ۱۹۶۶ء میں بعارضۂ قلب لائلپور ریلوے اسٹیشن پر انتقال کیا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

[2] ۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء بمطابق عکس (مؤلف)

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا الحمدللہ اب آپ کو بالکل آرام ہے۔ مجھے بھی تین چار روز زکام رہا اور ایک شب ہلکا سا بخار بھی ہو گیا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے آرام ہے۔ امید ہے کہ جناب قبلہ شاہ صاحب کو بھی اب بالکل آرام ہو گیا ہو گا۔ ان کے روپیہ یونیورسٹی دفتر سے بھیج دیئے گئے ہیں ذکی شاہ صاحب سے کہہ دیجئے گا اور میری طرف سے شاہ صاحب کی خیریت آپ خود جا کر پوچھئے۔ اگر احمد شاہ کا خط محفوظ تو نہیں رہا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ بارش بالکل نہیں ہوئی۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کیجئے گا۔

محمد اقبال لاہور ۱۷ جولائی ۲۱ء

(مظلوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۲۰ جولائی ۲۱ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

والا نامہ ملا خدا کے فضل سے اب قدرے آرام ہے گو حرکت میں ابھی تک اشکال ہے۔ میری خبر کے لئے آپ آچکے اگر میں لاہور میں مرا اور آپ اس وقت میاں میر میں ہوئے تو میں اپنے ورثا کو وصیت کر جاؤں گا کہ مولانا گرامی کو اطلاع نہ دی جائے تا کہ ان کو سفر کی تکلیف نہ ہو۔

آپ کی رباعیاں خوب ہیں "در پردہ امام مہرہ بازی مائیم"[۱]۔ بیماری کے عالم میں مجھے بھی شاعری کی سوجھی ہے۔ کل رات یہ قطعہ[۲] خیال میں آگیا۔ ملاحظہ فرمائیے مگر کسی کو سنائیے نہیں کہ اس کی اشاعت ممنوع ہے۔

مخلص محمد اقبال

با نویسندۂ کردار چناں گفت شریف[۳]
اے کہ از خامۂ تو کار جزا را اساسیں
زاں کہ آں راندۂ درگاہ زرہ برد مرا
ایں گناہے کہ ز من رفت بہ شیطاں بنویس
گفت ابلیس و چہ خوش گفت کہ تقصیرم چیست
رفتم از راہ زتلبیس وزیر انگلیس

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[۱] ان رباعیوں میں سے ایک رباعی یہ ہے:

شیخیم مقدسیم غازی مائیم — از راہ نشینانِ حجازی مائیم
بے پردہ بکعبہ سبحہ گرداں بودیم — در پردہ امام مہرہ بازی مائیم

ترجمہ:۔ ہم شیخ ہیں، مقدس ہیں، غازی ہیں ہم حجاز کے راہ نشینوں میں سے ہیں۔ بظاہر ہم کعبہ میں تسبیح گھمار ہے تھے مگر در پردہ شاطرانہ چالوں کے امام ہم ہی ہیں!

(رباعیات گرامی، صفحہ ۲۵)

[۲] قطعۂ مندرجہ میں شریف سے مراد شریف حسین والیِ حجاز ہے جس نے برطانیہ کی شہ پر ترکوں سے غداری کی، حرمین کے اندر ترکوں اور دوسرے مسلمانوں کا خون بہایا، لیکن جب برطانیہ کا مطلب حاصل ہوگیا تو شریف حسین سے متوقع سلوک نہ کیا۔ آخر وہ ۱۹۲۴ء میں حجاز سے نکالا گیا۔

[۳] ترجمہ:۔ اعمال لکھنے والے فرشتے سے شریف (مکہ) نے یہ کہا اے وہ کہ تیرے لکھے پر جزا کی بنیاد ہے۔ چونکہ اُس راندۂ درگاہ (شیطان) نے مجھے راستے سے ہٹا دیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

شیخ عطا محمد کے نام

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ شاہ صاحب کا خط بھی آیا تھا وہ بھی خیریت سے ہیں۔ بہت بہتر ہے اعجاز کو روپیہ دے دیا جائے گا اطمینان فرمائیں۔ سردی یہاں بھی کل پرسوں سے کچھ زیادہ ہے۔ بارش بالکل نہیں ہوئی البتہ آج مطلع ابر آلود ہے۔

والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔ یہ خدا کا خاص فضل ہے کہ ان کی صحت اچھی ہے۔ اسرار خودی پر انگلستان اور امریکہ کے اخباروں میں ریویو عجیب وغریب شائع ہو رہے ہیں۔ دیکھیں جرمنی اور دیگر ممالک اس کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں۔

والسلام

محمدؐ اقبال لاہور ۲۱ جولائی ۱۹۲۱ء

(مظلوم اقبال)

منشی سراج الدین کے نام

مخدومی منشی صاحب

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) اس لیے یہ گناہ جو مجھ سے سرزد ہوا ہے شیطان کے نام لکھ دے۔ شیطان نے کہا، اور کیا خوب کہا، کہ میرا کیا قصور ہے؟ میں تو خود یہاں انگلستان کے بہکانے سے راستہ بھٹک گیا تھا۔

کرے۔ نقل فیصلہ مرسلہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بہ غور پڑھا ہے۔

دفعہ ۴۷ کے متعلق جج صاحب بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میری رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہو سکتی ہے لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی تھا یعنی یہ بات کہ واقعات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمہ میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے، اے ڈی حکیم صاحب[1] سے مختلف تجویز کرے۔

شیخ [illegible] بان اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام زیر باری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہو گی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بڑی ہے اور اخراجات وکلاء وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی زیر باری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہاتِ اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسال خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان

---

[1] سیشن جج

کے لیے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

۱۳ اگست ۱۹۲۱ء

(انوار اقبال)

وحید احمد مسعود بدایونی کے نام

لاہور

۳۰ اگست ۱۹۲۱ء

مخدومی

تبدیل ہوا کے لیے شملہ چلا گیا تھا۔ مگر وہاں جاتے ہی طبیعت اور بگڑ گئی۔ چار پانچ روز کے بعد واپس آگیا۔ اب خدا کے فضل سے کسی قدر اچھا ہوں۔

آپ کا حسن ظن میری نسبت بہت بڑھ گیا ہے۔ حقیقت میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی نسبت دنیائے شاعری سے کچھ بھی نہیں۔ اور نہ کبھی میں نے SERIOUSLY اس طرف توجہ کی ہے۔ بہر حال آپ کی عنایت کا شکر گذار ہوں۔ باقی رہا یہ امر کہ موجودہ بیداری کا سہرا میرے سر بندھ ہے یا ہونا چاہئے۔ اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ مقصود تو بیداری سے تھا اگر بیداری ہندوستان کی تاریخ میں میرا نام تک بھی نہ آئے تو مجھے قطعاً اس کا ملال نہیں۔ لیکن آپ کے اس ریمارک سے مجھے بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس بات کا شاید کسی کو احساس نہیں۔ مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کے تذکرہ کا دیباچہ لکھنے والے بزرگ نے جن الفاظ میں محمد علی، شوکت علی اور میری طرف اشارہ کیا ہے ان سے میرے اس خیال کو اور تقویت ہو گئی ہے۔ لیکن اگر کسی کو بھی اس کا احساس نہ ہو تو مجھے اس کا رنج نہیں۔ کیونکہ اس معاملہ میں

خدا کے فضل و کرم سے بالکل بے غرض ہوں۔

معلوم نہیں کونسا شعر آپ کے پاس امانت ہے۔ بہتر ہے چھاپ دیجیے۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

وحید احمد مسعود بدایونی کے نام

لاہور

۷ستمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کے پاس میرا کوئی اور شعر ہوگا۔ اس شعر میں کیا رکھا ہے۔ اگر آپ کو مضمون لکھنے کی زحمت گوارا ہی کرنا ہے تو ایک رباعی حاضر کرتا ہوں۔ اس پر لکھئے اور اس شعر کو نہ چھاپئے اور اس پر مضمون لکھنے کا خیال ترک کیجئے۔

وہ رباعی مندرجہ ذیل ہے:

تو اے کودک منش خود را ادب کن[1]
مسلماں زادہ ای، ترک نسب کن
برنگ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر، ترک عرب کن

---

[1] اے بچوں کا سا مزاج رکھنے والے اپنی تربیت کر۔ تو مسلمان زادہ ہے (بقیہ اگلے صفحے پر)

اس زمانے میں سب سے زیادہ بڑا دشمن اسلام اور اسلامیوں کا نسلی امتیاز و ملکی قومیت کا خیال ہے۔ پندرہ (پتزہ لکھ کر کاٹ دیا اور اسے پندرہ بنایا) برس ہوئے جب میں نے پہلے پہل اس کا احساس کیا۔ اس وقت میں یورپ میں تھا اور اس احساس نے میرے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ کبھی فرصت ہوئی تو اپنے قلب کی تمام سرگذشت قلم بند کروں گا۔ جس سے مجھے یقین (ہے) بہت لوگوں کو فائدہ ہو گا۔ اس دن سے جب یہ احساس مجھے ہوا آج تک برابر اپنی تحریروں میں یہ ہی خیال میرا مطمح نظر رہا ہے۔ معلوم نہیں میری تحریروں نے اور لوگوں پر اثر کیا یا نہیں کیا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس خیال نے میری زندگی پر حیرت انگیز اثر کیا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(انوار اقبال)

اکبر الہٰ آبادی کے نام

"آپ کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ نہایت پُر معنی اور مفید ہوتے ہیں۔ ان کو جمع کر لینا چاہیے تا کہ آئندہ نسلیں ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ بڑی ضرورت ہے کہ ایک منشی کاغذ اور قلم دوات لے کر آپ کے پاس ہر وقت بیٹھے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تو نسب کا فخر چھوڑ دے۔ سرخ رنگ، خون اور رگ و پوست پر اگر عرب ناز کرتا ہے تو عرب کو بھی چھوڑ دے۔

اور جو بات آپ فرمائیں اُسے نوٹ کر لے۔ اگر میں الٰہ آباد میں قیام کر سکتا تو آپ کے لیے وہ کام کرتا جیسا باسویل BOSWEL نے ڈاکٹر جانسن DR. JOHNSON کے لیے کیا تھا۔"

(اوراق گم گشتہ)

سیّد عشرت حسینؒ کے نام[1]

لاہور ۱۳ ستمبر ۲۱ء[2]

مخدومی۔ السلام علیکم

ابھی زمیندار سے آپ کے والد بزرگوار اور میرے مرشد (معنوی) کے انتقال پُر ملال کی خبر معلوم ہوئی[3] اِنَّا للہِ وَ اِنَّا اِلیہِ رَاجعون۔ اس بات کا ہمیشہ قلق رہے گا کہ ان سے آخری ملاقات نہ ہو سکی۔ میں اور میرے ایک دوست قصد کر رہے تھے کہ ذرا گرمی کم ہو جائے تو ان کی زیارت کے لیے الٰہ آباد کا سفر کریں۔ انھوں نے اپنے آخری خط میں مجھے لکھا بھی تھا کہ امسال ضرور ملنا۔

---

[1] علامہ اقبال اور اکبر الٰہ آبادی کے درمیان گہرے تعلقات تھے۔ دونوں عظیم ہستیوں کی خط و کتابت اس کی شاہد ہے۔ علامہ اقبال کی دلی خواہش تھی کہ اکبر کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ قلمبند کر لیا جائے۔ اس کا اظہار انھوں نے ایک خط میں کیا جو اقبالنامہ میں موجود نہیں اس کا اقتباس سید عشرت حسین الٰہ آبادی خلف اکبر الٰہ آبادی نے اپنی تالیف "حیات اکبر" کے صفحہ ۱۲۹ پر پیش کیا ہے جو اوپر درج ہے۔

(رحیم بخش شاہین: اوراق گم گشتہ ص ۵۹۔۶۰)

[2] انوار اقبال میں خط اور تار کی تاریخ ۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ء لکھی گئی ہے جبکہ "حیات اکبر" میں ۱۲ ستمبر ۱۹۲۱ء درج ہے۔

[3] اقبال نے اکبر الٰہ آبادی کے انتقال پر یہ تعزیتی خط ان کے لڑکے عشرت حسین کو لکھا تھا۔

بعض باتیں ایسی ہیں کہ خطوط میں نہیں سماسکتیں۔ میری بدنصیبی ہے کہ میں ان کے آخری دیدار سے محروم رہا۔ ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں میں مرحوم کی شخصیت قریبًا ہر حیثیت سے بے نظیر تھی۔

اسلامی ادیبوں میں تو شاید آج تک ایسی نکتہ رس ہستی پیدا نہیں ہوئی۔ اور مجھے یقین ہے کہ تمام ایشیا میں کسی قوم کے ادبیات کو اکبرؔ نصیب نہیں ہوا۔ فطرت ایسی ہستیاں پیدا کرنے میں بڑی بخیل ہے۔ زمانہ سیکڑوں سال گردش کھاتا رہتا ہے جب جا کے ایک اکبرؔ اسے ہاتھ آتا ہے۔ کاش اِس انسان کا معنوی فیض اس بدقسمت ملک اور اس کی بدقسمت قوم کے لیے کچھ عرصے اور جاری رہتا۔

خدا تعالیٰ اپنے حبیبؐ کے صدقے ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ میں نے ابھی ایک تار بھی آپ کو دیا ہے۔[1]

مخلص محمدؐ اقبال

(انوار اقبال)

---

[1] (الف) تار کا متن درج ذیل ہے:-

HEARTFELT SYMPATHY INDIALOSES A GREAT PERSONALITY, IQBAL

(دلی ہمدردی ہندوستان نے ایک عظیم شخصیت کھودی)

(بشیر احمد ڈار)

(ب) اکبر الٰہ آبادی نے ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو وفات پائی تو ۱۲ ستمبر ۱۹۲۱ء کو علامہ اقبال نے سید عشرت حسین کے نام ایک تعزیتی خط لکھا۔ نیز ایک تار بھی دیا۔ علامہ اقبال کی یہ دونوں تحریریں "انوار اقبال"، مرتبہ بشیر احمد ڈار سے پیشتر "حیات اکبر" مرتبہ سید عشرت حسین الٰہ آبادی میں چھپ چکی ہیں۔ دونوں کتابوں کے دیئے گئے متن میں کچھ اختلافات ہیں جو اس طرح ہیں:-

(بقیہ اگلے صفحہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۱۶ ستمبر ۱۹۲۱ء

ڈیر گرامی۔ السلام علیکم

ع آخرِ ما جیب تمنا تہی![1]

اس مصرع نے مجھے بے ہوش کر دیا اکبر مرحوم[2] کے انتقال سے پہلے ہی میری طبیعت افسردہ ہو رہی تھی۔ اس مصرع نے نشتر کا کام کیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

۔"انوار اقبال" میں خط کا ایک جملہ یوں دیا گیا ہے:۔

"زمانہ سیکڑوں سال گردش کھاتا رہتا ہے جب جا کے ایک اکبر اسے ہاتھ آتا ہے۔"

(صفحہ ۱۹۷)

"حیات اکبر" میں یہ جملہ اس طرح لکھا گیا:۔

"زمانہ سیکڑوں سال گردش کھاتا رہتا ہے جب آ کے ایک اکبرؒ اسے ہاتھ آتا ہے۔" (صفحہ ۱۶۴)

(رحیم بخش شاہین اوراقِ گم گشتہ)

[1] پورا شعر یوں ہے:۔ اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی آخرِ ما جیب تمنا تہی

ترجمہ:۔ ہماری ابتدا وہ ہے جو ہر منتہی کی انتہا ہوتی ہے اور ہماری انتہا جیبِ آرزو کا خالی ہونا ہے۔

[2] سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی مفکر، مصلح اور صوفی تھے۔ شوخی اور ظرافت ان کی سرشت میں شامل تھی۔ اقبال ان کے بہت بڑے مدّاح اور قدر شناس تھے۔ راجہ غلام حسین کے انگریزی اخبار "نیو ایرا" لکھنؤ میں ایک مضمون لکھ کر بھی انھیں اردو زبان کا ہیگل قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا مرثیہ بھی کہا ہے؛ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اقبال کی خاطر ہوشیار پور کا مختصر سا سفر کر لوں مگر ایمان کی بات ہے کہ کسی خوشی کی تقریب میں شامل ہونے کو دل نہیں چاہتا۔ اکبر مرحوم بے نظیر آدمی تھے وہ اپنے رنگ کے پہلے اور آخری شاعر تھے مگر شاعری کو چھوڑ کر ان کا پایہ بہ روحانیات

(بقیہ صفحہ گزشتہ کا)

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر | حیاتش بہ حق بود روشن دلیلے
سر ذروۂ طور معنی کلیمے | بہ بت خانۂ دور حاضر خلیلے
نوائے سحر گاہ او کارواں را | اذان درائے پیام رحیلے
ز دلہا برافگندہ لات و عزیٰ | بجاں باکشانندہ سلسبیلے

دماغش ادب خوردۂ عشق و مستی
دلش پرورش دادۂ جبرئیلے

ترجمہ: افسوس کہ اکبر نے اس دنیا سے کوچ کیا، ان کی زندگی حق کی روشن دلیل تھی، طورِ معنی کی چوٹی پر مثلِ کلیم تھے اور عہد حاضر کے بت خانے میں ابراہیم ان کی نوائے سحر گاہی کارواں کے لیے بانگ درا کا حکم رکھتی تھی انھوں نے دل سے لات و عزیٰ (بتوں) کو نکال پھینکا تھا اور جانوں میں سلسبیل پیدا کر دی تھی ان کا دماغ عشق و مستی سے تربیت یافتہ تھا اور ان کے دل کی پرورش جبرئیل نے کی تھی ہے۔

مولانا گرامی نے ان کی وفات پر اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے:

ز مرگ جگر سوز اکبر چہ گویم | کہ کلکِ قضا خط کشیدش بدفتر
خوشا اکبر و مرحبا رفتنِ او | کہ می رفت و می گفت اللہ اکبر

ترجمہ: اکبر کی مرگِ جگر سوز کا کیا کہوں قضا کے قلم نے اس کے دفتر پر خط کھینچ دیا واہ اکبر اور واہ اس کی رحلت کہ وہ جا رہا تھا اور اللہ اکبر کہہ رہا تھا۔

(دیوان گرامی، صفحہ ۲۱۲)

(عبداللہ قریشی)

میں کم بلند نہ تھا اس بات کی خبر شاید ان کے عزیزوں کو بھی نہ تھی۔ یوں تو کئی سالوں سے ان کے وقت کا بیشتر حصہ قرآن پڑھنے میں گزرتا تھا اور ان کی زندگی رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لیے ایک تڑپ تھی مگر گذشتہ دو سال سے تو وہ موت کے بہت متمنی تھے۔ کوئی خط ایسا مشکل سے ہوگا جس میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار نہ کیا ہو۔ ایک انگریزی مصنف لکھتا ہے کہ جوں جوں ہماری عمر بڑھتی ہے زندگی سے محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ طویل العمری سے عروس حیات سے ہمارا اختلاط بڑھتا رہتا ہے اور اختلاط کا نتیجہ اُنس ہے۔

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو میں نے تو یہ کلیہ مولانا اکبر مرحوم کی صورت میں صحیح نہ پایا۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے۔ مسلمانانِ ہند کو اپنے اس نقصان کا شاید پورا پورا احساس نہیں ہے۔

اقبال محمد صاحب کو میرا یہ خط سنا دیجیے اور ان سے میری طرف سے معذرت کیجیے کہ افسردگی کی حالت میں لطف محفل کچھ نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا آپ کا خط زمیندار میں اشاعت کے لیے بھیج دیا ہے گھر میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے گا۔

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی) (عکس)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۵ اکتوبر[1] ۱۹۲۱ء

مخدومی۔ تسلیم

ستمبر کا معارف ابھی نظر سے گزرا ہے۔ اس میں مسٹر ڈکنسن[2] کے ریویو (اسرارِ خودی) کا ترجمہ آپ نے شائع کیا ہے۔ ترجمہ مذکور کا ایک فقرہ یہ ہے "اقبال ان تمام فلسفوں کے دشمن ہیں جو ہستی واجب الوجود کو تسلیم کرتے ہیں۔" صفحہ ۲۱۴

اگر آپ کے پاس رسالہ نیشن (NATION) موجود ہو جس میں انگریزی ریویو شائع ہوا تھا تو میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں مہربانی کر کے ایک آدھ روز کے لیے بھیج دیجیے۔ مجھے ایسا خیال ہے کہ غالباً مذکورہ بالا فقرہ اس ریویو میں نہیں ہے یا اس کی جگہ کچھ اور ہے مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ کہیں ترجمہ میں سہو تو نہیں ہو گیا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

کیا حکمائے صوفیہ اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے؟ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] اقبال نامہ میں اس خط کی تاریخ ۵، اکتوبر درج تھی جب کہ عکس میں صاف طور پر ۵، اکتوبر لکھا ہے (مرتب)

[2] (DICKINSON)

مولوی عبد[1] الماجد صاحب کا پتہ معلوم نہ تھا اس واسطے آپ کو زحمت دی گئی۔

محمد اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور، ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۱ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم

سالِ گذشتہ نقرس نے بہت پریشان و مضمحل رکھا۔ امسال اگست میں ایک مقدمے کے لیے کشمیر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں سے اسی مرض میں مبتلا ہو کر واپس آیا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں، گو طبیعت میں وہ چستی و چالاکی باقی نہیں رہی جو پہلے تھی۔

گزشتہ ہفتے ایک لوکل اخبار میں سرکار والا کا ایک مضمون حالاتِ حاضرہ پر دیکھنے میں آیا۔ قصد کر رہا تھا کہ عریضہ لکھوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے اپنی باطنی آنکھ سے میرے جذباتِ دلی کو دیکھ لیا اور خط لکھنے میں تقدیم کرنے سے مجھے شرمندۂ احسان کر دیا۔ خدا تعالیٰ شاد کو شاد و آباد رکھے۔ شاد کا اقبال کیونکر سو سکتا ہے، "لاتاخذہ سنۃ ولانوم" یہ بات محض شاعرانہ استعارہ نہیں۔ انشاء اللہ سرکار کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

---

[1] مولوی عبد الماجد صاحب ان دنوں معارف کے شریک ایڈیٹر تھے۔

(شیخ عطاء اللہ)

زمانہ پیش نگاہم گذشت و می گذرد[1]
چو سرو خیمۂ ہستی کنار جو زدہ ام

سرکار نے میرا ترجمہ "گائتری" پسند فرمایا[2] میرے لیے یہ بات سرمایۂ فخر و امتیاز ہے۔ افسوس کہ سنسکرت الفاظ کی موسیقیت اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال غالباً اصل کا مفہوم اس میں آگیا ہے۔ زمانے نے مساعدت کی تو 'گیتا' کا اردو ترجمہ کرنے کا قصد ہے۔ فیضی کا فارسی ترجمہ تو حضور کی نظر سے ضرور گزرا ہوگا۔ فیضی کے کمال میں کس کو شک ہو سکتا ہے مگر اس ترجمے میں اس نے 'گیتا' کے مضامین اور اس کے انداز بیان کے ساتھ بالکل انصاف نہیں کیا۔ بلکہ میرا تو یقین ہے کہ فیضی 'گیتا' کی روح سے ناآشنا رہا۔

ناگپور میں ایک بزرگ مولانا تاج الدین نام ہیں۔ کیا سرکار نے کبھی ان کا نام سنا یا ان کی زیارت کی؟ حکیم اجمل خاں صاحب دہلوی سے ان کی بڑی تعریف سنی ہے اور لاہور کے ایک اور دوست بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد ہے۔ دیکھیے کب لاہور کی زنجیروں سے خلاصی ملتی ہے۔ چشتی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے میں بیشتر حصہ مجذوبانہ حالت میں رہتے ہیں۔ مگر سنا ہے کہ رات کے دو بجے کے بعد سے صبح تک ان کے فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حیدرآباد میں کوئی مولوی یا منشی محمد اسمٰعیل صاحب ان کے پیر بھائی ہیں۔ شاید سرکار کو معلوم ہو۔ غرض کہ جن جن ذرائع سے معلوم ہوا آدمی قابلِ زیارت ہیں۔

حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے اس شعر نے:

---

[1] ترجمہ:۔ زمانہ میری نگاہوں کے سامنے گزرا ہے اور گزر رہا ہے میں نے سرو کی طرح اپنا خیمۂ ہستی نہر کے کنارے نصب کر رکھا ہے۔

[2] بانگ درا، ص ۳۰۰۔ ۱۳۱ نظم آفتاب۔

"ملنا تو بہت دور نشاں تک نہیں پایا۔۔۔ الخ"

میرے دل پر بہت اثر کیا۔ ان کے کلام کی سادگی سے ان کے فطری جوہر پر روشنی پڑتی ہے۔ اللھم زد فزد

حیدری صاحب نے گزشتہ سال مجھے حیدر آباد طلب کیا تھا۔ لکھتے تھے کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں قانون کے پروفیسر بن جاؤ اور پریکٹس کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ مگر افسوس کہ حالات نے مجھے ان کا آفر نامنظور کرنے پر مجبور کیا۔

زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا۔ سرکار عالی کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تو اقبال اب کہاں یاد ہوگا۔ میری طرف سے ان کو دعا کہیے۔

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال، لاہور

(نوادرِ اقبال)

میر غلام بھیک نیرنگ کے نام

ڈیر میر صاحب السلام علیکم

والانامہ ملا۔ بڑی خوشی سے وہ مراسلت کریں۔ منورالدین کے مقدمے کی کل بھی پیشی تھی مگر ملتوی ہو گئی دو چار روز میں پھر پیشی ہو گی۔

امید ہے جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ اکتوبر ۲۲ء

(عکس) (انوار اقبال)

نوٹ: اقبال کا یہ خط (پوسٹ کارڈ) میر غلام بھیک نیرنگ کے اس خط کے جواب میں ہے جس میں میر صاحب نے اقبال کو لکھا تھا کہ پیرزادہ ابراہیم حنیف ان سے مراسلت کرنا چاہتے ہیں۔ میر صاحب نے اقبال کے اسی خط پر اپنی طرف سے چند فقرے لکھ کر ابراہیم حنیف کو بھیج دیا۔ جو حسب ذیل ہے۔

مکرمی پیرزادہ صاحب السلام علیکم

لیجئے سلسلہ جنبانی ہو گئی۔ اب آپ براہ راست مراسلت کر کے معاملہ طے کر لیں۔ والسلام

بندہ

نیرنگ

۱۴/۱۰/۲۱

(بشیر احمد ڈار)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور، ۲۷ اکتوبر ۲۱ء

سرکار والا تبار تسلیم

نوازش نامہ مع سفرنامۂ ناگپور[۱] ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں میں نے اس چھوٹی سی کتاب کو بڑی مسرت سے پڑھا اور سرکار کی عقیدت سے دل کو ایک قسم کی روحانی بالیدگی ہوئی۔ میرا قصد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے۔ بعض وجوہ سے تجدیدِ بیعت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ مجذوب ہیں مگر آج کل زمانہ بھی مجاذیب کا ہے۔ بہرحال اگر مقدّر میں ہے تو انشاءاللہ ان سے مشکل کا حل ہو گا۔ آج خواجہ حسن نظامی صاحب کو بھی خط لکھا ہے اگر وہ بھی ہم سفر ہو گئے تو مزید لطف رہے گا۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہو گا میں آج پیچش کی وجہ سے صاحبِ فراش ہوں۔ اسی مختصر عریضے پر اکتفا کرتا ہوں۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (نوادرِ اقبال)

---

[۱] اس سفرنامے کا دوسرا نام "آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں" ہے اور اس میں بابا تاج الدین ناگپوری کا ذکر نہایت عقیدت سے کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا اسلوبِ بیان دلچسپ ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

بزرگِ موصوف کے حالاتِ زندگی کے لیے حواشی ملاحظہ ہوں۔

(مرتب)

سید سلیمان ندوی کے نام

مخدومی، السلام علیکم پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ کیا کتب خانۂ بانکی پور سے کتاب عاریۃً مل سکتی ہے؟ میں اس کتاب کے دیکھنے کا مدت سے خواہشمند ہوں۔ انگلستان اور یورپ میں تو کتابیں عاریۃً مل سکتی ہیں۔ معلوم نہیں اس لائبریری کا کیا قاعدہ ہے۔ شاید پنجاب یونیورسٹی کی معرفت لکھنے سے مل جائے۔ غالباً قلمی نسخہ ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۸۔ نومبر ۱۹۲۱ء

(اقبالنامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۸ دسمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

میں اس شعر کا مطلب آپ کو نہ بتاؤں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ دوسرا مصرع سمجھتے ہیں۔ جس کو دوسرا مصرع آتا ہے۔ اسے پہلا بھی آتا ہے۔ اپنی طبیعت کو ٹٹولیے۔ وہاں اس کا مطلب مل جائے گا۔ پوری غزل مخزن کے گزشتہ نمبر میں شائع ہوئی تھی مجھے اشعار تمام یاد نہیں، کہیں لکھے رکھے ہیں۔ تلاش کی ہمت نہیں۔ مخزن کا وہ نمبر منگوا لیجئے۔

مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض کیجئے۔ سردار امراؤ سنگھ شملہ بلا رہے ہیں۔ یہاں سے احباب کی ایک جماعت کرسمس کی تعطیلیں گذارنے کے لیے شملہ جانے کا قصد کر رہی ہے۔ اگر مولانا گرامی دسمبر میں لاہو آجائیں تو میرے لیے لاہور کی سرد آب و ہوا میں تھوڑی سی حرارت پیدا ہو جائے۔ ان کی خاطر شملہ کی صحبت ترک کردوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ آپ کے کبوتر بہت اچھے ہیں۔ مگر افسوس کہ زمانۂ حال کی مغربی تہذیب سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی پرورش سے بہت بیزار ہیں۔ والسلام۔ مولانا گرامی کی خدمت میں آداب عرض۔ ان کو یہ شعر سنایئے

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے

یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ[1]

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

کل آپ کے چھوٹے بھائی امیر الدین خاں لاہور میں تھے۔ ان سے آپ کی اور مولوی گرامی صاحب کی خیریت معلوم ہوئی۔ آج آپ کا خط بھی ملا۔ شعر کا مطلب جو آپ نے سمجھا، ٹھیک ہے۔ تختۂ گل کوئی محاورہ نہیں۔

---

[1] ترجمہ:۔ میرے دشت جنون میں جبریل بھی ایک معمولی شکار ہے اے ہمت مردانہ یزداں پر کمند ڈال۔

تختۂ گل سے تختۂ گل ہی مراد ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جبین سجدہ ریز کی وجہ سے دیر کی راہ تختۂ گل بن گئی ہے۔ فارسی والے سجدے کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ مولوی گرامی طال عمرہ کو دعا کہیے۔

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۱۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ امرتسر سے بھی جواب آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ چار پانچ روز کے بعد مفصل حالات لکھے جائیں گے۔ سو مفصل جواب آنے پر آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اگر اعجاز آپ کی رائے سے اتفاق کر گیا تو بہتر ورنہ امرتسر میں سلسلہ جنبانی رکھی جائے گی۔ ملک محمد دین صاحب نے ابھی تک خط کا جواب نہیں دیا معلوم ہوتا ہے وہ کرنال میں نہیں ہیں آج میں نے ان کو بھی خط لکھا ہے۔

اعجاز کو چاہیئے کہ وہ پہلے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے پھر ملک کی تحریکوں میں شامل ہو خلافت کا کام کرنے سے میں اُسے روکتا نہیں کیونکہ یہ بات قلب کی حالت پر منحصر ہے البتہ پہلے اپنے کام میں پختہ ہو جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر ہر جگہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتے وہ بظاہر جوشیلے مسلمان معلوم ہوتے ہیں لیکن در باطن اخوان الشیاطین ہیں اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کے سکریٹری شپ سے استعفا دے دیا تھا۔ اس

استعفے کے وجوہ اس قابل نہ تھے کہ پبلک کے سامنے پیش کئے جاتے لیکن اگر پیش کئے جاسکتے تو لوگوں کو سخت حیرت ہوتی۔ بہرحال اعجاز خود سمجھدار ہے۔ گزشتہ رات لاہور میں بھی بہت سی گرفتاریاں ہوئیں اور کلکتہ میں تو معلوم ہوتا ہے قیامت برپا ہے۔ باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض۔

اُن کے لیے کستوری کا نافہ منگوایا ہے۔ ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیئے کہ کستوری افیون میں کس طرح ملائی جائے۔

والسلام

محمدؐ اقبال

(مظلوم اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

پوسٹ کارڈ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ ہے۔

مولانا گرامی کب تک جالندھر کی سیر کریں گے۔ وہاں رہنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہاں کے لوگ ان کے مشتاق ہیں اور ہر روز ان کے متعلق استفسارات رہتے ہیں۔ ہمت مردانہ والی غزل کہیں لکھی رکھی ہے۔ کاغذ مل گیا تو نقل کرکے بھیج دوں گا۔

آپ کی خاطر میں نے بدو رکعت نماز ے کا مصرع اوّل بدل دیا۔ اب وہ مصرع یوں ہے۔

گہے بندۂ بتانم گہے زائر مغانم[۱]
کہ نیاز من نگنجد ... الخ

والسلام

محمدؐ اقبال

لاہور

۱۶ دسمبر ۱۹۲۱ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۲۵ دسمبر ۲۱ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والا نامہ ابھی ملا۔ غزل[۲] مرسل خدمت ہے۔ میں نے وہ غزل بشیر کو اسی خیال سے نہ دی تھی۔ لیکن میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ گرامی صاحب نے تمہارے لیے غزل ارسال کی ہے۔ مہربانی کر کے بعد از نظر ثانی جلد نہ بھیج دیجئے۔ منیر کی قوالی غزل اس زمین میں مشہور ہے جسے قوال عام طور پر گاتے ہیں۔ میں نے نہ چاہا کہ شائع ہونے کے بعد اس پر کوئی اعتراض کر دے اس واسطے بعض باتوں کی طرف۔ توجہ

---

[۱] ترجمہ :۔ کبھی بتوں کا بندہ ہوں کبھی پیر مغاں کی زیارت کرتا ہوں کیونکہ میرا نیاز ایک۔ دو رکعت نماز میں نہیں سما سکتا۔

[۲] یہ غزل گرامی نے میاں بشیر احمد مدیر ہمایوں کے لیے بھیجی تھی مگر اس میں کچھ سقم تھے اس لیے اقبال نے ان کے حوالے نہ کی بلکہ گرامی کو واپس کر دی، مبادا شائع ہونے کے بعد کوئی اس پر اعتراض کرے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

دلائی اگر آپ کو مجھ سے اتفاق نہ ہو تو اسی طرح رہنے دیجیے کیونکہ آپ کا مذاق زیادہ معتبر ہے۔

مقطع کی نسبت تو میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ بارگاہ نبوی میں مقبول ہوا مفصّل کیفیت اس بات کی کل آپ کی خدمت میں لکھنے کو تھا کہ کسی قوت نے روک دیا۔ دل کہنے لگا کہ خط میں اس امر کا انکشاف نامناسب ہے۔ یہ حقیقت نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہے انشاء اللہ بالمشافہ عرض کروں گا۔ بھلا یہ شعر کیسا ہے[۱] (نظیری اور حافظ کی غزلیں اس زمین میں مشہور ہیں۔ شاید آپ کی غزل بھی ہے۔)

نہال ترک ز برق فرنگ بار آورد[۲]
ظہور مصطفوی را بہانہ بولہبی است

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی) (عکس)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۲۹ دسمبر ۲۱ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں واہ کیا خوب کہی کہ غزل ٹھیک کر کے کیوں نہ بھیج دی! کل کو یہ کہو گے کہ خاکم بہ دہن مولانا نظامی کے سکندر نامے کی اصلاح کر کے بھیج دو۔ کہیے لاہور آنے کا قصد بھی ہے یا نہیں۔ آخر

---

[۱] یہ شعر جس غزل کا ہے وہ "پیام مشرق" کے صفحہ ۱۹۷ پر چھپ چکی ہے۔

[۲] ترجمہ:- ترکوں کا نہال فرنگیوں کی بجلی پڑنے سے بار لایا ہے بولہبی، حضرت مصطفیٰ کے ظہور کا بہانہ بن جاتی ہے۔

یہاں کے لوگ بھی آپ پر حق رکھتے ہیں اور اشتیاق میں کسی سے کم نہیں۔ کل مرزا جلال الدین[1] آپ کو لینے کے لیے جالندھر آنے والے تھے مگر میں نے ان کو روک دیا اس خیال سے کہ سردی میں آپ کو سفر ناگوار ہوگا علاوہ اس کے مرزا صاحب کو مایوسی سے بچانا مقصود تھا۔ آپ نے اس مصرع کے متعلق کچھ نہ لکھا کہ کیا رائے ہے۔ "بند با ہمہ جبروت خدائی مفروش"[2]

ظہور مصطفوی والا شعر آپ نے پسند کیا نظیری کی غزل اس پر خوب ہے مگر خواجہ حافظ کی غزل سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر اس زمین میں آپ پہلے نہیں لکھ چکے تو ضرور لکھیے اور جو شعر ہوں خط میں تحریر فرمائیے۔ آپ کو گذشتہ ہفتہ خط لکھنے کے بعد ایک آدھ شعر اور ہو گیا تھا[3]

---

[1] مرزا جلال الدین بیرسٹر ادب اور موسیقی کا نہایت شستہ مذاق رکھتے تھے۔ اقبال کے جگری دوستوں میں سے تھے اور اس دوستی کی بنا پر زندہ رہیں گے۔

[2] ترجمہ:۔ تمام خدائی شان و شوکت حاصل ہونے کے باوجود بندگی مت بیچ (یعنی بندگی مت چھوڑنا)

[3] جو اشعار اقبال نے یہاں درج کیے ہیں، "پیام مشرق" میں اشاعت کے وقت ان میں قطع و برید ہو گئی ہے۔ چنانچہ "رہ عرق و خراساں ... الخ" والا شعر غزل سے خارج ہو گیا ہے۔ چوتھا شعر بدل کر یوں کر دیا گیا ہے:

غزل بزمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں
ہنوز نالۂ مرغاں نوائے زیر لبی است

ترجمہ:۔ غزل گاؤ اور مدھم سروں میں گاؤ کہ ابھی مرغان چمن کا نالہ نوائے زیر لب سے زیادہ نہیں ہے۔

آخری شعر کا پہلا مصرع اس طرح بدلا گیا ہے:

(باقی اگلے صفحہ پر)

بشاخِ زندگی ما نمی زتشنہ لبی است
تلاشِ چشمۂ حیواں دلیلِ کم طلبی است

رہِ عراق و خراساں زن اے مقام شناس
دلم گرفتہ ز آہنگِ بربطِ عربی است

متاعِ قافلۂ ما حجازیاں بردند
و لے زباں نہ کشائی کہ یارِ ما عربی است

زمن نوائے بلندے مجو کہ در چمنم
ہنوز زمزمہ پست است و خندہ زیرِ لبی است

حدیثِ دل بہ کہ گویم چہ چارہ بر گیرم
کہ آہ بے اثر است و نگاہ بے ادبی است

خیریت سے آگاہ کیجیے۔ آپ کا شعر دیرینہ غلامی را الخ کل عبدالقادر آفندی[1] خلف

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) حدیثِ دل بکہ گویم چہ راہ برگیرم

ترجمہ: میں اپنے دل کی بات کس سے کہوں اور کون سی راہ اختیار کروں۔

(پیامِ مشرق، صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷)

ترجمہ: ہماری شاخِ زندگی میں جو نمی ہے وہ تشنہ لبی سے ہے چشمہ آبِ حیات کی تلاش کرنا کم طلبی کی دلیل ہے اے مقام کو پہچاننے والے عراق و خراسان کی راہ پر چل میرا دل بربطِ عربی کے آہنگ سے آزردہ ہو چکا ہے ہمارے قافلے کا سامان حجازی لوٹ لے گئے مگر زبان مت کھولنا کیونکہ ہمارا محبوب عربی ہے مجھ سے نوائے بلند کی توقع نہ کرو کہ میرے چمن میں ابھی زمزمہ پست ہے اور خندہ زیرِ لب ہے میں دل کی بات کس سے کہوں اور کیا علاج کروں کہ آہ بے اثر ہے اور نگاہ بے ادبی ہے۔

[1] عبدالقادر آفندی خلف سردار ایوب خاں اقبال کے دوست تھے۔ کابل کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مادری زبان فارسی تھی۔ شعر کا نہایت ستھرا مذاق رکھتے تھے۔

اس خط کے جواب میں گرامی نے لکھا:

حضرت ڈاکٹر صاحب تسلیم! مسنج معنی من در عیارِ ہند و عجم
کہ اصل ایں گہر از گریہ ہائے نیم شبی است

(باقی اگلے صفحہ پر)

سردار ایوب خاں مرحوم مجھ سے نقل کر کے لے گئے۔

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

(صفحۂ گذشتہ کا بقیہ)

گرامی سفید ریش ہے۔ غزالان معانی کو دام میں نہیں لا سکتا۔ ممکن ہے ریش سفید سے رم کرتی ہوں۔ چند روز صبر کیجئے۔ خضاب سے ریش دلریش کا منہ کالا کروں گا پھر غزل لکھوں گا۔ جناب نے صحیح کہا ہے۔

از خضابم نہ رسد مطلب دیگر بہ خیال
ایں قدر ہست کہ آہو نظراں رم نہ کنند

آپ کے اس شعر کی نسبت مکرّر بے خودانہ لکھتا ہوں کہ برادرم ایں بیت برادر ندارد

متاع قافلۂ ما حجازیاں بردند
ولے زباں نکشائی کہ یار ما عربی است

بے مثل شعر ہے۔ درنایاب ہے، دردمند دل کی حالت کا آئینہ ہے، گرامی بے خبر بھی اس مضمون سے باخبر ہو سکتا ہے۔ بہت ہاتھ پیر مارتا ہوں کہ آپ کی تقلید کروں، نہیں کر سکتا۔ آخر یہ شعر نکالا ہے۔

حدیث دل بہ زبان نگاہ می گوییم — زبان ما عجمی و حبیب ما عربی است
بہ نیم خندہ گرامی شبم بروز آور — تصرف اثر نالہ ہائے نیم شبی است

(دیوان گرامی میں "تصرف" کی جگہ "کرشمہ" کر دیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۱)

بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

اس مصرع میں لفظ ہمہ، مصرع کی جان ہے۔ آپ نے اس (باقی اگلے صفحہ پر)

لاہور ۲۹ اکتوبر ۲۶ء

مخدوم مکرم اسلم صاحب

لفافہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں

[illegible]

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی مولانا گرامی

السلام علیکم کل ایک عریضہ لکھ چکا ہوں آپ کی رباعی کی داد دینا بھول گیا۔

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) کا پہلا مصرع نہیں لکھا مگر میں نے صور علمیہ میں پہلا مصرع پڑھ لیا

کیا یہی ہے ؟

گفت رفرف شب معراج کہ اے ختم رسلؐ
بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

رفرف کو خبر ہے کہ کوئی انسان یہاں تک نہیں آیا۔ الا وہ انسان کامل جس

کو وحی ہوئی کہ اے محمدؐ کہہ دو کہ میں بھی تمہارے مثل ایک بشر ہوں:

احمد اندر احد کمر بندا ست — یعنی ایں بندہ آں خداوند است ؎

والسلام — گرامی

(محمد عبداللہ قریشی)

۱؎ میرے معنی کو ہندوستان اور ایران کی کسوٹی پر مت دیکھ ان موتیوں کی اصل تو گریہ ہائے نیم شب میں پوشیدہ ہے۔

۲؎ میرے خضاب کرنے سے کوئی اور مطلب نہ سمجھا جائے بس یہ چاہتا ہوں کہ ہرن جیسی آنکھوں والے مجھ سے رم نہ کریں۔

۳؎ رفرف نے شب معراج میں کہا کہ اے ختم رسلؐ ساری خدائی جبروت کے باوجود بندگی کو ہاتھ سے نہ دینا۔

۴؎ احمد احد کے اندر بندھا ہے۔ یعنی یہ بندہ ہے وہ خداوند ہے۔

باخود در بے خودی رسیدن سہل است[1]
بے خود در خود رسی حضوری این است

سبحان اللہ ایک نہایت طویل و عریض مضمون کو آپ نے ایک مصرع میں نظم کر دیا سلطان ابوالخیر کی روح بھی تڑپ اٹھی ہو گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ رباعیاں بھی کہیں آپ کی لاپروائی کی نذر نہ ہو جائیں مہربانی کر کے ان کو لکھتے جایئے اور محفوظ رکھیے۔

کل ایک غزل کے چند اشعار آپ کی خدمت میں لکھے تھے ان میں ایک شعر یہ تھا۔

زمن نوائے بلندے مجو کہ در چمنم[2]
ہنوز زمزمہ پست است و خندہ زیر لبی است

گذشتہ رات چارپائی پر لیٹا تو طبیعت پھر اس شعر کی طرف عود کر آئی۔ اس ہیولیٰ سے یہ صورت پیدا ہوئی:

غزل بہ زمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں[3]
ہنوز نالۂ مرغاں نوائے زیر لبی است

"رہ عراق و خراساں زن اے مقام شناس" الخ یہ شعر غزل سے نکال دیا ہے۔ عراق، خراسان، مقام۔ ہندوستان میں کون سمجھے گا ؟

---

[1] ترجمہ:۔ یہ آسان ہے کہ خودی کے ساتھ بے خودی تک پہونچ جاؤ۔ مگر بے خودی کے ساتھ خود تک پہنچو تو یہ حضوری ہے !

[2] ترجمہ:مجھ سے نوائے بلند کی آرزو نہ کرو اس لیے کہ میرے چمن میں ابھی راگ دھیما ہے اور خندہ زیر لب ہے۔

[3] ترجمہ:۔ غزل کو راگ کے ساتھ پڑھو اور سُر کو دھیما کر لو کیونکہ ابھی مرغانِ چمن کا نالہ نوائے زیر لب ہے۔

ان اشعار میں جو آپ کو ناپسند ہو کاٹ دیجیے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والسلام!

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

نامکمل

لہ جس رباعی کا یہ شعر ہے، وہ رباعی یہ ہے:

از غصہ بہ خود مپیچ دوری این است
حسرت مفروش ناصبوری این است
با خود در بے خودی رسیدن سہل است
بے خود در خود رسی حضوری این است

(رباعیات گرامی، صفحہ ۱۸۵)

ترجمہ:۔ غصے سے پیچ و تاب نہ کھاؤ یہ دوری ہے۔ اپنی حسرتوں کا اظہار نہ کرو یہ صبوری ہے۔ یہ آسان ہے کہ خودی کے ساتھ بے خودی تک پہنچ جاؤ۔ مگر بے خودی کے ساتھ خود تک پہنچو تو یہ حضوری ہے۔

سہ یہ غزل پیام مشرق میں چھپ چکی ہے (صفحہ ۱۹۶۔۱۹۷) اس میں "زمن نوائے بلند ..." والا شعر نہیں رکھا گیا بلکہ "غزل بہ زمزمہ خواں ..." والا رکھا گیا ہے۔

سے عراق، خراسان اور مقام چوں کہ ایرانی موسیقی کی اصطلاحات ہونے کی وجہ سے عام فہم نہ تھیں، اس لیے یہ شعر اس غزل سے نکال دیا گیا:

رہ عراق و خراسان زن اے مقام شناس
دلم گرفتہ ز آہنگ بر لبط عربی است

ترجمہ:۔ اے نغمہ شناس عراق اور خراسان کے طرز پر ساز بجاؤ بر لبط عربی کے آہنگ سے تو میں دل گرفتہ ہوں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مگر پیام مشرق کی نظم "بہ مبلغ اسلام در فرنگستان" میں یہ دوسرے مصرع کی تبدیلی کے ساتھ یوں نظر آتا ہے۔

رہ عراق و خراسان زن اے مقام شناس
بہ بزم اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی

؎ مصرع ۲ کا مفہوم یہ کہ
نئے عجمیوں کی محفل میں غزل خوانی کرو

(پیام مشرق، صفحہ ۱۵۹)

(محمد عبداللہ قریشی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۵ جنوری ۲۲ء

مخدومی مولانا۔ السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا۔ آپ نے اس غزل کے اشعار پسند فرمائے، مجھے اس سے بے حد مسرت ہوئی۔ اس پر غزل ضرور لکھیے۔ مجھے تو آپ کے اس شعر[1] نے تڑپا دیا:

کتاب عقل ورق در ورق فرو خواندیم[2]
تمام حیلہ فروشی و مدعا طلبی است

مضمون میرے حسبِ حال تھا، تمام عمر کتابوں کی ورق گردانی میں گزری اور آخر یہ معلوم ہوا کہ کتاب حیلہ فروشی اور مدعا طلبی کے سوا کچھ نہیں۔ عقل اس سے بڑھتی ہے مگر دل روشن نہیں ہوتا۔ آپ کا شعر پڑھتے ہی میری آنکھوں سے اس زور کے ساتھ آنسو اُمڈے کہ ضبط نہ ہو سکا:

---

[1] گرامی کے جس شعر نے اقبال کو تڑپایا وہ اس غزل کا شعر ہے جو دیوان گرامی کے صفحہ ۱۲ پر موجود ہے۔ غزل کا مطلع ہے

نہاں بہ پردۂ فطرت ہزار بوالعجبی ست
تبسم او سبب امتیاز بے سببی ست

(پردۂ فطرت میں ہزار بوالعجبی پنہاں ہے، یہ تبسم بے سببی کا امتیاز کرنے کے سبب سے ہے)

[2] ترجمہ: ہم نے عقل کی کتاب کا ایک ایک ورق پڑھ کر دیکھ لیا، سوائے حیلہ فروشی اور مدعا طلبی کے کچھ نہیں ہے (یعنی بس کسی حیلے سے اپنا مطلب نکالو)۔

خود افزود مرا درس، حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں
نے عقل نہ عشق نے تصرف نہ اثر
پیچیدہ بہ خویش مردہ در تابوتیم

سبحان اللہ! سبحان اللہ! آپ کے ایک ایک مصرع میں سوسو بوتل کا نشہ ہے اسی واسطے تو گرامی پیر مغاں ہے۔

ذوالفقار علی خاں لاہور ہی میں ہیں اور کئی دفعہ مجھ سے دریافت کر چکے ہیں کہ گرامی صاحب کب آتے ہیں، آخر تنگ آ کر اُن سے کہہ دیا کہ مولانا گرامی مجھ سے ناراض ہیں، اس واسطے امسال تشریف نہیں لائے۔ اگر حقیقت میں آپ کا مقصد لاہور آنے کا ہو تو میں علی بخش کو آپ کے لانے کے واسطے جالندھر بھیج دوں۔ مرزا جلال نواب مصروف ہیں، نہیں آسکیں گے۔ آپ کے ایک اور مداح بھی لاہور میں تبدیل ہو کر آئے ہیں۔ وہ بھی کئی بار پوچھ چکے ہیں۔ غرض یہ کہ لاہور میں آپ کی بڑی مانگ ہے۔ باقی

ط (ترجمہ: حکیمانِ فرنگ کے درس نے میری عقل میں اضافہ کر دیا، اور صاحبانِ نظر کی صحبت نے سینہ روشن کر دیا۔
نہ عقل ہے نہ عشق ہے نہ کوئی تصرف ہے نہ اثر ہے۔ ہم مردے کی طرح اپنے آپ میں لپٹے ہوئے تابوت میں پڑے ہیں)

ک یہ شعر جس کی اقبال نے تعریف کی ہے گرامی کی اس رباعی سے لیا گیا ہے:

ما زمزمہ سنج گلشن لاہوتیم — افتادہ بدام فتنۂ ناسوتیم
نے عقل نہ عشق نے تصرف نہ اثر — پیچیدہ بہ خویش مردہ تابوتیم

(رباعیات گرامی صفحہ ۱۵۴)

ترجمہ: ہم گلشنِ لاہوت کے زمزمہ سنج ہیں۔ مگر ناسوت کے فتنے کے جال میں پڑ گئے ہیں۔ نہ عقل و عشق ہے نہ تصرف ہے نہ اثر ہے، مردے کی طرح تابوت میں لپٹے ہوئے پڑے ہیں۔

رہا ہیں، سو میرے لیے آپ کا یہاں قیام کرنا تقویتِ روح کا باعث ہے۔ خدا جانے زندگی کب تک ہے، کچھ عرصہ کے لیے آجائیے تاکہ میں بھی آپ کی صحبت سے مستفیض ہو جاؤں۔ یہ صحبتیں کسی زمانے میں تاریخ کے ورق بن جائیں گی۔

ہاں اس غزل کا آخری شعر بھی لکھ دوں:

سنج معنیِ من در عیارِ ہند و عجم[۱]
کہ اصلِ این گہر از گریہ ہائے نیم شبی است

عیار بھی بمعنی ترازو فارسی میں آیا ہے۔ "بندگی باہمہ جبروت خدائی مفروش"[۲] کے متعلق آپ نے کچھ نہ فرمایا، اس کی اصلاح کیجیے۔ میں اس مصرع سے ایک عجیب و غریب مضمون پیدا کروں گا۔ لفظ ہمہ کھٹکتا ہے۔ اگر آپ کے خیال میں "ہمہ" لفظ قابلِ اعتراض نہیں ہے تو پھر میں پہلا مصرع لکھوں گا۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔
والسلام!

مخلص محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

---

[۱] ترجمہ: میرے معنی کو ہندستان اور عجم (ایران) کی کسوٹی پر مت پرکھو، کہ اس موتی کی اصل تو گریہ ہائے نیم شبی ہیں ہے۔

[۲] یہ مصرع اسی طرح اقبال کی نظم "بندگی" کے آخر میں موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔ پہلا مصرع خود لگا کر شعر کو یوں پورا کیا:

گردِ راہیم ولے ذوقِ طلب جوہرِ ماست
بندگی باہمہ جبروت خدائی مفروش

(پیامِ مشرق، صفحہ ۱۵۷)

(ترجمہ) ہم گردِ راہ ہیں مگر ہمارا جوہر ذوقِ طلب ہے، ساری خدائی جبروت کے عوض بھی بندگی کو مت بیچو۔

مولانا گرامی کے نام

مخدومی مولانا السلام علیکم !

علی بخش کو ہشیار پور جانے کی ضرورت پیدا ہوگئی ہے۔ وہ آج جانے کو تھا مگر میں نے اسے اس خیال سے روک لیا ہے کہ شاید آپ اس کے ہمراہ آنے کا فیصلہ کرلیں۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں مہربانی کرکے بواپسی ڈاک مطلع فرمایئے کہ آپ کا کیا فیصلہ ہے تاکہ اگر آپ آئیں تو میں اسے جالندھر ٹھہرنے اور آپ کے لانے کے متعلق ضروری ہدایات دے کر یہاں سے چلنے کی اجازت دوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال

۶ر جنوری ۲۲ء

(مکاتیبِ اقبال بنامِ گرامی)

شیخ عطا اللہ کے نام

لاہور

۶ر جنوری ۲۲ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ شیخ صاحب السلام علیکم۔

والا نامہ ملا۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

اگرچہ نمائشی چیزوں سے دل گریز کرتا ہے اور میرے قلب کی کیفیت یہ ہے کہ

دلم بہ ہیچ تسلّی نمی شود حاذق[1]
بہار دیدم و گل دیدم و خزاں دیدم

---

[1] حاذق میرا دل کسی چیز سے تسلی نہیں پاتا۔ بہار بھی دیکھی، پھول بھی دیکھے، خزاں بھی دیکھی (حاذق گیلانی)

بوجہ تعلقات دیرینہ آپ کے خط نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا جس کے لیے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔ حضرت قبلہ گاہی کی خدمت میں آپ کی مبارک باد پہنچادوں گا۔ عزیز عتیق اللہ قریباً ہر روز ملتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا اور زاویہ نشینی کی وجہ سے قرآن کریم پر غور و خوض کرنے (کا) بہتر موقع آپ کو ملتا ہوگا۔

مخلص
محمد اقبال
(انوارِ اقبال)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم!

علی بخش آج صبح (۱۰ جنوری ۲۲ء منگل) ہوشیار پور روانہ ہوگیا۔ چوں کہ نواب صاحب[1] کا تقاضا ہے کہ آپ لاہور میں اُن کے دہلی جانے سے پہلے تشریف لائیں، اس واسطے میں نے اُسے تاکید کردی ہے کہ وہ ہوشیار پور صرف ایک روز ٹھہرے۔ لہٰذا علی بخش ۱۱ جنوری یعنی بدھ کی شام کو آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ ۱۲ جنوری یعنی جمعرات کے روز آپ وہاں سے سوار ہو جائیں۔ علی بخش کو میں نے ہدایات دے دی ہیں۔ امید کہ خدا تعالیٰ آپ کو سفر کی توفیق عطا فرمائے گا۔ والسلام!

محمد اقبال، لاہور

بریدن کارڈ ہذا آپ سفر کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ کارڈ اسی واسطے لکھا ہے کہ شاعر کی نازک طبیعت پر سفر کی فوری تیاری ناگوار نہ گزرے۔

محمد اقبال
(مکاتیبِ اقبال بنامِ گرامی)

---

[1] نواب صاحب سے مراد نواب سر ذوالفقار علی خاں ہیں۔

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے غزل آپ کی خوب رہی

"عنائت ازلی پردہ دارِ بے سببی ست"

نظیری کے مصرع سے بڑھ گیا۔ (عنائت ازلی پردہ راہبانہ بے سببی ست) لفظ "پردہ دار" نے مصرع کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور شعر میں درد پیدا کر دیا[۱]

علی بخش حاضر ہوتا ہے میں پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ آپ اتنے عرصے میں خضاب کر لیں ورنہ لاہور میں آکر کر لیجیئے گا کہ میں نے مہندی اور وسمہ آپ کے لیے منگوا رکھا۔

آج کچہری میں سیّد علی امام کے چھوٹے بھائی سید حسن امام ملے تھے اُن سے آپ کا ذکر آیا تھا وہ ایک مقدمے کے لیے آئے ہوئے ہیں اور کچھ روز ٹھہریں گے آپ تشریف لے آئیں تو ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ ان کے ملنے سے ممکن ہے کہ آپ کے لیے کچھ اچھا نتیجہ نکلے اگرچہ آپ کو ان باتوں کی کوئی پروا نہیں۔ باقی خیریت ہے تمام دوست آپ کے لیے چشم براہ ہیں۔

نواب صاحب اور مرزا صاحب سلام علیکم عرض کرتے ہیں شیخ اصغر علی صاحب

یہ خط غالباً ۱۰ رجنوری ۱۹۲۲ء کے بعد کا ہے۔

[۱] اقبال نے جس شعر کی داد دی ہے، وہ یوں ہے:

دلیل عفو گناہم سبب نمی خواہد　　عنایت ازلی پردہ دارِ بے سببی ست

(دیوان گرامی، صفحہ ۲۱)

ترجمہ

میرے گناہ کی معافی کی دلیل کوئی سبب نہیں چاہتی، عنایت ازلی اس بے سببی کی پردہ دار ہے۔

کمشنر ہو کر ملتان چلے گئے ہیں۔ باقی خیریت ہے اور تشریف آوری کا تاکید اکید
والسلام

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنامِ گرامی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۱۴ر جنوری، ۱۹۲۲ء[1]

مخدومی! السلام علیکم
آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رویا کا بھی یہی مفہوم ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیئے تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے۔ اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبیؐ کریم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔
اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مولانا گرامی لاہور میں تشریف رکھتے ہیں۔

---

[1] مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں میں اس خط کی تاریخ ۱۴ر جنوری ۱۹۲۲ء دی گئی ہے۔ جب کہ اقبال نامہ/حصہ دوم میں ۱۴ر جنوری ۱۹۲۳ء درج ہے۔ خط "آفاق" سے منقول کیا گیا ہے۔ اول الذکر "اقبال نامہ" حصہ دوم کے بعد مرتب کیے گئے۔ صابر کلوروی صاحب نے بھی "اشاریہ مکاتیب اقبال" میں اسے ۱۹۲۲ء میں شامل کیا ہے۔ (مولف)

کبوتر موجود ہیں، مگر مشکلوں سے بچے پالتے ہیں۔ بڑی دیر کے بعد ایک جوڑے نے بچوں کی پرورش کی ہے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور ۱۷ جنوری ۲۲ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط مل گیا ہے۔ بہتر ہے تم کوشش کرو اور عرضی کی ضرورت ہے تو عرضی دے دو میں بھی جہاں تک ممکن ہو گا کوشش کروں گا۔ انگریز ان دنوں میں صرف انہیں لوگوں کو ملازمت دیتے ہیں جنہوں نے زمانہ جنگ میں کوئی خدمات کی ہوں۔ بہرحال کوشش کرنا ضروری ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ نواب صاحب چودھری محمد حسین کے لیے کوشش کر رہے تھے مگر ان کو ناکامی ہوئی تم تحقیق کر لو جو آگاہی تمہیں ملی ہے درست ہے۔ میں ڈارلنگ صاحب سے خود بھی کہوں گا اور نواب صاحب سے بھی کہلواؤں گا۔ وہ پرسوں دہلی گئے ہیں آٹھ دس روز کے بعد آئیں گے پھر ان سے مشورہ کرنے کے بعد تم کو لکھوں گا۔ تم مجھے پھر یاد دلانا۔ باقی رہا پیشہ وکالت سو موجودہ صورت میں تو جو تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔ علاوہ اس کے اس پیشے میں ابتدا میں بہت سی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے مگر آئندہ زمانے میں اس پیشے کے بہت سے امکانات ہیں بشرطیکہ مزید اصلاحات گورنمنٹ نے منظور کر لیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے

والسلام

محمدؐ اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط مل گیا ہے۔ تم بے شک کوشش کرو مسٹر مارٹن اور ولنز صاحب سے بھی سندات حاصل کر لو اور جب وقت آئے تو ایک تحریری عرضی دینا جس میں تمہارے ابّا جان کی خدمات کا بھی ذکر ہو۔ وہ عرضی تم میرے پاس بھیج دینا میں اپنے سفارشی خط کے ساتھ ڈارلنگ صاحب کے پاس بھیجوں گا۔ وہ میرے انگلستان کے زمانہ کے واقف کار ہیں اور میری بہت عزت کرتے ہیں مگر ملازمت وغیرہ کے معاملے میں انگریزوں کی واقفیت وغیرہ پر اعتماد کرنا ٹھیک نہیں۔ سعی پورے طور پر کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو آج کل کسی قدر شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب اس شک میں ہمارے ہم وطن بھی انگریزوں کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ اس وقت تو بالعموم انہیں مسلمانوں کو ملازمت کے لیے پسند کیا جاتا ہے، (خاص کر اعلیٰ ملازمتوں کے لیے) جن کی اسلامیت حکومت کے خیال میں کمزور ہو اور اس کمزوری کا نام وسعت خیال یا لبرلزم رکھا جاتا ہے۔

باقی رہی وکالت سو یہ اللہ پر توکّل رکھنے والوں کا پیشہ ہے اگر کسی مہینے میں آمدنی نہ ہو تو ابتدا میں سخت گھبراہٹ ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ اس کی عادت ہو جاتی ہے بڑے بڑے پُرانے اور مشہور کام کرنے والوں کو بھی گاہے گاہے یہ تجربہ ہو جایا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ رازق ہے ایک دو ماہ کام نہ آئے تو تیسرے مہینے کسر نکال دیا کرتا ہے۔ تم محنت کرتے جاؤ خواہ کام آئے نہ آئے کتابیں قانون کی پڑھتے رہو۔ خاص کر پنجاب ریکارڈ جب کام آنا شروع ہوگا تو پڑھنے کی فرصت نہ ہوگی۔ مگر گھبراؤ نہیں کام ضرور آئے گا۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کرنا۔ مولوی گرامی صاحب ان کو سلام کہتے ہیں۔

محمد اقبال لاہور ۱۹ جنوری ۲۲ء

(مظلوم اقبال)

محمد ادریس کے نام[1]

ا

مسلمانان مرا حرفے ست در دل
کہ روشن تر ز جان جبرئیل است
نہانش دارم از آزر نہاداں
کہ ایں سرّے ز اسرار خلیل است[2]

محمد اقبال لاہور

(انوار اقبال)

---

[1] الف یہ خط جناب محمد ادریس صاحب منیجر رسالہ "عبرت" (نجیب آباد) کے نام تھا۔ رباعی "عبرت" میں "قند پارسی" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی "عبرت" کے ایڈیٹر تھے۔ "پیام مشرق" (ص۔ ۲۲) میں اس طرح موجود ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

(ب) روح مکاتیب اقبال (ص۔ ۲۴۰) میں اس خط پر ۲۰ر جنوری ۱۹۲۰ء تاریخ درج ہے۔ جب کہ بشیر احمد ڈار نے انوار اقبال میں (ص۔ ۱۶۳) بغیر کسی تاریخ کے درج کیا ہے۔ البتہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ پوسٹ کارڈ پر ۱۲ر جنوری ۱۹۲۲ء درج ہے۔ اس کے پیش نظر اس خط کی تاریخ ۱۲ر جنوری ۱۹۲۲ء متعین کی ہے۔

(مولف)

[2] ترجمہ: اے مسلمانو! میرے دل میں ایک ایسا حرف (بات) ہے جو روح جبریل سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اسے آزر صفت لوگوں سے چھپائے رکھتا ہوں کیوں کہ یہ اسرار ابراہیمی میں سے ایک سِر (راز) ہے۔

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

۲۴ر جنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں۔ مولانا گرامی چند روز رہ کر واپس تشریف لے گئے۔ انھوں نے یا اُن کے احباب نے پرانا ہی نسخہ استعمال کیا اور میں نے یہ پیش گوئی بھی کردی تھی کہ یہ نسخہ استعمال کیا جائے گا۔ بہر حال چند روز اُن کی صحبت میں اچھے گزر گئے۔ "زندگی" سے مراد زندگی بجسد عنصری نہیں۔ حضرت صدیق نے قرآن کی آیت پڑھی تھی۔ قد خلت من قبلہ الرسل اور یہ حق ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مولوی گرامی صاحب سے مل کر میرا سلام عرض کیجیے۔ اُن کا یہ شعر نہیں بھولتا:

کتابِ عقل ورق در ورق فرو خواندم
تمام حیلہ فروشی و مدعا طلبی است[1]

محمد اقبال، لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۵ر جنوری ۲۲ء

مخدومی مولانا گرامی۔ السلام علیکم!

میں آپ کو خط لکھنے کو ہی تھا کہ آپ کا والا نامہ مل گیا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

---

[1] عقل کی کتاب کا ایک ایک ورق میں نے پڑھ ڈالا ہے۔
اس میں شروع سے آخر تک بہانہ بازی اور مطلب براری ہے۔

ہر دیدہ و خواندہ شد فراموش   الّا تو ندیدہ در ضمیری[۱]

سبحان اللہ! ثم سبحان اللہ! یہ غزل[۲] تو مخزن میں شائع ہونی چاہیے یا کسی اور رسالے میں۔ اخبار اس کے قابل نہیں۔ "یک شعر دل آویزے" کی سند کا منتظر ہوں[۳] ضرور تلاش کیجیے ورنہ ایسا اچھا شعر ہاتھ سے جاتے گا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے دو شعر آپ کو سنائے تھے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کچھ اور شعر اس غزل[۴] پر ہو گئے تھے، وہ بھی عرض کرتا ہوں۔

گماں مبر کہ سر شتند در ازل گل ما
کہ ما ہنوز خیالیم در ضمیر وجود

بہار برگ پراگندہ را بہم بربست
نگاہِ ماست کہ بر لالہ رنگ و آب افزود

---

[۱] ترجمہ: جو کچھ دیکھا تھا اور پڑھا تھا سب فراموش ہو گیا مگر تو جسے دیکھا بھی نہیں ہے اب بھی ضمیر میں چھپا ہوا ہے۔

[۲] یہ غزل جس کا ایک شعر دیا گیا ہے دیوان گرامی (ص ۹۱-۹۲) میں چھپ چکی ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

در فقر نہفتہ اند میری   از گرسنگی چکیدہ سیری

ترجمہ: میری (سرداری) کو فقر میں چھپا دیا گیا ہے یہاں سیری گرسنگی سے ٹپکتی ہے۔

[۳] اقبال کے ۹ فروری ۲۲ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ گرامی نے "یک شعر دل آویزے" کی کوئی سند تلاش کر کے بھیجی تھی مگر اقبال کا اس سے اطمینان نہ ہوا۔

[۴] اقبال کی یہ غزل پیام مشرق میں موجود ہے مگر اس کے اشعار کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

(پیام مشرق، ص ۱۶۷-۱۶۸)

ترجمہ: یہ مت سمجھو کہ ازل کے دن ہماری مٹی گوندھی گئی ہم تو ابھی تک ضمیر وجود میں ایک خیال کی طرح ہیں۔ بہار نے تو بکھرے ہوئے پتوں کو ایک جگہ باندھ دیا ہے دراصل یہ ہماری نگاہ ہے جس نے لالہ میں آب و رنگ کا اضافہ کیا ہے۔

بہ علم غرہ مشو کارِ می کشی دگر است[1]
فقیہ شہر گریباں و آستیں آلود

نظر بہ خویش فروبستہ ای نشاں ایں است
دگر سخن نسراید ز غایب و موجود

بہ دیریان سخن نرم گو کہ عشق غیور
بنائے بتکدہ افگند در دل محمود

بہار تا بہ گلستاں کشید بزم سرود
نوائے بلبل شوریدہ چشم غنچہ کشود

یہ چند شعر آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہو گئے تھے۔ شاید کچھ اور بھی ہو جائیں۔ آپ یہاں تھے تو تحریک تھی۔ آپ کے چلے جانے سے وہ تحریک غزل خوانی بھی افسردہ ہو کر مر گئی۔ اقبال آپ کا پیر نہیں گرامی پیر اقبال ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ آج صبح مرزا سلطان احمد کہیں سے سن کر کہ آپ ابھی لاہور ہی میں ہیں، آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔ اپنی بزم احباب سے میرا سلام عرض کیجئے۔

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] (ترجمہ) علم پر گھمنڈ نہ کرو، میکشی دوسرا ہی کام ہے، فقیہ شہر نے گریباں و آستین کو آلودہ کر لیا ہے۔ جس نے اپنی ذات پر نگاہیں جمالیں وہی نشان ہے، پھر وہ غائب و موجود کی بات نہیں کرتا۔ دیر والوں سے میٹھی باتیں کرو کہ عشق ایسا غیور ہے، محمود کے دل میں تبکدے کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔ بہار نے محفل سرود گلستاں تک پہنچا دی ہے، اور بلبل شوریدہ کے نالوں نے کلیوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔

(عبداللہ قریشی)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور ۲۸ ؍ جنوری ۲۲ء

برخوردار اعجاز طال عمرہ

تمہارا خط مل گیا ہے۔ الحمد اللہ کہ گھر میں سب طرح سے خیریت ہے۔ گزشتہ رات تمہاری پھوپھی کا انتظار رہا اب تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ ان کا ارادہ بدل گیا۔ میر افضل علی کا خط میں نے دیکھ لیا ہے جو اس خط میں بند کر کے واپس کرتا ہوں تمہیں شاید اس کی ضرورت پڑے۔

ڈارلنگ[1] صاحب کی بیوی کا خط کل مجھے آیا تھا انھوں نے ۵ ؍ فروری (اتوار) کو مجھے لنچ پر بلایا ہے۔ معلوم نہیں ڈارلنگ صاحب خود بھی اس روز لاہور میں ہوں گے یا باہر بہرحال اگر اس روز اور لوگ وہاں نہ ہوئے تو میں ڈارلنگ صاحب سے زبانی کہوں گا ورنہ بعد میں تمہارے لیے ان کو خط لکھوں گا۔ نواب صاحب سے اس موقع پر کہلوانا مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ وہ پہلے چودھری محمد حسین کے لیے کہہ چکے ہیں لیکن میں خود تمہارے لیے جہاں تک ممکن ہوگا کوشش کروں گا۔ ولسن صاحب کو خط لکھ کر سارٹیفکیٹ لے لو یا ایک روز آکر ان سے مل لو۔ میں اپنا خط تمہاری عرضی کے ہمراہ بھیجوں گا جس میں سب حالات لکھ دوں گا اور یہ بھی دریافت کرلوں گا کہ اگر وہ تم کو دیکھنا چاہیں تو اطلاع دیں۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ اپنے ابا جان سے میرا سلام کہنا۔ والسلام

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

---

[1] DARLING

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام

لاہور ۳۰ر جنوری ۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں اس سے پہلے بھی آپ کا ایک نہایت دلچسپ خط ملا تھا۔ مگر میری صحت کچھ عرصے سے خراب ہے۔ جواب لکھنے سے قاصر رہا۔ عصر آزادی میں آپ کی دونوں نظمیں دلاویز ہیں۔ ان شاءاللہ آپ کی زبان شستہ ہو جائیگی اور ایران کا قیام آپ کی شاعری کے لیے نہایت مفید ہوگا۔ ملا صدرالدین شیرازی کی تفسیر قرآن کے لیے ممنون ہوں۔ یہ چیز عجیب و غریب ہوگی۔ امید کہ چند روز تک یہاں پہنچ جائیگی۔ میں حال میں ان کی کتاب "ملا صدرا" کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اگر وقت نے مساعدت کی تو ان کے خیالات پر کچھ لکھونگا بھی۔

عرصہ سے میرا ارادہ ایک انٹرنس کورس فارسی ترتیب دینے کا ہے۔ جدید فارسی نظم و نثر کے کچھ عمدہ اور آسان نمونے مل جائیں تو یہاں کے طلبا کے لیے نہایت مفید ہوگا۔ اگر آپ کو چند ایسی کتب نظم و نثر مل جائیں تو میرے لیے خرید کر لیجئے۔ نظمیں مشہور اساتذہ حال کی ہوں اور سلیس اور آسان طرز جدید میں لکھی گئی ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔ پولٹیکل نظموں کی ضرورت نہیں۔ ایک کتاب "سفینۂ طالبی" سنا ہے بہت اچھی ہے مگر ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوئی یہ کتاب یا کوئی اور کتاب اسی قسم کی مل جائے تو خوب ہے۔ غرض کہ آپ یہاں کے انٹرنس کے طلبا کی ضروریات کو خوبی سمجھتے ہیں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ فارسی کے ذریعے سے کچھ جدید خیالات اور احساسات طلبا ہند تک پہنچیں۔ انگریزی کورسوں میں مضامین کا تنوع نہایت دلچسپ ہوتا ہے۔ انتخاب میں وہ بھی زیر نظر رہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ عدم تعاون

روز افزوں ہے اور گورنمنٹ تشدد پر آمادہ ہے زمانہ حال کی طبیعت میں ہیجان و اضطراب ہے۔ معلوم نہیں باطنِ فطرت میں کیا کیا اسرار ہیں جو ظہور پذیر ہونگے۔

فلسفہ کی کتابوں کے نام دوسرے صفحے پر لکھتا ہوں لاجک [1] کی فی الحال آپ کو ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔ [2]

مخلص

محمد اقبال لاہور

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

(اقبال نامہ)

لاہور ۳ ر فروری ۲۲ ء

سرکار والا تبار تسلیم

نوازش نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں

یہاں بھی شہزادۂ عالی مقام کی آمد آمد ہے فروری کے آخر میں لاہور میں جلوہ افروز ہوں گے ان کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں چند روز ہوئے مولانا گرامی لاہور آئے ہوئے تھے ان سے چند روز صحبت رہی اور شعر و اشعار کا خوب چرچا رہا آپ کا تذکرہ بھی متعدد دفعہ رہا۔ سرکار کی ایک فارسی غزل میرے پاس تھی اس کے اشعار سے لطف اندوزی ہوتی رہی۔

مولانا شاہ تاج الدین کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا البتہ پیغام مراقبے کے ذریعے سے بھیجا ہے مگر اقبال کے طلیفون کی مشین ناقص ہے دیکھیں پیغام وہاں پہنچتا بھی ہے یا نہیں۔ مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ حضور نظام آپ کے ہاں تشریف لائے۔

---

[1] LOGIC علم منطق

[2] اس کے بعد انگریزی میں فلسفہ کی تین کتابوں کے نام دیے ہیں (عطاء اللہ)

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری[1]

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ سرکار والا کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ شاید کچھ عرصے کے لیے مجھے ہندوستان سے باہر جانا پڑے۔ مفصل پھر عرض کروں گا۔

دعا گوئے دولت محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (نوادرِ اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۶ فروری ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی!

والا نامہ پہنچا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کے خط کا بڑا انتظار تھا۔ غزل تنقید کے لیے ہی تو آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی، اس پر خوب تنقید کیجیے اور مفصل تحریر فرمائیے۔ پھر میں اس پر ان شاء اللہ نظر ثانی کروں گا۔

نواب صاحب[2] دہلی سے چند روز کے لیے لاہور آگئے تھے مگر ۸ فروری کو پھر واپس چلے گئے ہیں، پھر کچھ دنوں کے بعد آئیں گے۔ آج سردار امراؤ[3] سنگھ صاحب بھی شملہ سے مع اہل و عیال آگئے اور دو ماہ لاہور میں قیام کریں گے، وہ بھی آپ سے ملنے کے بڑے مشتاق ہیں۔ باقی رہا آپ کے دوست شاہ صاحب[4] کا کام (غالباً آپ کے خط میں انھیں کے کام کی طرف اشارہ ہے) سو اس کی نسبت عرض یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے کام لینے کے دو طریق ہیں: اول یہ کہ جب نواب صاحب اور شاہ صاحب کے

---

[1] ترجمہ: (گوہر کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا پھر جوہری جانتا ہے)

[2] نواب سر ذوالفقار علی خاں۔ [3] سردار امراؤ سنگھ، جاگیردار پنجاب۔ اقبال کے عزیز دوست

[4] سید صفدر علی شاہ صاحب گرامی کے دوست۔

(کلیات مکاتیب اقبال جلد اول میں حواشی ملاحظہ ہوں۔)

افسر لاہور میں ہوں تو آپ خود مع شاہ صاحب یہاں تشریف لے آویں اور اپنی موجودگی میں نواب صاحب کو افسر مذکور کے پاس بھیجیں۔ اس کام میں، میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا۔

دوم یہ کہ آپ نواب صاحب کو بذریعہ خطوط یاد دہانی کراتے رہیں مگر جہاں تک مجھ کو تجربہ ہے مقدم الذکر طریقہ ہی درست ہے اور اگر کامیابی ہو سکتی ہے تو اسی طریق سے۔ علیٰ ہذالقیاس ملک عمر حیات خاں صاحبؓ سے بھی اگر کام لینا ہو تو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ آپ کی موجودگی کا اثر اور ہے اور آپ کے خطوط کا اثر اور۔ بلکہ آپ کی موجودگی شاید آپ کے شعر سے بھی زیادہ موثر ہو۔ دنیا کے معاملات میں شاعر کا وجود اس کے کلام سے زیادہ ضروری ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ آپ خیریت مزاج سے مطلع فرمائیے۔ آپ کو کیا تکلیف ہو گئی تھی؟ الحمد للہ کہ اب آپ کا مزاج بخیر ہے۔ شاید مجھے کچھ عرصے کے لیے ہندوستان سے باہر سفر کرنا پڑے۔ مفصل پھر عرض کروں گا۔ غزل پر مفصل تنقید ارسال فرمائیے اور نیز آپ نے "یک شعر دل آویزے" کی سند بھی نکالی یا نہیں؟ سند کا شعر مل گیا ہو تو ضرور لکھیے اور جلد۔ مرزا جلال الدین صاحب سلام شوق کہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ مولانا گرامی پھر کب تشریف لائیں گے؟

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

لہ ملک عمر حیات خاں ٹوانہ پنجاب کے مشہور رئیس تھے۔ انگریزی فوج میں اعزازی جرنیل کا عہدہ ملا۔ کالرا سٹیٹ ان کی جاگیر تھی۔ ملک خضر حیات خاں ٹوانہ انہی کے فرزند تھے۔ (جو اس صدی کی چوتھی دہائی میں غیر منقسم پنجاب کے وزیر اعظم رہے)

(محمد عبداللہ قریشی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۹ فروری ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم!

والانامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مہربانی کر کے غزل کے تمام اشعار پر اعتراض لکھیے تاکہ میں پورے طور پر مستفید ہو سکوں۔ آپ نے صرف ایک شعر کی تعریف کر دی اور باقی اشعار چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں ان پر اعتراض کیجیے۔ آپ کے کسی شعر میں اگر کوئی بات مجھے کھٹکے تو میں بلاتکلف عرض کر دیا کرتا ہوں۔ آپ کیوں ایسا نہیں کرتے؟ مجھے تو تعریف سے اس قدر خوشی نہیں ہوتی جس قدر اعتراض سے کیوں کہ اعتراض کی تنقید سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

گرامی کا جسم جہان سے رخصت ہو سکتا ہے مگر گرامی اس جہان میں رہے گا۔ وہ ایک زندہ ہستی ہے، اسے فنا نہیں ہے۔ ترکوں کے ساتھ اتحادیوں کا جو عہد نامہ[1] ہوا تھا اس کی رو سے مقامات مقدسہ فلسطین و شام کے لیے ایک کمیشن مقرر ہونے والی ہے جس کے ممبر مسلمان، عیسائی و یہود ہوں گے۔ گورنمنٹ نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا میں اس کمیشن کا ممبر بننا قبول کر سکتا ہوں۔ اس کمیشن کے اجلاس مقام یروشلم میں ہوں گے اور دو تین سال میں متعدد بار یہاں سے یروشلم جانا پڑے گا۔ بعد کامل غور آج میں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ گورنمنٹ کی خدمت میں بھی آج جواب لکھ دیا جائے گا۔ انکار کے وجوہ مفصل پھر عرض کروں گا۔ جب ملاقات ہوگی۔ خط میں لکھنا مناسب نہیں ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت

---

[1] اقبال کے ایک اور خط سے جو ۲۲ فروری ۱۹۲۲ء کو انھوں نے مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام لکھا، اس عہد نامہ اور کمیشن کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ (محمد عبداللہ قریشی)

ہے۔ سردار امراؤ سنگھ تشریف لے آئے ہیں۔ کل دیر تک آپ کا تذکرہ رہا اور شعر بازی ہوتی رہی۔ آپ کب تک لاہور آنے کا قصد کر رہے ہیں۔ سند[1] جو آپ نے لکھی ہے ٹھیک معلوم ہوتی ہے مگر حق بات یہ ہے کہ ابھی میرا اطمینان نہیں ہوا۔ ایک شعر اور تلاش کر لیجئے۔ نظیری کے مطلع سے، آپ کا مطلع کوسوں آگے ہے اور باقی اشعار بھی لاجواب ہیں۔ غزل تمام کر کے ارسال فرمائیے۔ اسی واسطے تو میں کہا کرتا ہوں کہ گرامی جہانگیری بہار کا آخری پھول ہے جو ذرا دیر کے بعد شاخ سے پھوٹا۔ افسوس کہ آج خانخاناں نہ ہوئے کہ ان کو معلوم ہوتا کہ خاک پنجاب شیراز و نیشاپور سے کسی طرح کم نہیں۔ بھلا یہ مطلع کیسا ہے[2]:

نگار من کہ جمالش چناں دلاویز است
ستیزہ خوی و جفا جوی و فتنہ انگیز است

خط جلدی میں لکھا گیا معاف فرمایئے۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

غزل کی تنقید کے لیے تاکید مزید ہے

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] یہ سند "یک شعر دلاویزے" کے بارے میں تھی جس سے اقبال کی تسلی نہ ہوئی۔

[2] نظرِ ثانی کے بعد اقبال نے اس شعر کو یوں کر دیا:

نگار من کہ بسی سادہ و کم آمیز است
ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است

(پیامِ مشرق، ص ۲۳۷)

(ترجمہ: میرا محبوب جو بہت سادہ اور کم آمیز ہے، جھگڑالو، ستم کوش اور فتنہ انگیز ہے)

(محمد عبداللہ قریشی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۰ر فروری ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم!

خان نیاز الدین خاں صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں اور اس کے لیے ۲۱ر فروری مقرر فرمائی ہے۔ اگر واقع میں آپ کا قصد لاہور کا ہو تو علی بخش کو جالندھر بھیج دوں کہ آپ کو لے آئے۔ اس کے جانے سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ ابھی تشریف لے آئیں اور سردی کے باقی ایام یہیں بسر کیجیے۔ نواب صاحب آج دہلی جائیں گے اور دو چار روز کے بعد پھر تشریف واپس لائیں گے۔ سردار امراؤ سنگھ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں اور علاوہ ان کے شہزادی دلیپ سنگھ صاحبہ بھی (مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پوتی ہیں) پرسوں انہیں کے پاس تھا اور وہ ہیں چائے پی۔ میں نے فی الحال اس خط مطلوبہ[۵] کے جواب میں

۵: اقبال کو فلسطین کمیشن میں کام کرنے کی جو پیش کش حکومت برطانیہ نے کی تھی، یہاں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اقبال بعض مصالح اور دقتوں کی بنا پر اس کمیشن میں شریک ہونے سے ہچکچاتے تھے مگر پھر یہ کمیشن مقرر ہی نہ ہو سکا۔ البتہ اقبال وقتاً فوقتاً اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے:

جلتا ہے مگر شام و فلسطین پہ مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ مشکل ("دام تہذیب" ضرب کلیم ص ۱۵۵)

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا
مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں تاریخ کا یا شہد و رطب کا

("شام و فلسطین" ضرب کلیم ص ۱۵۹)

(محمد عبداللہ قریشی)

انکار کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے مگر غالباً ادھر سے پھر اصرار ہو گا۔ ایسی صورت میں جتنے دن آپ کے ساتھ گزر جائیں، غنیمت ہے، امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

محمد اقبال، لاہور

اس خط کے جواب اور اس سے پہلے جو خط لکھ چکا ہوں، اس کا جواب جلد مرحمت فرمائیے۔

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۷ فروری ۲۲ء

مخدومی جناب مولانا گرامی!

السلام علیکم! والا نامہ ابھی ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ بنائے بت کدہ افگند[1] کے متعلق میں آپ کی خدمت میں لکھنے ہی کو تھا کہ آپ کا والا نامہ مل گیا۔ مولانا جامی کا شعر آپ نے خوب نکالا۔ "یک تلخے" کے قیاس پر

---

[1] "بنائے بتکدہ افگند" کا استعمال اقبال کے اس شعر میں ملتا ہے:

بہ دیریاں سخن نرم گو کہ عشق غیور
بنائے بتکدہ افگند در دل محمود!

(ترجمہ ہو چکا ہے)

(پیام مشرق، ص ۱۶۸)

گرامی کی رائے اس شعر کے متعلق یہ تھی "سبحان اللہ! سخن گفتی الحق چہ در سفتی۔"

صد نالۂ شبگیرے[1] بھی ہو سکتا ہے مگر پرائی زبان میں قیاس نہیں چل سکتا۔ اس کے لیے بھی سند نکالنی ہو گی۔ گو مجھے یقین ہے کہ یہ بھی صحیح ہو گا اور آپ کا ارشاد نقش کالحجر ہو گا۔ خان نیاز الدین صاحب کا خط آیا تھا، وہ لکھتے ہیں کہ فلسطین کے سفر کے لیے ضرور جانا چاہیے مگر ان کو سب حالات معلوم نہیں۔ آپ سے ملاقات ہو گی تو مفصل عرض کروں گا۔ میں نے فی الحال گورنمنٹ کے خط کا جواب دے دیا ہے۔ ممکن ہے کہ پھر اصرار ہو۔ اگر ایسا ہوا تو مفصل خط لکھوں گا اور اگر سفر کا قصد مصمّم ہو گیا اور وہ تمام دقتیں رفع ہو گئیں، جو اس وقت حائل ہیں تو آپ سے ملنے کے لیے جالندھر بھی آؤں گا۔ فی الحال آپ اس معاملے کو پرائیویٹ تصور فرمائیے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ غزل لکھنے کا لطف یکجائی میں ہے۔ آپ جالندھر میں، میں لاہور میں، غزل کا لطف خاک آئے۔ اس مطلع[2] میں "چناں" کا لفظ مجھے بھی کھٹکتا تھا مگر "بہار رنجش" بھی لطیف نہیں۔

---

[1] جب ہم کلام اقبال کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک غزل میں یہ دلآویز شعر نظر آتا ہے:

صد نالۂ شبگیرے، صد صبح بلاخیزے
صد آہ شرر ریزے، یک شعر دلآویزے

ترجمہ: سو نالہ ہائے شب گیر، سو بلاخیز صبحیں سو شرربار آہیں۔ اور ایک دلآویز شعر۔ (پیام مشرق ص ۱۹۱)

[2] یہ مطلع ابتدا میں اس طرح تھا:

نگار من کہ جمالش چناں دلآویز است
ستیزہ خوی و جفا جوی و فتنہ انگیز است (ترجمہ ہو چکا ہے)

گرامی کے اعتراض کرنے پر اقبال نے اسے بدل کر یوں کر دیا:

نگار من کہ بسی سادہ و کم آمیز است
ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است (ترجمہ ہو چکا ہے)

(پیام مشرق ص ۲۳۷-۲۳۸)

اصل بات یہ ہے کہ مطلع ہی اور لکھنے کی ضرورت ہے۔ میں فکر کروں گا۔ فی الحال ایک دو شعر اور ذہن میں ہیں[1] ملاحظہ فرمایئے:

برون او ہمہ بزم و درون او ہمہ رزم
زبان او ز مسیح و دلش ز چنگیز است
ز خاک تا بہ فلک ہر چہ ہست رہ پیماست
قدم کشائے کہ رفتار کاروان تیز است

"قدم کشائے" پر اعتراض ہو تو "دمے مائیست" یا "سبک خرام" ہو سکتا ہے، مجھے تو قدم کشائے ہی خوب معلوم ہوتا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ نواب صاحب ۲۱ کو واپس آئیں گے۔ شہزادہ صاحب بہادر شاید ۲۵ تاریخ کو رونق افروز ہونے والے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۲ فروری ۲۲ء

سرکار والا تبار، تسلیم
والا نامہ مل گیا ہے جسے پڑھ کر بے اندازہ مسرت ہوئی۔ اگرچہ میرا طلبیدن

---

[1] یہ اشعار بھی اسی نظم کے ہیں جس کا مطلع اوپر درج ہو چکا ہے۔ "پیام مشرق" میں یہ نظم "صحبت رفتگاں" کے عنوان سے نظر آتی ہے۔ "قدم کشائی" بھی اسی طرح موجود ہے کیوں کہ اقبال کو یہی خوب معلوم ہوا۔

ترجمہ: اس کا ظاہر تمام بزم اور باطن تمام رزم ہے اس کی زبان مسیحا کی ہے دل چنگیز کا ہے۔ زمین سے آسمان تک ہر چیز راہی ہے قدم بڑھاؤ کہ کارواں کی رفتار تیز ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

خراب ہے اور اُدھر شان بے نیازی ہے تاہم جواب کی توقع ہے مجھے یقین ہے کہ جواب پہنچے گا اور کیا عجب کہ آپ تک پہلے پہنچے۔

ہندوستان سے باہر سفر کرنے کے متعلق عرض ہے کہ عہد نامہ سیورے[1] کی رو سے ایک کمیشن مقرر ہو گی جو مقاماتِ مقدسہ کے متعلق تنازعات کا فیصلہ کرے گی اس کمیشن کے دو ممبر مسلمان ہوں گے۔ گورنمنٹ نے مجھے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مجھ سے میرا عندیہ دریافت کیا تھا مگر مالی مشکلات سے مجبور ہو کر مجھے یہ آفر نامنظور کرنی پڑی۔ یہ رائل کمیشن ہو گی اور رائل کمیشن کے ممبروں کو قاعدے کی رو سے سوائے اخراجات سفر کے اور کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ چونکہ میں دولت مند آدمی نہیں اور یہ کام قریباً دو سال جاری رہے گا اور اجلاس کے لیے ہر سال فلسطین

---

[1] اس عہد نامے اور کمیشن کے بارے میں علامہ کا خط بنام مولانا گرامی محررہ ۹ فروری ۱۹۲۲ء ملاحظہ ہو۔ اس کمیشن کے ارکان کی نامزدگی، ہیئت ترکیبی اور وظائف پر روشنی ڈالتے ہوئے ٹائن بی "سروے آف انٹرنیشنل افیئرز" (۱۹۲۵ء) جلد اوّل، مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لنڈن، ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۳۶۵ پر لکھتا ہے:

"دفعاتِ انتداب کے مطابق (دفعہ ۱۳ و دفعہ ۱۴) فلسطین کے مقاماتِ مقدسہ کے سلسلے میں (جن میں سے بعض مسلمانوں، مسیحیوں اور یہودیوں کے نزدیک یکساں مقدس ہیں) پوری ذمہ داری انتدابی مملکت نے سنبھال لی ہے اور وہ اس معاملے میں صرف جمعیت اقوام کے روبرو جواب دہ ہو گی۔ ایک کمیشن اس غرض سے مقرر کیا جائے کہ وہ مقاماتِ مقدسہ کے متعلق فلسطین کی تمام مذہبی ملتوں کے حقوق و دعاوی کا مطالعہ کرے، ان کی حد بندی اور تعین کر دے۔ یہ کمیشن انتدابی مملکت مقرر کر دے گی۔ کمیشن کے ارکان کی نامزدگی کا طریقہ، کمیشن کی ہیئت ترکیبی اور اس کے وظائف جمعیتِ اقوام کی کونسل سے منظور کرائے جائیں گے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

جانا پڑے گا، اس واسطے مجبوراً بادلِ ناخواستہ مجھے انکار کرنا پڑا۔ سید حسن امام بھی ایک ایسی ہی کیشن پر گئے تھے مگر وہ وسائلِ مالی کے اعتبار سے اس کام کو نبھا سکتے تھے۔ میرے حالات مختلف ہیں۔ مجھ سے ایک بہت بڑی مالی قربانی کے بغیر جس کا میں حالاتِ موجودہ میں متحمل نہیں ہو سکتا، یہ کام نہیں ہو سکتا۔ سرکار نے فراستِ باطنی سے معلوم کر لیا کہ حج و زیارت کے لیے سفر ہو رہا ہے۔ حج کے لیے نہیں تو زیارت کے لیے ضرور ہے مگر افسوس کہ میں اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ بہت سوچ بچار کے بعد آخر پرسوں میں نے جواب دے دیا ہے۔ ممکن ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے پھر اصرار ہو لیکن میں نے تمام مشکلات کا حل صحیح صحیح لکھ دیا ہے۔

پنجاب کی طرف ایک دفعہ پھر سفر ہو جاتے تو اہلِ پنجاب کی اس سے بڑھ کر عزت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ آپ کا گزشتہ سفر لاہور کے لوگوں کو اب تک یاد ہے۔ اور کیوں نہ یاد رہے کہ سرکارِ والا کی وسعتِ اخلاق و لطف و کرم ایسی چیزیں نہیں جن کا نقش قلوب سے بآسانی محو ہو سکے۔

اگر شاہ تاج الدین صاحب کا پیغام مجھ تک پہلے پہنچ گیا تو ان شاء اللہ عرض کر دوں گا۔ ایک اور جگہ سے بھی ایسے ہی پیغام کی توقع ہے۔ غرض کہ خیالِ شاہ سے غافل نہیں رہ سکتا۔

امید کہ سرکارِ عالی بخیر ہوں گے۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال لاہور

(عکس نامکمل) (انوارِ اقبال)

(بقیہ حاشیہ) اس کے بعد کمیشن مقرر کیا جائے گا یا وہ اپنے وظائف کو آزادانہ [illegible]
مگر بعد میں حالات ایسی صورت اختیار کر گئے کہ یہ کمیشن نہ بن سکا۔
(محمد عبداللہ قریشی)

مہجور کاشمیری کے نام[1]

لاہور ۱۱ مارچ ۲۱ء

مکرم بندہ السلام علیکم

مجھے یہ معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ آپ تذکرہ شعرائے کشمیر لکھنے والے ہیں۔ میں کئی سالوں سے اسے لکھنے کی تحریک کر رہا ہوں مگر افسوس کسی نے ادھر توجہ نہ کی۔ آپ کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ برکت دے۔ افسوس ہے کشمیر کا لٹریچر تباہ ہو گیا۔

---

[1] انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار، "تصانیف اقبال کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" (ص ۲۲۱) مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مطابق یہ خط محمد دین فوق کے نام لکھا گیا تھا۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے بھی اسے "انوار اقبال" کے حوالے سے اپنی کتاب "اقبال اور کشمیر" (ص ۶۸ / ۲۷) میں فوق کے نام سے ہی شائع کیا ہے۔

بشیر احمد ڈار کو اس خط کے متعلق غلط فہمی یوں پیدا ہو گئی کہ فوق نے اس کا عکس "تاریخ اقوام کشمیر" جلد دوم ص۔ ۲۲۲ - ۲۲۳ کے درمیان اقبال کے حالات زندگی کے تحت اقبال کی تصویر کی پشت پر شائع کیا۔ چونکہ خط کا عکس نام اور پتہ کی طرف سے نہیں چھپا بلکہ نفس مضمون کی طرف سے چھپا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو اصل مکتوب الیہ کے بارے میں غلطی ہوئی۔

(اکبر حیدری کاشمیری۔ "شاعر" اقبال نمبر۔ جلد اول ۱۹۸۸ء ص۔ ۴۷۵)

صابر کلوروی کا خیال ہے کہ یہ خط کشمیری زبان کے مشہور شاعر مہجور کاشمیری کے نام لکھا گیا تھا کیونکہ اس خط میں القاب "مکرم بندہ" اجنبیت ظاہر کرتا ہے۔

(مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ چند مزید خطائق شائع شدہ۔ صحیفہ لاہور۔ ۱۹۸۳ء)

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری نے ان کی تائید کی ہے کہ یہ خط فوق کے نام نہیں بلکہ مہجور کاشمیری کے نام لکھا گیا تھا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس تباہی کا باعث زیادہ تر کمیوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپروائی اور نیز مسلمانان کشمیر کی غفلت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وادی کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی تلاش و حفاظت کے لیے ایک سوسائٹی بنالیں ؟ ہاں شعرائے کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی کی شعرالعجم آپ کے پیش نظر رہنی چاہیئے۔ محض حروف تہجی کی ترتیب سے شعرا کا حال لکھ دینا کافی نہ ہوگا۔ کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر میں فارسی شعر کی تاریخ لکھیں۔

مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بارآور ہوگی اور اگر کبھی خود کشمیر میں یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اس کا کورس میں ہونا یقینی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ کشمیر کی قسمت عنقریب پلٹا کھانے والی ہے امید ہے کہ جناب کا

(بقیہ حاشیہ) انھوں نے مولف کو مکتوب الیہ کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مطلع کیا ہے کہ

فوق نے "تاریخ اقوام کشمیر" (جلد دوم مطبوعہ ۱۹۴۳ء) میں مہجور کاشمیری کا ذکر کیا ہے اور یہ واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ مہجور کاشمیری "تذکرہ شعرائے کشمیر" (فارسی) ترتیب دے رہے تھے۔ پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری کے پاس "تاریخ اقوام کشمیر" جلد دوم محفوظ ہے۔ کتاب کی ابتدا میں مشمولہ مضامین کی لمبی فہرست ہے اس کے بعد تصاویر کی فہرست میں یہ بھی درج ہے کہ یہ خط اقبال نے مہجور کاشمیری کے نام لکھا تھا۔

اکبر حیدری کاشمیری نے ہی صابر کلوروی صاحب کو لکھا تھا کہ ماہرین اقبالیات نے غلطی سے اس خط کو فوق کے نام شائع کیا ہے۔

متذکرہ بالا شواہد کی روشنی میں اس خط کو مہجور کاشمیری کے نام ترتیب دیا گیا ہے۔

اقبال نامہ۔ جلد اوّل (ص ۵۸) میں شیخ عطاء اللہ نے غلطی سے مکتوب الیہ کا نام ظہورالدین لکھا ہے جب کہ صحیح نام پیرزادہ غلام احمد ہے۔ تفصیل کے لیے حواشی ملاحظہ ہوں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مزاج بخیر ہوگا میرے پاس کوئی رسالہ تذکرہ شعرا کے لیے نہیں ہے ورنہ آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

(انوار اقبال) (عکس)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۸ر مارچ ۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ استفسار حال کا شکریہ۔

پہلے کی نسبت اب کچھ افاقہ ہے۔ اب کے اچھا ہو لوں تو ان شاءاللہ سیر سحر گاہی کا التزام کروں گا۔ غزل نقل کرنے کی ابھی ہمت نہیں۔ آپ لاہور تشریف لائیں گے تو نقل کرادوں گا۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) جہاں تک تذکرہ شعرائے کشمیر کا تعلق ہے غلام احمد مہجور یہ تذکرہ نہ لکھ سکے۔ اور یہ کام فوقؔ ہی نے مکمل کیا۔ (صابر کلوروی: اقبال کے ہم نشین۔ صفحہ ۲۰۰)

(مؤلف)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۳ مارچ ۲۲ء

مخدومی مولانا السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ آپ خیریت سے (ہیں) میری حالت ابھی تک بدستور ہے چلنے پھرنے سے قاصر ہوں انگریزی دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوا آج سے حکیم اجمل خاں صاحب کی دوا شروع کی ہے جو کل دہلی سے آئی تھی. آج پندرہ روز ہو گئے کہ مکان سے نیچے نہیں اتر سکا اور ابھی خدا جانے یہ قید کتنے روز باقی ہے. آپ مستجاب الدعوات ہیں میرے لیے اوقات خاص میں دعا فرمایئے. باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس سے مجھے کوئی تعلق نہیں، وہ سلسلہ اب اور لوگوں کے سپرد ہے تاہم اگر میں اچھا ہوتا اور کہیں جا سکتا تو آپ کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرتا۔ والسلام!

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲ اپریل ۲۲ء[له]

ڈیر مولانا گرامی، السلام علیکم!

میں ابھی تک علیل ہوں. گو پہلے کی نسبت بہت افاقہ ہے. دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ

له "مکاتیب اقبال بنام گرامی" میں اس خط کی تاریخ ۱۲ اپریل ۱۹۲۲ء درج ہے لیکن عکس کے مطابق صحیح تاریخ ۲ اپریل ۱۹۲۲ء متعین کی گئی ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھیے۔
صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ پر ایک نظر (مولف)

کامل صحت عطا فرمائے۔ حکیم اجمل خاں صاحب نے دہلی سے دوا بھیجی تھی مگر اس سے بھی بہت کم فائدہ ہوا۔ کل گورداس پور سے ایک حکیم صاحب خود بخود تشریف لے آئے تھے۔ انھیں کسی سے میری علالت کا حال معلوم ہوا تھا۔ دوا دے گئے ہیں جس سے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوا سے فائدہ ہو جائے گا کیونکہ جن اجزا سے یہ مرکب ہے ان میں سے ایک اخلاص بھی ہے جو ان حکیم صاحب کو خود بخود میرے مکان تک لے آیا۔ بہر حال خدا تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہوں۔

میاں ریاض صاحب[1] نے آپ کو لاہور کی دعوت دی اور انجمن حمایت اسلام لاہور نے دعوت دی۔ افسوس ہے آپ نے کسی کی دعوت قبول نہ کی۔ میری تو یہ رائے ہے کہ ضرور ان دونوں کی دعوتوں کو قبول فرمائیے۔

میں تو اپنے آپ کو اس درد کی وجہ سے رفتنی سمجھتا تھا مگر محض اس خیال سے تسکین تھی کہ پاؤں کا درد ہے۔ حرکت محال ہے، رفتنی نہیں آمدنی ہوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ ممکن ہے تو لاہور ضرور آئیے اور لوگوں کو اپنا تازہ کلام بھی سنائیے۔

کل بمبئی سے ایک عرب کا خط آیا ہے جو اسرار خودی کو عربی میں ترجمہ کرانا چاہتا ہے اور اس کی اجازت مانگتا ہے۔ میں نے اسے اجازت دے دی ہے۔

مخلص محمد اقبال

---

[1] میاں ریاض الدین صاحب میاں سراج الدین تاجر کتب کشمیری بازار کے فرزند تھے۔ انھوں نے کوچہ کوٹھی داراں میں ایک حویلی بھی "ریاض منزل" کے نام سے تعمیر کی تھی جو بعد میں ملک لال دین قیصر نے خرید لی تھی۔ میاں ریاض الدین رئیسوں کی طرح رہتے تھے۔ نہایت کشادہ دست تھے، ان کا دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ ان کے مکان پر اکثر ادب و نشاط کی محفلیں برپا ہوتی تھیں جن میں مشاہیر ملک شرکت فرماتے تھے۔

سید عبدالقادر صاحب[۱] نے مسودہ شاہ صاحب کی عرضی کا دکھایا تھا۔ میں نے اس کو ضروری مشورہ اس کی تحریر کے متعلق دیا تھا۔ وہ پھر نہیں آئے۔ عرضی بھیجی گئی تو نواب صاحب سے بھی کہوں گا۔

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

---

[۱] سید عبدالقادر جالندھر کے سادات سے تھے۔ تکمیل تعلیم کے بعد پہلے آگرہ کالج اور پھر اسلامیہ کالج لاہور میں تاریخ کے پروفیسر رہے۔ انھوں نے ہر قومی تحریک میں حصّہ لیا۔ قائم مقام پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد اپنا سب کچھ جالندھر میں چھوڑ آنے کے بعد لاہور میں کتابوں کی دکان کھول لی تھی، جواب بھی "حق برادارز" کے نام سے انارکلی میں موجود ہے۔ اتوار ۲۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

سید عبدالقادر کی انگریزی بہت اچھی تھی۔ انھوں نے گرامی کے دوست صفدر علی شاہ کی عرضی کا مسودہ تیار کرکے اقبال کو دکھایا تھا۔

گرامی کی مندرجہ ذیل سطور اسی خط کا جواب معلوم ہوتی ہیں:

گورداس پور کا حکیم الٰہی ہے۔ مشیت ازلی نے بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت مرحمت فرمائی۔ مرکب دوائی میں ایک جز اخلاص کا ہے اور یہ جز عین شفا ہے۔ الحمدللہ جوہر فرد کو آرام ہوگیا۔ گرامی عید پر لاہور آئے گا۔ اوروں کے واسطے ایک عید، گرامی کے واسطے دو عیدیں ہیں: ایک عید شوال ایک عید جوہر فعال۔

حضرت سید صاحب اور ان کے گھر کے لوگ ڈاکٹر صاحب کے واسطے دست بدعا ہیں۔ والسّلام:

حضرت علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام میں نظم پڑھ رہے ہیں کہ دردمند رو رہے ہیں اور گرامی اپنی بہانہ فروشی کا بلی کے زہر خند پر ہنس رہا ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا (گرامی)

ترجمہ: راستہ کی دوری دیکھ کہ کہاں سے کہاں تک ہے (محمد عبداللہ قریشی)

ضیاء الدین برنی کے نام

لاہور

۱۲/اپریل ۲۲ء

مکرم بندہ السلام علیکم

میں بوجہ عارضہ نقرس کئی روز سے صاحب فراش ہوں اس واسطے آپ کے خط کا جواب نہ لکھ سکا۔

آپ نے جہاں آرا بیگم کی سوانح عمری بہت اچھی لکھی ہے اس کی زندگی واقعی ایک نیک مسلم عورت کا نمونہ ہے۔ ملالت کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ معاف فرمایئے۔ میرے نثر کے مضامین صرف چند ایک ہیں اور وہ بھی محفوظ نہیں۔

والسلام

محمد اقبال

(عکس) (انوارِ اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۰/اپریل ۲۲ء

مخدومی السلام علیکم

ایک عرصہ سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔ دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

(۱) متکلمین میں سے بعض نے علم مناظر و مرایا کی رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ممکن ہے۔ یہ بحث کہاں ملے گی میں اس مضمون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

(۲) مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود　　رحمتہً للعالمینے ہم بود

حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض ستاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے اگر ایسا ہو تو رحمتہً للعالمین کا ظہور

لہ مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیینؐ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا فضل حق خیرآبادی میں بڑے ردّو کد کا موضوع بن گیا تھا۔ شاہ صاحب اس بات کے قائل تھے کہ خاتم النبیینؐ کا نظیر ممتنع بالغیر ہے بالذات نہیں۔ مولانا فضل حق نظیر کے ممتنع بالذات ہونے کے قائل تھے۔ مولانا غالب کے نہایت گہرے دوست تھے انھوں نے غالب کو بھی اس بحث میں لپیٹ لیا۔ اور ان سے جبراً ایک مثنوی لکھوائی جو غالب کے فارسی کلیات میں موجود ہے۔ مولانا فضل حق نے اپنا نقطۂ نگاہ مع دلائل اچھی طرح غالب کے ذہن نشین کر دیا تھا۔ لیکن غالب اس مضمون کو نظم کرنے لگے تو قدرت باری تعالیٰ پر کوئی پابندی عائد کرنے کی صورت ان کے ذہن میں نہ آسکی لہٰذا انھوں نے یہ پہلو اختیار کیا کہ اس عالم میں تو خاتم النبیینؐ کا نظیر پیدا نہیں ہو سکتا ہاں اللہ تعالیٰ دوسرے جہان میں پیدا کر سکتا ہے اور ان جہانوں میں نئے خاتم بنا سکتا ہے ؎

یک جہاں تا ہست یک خاتم است بس　　قدرت حق را نہ یک عالم بس است

خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے　　ہم بود ہر عالمے وخاتمے

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود　　رحمتہً للعالمینے ہم بود

کثرت ابداع عالم خوب تر　　یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

مولانا کو یہ استدلال پسند نہ آیا۔ اور کہا کہ اس حصّے کو مثنوی سے نکال دو اور لکھو کہ کتنے ہی عالم پیدا ہو جائیں۔ خاتم ایک ہی رہے گا۔ غالب نے امتثال امر کے طور پر لکھ دیا ؎

غالب ایں اندیشہ پذیرم ہمے　　خوردہ ہم بر خویشتن مے گیرم ہمے

منشا ایجاد ہر عالم یکے است　　گر دو صد عالم بود خاتم یکے است

غلام رسول مہر: غالب آزاد بک ڈپو ہال بازار امرتسر ۱۹۳۶ء ص ۳۷۴ - ۳۷۵۔

وہاں بھی ضروری[۱] ہے۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لیے تناسخ یا بُروز لازم آتا ہے۔ شیخ اشراق تناسخ کے ایک شکل میں قائل تھے۔ ان کے اس عقیدہ کی وجہ یہی تو نہ تھی[۲]؟ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

میں نقرس کی وجہ سے دو ماہ کے قریب صاحبِ فراش رہا۔ اب کچھ افاقہ ہوا ہے۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (اقبال نامہ)

منشی سراج الدین کے نام

ڈیر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ ان شاءاللہ آپ کے ارشاد پر غور کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان[۳] راہ کامل طور پر نہ بچا گو پھانسی سے بچ گیا۔

---

[۱] اس معنی کا ایک اثر بھی تفسیروں میں مروی ہے جو اثر ابن عباس کے نام سے ہے۔ اس اثر کی تاویل و تشریح میں مولانا قاسم صاحب کا رسالہ تحذیر الناس فی اثر ابن عباس اور مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محل کا ایک مضمون ہے جو اس بحث میں دیکھنے کے قابل ہے۔

[۲] یہ وجہ نہیں۔ شیخ اشراق ایرانی فلسفہ سے متاثر تھے اور وہاں سے یہ خیال ان تک پہنچا تھا۔ دیکھئے شرح کلمۃ الاشراق مقالہ خامسہ۔

(شیخ عطاءاللہ)

[۳] رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور وہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر ہی میں اقبال کو ملا تھا۔ یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہوگیا۔

لالہ کنور سین[1] صاحب سے لاہور میں میں نے اس مقدمہ کا مفصل ذکر کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو سمجھا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو میں بغیر مزید فیس کے بحث کروں گا مگر افسوس کہ وہ مقدمہ کشمیر میں سنا گیا۔

بہر حال میں نے منشی اسد اللہ کی تحریر پر اپنی بحث کے مفصل نوٹ ان کو بھیج دیئے تھے جو عدالت میں پیش کر دیئے گئے تھے۔ لالہ کنور سین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بحث کے مفصل نوٹ مثل پر موجود ہیں۔ اس وقت اگر میعاد کا سوال نہ اٹھایا جاتا تو مقدمہ مہاراجہ (سر پرتاپ سنگھ) کے سامنے ہی غالباً فیصلہ ہو جاتا۔ مگر منشی اسد اللہ صاحب یہ خیال کرتے رہے کہ بارِ دیگر مقدمہ کونسل کے سامنے پیش ہو گا جہاں رحمان راہ کی بریّت کی توقع ہے اس واسطے اس وقت التوا کو غنیمت سمجھا گیا ورنہ میں نے تو مہاراجہ صاحب کو کہہ دیا تھا کہ آپ ابھی فیصلہ کر دیں کیونکہ دوبارہ یہاں آنے کا خرچ مؤکل اپنی غریبی کی وجہ سے نہ اٹھا سکیں گے مگر منشی اسد اللہ صاحب کا یہی خیال تھا کہ التوا بہتر ہے مگر افسوس کہ بعد میں ان کا خیال پورا نہ ہو سکا اور کونسل اب تک نہ بن سکی۔ وہ غلطی سے یہ سمجھتے رہے کہ اس فیس میں جو انھوں نے مجھ کو دی تھی میں دوبارہ کشمیر آجاؤں گا مگر یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس کے علاوہ مہاراجہ صاحب کے سامنے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ بہر حال اب میں نے سنا ہے کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں لالہ کنور سین صاحب کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے مندرجہ بالا طویل حالات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔

---

[1] جسٹس کنور سین جج ہائی کورٹ کشمیر بھی مولانا میر حسن کے شاگرد تھے عربی فارسی خوب جانتے تھے۔

(بشیر احمد ڈار)

اس سے غرض یہ ہے کہ اگر رحمان راہ کے وارثوں کا ارادہ اپیل کرنے کا مصمم ہو تو میں بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل لکھ دوں گا۔ آپ یہ امر ان کے گوش گذار کر دیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور وقت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاراجہ کی طرف سے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو تو اس کی اپیل گورنمنٹ آف انڈیا میں ہوتی ہے۔ قید کا اگر حکم ہو تو اس کی اپیل نہیں ہوتی۔ بہر حال اگر ان کا ارادہ ہو تو مجھے اس میں کچھ عذر نہ ہو گا۔ اس صورت میں آپ ان سے کہہ دیں کہ میری بحث کے مفصل نوٹ اور دیگر کاغذات بھیج دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام!

مخلص محمدؐ اقبال لاہور

۲۰ر اپریل ۲۲ء

(انوارِ اقبال)

شفاعت اللہ خاں[1] کے نام

لاہور

۲۲ر اپریل ۲۲ء

ڈیر شفاعت اللہ خاں

چند شعر ابھی ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ اتحاد کا آخری شعر یوں ہے؛

---

[1] شفاعت اللہ خاں منیجر روزنامہ "زمیندار" تھے

(بشیر احمد ڈار)

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
مسجد سے نکلتا نہیں ضدی ہے مستیا

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام

ڈیر مسٹر منیر السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
اخبار استخر جس میں آپ کی نظم شائع ہوئی ملاحظہ سے گزرا۔ آپ کی زبان صفائی میں بہت ترقی کر رہی ہے۔ اللّٰہم زِد فزد! خیالات کے لیے طبیعت پر زور دینا

---

[1] نوٹ اقبال نامہ دوم ص ۱۶۲ پر درج اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ تاہم متن کے چند حوالوں سے اس کی تاریخ تحریر کا تعین ہو جاتا ہے۔

الف۔ ہندوستان میں مہاتما گاندھی کی گرفتاری کے بعد قلوب میں حیرت انگیز ہیجان

ب۔ ایشیا کی مسلمان اقوام کی حرکت بھی اور جولائی یا اگست کے مہینے میں ایران جانے کا امکان۔

ج۔ درد نقرس (گوٹ)، سخت تکلیف

د۔ "خضر راہ" کی ترسیل کا وعدہ۔

ہ۔ "پیام مشرق" قریب الاختتام ہے۔

قلوب کا ہیجان اور انقلاب، تحریک خلافت اور ترک موالات کا ہے جس کے برصغیر کی تاریخ سیاست پر گہرے اثرات مرتسم ہوئے۔ گاندھی جی کی گرفتاری، چورا چوری کے واقعہ (مارچ ۱۹۲۲ء) کے فوراً بعد ہوئی۔

نقرس کی یہ تکلیف مارچ/اپریل ۱۹۲۲ء میں رہی۔ "خضر راہ" ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء کو

چاہیے۔ مطالبِ جلیلہ کی مشرقی نظم کو بہت ضرورت ہے۔ حکیم سنائیؔ اور مولانا روم کو زیرِ نظر رکھنا چاہیے اِس قسم کے لوگ اقوام و ملل کی زندگی کا اصلی راز ہیں۔ اگر یہی لوگ غلط راستے پر پڑ جائیں تو اقوام کی ممات بھی انہی کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ مولانا روم کے تو اسرار و حقائق زندۂ جاوید ہیں حکیم سنائیؔ سے طرزِ ادا سیکھنا چاہیے۔ کیونکہ مطالبِ عالیہ کے ادا کرنے میں اُن سے بڑھ کر کسی نے قدم نہیں رکھا۔

ایرانی اخبارات میں اس قسم کی نظمیں شائع کیا کیجیے۔ مغربی اور وسطی ایشیا کی مسلمان قومیں اگر متحد ہوگئیں تو بچ جائیں گی۔ اور اگر ان کے اختلافات کا تصفیہ نہ ہو سکا تو اللہ حافظ ہے۔ مضامینِ اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ میرا مذہبی عقیدہ یہی ہے کہ اتحاد ہوگا اور دنیا پھر ایک دفعہ جلالِ اسلامی کا نظارہ دیکھے گی۔ ہندوستان میں بظاہر مہاتما گاندھی کی گرفتاری کے بعد امن و سکون ہے مگر قلوب کا ہیجان حیرت انگیز ہے اتنے عرصے میں اتنا انقلاب تاریخِ اُمَم میں بے نظیر ہے۔ ہم لوگ جو انقلاب سے خود متاثر ہونے والے ہیں، اس کی عظمت اور اہمیت کو اس قدر محسوس نہیں کرتے۔ آیندہ نسلیں اس کی تاریخ پڑھ کر حیرت میں ڈوب جائیں گی۔ ایشیا کی مسلمان اقوام

(بقیہ صفحہ گزشتہ کا) انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں پڑھی گئی جب کہ پیام مشرق ۱۹۲۲ء میں قریب الاختتام تھی۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں اس کا پہلا ایڈیشن چھپا۔

اندریں حالات یہ خط اپریل / مئی ۱۹۲۲ء میں لکھا گیا۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال ایک مطالعہ۔ ص ۲۶۱ - ۲۶۲۔

نوٹ: اس خط میں علامہ نے اپنی بیماری GOUT (نقرس) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ" کامل دو ماہ سے چارپائی سے اتر نہیں سکا" جب کہ علامہ گرامی کے نام خط محررہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں کہ "۵ روز سے مکان سے نیچے نہیں اتر سکا" یوں اس مرض کی ابتدا ۸ مارچ ۱۹۲۲ء کو ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ خط ۸ مئی ۱۹۲۲ء کا ہونا چاہیے۔

صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ۔

کی حرکت بھی کم حیرت انگیز نہیں. کیا عجب کہ اس نئی بیداری کو ایک نظر دیکھنے کے لیے
میں بھی جولائی یا اگست کے مہینے میں ایران جا نکلوں میرے ایک دوست سردار
جوگندر سنگھ ایڈیٹر 'ایسٹ اینڈ ویسٹ' اصرار کر رہے ہیں کہ اُن کے ساتھ کوئٹے
کے رستے ایران چلوں۔ اگر ممکن ہو سکا تو ضرور اُن کا ساتھ دوں گا۔ اس دفعہ مجھے
دردِ نقرس (گوٹ) کی وجہ سے سخت تکلیف رہی۔ کامل دو ماہ چارپائی سے اتر نہیں
سکا چونکہ میری فطرت کو ایران سے ایک مناسبت خاص ہے ممکن ہے وہاں کی آب
و ہوا کا اچھا اثر مجھ پر ہو۔

"سفینہ طالبی" میں نے یہاں تلاش کی' افسوس نہ مل سکی۔ آپ کو نثر کی جو عمدہ
کتب مل سکیں بھیج دیجیے۔ نظم نہ ملے تو نہ سہی۔ نثر کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر حکایات
کی کوئی عمدہ کتاب ہو تو وہ بھی ارسال کیجیے۔ یعنی ایسی کتاب جس میں چھوٹی چھوٹی
حکایات لطیف اور معنی خیز ہوں۔

مُلا صدرا کی تفسیر بھی پہنچ گئی تھی۔ بعض مقامات تو خوب ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی
اُس کا پایہ تفاسیر میں بہت کم ہے۔

اُردو نظم 'خضر راہ' جو میں نے حال میں لکھی ہے ارسال خدمت کروں گا۔ گوئٹے
کے دیوان کے جواب میں "پیامِ مشرق" میں نے لکھی ہے جو قریب الاختتام ہے۔
امید ہے اس سال کے اختتام سے پہلے شائع ہو جائے گا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔
فارسی کتب جہاں تک ممکن ہو جلد ارسال کیجیے۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

شیخ اعجاز احمد کے نام

برخوردار اعجاز احمد طال عمرہٗ

بھائی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو ۱۱ روز میں دو دفعہ اختلاج قلب کی شکایت ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس کا باعث بائی سیکل کی متواتر سواری ہے تم کو چاہیے کہ بائی سیکل کی سواری کچھ دنوں کے لیے بالکل ترک کر دو اور اب تو تمھیں شاید اس کی ضرورت بھی نہ پڑے۔ اس کے علاوہ تم اپنا مفصل حال لکھو تو میں تمہارے لیے یہاں سے کوئی نسخہ تجویز کراؤں۔ کسی عمدہ ٹانک کا استعمال ضروری ہوگا۔ اس قسم کی شکایت مجھے بھی زمانہ طالب علمی میں تھی۔ گھبرانا نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔

محمد اقبال لاہور ۱۲ مئی ۲۲ء

(مظلوم اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام[ٹ]

لاہور ۱۴ مئی ۲۲ء

مخدومی السلام علیکم

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

نوٹ[ٹ] "اقبال نامہ" اول میں یہ خط یکم مئی ۱۹۲۴ء (ص ۱۲۸) کے بعد ترتیب دیا گیا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ خط ۲۴ ۱۹ء کا ہوگا لیکن اس کا سنہ تحریر ۱۹۲۲ء ہی درست ہے اول یہ کہ "پیام مشرق" ۱۹۲۳ء میں شائع ہوگئی تھی اس وجہ سے بھی یہ خط ۱۹۲۳ء سے پہلے کا ہونا چاہیے۔ دوسرے اس کے عکس میں ۱۹۲۲ء نمایاں طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔

(مولف)

رویتِ باری کے متعلق جو استفسار میں نے آپ سے کیا تھا اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیق نہ تھی خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے جس سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے اس خیال کو ابن رشد کے ایک رسالہ سے تقویت ہوئی جس میں انھوں نے ابوالمعالی کے رسالہ سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے۔ ابوالمعالی کا خیال آئن سٹائن سے بہت ملتا جلتا ہے، گو مقدم الذکر کے ہاں یہ بات محض ایک قیاس ہے اور موخر الذکر نے اُسے علمِ ریاضی کی رُو سے ثابت کردیا ہے۔

اگرچہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے تاہم مسلک میرا وہی ہے جو قرآن کا ہے اور جس کو آپ نے آیت شریفہ کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ خلافت پر جو مضامین آپ نے آج تک لکھے نہایت قابلِ قدر ہیں ان سب کو ایک علیحدہ رسالے کی صورت میں شائع ہونا چاہیے۔

نظم خضر راہ جو انجمن کے سالانہ جلسے میں پڑھی تھی ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں شائع ہوگئی تھی۔ میں آج دریافت کراؤں گا اگر کوئی کاپی اس کی موجود ہے تو خدمتِ والا میں ارسال کرادوں گا۔ ساری نظم کا چھپنا تو اب ٹھیک نہیں اور نہ اس قدر گنجائش معارف میں ہوگی لیکن اگر کوئی بند آپ کو پسند آجائے تو اُسے چھاپ دیجیے زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ گوئٹے (شاعر جرمنی) کے "مشرقی دیوان" کے جواب میں میں نے ایک مجموعہ فارسی اشعار کا لکھا ہے۔ عنقریب شائع ہوگا اس کے دیباچہ میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ فارسی لٹریچر نے جرمنی لٹریچر پر کیا اثر ڈالا ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس)

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۴ مئی ۲۲ء

مخدومی جناب مولانا!

السلام علیکم! آپ کا والا نامہ مل گیا تھا۔ افسوس ہے کہ سید صفدر علی شاہ صاحب کا کام نہ ہو سکا مگر نواب صاحب نے تو اپنا فرض پوری طرح ادا کیا، ان سے کوئی شکایت نہیں۔

ایک تو معاملہ ہی ایسا کہ جس میں کم از کم مجھے توقع کامیابی کی نہ تھی۔ دوسرا وہ معاملہ ایسے لوگوں سے تھا جن سے مسلمانوں کو زمانہ حال میں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر سے ہی محفوظ رکھے تو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

کشمیر میں چودھری خوشی محمد کو لکھا تھا، وہاں سے بھی مایوسی ہوئی۔ یہ خط چودھری صاحب کا ہے۔ شاہ صاحب کو دے دیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟ کب تک لاہور آنے کا قصد ہے؟

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

میں امتحان کے پرچوں میں مصروف رہا۔ اس واسطے آپ کے خط کا جواب نہ عرض کر سکا۔ ابھی آپ کا خط ملا ہے۔ میں نے سید صفدر علی شاہ صاحب کے ہمدست آپ کے لیے ایک کاپی خضر راہ کی ارسال کی تھی۔ تعجب ہے کہ وہ آپ تک نہیں پہنچی۔ آپ کے فارسی اشعار ماشاءاللہ بہت اچھے ہیں۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ فارسی اشعار کی اصلاح مولوی صاحب سے لیجئے۔

محمدؐ اقبال لاہور

۱۵ر مئی ۲۲ء

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۶ر مئی ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

کل نیاز الدین خاں صاحب کا خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ نظم خضر راہ[1] آپ کو پسند نہیں اور آپ کی رائے ہیں اس کے تمام اشعار بے لطف ہیں اور بعض غلط، غلط اشعار کے متعلق تو بس فی الحال عرض نہیں کرتا۔ آپ مجھے اغلاط سے آگاہ فرمائیں گے

---

[1] "خضر راہ" اقبال کی ایک بہت ہی بلند پایہ نظم ہے۔ یہ جس زمانے میں لکھی گئی، اس وقت تک غالباً اس اسلوب و انداز کی نظموں سے اردو ادب کا دامن یکسر خالی تھا۔ یہ اقبال کی سابقہ نظموں سے بھی کسی حد تک مختلف تھی۔ اقبال کی نظم "شمع اور شاعر" پسند کرنے والوں کو یہ کچھ روکھی پھیکی نظر آتی تھی۔ گرامی کا نام لے کر خان نیاز الدین خاں نے اس کے اشعار کی بے لطفی کا شکوہ کیا تھا اور اقبال نے اس کی صراحت کی تھی۔

"خضر راہ" کے بارے میں خان نیاز الدین خاں کی رائے سے ملتا جلتا ایک شذرہ سید سلیمان ندوی نے "معارف" اعظم گڑھ میں بھی لکھا تھا جس کا جواب اقبال نے ۲۹ر مئی ۲۲*ء کو دیا تھا۔

اس نظم کے لیے کون وہ الفاظ دہرانے کی جسارت کرے گا جو خان نیاز الدین خاں نے مولانا گرامی کی طرف سے پیش کیے تھے؟ حضرت علامہ نے بجا فرمایا تھا کہ یہ اعتراض گرامی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

* محمد عبداللہ قریشی نے اس خط کی تاریخ تحریر سہواً ۲۹ر مئی ۲۳ء لکھی ہے۔ (مکاتیب اقبال بنام گرامی ص ۲۰۷) (مؤلف)

تو عرض کروں گا۔ باقی آپ کے اعتراض کا پہلا حصہ صحیح ہے مگر یہ اعتراض گرامی کے شایان شان نہیں۔ اگر کوئی اور آدمی یہ اعتراض کرتا تو مضائقہ نہ تھا۔ یہ اعتراض منصور کے لیے شبلی کا پھول ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس نظم کا بیشتر حصہ خضر کی زبان سے ادا ہوا ہے اور خضر کی شخصیت ایک خاص قسم کی شخصیت ہے وہ عمر دوام کی وجہ سے سب سے زیادہ تجربہ کار آدمی ہے اور تجربہ کار آدمی کا یہ خاصہ ہے کہ اس کی قوت متخیلہ کم ہوتی ہے اور اس کی نظر حقائق واقعی پر جمی رہتی ہے۔ اس کے کلام میں اگر تخیل کی رنگینی ہو تو وہ فرض رہنمائی کے ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔ پس اس کے کلام میں پختگی اور حکمت تلاش کرنی چاہیے نہ تخیل۔ اور خاص کر اس حالت میں جب کہ اس سے ایسے معاملات میں رہنمائی طلب کی جائے جن کا تعلق سیاسیات اور اقتصادیات سے ہو۔

قرآن شریف کی سورہ کہف پڑھیے اور حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصے کو ملاحظہ فرمائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے خضر کی اس خصوصیت کو کس خوبی سے ملحوظ رکھا ہے۔ ایک سطحی نظر سے دیکھنے والا آدمی تو کشتی توڑنے اور ایک بچے کو قتل کر ڈالنے یا ایک یتیم کی دیوار کو گرا دینے میں کوئی غیر معمولی بات نہ دیکھے گا اور شعریت تو اس تمام قصے میں مطلق نہیں۔ لیکن غور کرنے پر خضر کے افعال کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ خضر کی طرف جو کلام منسوب کیا جائے اس میں رنگینی پیدا کی جا سکتی ہے۔ مگر وہ

(بقیہ حاشیہ) کا نہیں ہو سکتا، خان صاحب کو اعتراض کے سمجھنے میں غلطی لگی ”خضر راہ“ یقیناً ایک بے مثال نظم تھی۔ اس میں اقبال کی شاعری نئی اوج گاہوں پر پہنچ گئی تھی آج بھی یہ نہایت قابل قدر نظم ہے اور اس کے اکثر اشعار کی مثال کلام اقبال کے سوا اردو یا کسی دوسری زبان کی قومی شاعری میں نہیں مل سکتی اور مقام دعوت تو پہلے ہی یگانہ تھا، آج بھی یگانہ ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

خضر کا کلام نہ رہے گا بلکہ نظیری یا عرفی کا کلام ہوگا۔اور بالغ نظر اہل فن تخیل کی اس رنگینی کو بہ نگاہ استحسان نہ دیکھیں گے۔ان رموز اور اسرار کو آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ مجھے یہ یقین ہے کہ نیاز الدین خاں صاحب نے آپ کا اعتراض سمجھنے میں مزید غلطی کی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا کل پرسوں ایک خط ارسال کر چکا ہوں۔ افسوس کہ صفدر علی شاہ صاحب کے لیے کوئی تدبیر نہ ہوسکی۔

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام

مخدومی۔ والا نامہ ابھی ملا افسوس ہے کہ آپ کو انجمن حمایت اسلام کی کاہلی اور جمود کی وجہ سے پریشانی ہوئی۔ انشاء اللہ آپ کا خط حاجی شمس الدین صاحب کی خدمت میں بھیج دوں گا میں نے بوجہ خرابی صحت استعفا دیدیا ہے اب میرا کوئی تعلق انجمن سے نہیں ہے۔ درد نقرس کی وجہ سے دو ماہ صاحب فراش رہا اور اب بھی اس درد کے کچھ اثرات باقی ہیں۔ صحت پر اعتماد نہیں رہا مشاغل کم کر رہا ہوں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا "عبرت" بڑا مفید کام کر رہا ہے۔ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کا پرچہ ضرور چمکے گا آپ کی لڑکی کے انتقال سے افسوس ہوا خدا تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

محمد اقبال لاہور ۱۷ مئی ۲۲ء

(انوار اقبال)

(عکس)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور ۱۲ر مئی ۲۲ء

عزیزم اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط ملا الحمدللہ کہ کوئی خاص شکایت تم کو نہیں مجھے اس کا بڑا تردّد ہو رہا تھا۔ کوئی فکر نہ کرنا اگر تم کام کر سکتے ہو تو کرو ورنہ کچھ پروا نہیں آخر تمہارے ہاتھ میں ایک مفید پیشہ ہے جس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ رزق انسان کا عمرو زید کے ہاتھوں میں نہیں خدا کے ہاتھ میں ہے۔

رزق ازوے جو مجو از زید و عمر[1]
مستی ازوے جو مجو از بنگ و خمر

تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کرنا چاہیئے اور ہر قسم کا فکر دل سے نکال دینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کارساز ہے اور انسان کا فکر ہی اس کے لیے باعث آزار ہے۔ بالفرض اگر تم کو اپنی موجودہ مہم میں کامیابی نہ ہوئی تو بھی کیا۔ خدا تعالیٰ رزق کا کوئی اور سامان پیدا کر دے گا۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہے۔ غرض یہ ہے کہ انسان کو اپنی صحت کی حالت کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیں کوتاہی نہ کرنا چاہیئے اور نتائج خدا کے سپرد کر دینے چاہیئے۔

ڈارلنگ صاحب نے حال میں بیچارے منّور کو موقوف کر دیا ہے اس کو انکم ٹیکس کلکٹر مقرر کیا گیا تھا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

---

[1] ترجمہ: رزق اُس سے مانگو عمرو زید سے نہیں۔ مستی اُس سے ڈھونڈ و بھنگ اور شراب میں نہیں

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۲۴ر مئی ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم!

آپ کے دونوں خطوط مل گئے تھے مگر میں امتحانوں کے پرچوں میں سخت مصروف رہا اس واسطے جواب نہ لکھ سکا. یہ کام ابھی تک جاری ہے اور غالباً پندرہ بیس روز اور جاری رہے گا. اوروں کی نسبت میرے پاس کام بھی زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ دیگر یونیورسٹیوں کے پرچے بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال خدا کے فضل و کرم سے اب کام کچھ ہلکا ہو چلا ہے. ورنہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ گرامی کے خط کا جواب اقبال نہ لکھے. باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کی نسبت آپ کو اطمینان دلانے کی ضرورت نہیں. آپ کو معلوم ہے کہ اقبال کے نزدیک آپ کا فرمودہ وحی و الہام ہے نہ کسی اور کا. بلکہ آپ کے خط سے تو میرے خیال کی تائید ہوئی. میں نے آپ کو لکھا بھی تھا کہ یہ اعتراض آپ کا نہیں ہو سکتا. سننے والے کی غلطی ہو گی سو ایسا ہی ثابت ہوا[1]. اگر کوئی شخص دنیا میں ایسا موجود ہے، جس کو گرامی کی نیت اور نیک نفسی میں شبہ ہے تو وہ اقبال کے نزدیک کافر ہے. میں تو آپ کو ولی سمجھتا ہوں آپ کس

---

[1] گرامی کا نام لے کر خان نیاز الدین خاں نے نظم "خضر راہ" پر جو اعتراض کیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے اقبال نے اپنے ۱۶ر مئی ۱۹۲۲ء کے خط میں گرامی کو صاف لکھ دیا تھا کہ یہ اعتراض گرامی کا نہیں ہو سکتا. مجھے یقین ہے نیاز الدین خاں صاحب کو آپ کا اعتراض سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ چناں چہ ایسا ہی ثابت ہوا. اس خط سے اقبال ہی کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

یہ خط میاں عبد المجید ایڈیٹر پاکستان ریویو لاہور سے دستیاب ہوا ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

خیال میں ہیں۔
ہاں آپ کے ارشاد کا انشاء اللہ خیال رہے گا۔ اطمینان فرمایئے۔ لاہور آنے کا کب تک قصد ہے؟ جولائی کے مہینے میں شملے جانے کا ارادہ ہے۔ اب کے سال صحت خراب رہی۔ امید کہ وہاں کی آب وہوا سے فائدہ ہو گا۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے آپ سے بھی ملوں گا انشاء اللہ۔ باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے گھر میں میری طرف سے آداب عرض کر دیجئے گا۔

محمد اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۹ مئی ۲۲ء

عید مبارک باد باشد

مخدومی السلام علیکم

میں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی[1] عالم جان کے حالات معارف میں شائع کیے جائیں مسلم اسٹینڈرڈ لندن نے ان کے کچھ حالات شائع کیے تھے۔ آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا جزاک اللہ۔ معارف کا ایڈیٹر صاحبِ کشف نہ ہو گا تو اور کون ہو گا۔ حال کے روسی علماء کے بعض تصانیف احیاءِ اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہیئے۔

خضرِ راہ کے متعلق جو نوٹ آپ نے لکھا اس کا شکریہ قبول فرمایئے۔
جوشِ بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے مگر یہ نقص اس نظم

---

[1] روسی مسلمان مصلح عالم۔ حواشی میں تفصیل ملاحظہ ہو۔

کے لیے ضروری تھا (کم از کم میرے خیال میں) جناب خضر کی پختہ کاری ان کا تجربہ اور واقعات و حوادثِ عالم پر اُن کی نظر ان سب باتوں کے علاوہ ان کا اندازِ طبیعت جو سورۂ کہف سے معلوم ہوتا ہے اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیئے اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوشِ بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضر کے اندازِ طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا یہ بند اب کسی اور نظم کا حصہ بن جائیں گے۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(عکس)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور ۸ رجون ۲۲ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

بعد دعا کے واضح ہو مجھے اِس بات کا سخت افسوس ہے کہ زندگی کی دوڑ میں داخل ہوتے ہی تمہیں خرابیٔ صحت کا سامنا ہوا جس کی وجہ تم کو اپنے پروگرام میں تبدیلی کرنی پڑی۔ مگر گھبرانا نہ چاہیئے۔ انشاء اللہ تمہاری صحت جلد اچھی ہو جائے گی۔ زندگی کو باقاعدہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور جوانی کی قوت سے یہ فائدہ اٹھانا چاہیے کہ صحت دیر تک قائم رہے۔ میرے نزدیک صحت جسمانی و روحانی کی سب سے بڑی ضامن مذہبی زندگی ہے میں نے تم کو لکھا بھی تھا کہ قرآن پڑھا کرو اور جہاں تک ممکن ہو نماز میں بھی باقاعدہ ہو جاؤ تو سبحان اللہ مگر قرآن پڑھنے پر میں زیادہ اصرار کرتا ہوں کہ اس کے پڑھنے کے فوائد میرے تجربے میں آچکے ہیں۔ اس کے علاوہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا اکسیر ہے۔ سیالکوٹ میں تو صرف دو آدمی ہیں جن کی زندگی اور صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہیے یعنی تمہارے دادا اور شاہ صاحب۔ کبھی کبھی شاہ صاحب کی خدمت

میں چلے جایا کرو۔ کیا اچھا ہو کہ صبح ہر روز ان کے ساتھ پھرنے کے لیے چلے جایا کرو۔ یہ باتیں بظاہر معمولی ہیں مگر کچھ عرصے کے بعد ان کے فوائد تم کو خود بخود معلوم ہو جائیں گے۔ باقی جہاں تک ممکن ہو زندگی کو سادہ بنانے کی کوشش کرو۔ تم نے مجھ سے مسواک کے متعلق سوال کیا تھا۔ میری مراد اس سے دیسی مسواک تھی نہ انگریزی طرز کے منجن۔ یورپ کی بنی ہوئی چیز خوب صورت ضرور ہوتی ہے مگر اس میں ایک اخلاقی زہر ہوتا ہے جس کا اثر آج کل کے مادی طبیعت رکھنے والے انسان فوراً محسوس نہیں کر سکتے۔ میں نے بھائی صاحب کو لکھا تھا کہ اگر اعجاز چاہے تو سیالکوٹ سے چند روز کے لیے لاہور آجائے۔ یہاں کسی ڈاکٹر سے مشورہ کیا جائے۔ تم تسلی رکھو مجھے یقین ہے کہ زندگی میں ذرا سی باقاعدگی تمہاری صحت کو اچھا کر دے گی۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

والسلام
محمد اقبال
(مظلوم اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام[1]

لاہور ۱۳ر جون ۲۲ء

برادر مکرم السلام علیکم

کل ایک خط خدمت شریف میں روانہ کر چکا ہوں۔

کچھ عرصہ ہوا آفتاب کی ماں نے مجھ کو خط لکھا تھا کہ پانچ سال کی تنخواہ مجھ کو

نوٹ[1] "مظلوم اقبال" میں اس خط کے بعض حصے محذوف تھے۔ یہاں اس خط کے پورے متن کو عکس کے مطابق درج کیا جا رہا ہے، جو ماہنامہ "شاعر" بمبئی (بھارت) کے "اقبال نمبر ۱۹۸۸ء" جلد اول میں شائع ہوا۔ (مؤلف)

پیشگی دے دی جائے مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا آج اس کا خط کئی دنوں کے بعد آیا ہے وہ لکھتی ہے کہ اگر آپ مجھے پیشگی روپیہ نہیں دے سکتے تو میرا حق مہر دے دیا جائے۔ چونکہ یہ اس کا شرعی حق ہے اس واسطے اس کی ادائیگی میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

مہر کا کاغذ غالباً گھر میں ہوگا ایک نقل اس کی ضرور وہاں ہوگی اور ایک حافظ صاحب کے پاس۔ بیشتر اس کے کہ میں ان کو اس خط کا جواب دوں میں کاغذ مہر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس واسطے آپ مہربانی کر کے وہ کاغذ بذریعہ رجسٹری بحفاظت تمام میرے بھیج دیجیے۔

والد مکرم کو بھی یہ خط سنا دیجیے۔ باقی خیریت ہے۔

آج امتیاز بھی آگیا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (شاعر اقبال نمبر ۱۹۸۸ - جلد اول)

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور ۱۵ر جون ۲۲ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمہارا خط مل گیا ہے۔ امید ہے صحت بلد اچھی ہو جائے گی اور جو تکلیف تم کو پشاور جاتے آنے میں ہوئی ہے وہ بعد کی کامیابی سے نسبتاً منسیاً ہو جائے گی۔ تلخ تجربات سے گھبرانا نہ چاہیے زندگی پر ان کا بھی RESTRAINING INFLUENCE ہوتا ہے۔ اگرچہ پہلے ان کی تلخی کا احساس ہوتا ہے اور روح کو ایذا پہنچتی ہے تاہم بعد میں ان کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے اور انسان اس بات کے لیے شکر گزار ہوتا ہے کہ اس کو اس قسم کے تجربات ہوئے۔ جرمنی کے مشہور پیغمبری شاعر گوئٹے نے اپنے معاصر جوانوں کے روحانی اضطراب و بے چینی کا مشاہدہ کر کے

ان کو یہ پیغام دیا تھا۔

ART STILL HAS TRUTH
TAKE REFUGE THERE[1]

اس وقت اسلامی دنیا کی وہی حالت ہے جو نپولین کے وقت میں جرمنی کی تھی اور میرا پیغام بھی مسلمان نوجوانوں کے لیے وہی ہے جو اس نے دیا تھا صرف اس قدر فرق ہے کہ میں نے ART کی جگہ لفظ RELICION رکھ دیا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ آرٹ میں اطمینان ضرور ہے مگر قوت نہیں ہے۔ مذہب میں اطمینان اور قوت دونوں چیزیں ہیں۔

بھائی صاحب سے کہہ دینا (یا ان کو یہ خط دکھا دینا) کہ ان کا خط میں نے میاں فضل حسین صاحب کے نام بھیج دیا ہے۔ جولائی میں خود بھی شملے جانے کا قصد ہے ان سے مل کر بھی گفتگو ہوگی۔ نقل کا غذ مہر کے لیے میں نے گجرات لکھ دیا ہے مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ حق مہر طلب کریں گے بلکہ یہ میری خواہش تھی کہ وہ ایسا کریں۔ اسی واسطے میں نے اس کے پہلے خط کا جواب نہ دیا تھا جس میں اس نے دو ہزار روپے بطور قرض طلب کیا تھا۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اگر یہ نقد پیسہ نہ دیا گیا تو وہ اپنا حق مہر طلب کرے گی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والدہ مکرم کی خدمت میں آداب عرض کر دیں۔ حضرت قبلہ مولوی میر حسن صاحب سے کہہ دیں کہ میں نے ان کو کارڈ دوبارہ کا غذات امتحانات ایم۔ او۔ ایل لکھا تھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کارڈ ان تک نہیں پہنچا۔ یہاں مولوی حسین صاحب ان کے پرچوں

---

[1] ترجمہ: فن میں آج بھی صداقت ہے، اس کا سہارا لو

نوٹ: مظلوم اقبال میں اس خط کے بعض حصے محذوف تھے۔ یہاں اس خط کے پورے متن کو عکس کے مطابق درج کیا جارہا ہے۔ جو ماہنامہ "شاعر" بمبئی (بھارت) کے "اقبال نمبر ۱۹۸۸ء جلد اول" میں شائع ہوا۔ (مؤلف)

کا انتظار کرتے رہے۔ آخر میں نے ان سے کہا کہ وہ خود سیالکوٹ تشریف لے جائیں اور نمبروں کا مقابلہ کرلیں۔ امید ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب وہاں آئے ہوں گے اور پرچوں سے متعلق تمام امور طے ہو گئے ہوں گے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (شاعر اقبال نمبر ۱۹۸۸ء جلد اول)

مولانا گرامی کے نام

بخدمت اقدس حضرت گرامی مدظلہ العالی استاد حضور نظام خلداللہ ملکہٗ

نوازش نامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے مصروفیت مانع جواب رہی۔ امید کہ مزاج والا بخیر ہوگا۔ یہاں پر تو گرمی تے ناک میں دم کر رکھا ہے، آج صبح قدرے بارش ہوئی مگر اب پھر وہی حال ہے۔

اللہ اللہ! کیا خوب غزل لکھی ہے[2] کہ در پردہ با پردہ در ساختم۔ امید کہ یہ غزل ختم ہو گئی ہوگی، باقی اشعار بھی ضرور روانہ فرمائیے۔ نظیری کا ایک شعر نظر سے گزرا۔ "کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ مانیست" ساری غزل ہی خوب ہے،

---

[1] عکس کے مطابق کہا سہواً لکھا گیا ہے۔

(مؤلف)

[2] گرامی کی جس غزل کی اقبال نے تعریف کی ہے وہ دیوان گرامی کے صفحات ۷۰ و ۷۱ پر موجود ہے۔ دو شعر حسب ذیل ہیں۔

براہ وفا پاز سر ساختیم خبر راز خود بے خبر ساختیم

سیہ کاری ماست اے پردہ دار کہ در پردہ با پردہ در ساختیم

ترجمہ ہم نے راہ وفا میں سر کو پاؤں بنا دیا خبر کو خود سے بے خبر کر دیا اے پردہ دار یہ ہماری سیہ کاری ہے کہ ہم نے پردہ چاک کرنے والے سے درپردہ سازش کر رکھی ہے۔

معلوم نہیں کبھی آپ نے اس پر غزل لکھی یا نہیں۔ ایک شعر میرے خیال میں بھی آ گیا[1]

بر ہنہ حرف نہ گفتن کمالِ گویائی است[2]
حدیثِ خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ خیریتِ مزاج سے آگاہ کیجیے۔ آپ تو لاہور آنے کا قصد کرتے تھے۔ میں تو اس گرمی میں آپ کو دعوت دیتے ہوئے ڈرتا ہوں:

نازک ہے وہ محبوب خفا اور نہ ہو جائے

ہاں جب میں "پیغمبری" کا دعویٰ کروں گا تو آپ کو بیعت کے لیے بلاؤں گا۔ آج کل پیغمبری کا ادعا تو عام ہو چکا ہے۔ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ کیا خوب کہا مولانا اکبر مرحوم نے:

---

[1] اقبال نے نظیری کی غزل کے جواب میں جو مرصع غزل کہی تھی، اس کے دو شعر یہ ہیں:

زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
تجلیٔ دگرے در خورِ تقاضا نیست
بہ ملکِ جم نہ دہم مصرعِ نظیری را
"کسی کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست"

ترجمہ: اپنی خاک سے وہ آگ طلب کر جو ظاہر نہیں ہے اس کے سوا دوسری تجلی مانگنے کے لائق نہیں ہے میں نظیری کے اس مصرع کو سلطنتِ جمشید کے عوض بھی نہیں دوں گا کہ جو مارا نہ گیا وہ ہمارے قبیلے سے نہیں ہے۔

پوری غزل پیامِ مشرق کے صفحہ ۱۸۸۔ ۱۹۰ پر موجود ہے۔

[2] ترجمہ: کھل کر بات نہ کہنا گویائی کا کمال ہے خلوت میں رہنے والوں کی باتیں رمز و اشارے کے سوا نہیں ہوتیں۔

(محمد عبداللہ قریشی)

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ　　　انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

محمد اقبال لاہور
۲۲ جون ۲۲ء[1]
(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۶ ر جون ۲۲ء

حضرت اقدس گرامی السلام علیکم!

نوازش نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کے الفاظ[2] میرے لیے

---

[1] اس خط میں صحیح تاریخ ۲۲ جون ۱۹۲۲ء ہے نہ کہ ۲۲ جون ۲۲ ۱۹ء جیسا کہ "مکاتیب اقبال بنام گرامی" میں درج ہے۔ مزید برآں اصل خط میں تاریخ خط کی ابتدا میں نہیں ہے بلکہ آخر میں درج ہے۔
(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ چند مزید حقائق۔)

[2] گرامی نے اقبال کے شعر:

برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است

حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست

ترجمہ: "کھل کر بات نہ کہنا گویائی کا کمال ہے خلوت میں رہنے والوں کی باتیں رمز و اشارے کے سوا نہیں ہوتیں۔
کی تعریف کرتے ہوئے شمس منزل محلہ عالی جالندھر سے اقبال کی یوں حوصلہ افزائی کی تھی۔
"ملا نظیری نے آپ کو اپنا جانشین انتخاب کیا ہے۔ گرامی ہفتاد سالہ ہوگیا ہے، یہ دولت نہ ملی۔
جو کچھ میں نے لکھا ہے نظیری کی روح کے اشارہ سے لکھا ہے۔" حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست "گرامی خانہ بردوش ہے۔ ہوشیار پور تشریف لائیے، گرامی ہوشیار پور ہوگا۔

آں وطن مصر و عراق و شام نیست　　　آں وطن شہریست کاں را نام نیست

ترجمہ: یہ وطن مصر، عراق یا شام نہیں ہے۔ یہ وطن ایسا شہر ہے جس کا کوئی نام نہیں ہے۔

نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ الحمدللہ کہ وہ شعر آپ کو پسند آیا۔ سبحان اللہ! آپ کے اشعار لاجواب ہیں اور کیوں نہ ہوں :

بندہ آں نیست کہ از بندگی آزاد بود[۱]
بندہ آں است کہ در بندگی آزاد آمد

اس سے بہتر شعر[۲] اب اس زمین میں نہ نکل سکے گا۔ خاص کر آزاد کا قافیہ ختم ہو گیا۔ ابھی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا خط آیا میں نے ان کی خدمت میں آپ کا یہ شعر لکھا ہے اور نیز یہ لکھا ہے کہ اسے ورد کرنا چاہیے۔ نظیری کی غزل پر دو ایک شعر اور ہو گئے تھے، ملاحظہ فرمایئے، مگر بہ نظر تنقید:[۳]

نظر بہ خویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست[۴]
جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست

---

[۱] ترجمہ : بندہ وہ نہیں ہے جو بندگی سے آزاد ہو، بندہ وہ ہے جو بندگی میں آزاد رہے۔

[۲] یہ شعر جس غزل کا ہے وہ دیوان گرامی کے صفحہ ۵۴ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

[۳] بہ نظر تنقید جو شعر ملاحظہ کے لیے بھیجے گئے تھے، ان میں سے دوسرے شعر کے متعلق گرامی نے رائے ظاہر کی کہ :

"اگرچہ" ثقیل لفظ ہے، ابتدا میں لانا بہت بُرا۔ بالغ نظر "اگرچہ" کو محذوف ہی لاتے ہیں، نظیری کے قلم سے ابتدا میں "اگرچہ" کا لفظ نکلنا سخت معیوب ہے۔ اقبال اور نظیری خط وحدانی میں ہیں۔ نظیری سے گرامی کی مراد یہاں اقبال ہے"

مگر اس اعتراض کو اقبال نے چنداں وقعت نہ دی اور اسے یونہی رہنے دیا۔

(دیکھو پیام مشرق، صفحہ ۱۸۸)

[۴] ترجمہ : میں نے اپنی ذات پر اپنی آنکھیں ایسے بند کر لی ہیں کہ جلوۂ دوست سارے عالم میں چھا گیا ہے مگر مجھے دیکھنے کی فرصت نہیں ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اگرچہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

ایک غزل ان کی اور تھی۔ مستانہ می سازد، دیوانہ می سازد۔ اس پر مقطع پہلے ذہن میں آگیا![1]

ترجمہ: عقل فسوں پیشہ نے اگرچہ پورا لشکر پیدا کرلیا ہے مگر تو دل گرفتہ نہ ہونا کیونکہ عشق تنہا نہیں ہے۔

[1] اس مقطع کے بعد اقبال نے پوری غزل کہی، جو پیام مشرق کے صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱ پر موجود ہے۔ مطلع یہ ہے:

ہوائے فرودیں در گلستاں مے خانہ می سازد
سبو از غنچہ می ریزد، ز گل پیمانہ می سازد

ترجمہ: فرودیں (بہار کا ایرانی مہینہ) کی ہوا گلستاں میں میخانہ بنا رہی ہے۔ غنچہ کا سبو کردیا ہے، گلوں کا پیمانہ بنادیا ہے۔

مقطع کے مصرع ثانی کو گرامی نے یوں بدلنے کا مشورہ دیا:

کہ آں درد آشنا مارا ز گل بیگانہ می سازد

یا

کہ آں خونیں نوا مارا ز گل بیگانہ می سازد

اور کہا کہ ”بہ نسبت خونیں نوا کے درد آشنا اچھا ہے، غالباً آپ بھی پسند فرمائیں گے۔“ شاید اسی مشورے سے فائدہ اٹھا کر اقبال نے مقطع میں کچھ تبدیلیاں کیں اب اس کی صورت یوں ہے:

بگو اقبال را اے باغباں رخت از زمین بندد
کہ ایں جادو نوا مارا ز گل بیگانہ می سازد

(محمد عبداللہ قریشی)

بگو اے باغباں اقبال را رخت از چمن بندد[۱]
کہ ایں جادو بیاں ما را ز گل بیگانہ می سازد

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

پرسوں ہوشیارپور کے تحصیلدار صاحب ملے تھے۔ کہتے تھے کہ مولوی صاحب[۲] کو مرزا صاحب نے گرامی صاحب کا گرویدہ کر رکھا ہے۔ چوں کہ میں بھی شاید ہوشیارپور جاؤں اور اندیشہ ہے کہ آپ وہاں نہ ہوں گے۔ اس واسطے کوشش کیجیے کہ مرزا صاحب کی تبدیلی جالندھر سے ڈیرہ غازی خاں کی ہو جائے تاکہ آپ ان دنوں ہوشیارپور میں پہنچ سکیں۔ گھر میں میری طرف سے آداب کہہ دیجیے گا۔

کل تھوڑی سی بارش لاہور میں ہوئی تھی مگر آج گرمی بدستور ہے۔

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

۱۔ ترجمہ:
اے باغباں اقبال سے کہہ دے کہ وہ چمن سے اپنا سامان اٹھا لے کہ اس کی جادو بیانی نے ہمیں پھولوں سے بیگانہ بنا رکھا ہے۔

۲۔ مولوی صاحب کی نسبت تو معلوم نہیں ہو سکا کہ کون بزرگ تھے البتہ مرزا صاحب سے مراد مرزا عبدالرب تھے جو سیشن جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے وہ نواب سراج الدین سائل دہلوی کے داماد تھے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

تفصیل کے لیے حواشی ملاحظہ ہوں۔ (مولف)

ایس. حبیب احمد کے نام[1]

لاہور

۱۰ر جولائی ۳۲ء

مکرم بندہ

مجھے اندیشہ ہے کہ خط میں آپ کے سوالات کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر لوسی (DR. LUCY) کا نقطہ نظر وہی ہے جو عام طور پر یورپ میں متداول ہے لیکن مسئلہ کا اسلامی پہلو ابھی متعین کرنا ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب کی تاریخ ہنوز لکھی ہی نہیں گئی۔ بہت سا مواد اس وقت تک یا تو نامعلوم ہے یا غیر مطبوعہ ہے۔ یورپ کے علمار نے اس عجیب و غریب کرشمے کے محض بیرونی پہلوؤں پر سرسری نظر ڈالی ہے جس کو مسلم تہذیب کہا جاتا ہے۔ آپ کے لیے جرمن زبان میں وون کریمر (VON. KREMER) یا نولڈیکے (NOELDEKE) کی تصنیف خصوصاً وون کریمر کی کتاب "مسلم کلچر کی تاریخ" کا مطالعہ مفید ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

جہاں تک معرفت یا جسے عام طور پر تصوف کہا جاتا ہے کا تعلق ہے آپ پروفیسر براؤن کی کتاب "ایرانی ادبیات کی تاریخ" نکلسن کی تصنیف "تصوف اور عربی شاعری" (میں پورے وثوق سے کتاب کے عنوان کے بارے میں نہیں کہہ سکتا) کا مطالعہ کریں۔ آپ خود میری کتاب "ایران میں تشکیل مابعد الطبیعات"

---

[1] یہ خط معرفت ایس. ہاشمی صاحب، بگلی کنٹا، حیدرآباد (دکن) لکھا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ ذاتی طور پر علامہ اقبال سے شناسا نہ تھے۔ انھوں نے علامہ سے اسلامی فکر و فلسفہ کے متعلق چند سوالات کیے تھے۔

(بشیر احمد ڈار)

بھی پڑھیں۔ یہ کتاب آپ کو میسرز لوزک اینڈ کمپنی اور نیشنل بک سیلرز، لندن سے مل سکتی ہے۔ بعد میں مزید مطالعہ نے میرے خیالات میں چند تبدیلیاں کر دی ہیں، تاہم یہ کتاب آپ کے لیے مددگار ثابت ہوگی۔ ایک طالب علم کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک بغیر کسی حتمی رائے قائم کیے مطالعہ کرتا رہے۔ اگر آپ عربی زبان سے واقف ہیں تو اصل عربی کتابیں پڑھنے کی کوشش کریں۔ میرا خیال ہے کہ تصوّف پر اولین کتاب "کتاب اللمع" ہے اس کتاب سے آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ مسلم تصوّف کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوران تشکیل تصوّف میں ایسے خیالات کا نفوذ ہوگیا جو اس کی اصل ماہیت کے منافی تھے۔ ان خیالات کے بہت سے ماخذ تھے۔ مصر، ہندوستان، ایران۔ لیکن ڈاکٹر لوسی کا نقطۂ نظر بے جا حد تک وسیع ہے اور ان تمام کارہائے نمایاں سے اُن کی پوری عدم واقفیت کا غماز ہے۔ جو مسلمانوں نے اس میدان فکر میں انجام دیئے ہیں۔ مسلمانوں نے بلاشبہ یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا لیکن مجھے وثوق کامل ہے کہ وہ جلد اس منزل سے آگے نکل گئے اور بالآخر جدید فکر و فلسفہ کی بنیاد ڈالی۔ ڈیکارٹ کا طریقۂ تحقیق جسے جدید فلسفہ کی اساس سمجھا جاتا ہے۔ غزالی کی احیا (احیاء علوم الدین) سے اس درجہ مشابہ ہے کہ ایک یورپین مورخ فلسفہ (میرا خیال ہے کہ لیوس (LEWIS) ڈیکارٹ (DESCARTES) کو سرقہ کا مورد الزام قرار دیتا اگر موخر الذکر عربی سے واقف ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس ہسپانیہ میں استقرائی منطق کی تشکیل و ترقی بھی مسلم فکر و فلسفہ کی مرہون ہے۔ لیکن ان سب امور پر ابھی غور کرنا ہے اور وہ سارا مواد جو ابھی استعمال میں نہیں آیا ہے کسی محقق کے انتظار میں ہے۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے) (لیٹرز آف اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مکرم بندہ خاں صاحب! السلام علیکم
مجھے نقرس کی بیماری تھی۔ آپ کے دوست کو عرق النسا ہے۔ وہ اور چیز ہے اور اس کا علاج نقرس کے علاج سے بالکل مختلف ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۱۰ر جولائی ۱۹۲۲ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۱۰ر جولائی ۲۲ء

برادر مکرم السلام علیکم
آپ کا کارڈ مل گیا تھا اور والد مکرم کی خیریت ذکی شاہ سے بھی معلوم ہو گئی تھی الحمد علیٰ ذالک۔ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے پھوڑے کی طرف جلد توجہ کر دی ورنہ ممکن ہے زیادہ تکلیف ان کو ہوتی۔ ذکی شاہ کے ہم دست آم آپ کو بھیج چکا ہوں۔ ملتان سے آم آنے کی توقع تھی جن کی نسبت خیال تھا کہ بہت اچھے ہوں گے میرا خیال تھا کہ وہ آم آئیں تو آپ کو بھیجوں مگر افسوس کہ وہ اس وقت تک نہیں آئے اور بھیجنے والے صاحب ڈلہوزی چلے گئے۔ بہر حال جو آم میں نے بھیجے ہیں وہ بھی ملتان کے ہیں مگر اس سے بہتر دیسی آم لاہور میں نہیں ہیں۔ گو ان میں رس تھوڑا ہے مالدہ آم مجھے بھی پسند نہیں مگر سردار کو اس سے عشق ہے۔ اس واسطے گھر میں جب کبھی آم آتے ہیں وہی منگوائے جاتے ہیں۔
یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اعجاز کا کام چل نکلا ہے۔ آپ اس سے کہہ دیں کہ

وہ محنت کرتا رہے اور کام سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرے۔ جب وہ اچھی طرح سے تجربہ حاصل کرے گا تو ممکن ہے کوئی پبلک پراسیکیوٹری کی جگہ نکل آئے ہیں اس کے لیے کوشش کروں گا۔ پبلک پراسیکیوٹری سے اور بھی اچھی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن کام جتنا بھی ہو تندہی اور توجہ سے کرے۔ حکام سے بھی جو وہاں ہوں رسوخ رکھے۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی ابھی اس کی عمر بڑی نہیں ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۲۶ جولائی ۲۲ء

اُمید ہے اعجاز بخیریت گھر پہنچ گیا ہو گا۔ افسوس ہے کہ آم کی ایک ٹوکری گاڑی چلے جانے کے بعد اسٹیشن سے ملی اگر چند منٹ پہلے مل جاتی تو اعجاز کے ہمدست بھیج دی جاتی۔ بہرحال اگر میری واپسی (دیر) کوئی اور ٹوکری کہیں سے آگئی تو ہمراہ لاؤں گا۔ یہ آم جو مظفر گڑھ سے آئے تھے کچھ تو میں نے یہاں دے دیئے ہیں کچھ لدھیانے دیتا جاؤں گا۔ آج شام روانہ ہوتا ہوں آپ شملہ کوٹھی لو بہار کے پتہ پر مجھے اس خط کا جواب دیں۔ اگر شملہ کی آب و ہوا نے پاؤں کو تکلیف نہ دی تو وہاں کچھ مدت قیام رہے گا ورنہ واپس آجاؤں گا اور ایک آدھ روز لاہور میں قیام کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اعجاز تو بہت دُبلا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی چستی میں بھی نسبتاً کمی ہے اور چہرے سے فکر و تردد کے آثار پائے جاتے ہیں۔ میرے دل پر ان باتوں نے بڑا اثر کیا ہے ممکن ہے کہ اس کے دل پر اور باتوں کے علاوہ آپ کی ناخوشی کا بھی اثر ہو۔ آپ اس کی صحت کی فکر کریں اور اس کو تسلی دیں کہ انشاء اللہ اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی بہتر

صورت نکلے گی۔ فی الحال اس کو اپنا کام سیکھنے کی طرف پوری توجہ دینی چاہیئے اگر مقدمات نہ بھی آئیں تب بھی قانونی کتب کا مطالعہ کرتا رہے۔ وکیل کی زندگی میں وہ وقت نہایت بیش قیمت ہے جب اس کو کوئی کام نہ آتا ہو کیونکہ ان اوقات میں وہ مطالعہ کر سکتا ہے جو ان دنوں میں اس کے کام آئے گا جب لوگ اپنے معاملات اس کے سپرد کرنے لگیں گے۔ دو تین سال تکلیف کے ہیں پھر میں بھی انشاءاللہ اس کے لیے کوشش کروں گا اور اگر آپ کے دل میں اس کی طرف سے کوئی ناخوشی ہو تو اس کو دور کر دیں اگر فضول خرچی کا عیب اس میں ہے بھی تو میرے نزدیک یہ عیب بد چلنی سے بہتر ہے اور الحمدللہ کہ یہ موخرالذکر عیب اس میں نہیں۔ یہی غنیمت ہے خدا کا شکر کرنا چاہیے۔ آپ اپنے تمام معاملات خدا کے سپرد کر کے اپنے قلب کو افکار سے فارغ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ غیر متوقع سامان کر دے گا۔ مجھے اس کا پورا یقین ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ امید ہے اُن کا پھوڑا اچھا ہو گیا ہو گا۔

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

شملہ، نو بہار
۳ اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی السلام علیکم

میں کچھ دنوں کے لیے شملہ میں قیام پذیر ہوں نقرس کے دورہ کی وجہ سے صحت اچھی نہیں رہی۔

مردانِ خدا خدا نباشد ۔۔۔ لیکن ز خُدا جُدا نباشد[1]

---

[1] ترجمہ: جو مردانِ خدا (اولیاء اللہ) ہیں وہ خدا نہیں ہوتے مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔

کس کا شعر ہے؟ ایک امر کے لیے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ ممکن ہے آپ کی نظر سے کسی تذکرہ میں یہ شعر گذرا ہو۔ عام طور پر مشہور ہے۔ میں چند روز اور شملہ میں ہوں، اگر آپ جلد جواب دیں تو مندرجہ بالا پتے پر خط لکھیں۔ اور اگر کچھ دنوں کے بعد خط لکھنا ہو تو لاہور کے پتہ پر تحریر فرمائیں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال، بیرسٹر لاہور

(اقبال نامہ)

سردار ایم بی احمد کے نام

سیالکوٹ

۱۷ اگست ۲۲ء[ٖ1]

جناب من!

جرمنی سے متعلق میری معلومات اب پرانی ہو چکی ہیں۔ تیرہ برس گذرے میں اس ملک میں تھا۔ اس کے بعد اس ملک کو تاریخِ عالم کی ایک عظیم ترین جنگ سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس وقت وہ ملک دنیا کی معاشی تاریخ

1۔ "اقبال نامہ" میں اس خط کی تاریخ ۱۷ اگست درج ہے جب کہ انوارِ اقبال (ص ۲۳) میں اس خط کو ۲۰ اگست کا بتایا گیا ہے۔ (مؤلف)

کے ایک عدیم المثال مالی بحران میں مبتلا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جرمنی کی درس گاہوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں رُونما ہو چکی ہیں۔ آپ کو کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو اس ملک سے حال ہی میں واپس آیا ہو۔ میں تو صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنا مقالہ میونک[1] یونیورسٹی میں پیش کیا جس کے ارباب اختیار نے مجھے یونیورسٹی میں قیام کی شرط سے مستثنیٰ کر دیا اور مجھے اپنا مقالہ انگریزی میں لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ جرمن یونیورسٹیاں بالعموم ۲ سال یا ڈیڑھ سال کے لیے لیکچروں میں حاضری پر اصرار کرتی ہیں۔ حاضری کی مدت کا تعین امیدوار کی اہلیت پر ہوتا ہے۔ اور عام طور پر مقالہ جرمنی زبان میں مرتب کرنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ مجھے اپنے کیمبرج کے استادوں کی سفارش کی بنا پر اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا امتحان زبانی جرمن زبان میں ہوا جو میں نے دورانِ قیام میں تھوڑی بہت سیکھ لی تھی۔

آپ کا

محمد اقبال

(انوارِ اقبال) (انگریزی سے)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ میں شملہ سے بخیریت واپس آ کر ایک دو روز کے لیے لدھیانہ ٹھہرا تھا۔ مگر افسوس کہ وہاں مجھے نقرس کی پھر شکایت ہو گئی۔ اس واسطے اسی شام لاہور چلا گیا۔ وہاں سے چند گھنٹے کا قیام کر کے سیالکوٹ چلا آیا۔ کیونکہ میرے بھائی صاحب کی علالت کی خبر آئی تھی۔ دوا کے

---

[1] MUNICH

متواتر استعمال سے نقرس کی شکایت رفع ہوگئی ہے۔ جالندھر میں مولوی گرامی صاحب
کی خدمت میں ٹھہرنے کا قصد تھا۔ مگر نقرس کی شکایت نے مجھے رستے میں ٹھہرنے نہ دیا۔
اندیشہ تھا کہ اگر شکایت زیادہ ہوگئی تو مولوی صاحب کے لیے باعث زحمت بن جاؤنگا۔
اب اُن کی ملاقات کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔ انشاءاللہ یہاں سیالکوٹ
میں قریباً ایک ہفتہ قیام رہے گا۔ ستمبر میں ممکن ہے، پھر شملہ جاؤں۔ امید کہ آپ
کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ آپ کی رباعی
اچھی ہے۔

محمد اقبال لاہور

۱۷ اگست ۲۲ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

میر خورشید احمد کے نام[1]

مکرمی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں شملہ میں آفتاب دیکھنے کو ترس گیا۔
اس کے علاوہ اندیشہ تھا کہ ہوا کی رطوبت سے نقرس عود نہ کر آئے۔

شعر زیر بحث کے متعلق یہ عرض ہے کہ دوسری پارٹی کا خیال صحیح ہے۔
اعتقادات کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ بعض اسلامی فرقے
(خاصتہً احمدی)، مسیحؑ و علی مرتضیٰؓ کو نصاریٰ کا خدا اور شیعوں کا علیؓ کہہ کر گالیاں

---

[1] مکتوب الیہ ان دنوں حکومت ہند کے محکمہ امور خارجہ میں ملازم تھے پاکستان بننے
کے بعد گلگت ایجنسی GILGIT AGENCY میں رہے۔ "انوارِ اقبال" کی اشاعت اول
(مارچ ۱۹۶۷ء) کے وقت راولپنڈی میں مقیم تھے۔

دے لیتے ہیں۔ خود مرزا صاحب مرحوم اور ان کے مرید مولوی عبدالکریم نے شیعوں کی تردید میں یہی افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے[۱]۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہو گا۔ چودھری محمد حسین صاحب سے سلام کہیے گا۔
والسلام

محمدؐ اقبال سیالکوٹ
۲۵ اگست ۱۹۲۲ء
(انوار اقبال)

اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام

مخدومی۔ السلام علیکم۔ امسال عارضہ نقرس کی وجہ سے بہت تکلیف رہی۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ امیر خاں پر آپ نے خوب مضمون لکھا۔

---

[۱] اقبال کی نظم "ابر گہربار" یا "فریادِ امت" کا ایک شعر ہے:

یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علیؓ شیعوں کا — ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

غالباً اس شعر کے مفہوم کے متعلق اختلاف تھا۔ اقبال سے پوچھا گیا تو انھوں نے واضح کیا کہ اس میں عقائد کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف بُرے انداز میں باتیں کرتے اور ٹوکا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبال نے خود اجمالاً اشارہ کر دیا ہے۔ گویا اقبال کا یہ شعر اس طریق مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

خدائے تعالیٰ اس کے جانشینوں کو بھی ہدایت دے کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے دست کش ہو جائیں۔ صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی خوب مضمون لکھا گیا ہے۔ میں نے اُن کی زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں بند کر دیے ہیں ؎

ہمّتِ او کشتِ ملت را چو ابر[1]
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور
۲۲ر ستمبر ۲۲ء
(اقبال نامہ)

خواجہ حسن نظامی کے نام[2]

جناب خواجہ صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

قرآن آسان قاعدہ بظاہر خوب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ضرور کرنا چاہیے۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ تجربات میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ کیا آپ نے اپنے بچوں میں سے کسی کو اس قاعدے کے مطابق قرآن شریف پڑھایا ہے؟ اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے یقین ہے کہ اور مسلمان بھی اس قاعدہ سے مستفید ہوں گے۔ میں نے خود کبھی بچوں کو قرآن شریف نہیں پڑھایا۔

---

[1] ترجمہ: اس کی ہمت ملّت کی کھیتی کے لیے ابر کی مانند ہے وہ اسلام میں، غار میں، بدر میں، قبر میں ہر جگہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے دوسرے نمبر پہ رہا۔

[2] خواجہ حسن نظامی کا مرتبہ: "آسان قاعدہ" شائع ہوا تو اس کے بارے میں متعدد اکابر نے اپنی آرا خواجہ صاحب کو لکھ بھیجیں۔ علامہ اقبال نے اپنی رائے کا اظہار اس خط کی شکل میں کیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

اس واسطے ان مشکلات سے ناواقف ہوں جو اُستادوں کو پیش آیا کرتی ہیں۔

محمدؐ اقبال

لاہور

۲۷ ستمبر ۱۹۲۲ء

(خطوطِ اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۲۸ ستمبر ۲۲ء

برادر مکرم السلام علیکم

اعجاز کے خط سے معلوم ہوا کہ مسہل کے بعد بخار رک گیا ہے۔ الحمدللہ میں آپ کے لیے دعا کر رہا ہوں انشاء اللہ آپ کی صحت ضرور اچھی ہو جائے گی میں نے جو نسخہ آپ کو بتایا تھا اس پر ضرور روزانہ عمل کیے جائیے اس کی بنا محض فلسفیانہ خیالات پر نہیں بلکہ اس انکشاف پر ہے جو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے قلب انسانی کے متعلق مجھ کو عطا فرمایا ہے۔ اگر بعض خیالات آپ کو افسردہ کر رہے ہیں تو ان کو یک قلم دل سے نکال دینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ آپ کی تمام مشکلات رفع کر دے گا اور برکت نازل کرے گا۔ اگر آپ زندگی سے دل برداشتہ بھی ہوں تو محض اس خیال سے کہ اسلام پر بہت اچھا زمانہ عنقریب آنے والا ہے۔ اپنی صحت کی طرف توجہ کیجیئے تاکہ آپ اپنی آنکھوں سے اس زمانے کا کچھ حصّہ دیکھ لیں۔ آج چودہ یا شاید ۱۶ سال ہو گئے جب مجھ کو اس زمانے کا احساس انگلستان کی سرزمین پر ہوا تھا۔ اس وقت سے آج تک یہی دعا رہی ہے کہ بارالٰہا اس وقت تک مجھے زندہ رکھ یہاں تک کہ اپنی بعض پرائیویٹ مشکلات کے متعلق بھی میں نے شاذ ہی دعا مانگی ہوگی۔

آپ نے اخباروں میں پڑھ لیا ہوگا کہ ترکوں کا قبضہ بغیر جنگ کے اپنے تمام

ممالک پر ہو گیا ہے۔ آبناؤں پر ان کا اقتدار تسلیم کر لیا گیا ہے البتہ یہ اقتدار بعض شرائط کا پابند ہو گا جس کا فیصلہ مجلس اقوام کرے گی۔ ترکستان کی جمہوریت کو بھی روس کی گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا ہے۔ اس کے صدر غازی انور پاشا ہوں گے اس سے بھی زیادہ معنی خیز خبر یہ ہے کہ روس کی سلطنت کا صدر اب ایک مسلمان محمد ستالین نام ہے لے نن جو پہلے صدر تھا بوجہ علالت رخصت پر چلا گیا ہے اس کے علاوہ روسی گورنمنٹ کا وزیر خارجہ بھی ایک مسلمان مقرر ہوا ہے جس کا نام قرہ خان ہے۔ اِن تمام واقعات سے انگریزی پولیٹکل حلقوں میں بہت اضطراب پیدا ہو گیا ہے اور ان سب باتوں پر طرّہ یہ ہے کہ ایشیا میں ایک لیگ اقوام کی قائم ہونے والی ہے جس کے متعلق افغانی اور روسی گورنمنٹ کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ سب اخباروں کی خبریں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حقیقت ان سے بھی زیادہ ہے۔ غالباً اب مسلمان ایشیا کا فرض ہے کہ تمام اسلامی دنیا میں چندہ کر کے کابل اور قسطنطنیہ کو بذریعہ ریل ملا دیا جائے اور یہ ریل ان تمام اسلامی ریاستوں میں سے ہو کر گزرے جو روس کے انقلاب سے آزاد ہوئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تجویز ضرور عمل میں آئے گی۔ باقی خدا کا فضل وکرم ہے جو واقعات رونما ہوئے ہیں انھوں نے قرآنی حقائق پر مہر لگا دی ہے کہ حقیقت میں کوئی کمزور یا طاقتور نہیں جس کو اللہ چاہتا ہے طاقتور بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے آن کی آن میں تباہ کر دیتا ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۴ اکتوبر ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم!

کل آپ کو خط لکھنے بیٹھا پھر کسی اور کام میں مصروف ہو گیا، جو بہت ضروری تھا۔ مگر دل کو دل سے راہ ہے۔ آج آپ کا پیغام ایک نوجوان لے کر آیا۔ وہ ابھی اٹھ کر گیا ہے اور میں آپ کو خط لکھنے بیٹھا ہوں۔ میں شملہ سے آتا ہوا بیمار ہو گیا تھا۔ مگر اب خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ سردی آ رہی ہے میں نے مکان بھی تبدیل کر لیا ہے۔ مرزا جلال الدین صاحب کے قریب ہے۔ ایک کوٹھی[1] ایک سو ستر روپیہ ماہوار کرایہ پر لے لی ہے۔ اب آپ تشریف لائیں گے تو آپ کو زیادہ آسائش رہے گی۔ اب کے ضرور تشریف لایئے۔ کیا ہوشیارپور میں اکیلے بیٹھے ہو! نہ آپ کا وہاں کوئی قدر دان نہ آپ کے مطالب عالیہ کو سمجھنے والا۔ نظیری کی غزل پر ایک اور غزل لکھی تھی، جس کا آخری شعر لکھتا ہوں۔ آپ لاہور تشریف لائیں گے تو ساری غزل عرض کروں گا[2]

---

[1] جس کوٹھی کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے، وہ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی ہے، جہاں اقبال اس وقت تک مقیم رہے، جب تک انھوں نے میو روڈ پر اپنی کوٹھی "جاوید منزل" تعمیر نہ کر لی۔ میو روڈ کا نام پاکستان بننے کے بعد اقبال روڈ رکھا گیا ہے۔

[2] یہ غزل پیامِ مشرق کے صفحہ ۱۷۰ - ۱۷۱ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر

رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

ترجمہ: ہماری فکر ہر لحظہ نیا آقا تراش لیتی ہے ایک بندھن سے نکل کر دوسرے میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

چنگ تیموری شکست آہنگ تیموری بجاست[1]
سر بروں می آرد از ساز سمرقندے دگر

باقی خدا کا فضل و کرم ہے گھر میں میری طرف سے آداب کہہ دیجئے گا۔ مصطفیٰ کمال پاشا کے فتوحات کا مادۂ تاریخ یہ ہے:[2]

---

[1] ترجمہ: تیمور کا ساز ٹوٹ گیا مگر آواز باقی ہے اب وہ سمرقند کے دوسرے ساز سے برآمد ہو گی۔

[2] سمرنا کا خوشحال علاقہ مسلمانوں کا ایک لہلہاتا ہوا باغ تھا۔ جسے یونانی مظالم نے ویران کر دیا تھا۔ اگست ۱۹۲۲ء میں انقرہ سے خبر آئی کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے یونانیوں کو شکست دی ہے اور سمرنا، تھریس اور قسطنطنیہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔ یہ شکست دراصل انگریزوں کے تدبّر کی شکست تھی۔ ہندوستان کے مسلمان ترکوں سے خاص ہمدردی رکھتے تھے، وہ لاکھوں روپے چندہ جمع کر کے انھیں بھیج چکے تھے۔ مسلمانوں کو اس فتح سے بے حد خوشی ہوئی۔ ہر جگہ جلسے ہوئے اور جشن منائے گئے۔ اقبال نے یہ مادۂ تاریخ لکھ کر گرامی کو بھیجا:

شاخِ ابراہیم را نم مصطفیٰ — سالِ فتحش "اسمِ اعظم مصطفیٰ"

اقبال کے ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ گرامی نے تاریخ فتح پور مصرعے ایزاد کر کے مادۂ تاریخ کو چار چاند لگا دیے:

شاخِ ابراہیم را نم مصطفیٰ — مہدیِ آخر زماں ہم مصطفیٰ
گوش کن اے بے خبر تاریخِ فتح — گفت اقبال "اسمِ اعظم مصطفیٰ"

(۱۳۴۱ھ)

ترجمہ: مصطفیٰ کمال پاشا شاخِ ابراہیم (اسلام) کے لیے نمی کا باعث ہے اور وہی مہدی آخر زماں بھی ہے اے بے خبر اس کی فتح کا سال سن لے وہ اسم اعظم مصطفیٰ اقبال نے کہا ہے۔

شاخ ابراہیم رانم مصطفٰے　　سال فتحش "اسم اعظم مصطفٰے"
۱۳۴۱ھ

محمدؐ اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۱ اکتوبر ۲۲ء

سرکار والا تبار

اقبال تسلیمات عرض کرتا ہے۔

کچھ عرصہ ہوا عرض کیا تھا کہ خاکسار نے جو پیغام مولانا شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس کا جواب سرکارِ والا کی خدمت میں پہلے پہنچے گا۔ اخباروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلوبہ جواب سرکار عالی تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن اقبال حضور سے سننے کا مشتاق ہے۔

تصدیق ہو جائے تو مزید عرض کروں گا۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج مع متعلقین بخیر و عافیت ہو گا۔ جواب کے لیے چشم براہ ہوں۔

بندۂ مخلص محمدؐ اقبال

(شاد اقبال)

مولانا گرامیؒ[1] کے نام

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

---

[1] مکاتیب اقبال بنام گرامی میں اس خط کی "تاریخ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء درج ہے۔ جب کہ صحیح تاریخ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء ہے کہ مصطفٰے کمال پاشا نے تاریخی فتح سمرنا ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو پائی۔ (مولف)

آپ کا والا نامہ مل گیا تھا۔[۱] خدا نہ کرے آپ کو نقرس ہو۔ یہ بڑا کم بخت درد ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ہر دوست کو بلکہ تمام دنیا کو اس دکھ سے محفوظ رکھے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی تاریخ فتح پر مصرع ایزاد کر کے آپ نے مادہ تاریخ کو چار چاند لگا دیے۔

---

[۱] اس خط میں گرامی نے ہوشیار پور سے لکھا تھا:

"کوٹھی مبارک ہے۔ بہت جلد حضرت مجدّد عصر ہائی کورٹ کی ججی کی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے۔ گرامی کی یہ پیشین گوئی ہے۔ گرامی بوڑھا تھا، لنگڑا بھی ہو گیا۔ لذت شنیدن سے بے بہرہ پہلے ہی تھا، پیرو ہزار علت، گرامی نقرس میں مبتلا ہو گیا۔ چار قدم چلتا ہوں یا چلنا چاہتا ہوں، نہیں چل سکتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ ڈاکٹر کی ہم پابی یا ہمپائی یا ہمقدمی کی عزت اس کو حاصل ہو گئی۔ یہ غلط۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا ہمدرد۔ ورنہ کہاں فلاسفر حکیم، کہاں دقیانوسی ابلہ جالندھری۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ نے ایسے وقت میں گرامی کو لاہور آنے کی دعوت دی ہے کہ وقت بھی اس کی مدد کرنے سے خوش نہیں — کیا آپ کے پاس اس درد کا کچھ بقیہ تیل ہے؟ مختلف تیل کی مالش کر رہا ہوں۔

سبحان اللہ کیا تاریخ فتح لکھی ہے۔ الہام ہے:

شاخ ابراہیم رانم مصطفیٰ	مہدی آخر زماں ہم مصطفیٰ
گوش کن اے بے خبر تاریخ فتح	گفت اقبال "اسم اعظم مصطفیٰ"

ترجمہ: ابراہیم کی شاخ (نسل) کو تازگی و شادابی محمد مصطفیٰ کی ذات گرامی سے ہے مہدی آخر الزماں بھی محمد مصطفیٰ ہی ہیں۔ اے بے خبر سمرنا کی تاریخ فتح کان دھر کر سن لے، اقبال نے کہی ہے: "اسم اعظم مصطفیٰ" ۱۳۴۱ھ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب ذرا صحت ہو جائے تو ضرور تشریف لائیے۔ اب تو سردی کا موسم آرہا ہے میں دو چار روز تک نئے مکان میں منتقل ہو جاؤں گا۔ نواب صاحبؒ بھی شملہ سے تشریف لے آئے ہیں۔ اخبار خالصہ ایڈوکیٹؒ میں اور نیز آج کے پیسہ اخبار سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر سرکار نظام کے صدر اعظم سید علی امام کی جگہ ہو گئے۔ کیا آپ اخبار پڑھا کرتے ہیں آپ کو معلوم ہے اسلامی دنیا کا رخ کدھر ہے اور دنیا میں کیا ہو رہا ہے آپ کا قلب ضمیر کائنات کا جاننے والا ہے۔ کچھ مکاشفہ ہو تو مجھ کو بھی مطلع کیجئے گا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

محمدؐ اقبال لاہور

۱۱ر اکتوبر ۲۲ء

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۶ر اکتوبر ۲۲ء

سرکار والا تبار تسلیمات

نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اخبارات میں تو (خالصہ ایڈوکیٹ، و پیسہ اخبار وغیرہ) وہی دیکھا گیا جو میں نے عرض کیا تھا۔ مگر پرسوں محمد شفیع صاحب سے معلوم ہوا کہ ابھی آخری فیصلہ نہیں ہوا۔

(بقیہ حاشیہ) چنگ تیموری شکست آہنگ تیموری بجاست

می رسد در گوشم از ساز سمرقندے دگر

(ترجمہ: تیمور کی جنگ تو ختم ہو گئی لیکن تیمور کی جنگی صدا باقی ہے کیونکہ میں آج بھی اپنے کانوں سے سمرقند کے ایک دوسرے ساز کی آواز سن رہا ہوں۔) ؎ نواب سر ذوالفقار علی خاں۔

؎ اس ہفتہ وار اخبار کا نام "خالصہ سماچار" تھا نہ کہ "خالصہ ایڈوکیٹ"۔ اسے بھائی ویر سنگھ نے امرتسر سے ۱۸۹۹ء میں جاری کیا۔ (مؤلف)

سر محمد شفیع علی گڑھ گئے تھے وہاں مسٹر حیدری بھی موجود تھے۔ یہ روایت کی کہ ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ مسٹر موصوف کی زبان سے ہی نقل کرتے تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے اُمید ہے کہ حسب مراد ہو۔ دکن میں سوائے شاؔد کے اور ہے کون ؟ رات پھر ایک اور پیغام حضرت تاج کی خدمت بابرکت میں بھیجا گیا ہے۔ گزشتہ ہفتہ میں دو نیاز نامے سرکار والا کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں۔ آج یہ تیسرا نیاز نامہ ہے۔ اقبال ممکن نہیں کہ شاد کو فراموش کر سکے اور حضرتِ شاؔد کو یوں بھی کوئی شخص آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا۔

پادشاہ ہیں رموز مملکت کو خوب سمجھتے ہیں۔ ہم فقیروں کے نزدیک تو مصلحت یہی ہے اور یہی تقاضہ حالاتِ حاضرہ کا بھی ہے کہ شاؔد دکن کے مدار المہام ہوں۔ کیا عجب کہ یہی تقاضائے وقت و حالات تقدیر الٰہی کے بھی مطابق ہو۔

امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(شاد اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۱ نومبر ۲۲ء

سرکارِ والا تبار، تسلیم

دو والا نامے ملے جن کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں عریضہ لکھنے ہی کو تھا کہ دوسرا نوازش نامہ سرکارِ عالی کا موصول ہوا۔ بابا تاج کے پیغام سے میری مراد معشوق کامرانی کا خیال ہے۔ جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو دربارِ تاج میں تشریف لے جائیے۔

فی الحال سرکارِ والا کا تامّل بالکل بجا ہے اور جو کچھ سرکار نے جمال صاحب کو لکھا ہے مناسب ہے۔ میں نے جو عرض کیا تھا کہ بابا تاج کا پیغام مجھ سے پہلے سرکار کی خدمت میں پہنچے گا اس سے مراد ..... ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ مزاج والا بخیر ہوگا۔

مخلص شاد محمدؐ اقبال

(شاد اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور

۲۲ر نومبر ۲۲ء[1]

سرکار والا تبار۔تسلیم

حامل رقعہ مولوی سید ابراہیم ہیں۔ یہ حیدرآباد جاتے ہیں اور مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ان کو ایک معرفی نامہ دوں۔ آدمی ہوشیار ہیں اور قابل۔ فارسی کی لیاقت عمدہ ہے اور انگریزی بی۔ اے تک پڑھی ہے۔ حیدرآباد میں ان کے ایک بھائی ہیں۔

---

[1] "شاد اقبال" (ص - ۶۹) میں اس خط کی تاریخ ۲۲ر نومبر ۱۹۱۷ء درج ہے اور اسے عبداللہ قریشی نے بھی قبول کیا ہے (اقبال بنام شاد اور روح مکاتیب اقبال) مگر صابر کلوروی نے اپنے مضمون "روح مکاتیب اقبال۔ ایک تنقیدی جائزہ" میں کوئی واضح دلیل دیے بغیر اس کی تاریخ ۲۲ نومبر ۱۹۲۲ء متعین کی ہے۔

ہم نے ان کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ۱۹۲۲ء کا خط تسلیم کرلیا ہے کہ ممکن ہے صابر صاحب کے پاس اس کا عکس موجود ہو یا کوئی اور دلیل ہو جسے وہ درج کرنا بھول گئے ہیں۔ (مؤلف)

ان سے ملنے کے لیے دکن کا سفر کرتے ہیں۔ آپ کے آستانے پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کرنا ان کی ایک آرزو ہے۔

امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص قدیم محمدؐ اقبال لاہور

(شاد اقبال)

صغرا بیگم ہمایوں مرزا کے نام

لاہور

۲۸ر نومبر ۲۲ء

مکرمہ تسلیم

رسالہ النساء کے لیے نہایت سپاس گذار ہوں۔ بہت اچھا رسالہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا مطالعہ مسلمان عورتوں کے لیے بہت سبق آموز ہو گا۔ میں کچھ مدت سے اردو میں بہت کم لکھتا ہوں۔ لیکن اگر کچھ اردو اشعار ہو گئے تو بھیج دوں گا۔ تسلیم۔

محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۱۰ر دسمبر ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا۔ میں آپ کو خط لکھنے کی فکر میں تھا مگر کئی روز سے نزلہ کھانسی نے تنگ کر رکھا ہے۔ کل شام ہلکا سا بخار بھی ہو گیا تھا۔ مگر خیر گذری۔ اس وقت اچھا ہوں، نزلہ بدستور ہے۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ اقبال گرامی سے بیزار ہو جائے۔

آپ سے اگر کچھ شکایت ہے تو یہی کہ آپ لاہور نہیں آتے۔ آج صبح شیخ رحیم بخش صاحب[1] وکیل جالندھر نے بتایا کہ آپ ایک دفعہ لاہور آنے کو تیار تھے مگر یہ خبر سن کر بیگم صاحبہ کو غش ہو گیا۔ جب حالت یہ ہو تو آپ کے آنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی اور نہ میں ایسا بے رحم ہوں کہ آپ سے لاہور آنے کی درخواست کروں۔ وہ "چار یار" والی رباعی[2] نہایت خوب تھی۔ نواب صاحب کو ابھی میں سنا نہ سکا۔ علالت کی وجہ سے صحبت درویشانہ کا موقع نہیں ہوا۔ آج کے خط میں جو رباعیاں آپ نے لکھی ہیں لاجواب ہیں۔ مولانا سعید ابوالخیر کی روح فردوس بریں میں ان کی داد دے رہی ہے۔ مگر

---

[1] شیخ رحیم بخش صاحب وکیل جالندھر اقبال اور گرامی دونوں کے مشترک دوست اور ملنے والے تھے۔

[2] وہ چار یار والی رباعی حسب ذیل ہے:

ماہ و شب ماہ و آفتاب ست و سحر
اقبال و جلال و ذوالفقار و اصغر
یک جذبہ و یک ضمیر و یک دل یک جاں
در چشم ستارہ چار یار ند مگر

ترجمہ: چاند، چاندنی رات، آفتاب اور سحر اقبال، جلال، ذوالفقار اور اصغر ایک جذبہ ایک ضمیر ایک دل ایک جان مگر یہ ستارے کی آنکھ میں چار یار ہیں۔

علامہ اقبال، مرزا جلال الدین بیرسٹر، نواب ذوالفقار علی خاں اور شیخ اصغر علی کی دوستی اس زمانے میں مثالی سمجھی جاتی تھی۔ موخر الذکر قصور کی شیخ برادری کے نامور فرزند تھے۔ اپنی ذاتی قابلیت سے ترقی کر کے کمشنر کے جلیل القدر عہدے تک پہنچے تھے۔ یہ چاروں دوست نواب ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی "زرفشاں" میں تقریباً روزانہ جمع ہوتے تھے۔ کبھی کبھی مرزا جلال الدین بیرسٹر کے ہاں بھی محفلیں جمتی تھیں۔

مجھے اندیشہ ہے کہ یہ جواہر گراں بہا آپ بے پروائی سے ضائع کر دیں گے۔ ان کو کسی سفینے میں جمع رکھنا چاہیئے اور آپ کی زندگی[1] میں کم از کم یہ رباعیات چھپ جائیں تو غنیمت ہے۔

میں تو کئی روز سے کچھ نہیں لکھ سکا۔ قبض کا زمانہ ہے۔ آپ یہاں ہوتے ہیں تو کبھی کبھی طبیعت شعر کی طرف آجاتی ہے۔

می کند دیوانہ با دیوانہ رقص[2]

کل بخار کی حالت میں یہ شعر موزوں ہوگیا۔ مگر زمین مشکل ہے شاید غزل نہ ہوسکے[3]

از داغ فراق او در دل چمنے دارم　　　اے لالۂ صحرائی با تو سخنے دارم

آگے کچھ نہیں لکھ سکا۔ ایک مصرع اور اس وقت آپ کو خط لکھتے لکھتے موزوں ہوا ہے:

"نے ہم نفسے دارم نے انجمنے دارم"[4]

بس میری شاعری اب اسی قسم کی باقی ہے۔ فارسی مجموعہ ان شاءاللہ عنقریب شائع ہوگا۔ اس کے لیے تقریظ لکھیئے۔ ایک رباعی اور

---

[1] گرامی کی زندگی میں تو یہ رباعیاں نہ چھپ سکیں البتہ ان کی وفات کے بعد ایک مجموعے کی صورت میں شائع ہوگئیں۔

[2] ترجمہ:

دیوانہ دیوانے کے ساتھ رقص کرتا ہے۔

[3] غزل واقعی نہ ہوسکی، کسی مجموعے میں نظر نہیں آئی۔

ترجمہ:

اس کے داغ فراق سے میرے دل میں چمن کھلا ہوا ہے۔ اے لالۂ صحرائی مجھے تجھ سے کچھ کلام ہے

[4] ترجمہ نہ میرا کوئی ہم نفس ہے نہ کوئی انجمن ہے۔

عرض کرتا ہوں۔

میان آب و گل خلوت گزیدم ز افلاطون و فارابی بریدم
نہ کردم از کسے دریوزۂ چشم جہاں را جز بچشم خود ندیدم

مخلص محمد اقبال

بیگم گرامی صاحبہ کی خدمت میں آداب عرض ہو اور ریوڑی کا شکریہ۔

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

لہ ترجمہ: میں نے آب و گل کے درمیان خلوت اختیار کی افلاطون اور فارابی سے خود کو علیحدہ کر لیا میں نے کسی سے نظر کی بھیک نہیں مانگی اس دنیا کو اپنی آنکھ کے سوا (دوسروں کی آنکھ سے) نہیں دیکھا۔

اس رباعی کی داد دیتے ہوئے گرامی نے کہا:

"سبحان اللہ! کیا دلفریب مضمون ہے۔ کیا حکیمانہ استغنا ہے مگر گرامی کی رائے میں صحیح یوں ہے:

نہ بردم منت دریوزۂ چشم جہاں را جز بچشم خود ندیدم

ادب نا آشنا گرامی کا یہ تصرف بے جا ہے یا بجا؟ صحیح ہے یا غلط ہے؟" مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور پیام مشرق میں اپنے مصرع "نہ کردم از کسی دریوزۂ چشم" کو اسی طرح رہنے دیا۔

(دیکھو پیام مشرق، صفحہ ٦٤)

(محمد عبداللہ قریشی)

میر خورشید احمد کے نام

مخدومی

السلام علیکم والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبد السلام کی دونوں کتابوں سے میں بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجیے نیز التماس دعا بھی کیجیے۔ کرسمس کے دنوں میں دلّی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں ممکن ہے۔ انشاء اللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرف نیاز حاصل ہوگا۔ غزل مطلوب کے جتنے اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں:

کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو تو نوا ہے محرمِ گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں

دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن
نہ ترے فسانۂ سوز میں، نہ مری حدیثِ گداز میں[1]

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

---

[1] یہ غزل "بانگ درا" (ص ۳۲۰-۳۲۱) میں شائع ہو چکی ہے اشعار کی ترتیب کے فرق کے علاوہ شعر کا آخری مصرع بانگ درا میں یوں ہے: ع نہ تری حکایت سوز میں نہ مری حدیث گداز میں۔
بانگ درا میں ایک شعر زاید ہے۔

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

(بشیر احمد ڈار)

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

شاید دو چار شعر اور ہوں گے لیکن اس وقت یاد نہیں آئے، پھر عرض کروں گا۔
جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔
حضور سرورِ کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار میں نے لکھے تھے جو مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے۔ مجھے یقین ہے انھیں پسند آئیں گے۔

تیغ لا در پنجۂ ایں کافر دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الّائے من
از سپہر بارگاہت یک جہاں وافر نصیب
جلوۂ داری دریغ از وادیِ سینائے من
با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ! او پنہاں و تو پیدائے من[1]

مخلص

محمد اقبال

۱۳ دسمبر ۲۲ء

(انوار اقبال)

---

[1] یہ اشعار "پیام مشرق" ص ۲۲۰۔۲۲۱ میں چھپ چکے ہیں۔

ترجمہ: (لا نفی) کی تیغ اس پرانے کافر کے ہاتھ میں دے پھر دنیا میں میرے (الّا اثبات) کا تماشا دیکھ تمہاری بارگاہ کے سپہر سے ایک زمانے کو بہت کچھ حصہ مل رہا ہے مگر افسوس میری وادیِ سینا میں جلوہ دکھانے سے بخل کرتے ہو میں خدا سے تو درپردہ کہتا ہوں مگر آپ سے برملا کہتا ہوں اے رسول اللہ وہ (خدا) میرا درپردہ (والی) ہے اور آپ عالم ظاہر میں میرے آقا ہیں۔

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۶؍ دسمبر ۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ جس کے لیے شکر گزار ہوں افسوس ہے میں علی گڑھ نہ جا سکوں گا۔ سردی کا موسم (ہے) اور مجھے اس موسم میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ علی گڑھ کانفرنس ایک مدت سے مر چکی ہے۔ حبیب الرحمٰن خاں شروانی اُسے زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر

پیٔ نافہ ہائے رسیدہ بو، مپسند زحمت جستجو[1]

بخیال حلقۂ زلف او، گرہے خورو بختن درآ

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۹؍ دسمبر ۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

مالیر کوٹلے کی ججی کے متعلق یہ عرض ہے کہ آپ ایک باقاعدہ عرضی لکھیں۔ نواب مالیر کوٹلہ سے مجھے بھی واقفیت ہے۔ میں اس پر سفارش لکھوں گا اور نواب صاحب سے بھی لکھوا دوں گا۔ اس کے علاوہ میر عبداللہ شاہ صاحب، نواب صاحب

---

[1] ترجمہ: جس نافے کی خوشبو پھیل رہی ہے اس کے لیے جستجو کی زحمت نہ کر اس کے حلقہ زلف کے خیال میں گرہ لگا اور ختن میں آجا۔

کے پرائیویٹ سکریٹری بھی میرے دوست اور ہم جماعت ہیں۔ اُن کی خدمت میں بھی خط لکھ دوں گا۔ عرضی لکھ کر آپ لاہور لے آئیں۔ ذوالفقار علی خاں صاحب سے نواب مالیر کوٹلہ کے مراسم بہت اعلیٰ درجہ کے نہیں ہیں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی عرضی پر سفارش لکھنے سے دریغ نہ کریں گے اور اگر سفارش کے علاوہ پرائیویٹ خط بھی انھوں نے لکھ دیا تو از یں چہ بہتر۔ تصویر آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔ مگر اس میں تامّل ہے کہ اُسے کسی نمایاں جگہ پر لٹکایا جائے۔ میں بڑے بڑے مجموں میں محض اس لیے نہیں جایا کرتا کہ لوگ دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں وہ اقبال آیا۔ مجھے اس قسم کی شہرت سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ باقی خیریت ہے امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

محمد دین فوق کے نام

لاہور ۱۹ر دسمبر ۲۲ء

ڈیر فوق صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے مصائب[1] کا حال سُن کر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مولوی عبداللہ[2] غزنوی آج حدیث کا درس دے رہے تھے

---

[1] یہ خط اقبال نے محمد دین فوق کے لڑکے کی وفات پر تعزیت کے لیے لکھا تھا۔

[2] مولوی عبداللہ غزنوی، غزنوی خاندان کے اولین فرد ہیں جو افغانستان سے ہجرت کرکے ہندوستان میں آکر آباد ہوئے۔ مولانا عبداللہ غزنوی توحید و سنت کے علمبردار تھے اور انھوں نے ساری عمر بدعت کے خلاف جہاد کیا اور اسی وجہ سے انھیں افغانستان سے ہجرت کرنا پڑی۔ بڑے فاضل اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔

کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کی خبر موصول ہوئی۔ ایک منٹ تامّل کیا۔ پھر طلبا کو مخاطب کر کے کہا

"ما بر رضائے او راضی ہستیم بیائید کہ کار خود بکنیم"[1]

یہ کہہ کر پھر درس میں مصروف ہوگئے۔ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

"شباب کشمیر" ضرور لکھیے بہت مفید کتاب ہوگی[2] اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعے[3] میں شائع ہوگی۔ افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر

---

[1] ترجمہ: ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں، آؤ اپنا کام کریں۔

[2] "شباب کشمیر" کشمیر کے اس دور کی تاریخ ہے جب مشہور بادشاہ زین العابدین المعروف بہ بڈشاہ حکمران تھا اور جسے کشمیر کا دورِ زریں کہا جاتا ہے۔

[3] فارسی مجموعے سے مراد 'پیام مشرق' ہے جو پہلی بار ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں کشمیر کے عنوان سے ایک نظم ہے (صفحہ ۱۵۵) جس کا مطلع ہے:

رخت بہ کاشمر کشا، کوہ و تل و دمن نگر سبزہ جہاں جہاں بہ بیں لالہ چمن چمن نگر

ترجمہ: اپنا رخت سفر کشمیر کے لیے باندھ اور وہاں پہاڑ، جھیل اور دامن کوہ کے مناظر دیکھ جگہ جگہ سبزہ اور چمن چمن میں گل لالہ کا نظارہ کر۔

اس کے علاوہ ساقی نامہ ہے جو نشاط باغ کشمیر میں لکھا گیا۔ اس میں وہ جذبات پائے جاتے ہیں جن کا اظہار اس خط میں اقبال نے کیا ہے۔ ساقی نامہ کے چند آخری اشعار یہ ہیں۔

کشمیری کہ با بندگی خو گرفت بُتے می تراشد ز سنگ مزارے

ضمیرش تہی از خیالِ بلندے خودی ناشناسے ز خود شرمسارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری کہ خاکسترش آفریند شرارے

(ترجمہ اگلے صفحہ پر)

سے بہت کم آگاہی ہے۔ ممکن ہے پنڈت شونرائن آپ کی مدد کر سکیں۔ راج ترنگنی[1] غالباً ان کے پاس ہے۔ اگر نہ ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی "اسلام میں سیاست" ۱۴ سال ہوئے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا نتیجہ آخر کار ۱۹۰۹ء میں عبدالحمید خاں کی معزولی ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالاجیکل ریویو[2] میں شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار نے اس کا ترجمہ بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سکریٹری نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب نے کیا تھا۔ معتبر ہے۔ اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع[3] کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے۔ وہ ایک آدھ روز کے لیے سیالکوٹ جانے والے ہیں وہاں سے جنوری کے شروع میں واپس آئیں گے۔ ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تامل نہ ہوگا۔ انگریزی اصل چند روز ہوئے مسلم آؤٹ لک[4] میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک سے طلب فرمائیں۔

(بقیہ حاشیہ) ترجمہ: کشمیری جس نے غلامی کی عادت ڈال لی ہے، سنگ مزار سے بت بناتا ہے اس کا ضمیر بلند خیالی سے خالی ہے، خودی ناشناس ہے اور خود سے شرمندہ ہے اس شراب کا ایک قطرہ کشمیری پر ڈال دے جس کی خاکستر سے شرار پیدا ہوتا ہے۔

[1] "راج ترنگنی" کشمیر کی مستند تاریخ ہے جس کے انگریزی اور اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

[2] SOCIOLOGICAL REVIEW

[3] یہ مضمون خلافت اسلامیہ کے نام سے محمد دین فوق نے ۱۹۲۲ء میں شائع کر دیا تھا۔

[4] مسلم آؤٹ لک MUSLIM OUTLOOK پنجاب کا واحد مسلم انگریزی روزنامہ تھا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں چند مسلم نوجوانوں نے لاہور سے یہ اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ مسلمانوں کا کوئی انگریزی اخبار نہیں تھا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

باقی رہے میرے حالات سوانح میں کیا رکھا ہے۔ میرا طرز رہائش مشرقی ہے
آپ شوق سے تشریف لا سکتے ہیں۔ والسلام

محمدؐ اقبال

(عکس) (انوار اقبال)

(بقیہ) اس پر علامہ نے چند اشعار کہے جو علامہ کی کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہیں۔

ہند کی کیا پوچھتے ہو اے حسینانِ فرنگ
دل گراں، ہمت سبک و شر فزوں روزی تنگ
لک ووڈن کا حکم تھا اس بندۂ اللہ کو
اب یہ سنتے ہیں نکلنے کو ہے مسلم آوٹ لک
کیا عجب پہلے ہی لیڈر ہیں یہ کر دے آشکار
کس طرح آیا کو بے کراڑ گیا صاحب کا گگ
قافیہ اک اور بھی اچھا تھا لیکن کیا کریں
کر دیا متروک دلی کے زباں دانوں نے ٹگ
ختم تھا مرحوم اکبر ہی پہ یہ رنگِ سخن
ہر سخنور کی یہاں طبع رواں جاتی ہے رُک

(صابر کلوروی۔ اقبال کے ہم نشین ص ۲۸۔۲۹)

له LOOK WITHIN

لاہور ۱۱ اپریل ۲۲ء

مخدومی السلام علیکم

محمد اقبال

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

دسمبر[۱]

سرکار والا تبار تسلیم

دعوتی رقعہ سرکار والا کی طرف سے چند روز ہوئے پہنچا۔ عزت افزائی کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ کاش اس کار خیر میں شریک ہو سکتا۔
لاہور سے حیدر آباد بہت دور ہے تاہم امید ...... کہ کبھی اقبال کے جمود کا خاتمہ کر دے ...... خدائے تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ رکھے اور تمام آرزوئیں بر آئیں۔ لاہور میں عجیب موسم ہے۔ دوپہر کو گرمی اور رات کو خوب سردی .... اس عجیب و غریب موسم نے مجھے کئی روز تک بیمار رکھا۔ کل سے کسی قدر آرام ہے اور سرکارِ والا کی صحت و سلامتی کا ....
معاملۂ معلومہ .... تو سرکار کے حسب مراد ہو گا۔ میں بھی کئی دنوں سے دست بدعا ہوں۔ دیگر حضرات سے استمداد کا خواستگار۔
امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہو گا۔

مخلص محمدؐ اقبال لاہور
(شاد اقبال)

---

[۱] شاد کے ۱۳ دسمبر کے جوابی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دسمبر کے پہلے ہفتہ میں لکھا گیا ہوگا۔ اس خط میں بعض الفاظ مصلحتاً حذف کر دیے گئے۔

(۱) صابر کلوروی : اشاریۂ مکاتیب اقبال ص ۱۲۳

(۲) ڈاکٹر محی الدین زور : شاد اقبال ص ۱۲۵

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور

۲۹ دسمبر ۲۲ء

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ مل گیا تھا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ الحمد للہ کہ سرکار عالی کو ...... کے فرض سے سبکدوشی ہوئی۔ ان شاء اللہ باقی فرائض بھی بوجوہ احسن انجام پذیر ہوں گے۔ سرکار نے جو کچھ حیدر آباد کے لڑکوں کے متعلق ارشاد فرمایا، بالکل بجا ہے۔ فی زمانہ شرفاء ہند کی لڑکیوں کے بَر کا معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے۔ پنجاب کی حالت حیدر آباد سے نسبتاً بہتر ہے۔ گو دُور دراز کے رشتوں میں دقتیں ہیں۔ صاحبزادیوں کے متعلق اگر ضروری کوائف سے مجھے آگاہی ہو جائے تو شاید میں کوئی مفید مشورہ عرض کر سکوں۔ ایک آدھ موقع میرے خیال میں ہے لیکن چونکہ معاملہ اہم ہے۔ اس واسطے ہر قسم کی احتیاط ضروری ہے۔ جس مآل اندیشی سے سرکار اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے متعلق اپنے فرائض کا اس قدر تیز احساس شاید کسی باپ کو نہ ہوگا۔ آپ کے علم، بزرگی، معاملہ فہمی اور روایاتِ خاندانی کا اقتضا بھی یہی ہے۔ پنجاب میں سرکار شاد کے پائے کے لوگ کہاں! ہاں لڑکوں کی تعلیم اور چال چلن کے متعلق حیدر آباد کی نسبت بہتر اطمینان ہو سکتا ہے۔ بہر حال سرکار عالی سے ضروری آگاہی حاصل کرنے کے بعد میں کچھ مزید امور عرض کروں گا۔ اس قسم کے معاملات میں اور نیز دیگر معاملات میں بے تکلفانہ خط و کتابت کرنی محض سرکار عالی کی وسعتِ خیالی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کجا وزیرِ نظام اور کجا اقبال ہیچ میرز! اقبال سرکار کی درویش منشی اور اپنی

صاف باطنی پر بھروسہ کرکے بے تکلفانہ عرض و معروض کر لیا کرتا ہے۔
امید ہے کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ اس عریضے کا جواب اگر جلد مرحمت ہو تو بہتر ہے۔

مخلص قدیم
محمدؐ اقبال لاہور
(اقبال نامہ)

ملک ابوالمحمود ہدایت اللہ سہروردی کے نام

آپ کی کتاب "فلسفہ اور معجزہ" نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ جن لوگوں کو اس مسئلے سے دلچسپی ہے مجھے یقین ہے کہ وہ اس کتاب کو شوق سے پڑھیں گے اور اس مضمون سے مستفیض ہوں گے۔

نوٹ: مندرجہ بالا خط کا پورا متن دستیاب نہیں ہو سکا۔ خط کا یہ اقتباس "درج مکاتیب اقبال" (ص ۳۰۸) مرتبہ محمد عبداللہ قریشی سے لیا گیا ہے۔
(مولف)

میر سیّد غلام بھیک نیرنگ کے نام

لاہور

۴ر جنوری ۲۳ء[1]

مخدومی میر صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مَیں آپ کو اس اعزاز کی خود اطلاع دیتا مگر جس دنیا کے مَیں اور آپ رہنے والے ہیں اُس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فروتر ہیں۔ سیکڑوں خطوط اور تار آئے اور آرہے ہیں اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر جانتے ہیں۔ باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا۔ سو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں دُنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ انشاء اللہ

اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے۔

مقدمہ سجاد حسین میں مَیں نے محض اپنا فرض ادا کیا۔ شکریے کا مستحق نہیں ہوں۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(عکس)　　(اقبال نامہ)

---

[1] اقبال کو نائٹ ہڈ (سر) کا خطاب نئے سال کے اعزازات کے سلسلہ میں یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو ملا تھا اس خط میں حسب عادت نئے سنہ کی بجائے گزشتہ سنہ قلم برداشتہ لکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس خط کا صحیح سنہ تحریر یکم جنوری ۱۹۲۳ء ہے نہ کہ ۱۹۲۲ء جیسا کہ اقبال نامہ اوّل میں درج ہے۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال ایک مطالعہ۔ ص ۲۵۰

عبدالماجد دریابادی کے نام

لاہور
۶ ۔جنوری ۱۹۲۳ء[1]

مخدومی، السلام علیکم

نوازش نامے کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کے مختصر الفاظ نے اس موقع پر میرے جذبات کی نہایت صحیح ترجمانی کی ہے حالات مختلف ہوتے تو میرا طریقِ عمل بھی اس بارے میں مختلف ہوتا لیکن یہ بات دنیا کو عنقریب معلوم ہو جائے گی کہ اقبال کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ ہاں کھلی کھلی جنگ اس کی فطرت کے خلاف ہے۔

اسرار خودی کا ریویو دیکھنے کا منتظر ہوں۔ سی۔آر۔ داس کا خطبۂ صدارت کانگرس آپ نے دیکھا ہوگا۔ اُس نے اسی روحانی اُصول کو سیاسی رنگ میں پیش کیا ہے۔ اُمید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص
محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] اقبال کو نائٹ ہڈ (سر) کا خطاب نئے سال کے اعزازات کے سلسلہ میں یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو ملا تھا اس خط میں حسب عادت نئے سنہ کی بجائے گذشتہ سنہ قلم برداشتہ لکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس خط کا صحیح سنہ تحریر یکم جنوری ۱۹۲۳ء ہے نہ کہ ۱۹۲۲ء جیسا کہ اقبال نامہ اول میں درج ہے۔
ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال ایک مطالعہ۔ ص ۲۵۷

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۷ جنوری ۱۹۲۳ء[1]

ڈیر مولانا گرامی ـ السلام علیکم

کئی روز ہوئے خط لکھا تھا جس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔

آپ نے سن لیا ہوگا کہ امسال اقبال خلاف توقع خطاب یافتہ ہوگیا[2]۔ اس اعزاز کی اطلاع میں آپ کو خود دیتا مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں،

---

[1] اقبال کو نائٹ ہڈ (سر) کا خطاب نئے سال کے اعزازات کے سلسلہ میں یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو ملا تھا اس خط میں حسب عادت نئے سنہ کی بجائے گذشتہ سنہ قلم برداشتہ لکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس خط کا صحیح سنہ تحریر ۷ جنوری ۱۹۲۳ء ہے نہ کہ ۱۹۲۲ء جیسا کہ اقبال نامہ اوّل میں درج ہے۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ـ اقبال ایک مطالعہ ـ ص ۲۵۷

[2] گرامی کا جواب یہ تھا کہ "اقبال کو سر کا خطاب ملا، ایک جہان شور در سر ہے۔ بے معنی شور ہے۔ اس شور سے بوئے حسد آرہی ہے۔ گویا آپ کے سر نے خیرہ سروں کو سر بہ زانو کر دیا۔ گرامی اقبال سے بھی زیادہ خوش ہے مبارکباد عرض کرتا ہے ....."

پھر یہ رباعی بھی کہی:

ہر نکتۂ علامہ دفا آہنگ است
ہر حرف کلیدِ حکمت و فرہنگ است
اقبال سر اقبال شد از جوہرِ علم
حاسد عوعو کند علاجش سنگ است

(رباعیات گرامی صفحہ ۳۰۰)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہاں اس قسم کے واقعات احساس انسانی سے بہت نیچے ہیں۔

نہ من بر مرکب ختلی سوارم — نہ از وابستگان شہریارم[1]

مرا اے ہم نفس دولت ہمیں بس — چو کاوم سینہ را، لعلے برآرم

خیر خیریت جلد لکھیے، گھر میں میری طرف سے آداب۔ آپ لاہور کب تک آئیں گے؟

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور۔ ۲۴ر جنوری ۲۳ء

سرکار والا تسلیم مع التعظیم۔

نوازش نامہ مل گیا تھا۔ میں اپنے خط کے جواب کا منتظر تھا۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترجمہ: علامہ کا ہر نکتہ دفا سے ہم آہنگ ہے اور ہر حرف علم و حکمت کی کنجی ہے،

اقبال اپنے جوہر علم کی بدولت سر اقبال ہوگئے، حاسد بھونکتے ہیں تو ان کا علاج پتھر ہے۔

[1] یہ رُباعی پیام مشرق میں شامل ہو چکی ہے مگر اس کے تیسرے مصرع میں "ہم نفس" کی جگہ "ہمنشیں" کر دیا گیا ہے۔ اب اسے یوں پڑھنا چاہیے۔

مرا اے ہمنشیں دولت ہمیں بس — چو کاوم سینہ را لعلے برآرم

(پیام مشرق، صفحہ ۵۷)

ترجمہ: نہ میں کسی مرکب پر سوار ہوں نہ کسی بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہوں،

اے دوست میری یہی دولت مجھے کافی ہے کہ جب اپنی سینہ کاوی کروں اور ہیرے نکال لوں۔

(محمد عبداللہ قریشی)

انشاءاللہ میں اس طرف پوری توجہ دوں گا۔ ضروری کوائف سے آگاہی ہوگئی ہے۔ بعض اور امور بھی دریافت طلب ہیں جو پھر دریافت کروں گا۔ صرف اس قدر خیال ہے کہ موجودہ حالات میں فریقین کا اطمینان کس طرح ہوگا اور اس کے لیے کیا طریقِ اختیار کیا جائے گا۔ بعض باتیں شرعی نقطۂ نگاہ سے بھی پوچھی جاتی ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ سرکار عالی اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ میرے علم میں ایک موقع ہے اگر اس کے متعلق میرا اطمینان ہوگیا تو عرض کروں گا۔ فی الحال ضروری آگاہی بہم پہنچا رہا ہوں۔ اگر اس موقع کے متعلق خود میرا اطمینان نہ ہوا تو پھر کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ اُمید کہ سرکار والا مع جملہ متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔

سرکار نے میرے خطاب کے متعلق جو کچھ سُنا ہے صحیح ہے۔ یہ اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اس پر یورپ اور امریکہ میں متعدد ریویو چھپنے کا نتیجہ ہے۔

دنیوی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک قسم کی عزّت ہے مگر ہر عزّت فقط اللہ کے لیے ہے۔ نوروز کارڈ کا شکریہ قبول فرمائیے جس میں آپ کی اور صاحبزادوں کی نہایت خوبصورت تصویریں ہیں۔

مخلص
محمد اقبال، لاہور
(شاد اقبال)

عبدالواحد بنگلوری کے نام

مخدومی! تسلیم۔ خطاب جو مجھ کو دیا گیا ہے۔ اسرارِ خودی کے

انگریزی ترجمے اور یورپ اور امریکہ میں جو ریویو اس پر شائع ہوئے ہیں ان کا نتیجہ ہے۔ آپ مطمئن رہیں کہ اس کا کوئی سیاسی مفہوم نہیں ہے۔ نہ دنیا کی عزّت و دولت مجھ ایسی فطرت والے آدمی کو اپیل کرنے والی چیزیں ہیں۔ اگر آپ کو میری طرزِ زندگی

میرے مقاصدِ ادبی اور ملک کے موجودہ حالات میں ان مقاصد کی تکمیل کے لیے جو طرزِ عمل میں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ان سب امور سے آپ کی واقفیت کما حقہ ہوتی تو آپ کو شاید اس استفسار کی ضرورت ہی پیش نہ آتی جو آپ نے اپنے خط میں کیا ہے[1]۔ بہرحال اس استفسار کا بہترین جواب میری آئندہ زندگی دے گی۔ باقی رہی ہندوستانی سیاست سو میں فطرتاً اس کے لیے موزوں نہیں ہوں۔

---

[1] شاید آپ نے لکھا تھا کہ آپ جیسی شخصیت کا وطن دشمن انگریز کا خطاب قبول کرنا باعث تعجب ہے۔ اس کا جواب بڑا مختصر اور جامع ہے۔ اسی قسم کے خط آپ نے سرکشن پرشاد اور مولوی غلام بھیک نیرنگ کو بھی لکھے ہیں اتنی تفصیل سے نہیں۔ علامہ اقبال کو سر کا خطاب ملا تو ایک ہنگامہ برپا ہوگیا تھا۔ تحریکِ ترکِ موالات کی وجہ سے انگریزوں سے عام نفرت پھیلی ہوئی تھی۔ دشمن کی اچھائی اور بھلائی میں بھی سو کیڑے نظر آتے ہیں۔ یہ انسانی نفسیات کا تقاضہ ہے۔ میر غلام بھیک نیرنگ اور عبدالمجید سالک جیسے بزرگوں نے بھی بُرا سمجھا۔ سالک نے ایک فوری جذبے کے تحت "زمیندار" لاہور میں چند اشعار و نکاتِ حوادث کے کالم میں اس کو موضوعِ بحث بنایا۔ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

لو مدرسۂ علم ہوا قصرِ حکومت	افسوس کہ علامہ سے "سر" ہوگئے اقبال
پہلے تو سرِ ملتِ بیضا کے تھے وہ تاج	اب اور سنو، تاج کے سر ہوگئے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ	سرکار کی دہلیز پر سر ہوگئے اقبال

نیرنگ نے خطاب پانے پر اس بات کا اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں علامہ موصوف کی حق گوئی بے باکی (بقول مولوی عبدالسلام ندوی) اور آزادئ اظہار (بقول سالک) سے کام نہ لے سکیں۔ اقبال نے جواب میں مکتوب مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۳ء تحریر فرمایا جو نظر سے گزر چکا ہوگا۔

اخبار "رہبرِ دکن" میں بھی اس خطاب کے خلاف ایک قطعہ شائع ہوا۔

کہ مردِ حق اسیرِ کمندِ ہوا شود	گر سر زتن جدا ، تن از سر جدا شود

(باقی اگلے صفحہ پر)

علمی طور پر آج تک میرا کوئی سروکار اس سے نہیں رہا۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ بات لٹریری مقاصد کی تکمیل میں سدِ راہ ہے۔ جن کی تکمیل کے لیے امن و سکون کی ضرورت ہے۔ خصوصاً ایسے آدمی کے لیے جس کی صحت اچھی نہیں رہتی۔ اسرارِ خودی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کی نسبت یہ عرض ہے اس وقت کے حالات کو مدِنظر رکھ کر اگر آپ غور کریں گے تو آپ پر ہر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ زیادہ کیا عرض کروں اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

۲۸ جنوری ۲۳ء لاہور

(تحسین، دانائے راز دیارِ دکن میں)

(گذشتہ سے پیوستہ)

تاریخ نو خطاب سرافراز آمدہ — اقبال را چو قلب کنی لابقا شود

ترجمہ: مردِ حق کبھی کمندِ ہوا و ہوس میں نہیں پھنستا۔ چاہے سر تن سے اور تن سر سے الگ ہو جائے۔
نئے خطاب سرافرازی کی تاریخ یہ ملی ہے کہ اقبال کو اُلٹ کرد تو لابقا ہو جاتا ہے۔

اقبال کے عزیز دوست سرکشن پرشاد شاد نے اسی روز ذیل کا قطعہ لکھ کر اخبار "دبدبۂ دکن" روانہ کر دیا۔

اقبال ہر کسے کہ ترقی فزا شود — ادبار حاسدش بہ جہاں لابقا شود
چوں بر وجود حاسد او نفی آمدہ — تیغ بقا بہر بقا حرف لا شود

(تسلیم و تنازع: دانائے راز دکن میں)

ترجمہ: جس کسی کا اقبال ترقی پر ہوتا ہے اس کے حاسد کا ادبار دنیا میں لابقا ہوتا ہے۔
جب اس کے حاسد کے وجود پر نفی آگئی تو بقا کے لیے تیغ بقا حرف لا ہو جاتا ہے۔

عبدالواحد بنگلوری کے نام

لاہور

۸ ، فروری ۱۹۲۳ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا محبت نامہ ابھی مِلا ہے جس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔ مجھے کسی نے پہلے بھی بتایا ہے کہ بنگلور نہایت خوشگوار مقام ہے۔ آپ سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ انشاء اللہ میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ کچھ عرصہ وہاں گزاروں۔ اس کے علاوہ سلطان شہیدؒ سے مجھے ایک خاص عقیدت بھی ہے۔ غرضیکہ میں آپ کی عنایت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کروں گا۔ بشرطیکہ یہاں کے علایق سے نجات مل گئی۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(عکس) (دانائے راز دیار دکن میں)

بیگم صغریٰ ہمایوں مرزا کے نام

مخدومہ جناب صغریٰ ہمایوں بیگم صاحبہ

تسلیم۔ آپ کا والانامہ ابھی مِلا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ میری صحت ایک مدّت سے خراب ہے اسی واسطے لٹریری مشاغل کی طرف بہت کم توجہ کرسکتا ہُوں "پیامِ مشرق" نام ایک مجموعہ نظم جو فارسی میں ہے تیار ہو رہا ہے۔ شاید دو تین ماہ میں شائع ہوجائے گا۔ انشاء اللہ ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ لیکن چونکہ اندیشہ ہے کہ بھُول نہ جاؤں اس واسطے اگر کتاب آپ کو نہ پہنچے تو بلا تکلف یاد دلا دیجئے۔

آپ کے شوہر ہمایوں مرزا صاحب سے مجھے نیاز حاصل نہیں ہے۔ لیکن میں نے آپ کا خط جو "ہزار داستان" میں شائع ہوا ہے پڑھا ہے۔ اس خط کے پڑھنے سے مجھے خاص مسرت ہوئی۔ فریاد مرحوم کی لٹریری عظمت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے جن کے شاگردوں میں شاد عظیم آبادی ہوں۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمد اقبال: لاہور
۱۸ فروری ۱۹۲۳ء[1]

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۳ فروری ۱۹۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی

السلام علیکم۔ معلوم نہیں آپ کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ مارچ کے آخر میں ہوگا۔ تمام اراکین انجمن کے اصرار سے یہ خط لکھتا ہوں کہ آپ اس موقع پر ضرور تشریف لا کر لاہور کے لوگوں کو کچھ پڑھ کر سنائیں۔ میں بھی ان شاء اللہ ایک نظم پڑھوں گا جس کا نام

---

[1] "اقبال نامہ" حصہ اوّل۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ اور "روح مکاتیب اقبال" مرتبہ محمد عبد اللہ قریشی میں اس خط کی تاریخ ۲۸ فروری ۱۹۲۳ء ہے جبکہ "ادبی دنیا" اقبال نمبر میں ۱۸ فروری ۱۹۲۳ء درج ہے۔ چنانچہ اس خط کی تاریخ ۱۸ فروری ۱۹۲۳ء متعین کی گئی ہے۔
۱۔ صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ چند مزید حقائق
۲۔ صابر کلوروی۔ اشاریہ مکاتیب اقبال۔

لاہور ۲۴ فروری ۱۹۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی

السلام علیکم۔ معلوم نہیں آپ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں
انجمن حمایت اسلام لاہور کا اس سال جلسہ اپریل کی آخر میں ہوگا
تمام دنیا کو انجمن کے اصرار سے یہ معلوم ہوا ہے۔ آپ اس
موقع پر ضرور تشریف لائیں اگر ممکن ہو تو ان کو کچھ پڑھ کر
سنائیے۔ میں بھی ان شاء اللہ ایک نظم پڑھوں گا
جس کا نام "طلوع اسلام" ہوگا۔ خدا کرے اس وقت

"طلوعِ اسلام"[1] ہوگا۔ خدا کرے اس وقت تک ختم ہو جائے۔

میر غلام بھیک نیرنگ بھی امبالے سے آئیں گے۔ آپ بھی ضرور بعد ضرور تشریف لائیں۔ انجمن والوں نے اس خیال سے کہ آپ میری بات مان لیں گے مجھے اس کام کے لیے متعین کیا ہے اب میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

گھر میں میری طرف سے آداب کہہ دیجئے

مخلص

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

محمدّ دین فوق کے نام

ڈیر فوق۔ السلام علیکم۔

مخدومی جناب مولوی صاحب نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا سوائے عشق بیچہ شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا۔ ہاں تک بند ضرور تھا۔

سیالکوٹ کے قدیم مشہور شعرا میں سے شیخ محمد علی رائج تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً شاہ جہاں یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند نے 'بہارِ عجم' میں جا بجا ان کے اشعار کو محاورات فارسی کی سند

---

[1] 'طلوع اسلام' اقبال کی ایک عرفانی نظم ہے جو اتحادیوں کے ان منصوبوں کے ملیا میٹ ہو جانے پر لکھی گئی تھی، جو انھوں نے ترکی کو مٹانے کے لیے باندھے تھے۔ ترکوں نے بنوک شمشیر اپنی ہستی تسلیم کرائی اور اتحادیوں کی چالوں کو خاک میں ملا دیا۔ یہ نظم 'بانگ درا' میں شامل ہے۔

میں لکھا ہے۔ ایک شعر ان کا مجھے بھی یاد ہے۔

از جوانے سرو قد دیگر بہ بند افتادہ ام[1]
دوستاں رحمے کہ از بام بلند افتادہ ام

غالباً کسی نہ کسی تذکرے میں ان کا ذکر آپ کو ضرور مل جائے گا۔ مولوی صاحب قبلہ میر حسن صاحب کے متعلق جہاں تک مجھے یاد ہے میری کوئی نظم نہیں۔ شاید کوئی شعر اشارتاً کسی نظم میں ہو[2]۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور
۴ مارچ ۲۳ء
(انوار اقبال)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۸ مارچ ۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

والا نامہ کل ملا۔ رباعیات کے لیے بالخصوص شکر گزار ہوں۔ "این صید بسینہ زخم کاری دارد" نے خاص طور پر لطف دیا[3]۔ مگر معلوم نہیں آپ

---

[1] ترجمہ: ایک سرو قد جوان کے ہاتھوں پھر بند میں گرفتار ہو گیا ہوں،
دوستو مجھ پر رحم کرو کہ بام بلند سے گرا ہوں۔

[2] فوق صاحب، سیالکوٹ کے شعرائے متعلق ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک خط لکھ کر مولانا میر حسن سے مشورہ چاہا۔ ان کا جواب آنے پر فوق نے اقبالؔ کو خط لکھا۔ اقبالؔ کا یہ خط اس کے جواب میں ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

[3] (حاشیہ اگلے صفحے پر)۔

ان رُباعیات کو جمع بھی کرتے ہیں یا یہ بیش بہا دولت بھی آپ کی تنخواہ کی طرح اِدھر اُدھر خرچ ہو جاتی ہے۔ نواب امین جنگ پرائیویٹ سکریٹری سرکار نظام کا خط آیا تھا انھوں نے اپنی کتاب کا ایک نسخہ (جو انگریزی زبان میں ہے) ارسال کیا تھا اس کتاب کے آخر میں میرا بھی ذکر تھا۔ مذہب اسلام کے حقائق و معارف کی توضیح اس کا مضمون ہے۔

انجمن کے جلسے پر تشریف لانے کا وعدہ آپ نے کیا اس کے لیے نہایت ممنون ہوں لیکن اگر آپ نے حسب عادت یہ وعدہ پورا نہ کیا تو ارکان انجمن کی نگاہ میں میری بہت کرکری ہوگی۔ آپ خود تو آنے سے رہے مہربانی کرکے اطلاع دیجیے کہ کب آدمی کو یہاں سے آپ کے لانے کے واسطے ہوشیار پور بھیجا جائے۔ چند روز پہلے آجائیے۔ بلکہ اگر آپ تیار ہوں تو فوراً مطلع کیجیے کہ میں انجمن کی طرف سے ابھی آدمی بھجوا دوں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ "پیام مشرق" کاتب لکھ رہا ہے دو ماہ میں شاید چھپ جائے گا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ملے جس رباعی نے خاص طور پر لطف دیا، وہ حسب ذیل ہے:

می میرم و دیدہ اشکباری دارد دل خوں شد و جاں نفس شماری دارد

اے چارہ شناس کار با مرہم نیست ایں صید بسینہ زخم کاری دارد

ترجمہ: میں مر رہا ہوں اور آنکھیں اشکبار ہیں دل خوں ہو چکا ہے اور جان اپنے سانس گن رہی ہے۔

اے چارہ گر اب مرہم کا وقت نہیں ہے اس شکار کے سینے پر زخم کاری لگا ہوا ہے۔

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مکرمی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط صبح مل گیا تھا۔ الحمد للہ کہ جناب کا مزاج بخیر و عافیت ہے۔ میں بھی خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ کل شام ہوائے سرد کی وجہ سے درد گردہ کا آغاز تھا۔ مگر میں نے فوراً تدابیر اختیار کرلیں اور خدا کے فضل و کرم سے تندرست رہا۔ رموز بے خودی کے ترجمے کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں، مگر اُمید نہیں کہ اُس کا ترجمہ یورپ میں ہو کہ اُس کے مضمون سے یُورپ والوں کو چنداں دلچسپی نہیں ہے۔ مسلمان ہی اُس کا مفہوم سمجھ جائیں تو غنیمت ہے۔ البتہ پیام مشرق کا ترجمہ ہونا ممکن ہے۔ لیکن مجھے اس قدر فرصت نہیں کہ اُس کا ترجمہ کروں۔ اگر اُن کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو خود کرلیں گے۔ آپ کے اشعار خوب ہیں۔ مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ وہ ۲۰ مارچ تک لاہور آنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں، مگر اُمید نہیں کہ آئیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

خادم

محمد اقبال۔ لاہور

۱۲ مارچ ۱۹۲۳ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ مبارک علی کے نام

مکرم بندہ

۱۔ کاپی جو تیار تھی بھیج دیجیے تاکہ میں دیکھ دوں۔

۲۔ کاپی کے خالی حصّے کے لیے جو شعر میں نے دیے تھے وہ کاپی میں لکھے گئے یا نہیں۔ اگر عبدالمجید[1] نے انھیں نقل کر لیا ہو تو وہ کاپی بھی بھیج دیں[2]۔

۳۔ "خردہ" کا مسودہ مجھے بھیج دیجیے کہ اس میں اور چند اشعار کا اضافہ کر دوں۔

محمد اقبال

(انوار اقبال) (عکس)

شیخ مبارک علی کے نام

مکرم بندہ

مندرجہ ذیل کاغذ مرسل ہیں۔

(۱) پیشکش (۲) ٹائٹل پیج۔ اس پر حسب فرمائش وغیرہ نہ لکھا جائے نہ کتاب کی پشت پر کسی اور کتاب کا اشتہار دیا جائے۔ کاغذ کے ایک طرف کتاب کا نام وغیرہ ہے دوسری طرف وسط میں لفظ "کاپی رائٹ" ہے۔ (۳) دیباچہ (۴) گذشتہ کاپی میں جو جگہ خالی رہ گئی تھی اس کے لیے اشعار۔ مہربانی کر کے عبدالمجید سے میری طرف سے درخواست کیجیے کہ وہ اب اس کام کو ختم کر کے کہیں باہر جائے، اس سے

---

[1] عبدالمجید پروین رقم جس نے اقبال کی اکثر کتابوں کی کتابت کی تھی۔

[2] "خردہ" سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ "پیام مشرق" کی کتابت کے متعلق ہے جو پہلی بار ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی۔ (بشیر احمد ڈار)

پہلے نہ جائے کیونکہ اس تھوڑے سے کام کے لیے تمام کتاب میں دیر ہو جائے گی۔ ایک دو دن کا کام ہے اور وہ آسانی سے ایک دو روز کے لیے اپنا سفر ملتوی کر سکتے ہیں۔ اگر ان کو روکنا ناممکن ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ پیشکش اور دیباچہ وغیرہ آپ کسی اور کاتب سے لکھوالیں؟ مجھے اندیشہ ہے کہ عبدالمجید کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں گے اور کام رکا رہے گا۔ بہر حال میں یہ کام آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر وہ ایک دو روز کے لیے اپنا سفر ملتوی کر دیں تو ان کی مہربانی ہے، نہیں تو جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں۔

باقی کاپیاں جو کل ختم ہو گئی ہوں گی ارسال کیجیے کہ میں ان کو دیکھ لوں[۲]۔

والسلام

محمد اقبال

(انوارِ اقبال) (عکس)

---

[۱] "پیشکش" شاید اقبال کی دو کتابوں میں تھی۔ ایک اسرارِ خودی (طبع اول) اور دوسری "پیامِ مشرق" پہلی کی تاریخ طباعت ۱۹۱۵ء ہے اور دوسری کی ۱۹۲۳ء۔ اسی کی روشنی میں اس خط کی تاریخ کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

[۲] علامہ کے مکتوب محررہ ۱۹ / مارچ ۱۹۲۳ء میں تحریر کیا گیا ہے کہ "پیامِ مشرق" چھپ رہا ہے اس لیے اغلب ہے کہ یہ خط اس سے قبل کا ہے۔ (مرتب)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور

۱۹ مارچ ۲۳ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والانامہ کل مل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ معاملہ معلومہ کی تحقیقات کے بعد سرکار کو عریضہ لکھوں، اس واسطے اتنی تعویق خط لکھنے میں ہوئی۔ افسوس ہے، اس معاملے میں میرا اطمینان نہ ہوا۔ ان شاء اللہ ..... اور طرف خیال کروں گا۔ اگر کوئی صورت حسبِ مراد نکل آئی تو ...... ٹیلی فون کا سلسلہ جاری ہے اور کئی اطراف میں۔ اطمینان فرمائیے۔ خدا نے چاہا تو نقش حسبِ مراد بیٹھے گا۔ مگر اقبال آپ کی استقامت و سکونِ قلب کی داد دیتا ہے۔ کل کسی اخبار میں حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے اشعار دیکھنے میں آئے۔ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ سادگی اور سلاست میں کلام حضور کا اپنا جواب نہیں رکھتا۔ برار کے استرداد میں یاد آوری اقبال کی ضرورت ہے۔

"پیامِ مشرق"، جو میں نے جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے "دیوانِ مغربی" کے جواب میں لکھا ہے، چھپ رہا ہے۔ انشاء اللہ اس کی ایک کاپی پیش کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار اسے پسند فرماویں گے۔

افسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمانوں کی رقابت بلکہ عداوت بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ تیس سال میں دونوں قوموں کے لیے زندگی مشکل ہو جائے گی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا اور جملہ متعلقین اور متوسلین بھی تندرست ہوں گے۔

مخلص محمد اقبال، لاہور

(اقبالنامہ)

مہجور کشمیری کے نام

مکرمی۔ السلام علیکم

حیات رحیم کے لیے سپاس گذار ہوں۔ میں نے اس کتاب کو نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کشمیر اور کشامرہ کے متعلق آپ اپنی تصنیف کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ بالخصوص کشمیر کے شعراء کے تذکرے کی طرف جلد توجہ کیجئے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

۶/ اپریل ۱۹۲۳ء

(عکس)

(غیر مدوّن)

ماخذ: (بصد شکریہ نسیم اختر صاحب، نیشنل میوزیم، نئی دہلی۔

شیخ فیض محمد[1] کے نام

۱۶/ اپریل ۲۳ء

جناب من، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میری رائے میں

---

[1] (الف، مندرجہ بالا خط کا عکس جناب ڈاکٹر انور سدید صاحب لاہور نے بکمال عنایت ارسال فرمایا۔ ان کے شکریہ کے ساتھ شامل کلیات کیا جا رہا ہے۔

(مولّف)

(ب، پنجاب میں ۱۹۳۰ء کے الکشن کے بعد UNIONIST وزارت قائم ہوئی تو شیخ فیض محمد یار لمینٹری سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں جب وزارت کی از سر نو تشکیل ہوئی تو شیخ فیض محمد اسی عہدہ پر برقرار رہے۔

(سید نور محمد)

اس وقت مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں انقلاب کی ضرورت ہے۔ گزشتہ پچاس سال کی تعلیمی مساعی کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے اور یہ نتیجہ کسی طرح بھی امید افزا نہیں ہے۔ اگر اس وقت حالات میں تبدیلی نہ لائی گئی تو مسلمانوں کی آئندہ نسل کا خدا حافظ ہے۔ آپ کی تحریک سے مجھے دلی ہمدردی ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو آپ کے عزائم میں کامیاب کرے۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس)
(غیر مدوّن)

عبدالماجد دریابادی کے نام

لاہور
۱۷ / اپریل ۱۹۲۳ء[1]

مخدومی، السلام علیکم
والا نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

---

[1] اس خط میں "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن کا تذکرہ ہے۔ ۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ طباعت اور جلد بندی کے آخری مرحلے پر یہ اطلاع اس خط کی صحیح تاریخ ۱۷ / اپریل ۱۹۲۳ء کو متعین کر دیتی ہے۔
ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار: ایک مطالعہ۔ ص ۲۵۸

مجھے آپ سے قلبی تعلق ہے اس واسطے ہمیشہ آپ کے خط سے مسرت ہوتی ہے۔ "پیامِ مشرق" اپریل کے آخر تک شائع ہو جائے گا۔ چند ضروری نظمیں ذہن میں تھیں لیکن افسوس ہے انہیں ختم نہ کر سکا۔ فکر روزی قاتلِ رُوح ہے۔ یکسُوئی نصیب نہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ والد مکرم کا اصرار تھا کہ جتنا ہو چکا ہے اسے شائع کر دیا جائے۔ آپ کے نوجوان دوست کے تبصرہ پیام کو میں شوق سے پڑھوں گا۔ میرے ایک سکھ دوست اسرار خودی کا بھگوت گیتا سے مقابلہ کر رہے ہیں اُن کی تحریر انگریزی میں ہو گی۔

میرے کلام کی مقبولیت محض فضلِ ایزدی ہے۔ ورنہ اپنے آپ میں کوئی ہُنر نہیں دیکھتا۔ اور اعمالِ صالحہ کی شرط بھی مفقود ہے۔

مولینا کی کتاب فیہ ما فیہ کو آپ خود ایڈٹ کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ میں وسائل ایڈٹ کرنے کے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن آخر ہندی مسلمانوں کو بھی تو یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے۔ میری رائے میں آپ یہ ضروری کام خود کریں بعد میں یورپین ایڈیشن بھی نکل آئے گی۔ جوہر کے نعتیہ کلام کو میں نے بھی خاص طور پر نوٹ کیا ہے، بلکہ مَیں تو ان کے روحانی انقلاب کو ایک مدّت سے دیکھ رہا ہوں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ، ۲۴ اپریل[1] ۲۳ء

مخدومی مولانا گرامی ۔ السلام علیکم

نوازش نامہ لاہور سے ہوتا ہوا آج مجھے لدھیانے میں ملا ۔ میں چند روز سے یہاں ہوں ۔ کل لاہور واپس جاؤں گا ۔ مجموعہ اردو[2] ابھی تیار نہیں ہوا ۔ پیام مشرق خدمتِ والا میں پہونچے گا ۔ میں آٹھ روز سے یہاں ہوں ۔ لاہور ہوتا تو کتاب آپ کی خدمت میں پہونچ جاتی ۔ اس کی اشاعت کو دو ہفتہ سے زیادہ نہیں گزرا ۔ علی بخش کی دعوت ایسی ہی تھی ، جیسا آپ کا یہ فقرہ کہ گرامی دکن سے اقبال کو دیکھنے آیا تھا ۔ باقی رہا دکن سے حکم آنا اور آپ کا وہاں جانا سو یہ ایک امر محال ہے ۔ آپ کو خدا کا حکم بھی ہوشیار پور سے نہ بلا سکے گا دکن تو درکنار رہا ۔ اردو نثر میں بھی ایک کتاب[3] لکھ رہا ہوں ۔ انشاءاللہ شائع ہونے پر آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی ۔ مولانا جامی کی غزل پر جو دو شعر آپ نے

---

[1] مکاتیب اقبال بنام گرامی ص ۲۰۳ میں اس خط کی تاریخ ۲۴ اپریل ۱۹۲۲ء درج ہے جبکہ مقام ترسیل لاہور ۔ یہ دونوں باتیں خط کی شروع کی عبارت کی روشنی میں درست نہیں ۔ یہ خط لاہور سے نہیں بلکہ لدھیانہ سے لکھا جارہا ہے ۔ "پیام مشرق" کی پہلی اشاعت اپریل ۱۹۲۳ء میں ہوئی اور یہاں اس کا حوالہ ہے ۔ مجموعہ اردو "بانگِ درا" اگلے سال "پیام مشرق" کی دوسری اشاعت کے بعد چھپا ۔ اس لیے اس خط کی صحیح تاریخ ۲۴ اپریل ۱۹۲۳ء ہے ۔ (ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار : اقبال ایک مطالعہ ، ص ۲۶۰)

[2] بانگ درا جو ان دنوں زیر ترتیب تھی ۔

[3] اُردو نثر میں جو کتاب اقبال لکھنا چاہتے تھے ، معلوم نہیں کس موضوع پر تھی ، آیا لکھی بھی گئی یا نہیں ۔

لکھے ہیں، لاجواب ہیں اور بالخصوص آں یک اندیش الخ[1] سبحان اللہ۔ اُمید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا۔ گھر میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے۔

مخلص محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور - ۱۸ مئی ۲۳ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والانامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے۔ لیکن بندۂ اخلاص کیش اقبال دو ہفتہ سے علیل ہے۔ اسی وجہ سے توقف ہوا۔ سرکار عالی معاف فرمائیں۔ آج سفرنامۂ شاد نظر سے گزرا۔ اس کرم فرمائی کے لیے سپاس گزار ہوں۔ خوب دل چسپ ہے۔

حالتِ علالت، میں میری چند فارسی نظموں کا مجموعہ جو پیامِ مشرق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے شایع ہوا۔ میں نے پبلشر کو پہلے ہی لکھ رکھا تھا کہ سرکار کی خدمت میں فوراً اس کا ایک نسخہ ارسال کرے۔ اُمید کہ سرکار والا تک یہ کتاب پہنچی ہوگی۔ سرکار کے گزشتہ خط میں راجہ خواجہ پرشاد طال اللہ عمرہٗ

---

[1] ـــــــ کرد ز نیم نظر خیبرِ کفرم بدو نیم
آں یک اندیش کہ تیغِ دو زباں ست او را

ترجمہ: وہ موحّد جس کے پاس تیغِ دو زبان (ذوالفقار) ہے،
اس نے میرے خیبرِ کفر کو نیم نظر سے دو نیم کر دیا۔

یہ پوری منقبت دیوانِ گرامی میں موجود ہے (ص ۳۰۲)۔

کے مسہری پر گرنے کی خبر تھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو چشمِ زخم روزگار سے محفوظ و ماموں رکھے۔ ہاں جوگی جی کا واقعہ .... اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ضلع گورکھپور میں اسی قسم کا ایک واقعہ سُننے میں آیا تھا۔ باقی بندۂ دیرینہ اقبال سرکار عالی کے لیے دست بدعا ہے۔ اُمید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا۔ مفصّل انشاء اللہ پھر عرض کرے گا۔

اخلاص کیش

محمدؐ اقبال لاہور

(شاد اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۲۵ مئی ۱۹۲۳ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط پہنچ گیا تھا۔ میں علیل تھا اور اب تک ہوں۔ اس واسطے جواب عرض نہ کر سکا۔ شیخ مبارک علی صاحب مجھ سے نہیں ملے، وہ یہاں سے بہت دور ہیں۔ اگر وہ آگئے تو میں اُن سے کہہ دوں گا کہ آپ کی خدمت میں کتاب ارسال کر دیں۔ کتاب کو شائع ہوتے دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے اور شاید نصف کے قریب نکل بھی گئی ہے۔ ایک ہزار کاپی شائع ہوئی تھی۔ آپ کا مضمون میں نے اخبار میں دیکھا۔ آپ کی تجویز خوب ہے۔ مگر ابھی تک اس ملک کے لوگ ان امور کی شناخت نہیں رکھتے۔ مجھ سے بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ لاہور کی نیابت کونسل میں کرو۔ لیکن اور اُمیدوار بھی ہیں اور میں یہ بات خلاف انصاف تصور کرتا ہوں کہ اُن سے کہوں کہ تم میری خاطر اُمیدواری سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ وعدۂ امداد کے لیے شکر گزار ہوں۔ مگر غالباً میں کھڑا نہ ہوں گا۔ ہاں اگر لاہور کے لوگوں نے مجبور کیا تو یہ بوجھ سر پر اٹھانا ہوگا۔ گرامی صاحب کا ایک عرصہ سے کوئی خط نہیں آیا۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ میرا مسوڑا پھول گیا تھا، آپریشن کرایا گیا۔ جس سے تکلیف میں اضافہ ہوا۔ اب کچھ آرام ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان)

میر خورشید احمد کے نام

مخدومی!

تسلیم۔ سائل صاحب (دہلوی) کا جواب میری رائے ناقص میں صحیح ہے۔ اصل عربی لفظ دُرّہ (دُرۃ التاج) ہے۔ جمع اس کی دار آتی ہے اور شاید دراری بھی۔ فارسی میں بغیر تشدید بھی لکھتے ہیں۔ در ثمین، در مکنون، در یتیم، در خوشاب در شاہوار، در نایاب، جہاں تک مجھے معلوم ہے سب درست ہیں۔ اگر ان ترکیبوں میں دریکتا وغیرہ مع التشدید بھی لکھیں تو بھی درست ہے۔ افسوس ہے سند اس کی مجھے کوئی یاد نہیں۔ اگر مطالعہ میں آگئی تو لکھ بھیجوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دُرِ یکتا اور دُرِّ یکتا دونوں درست ہیں۔ نیاز صاحب (فتحپوری) کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قاآنی نے ایزد یکتا (حالانکہ یکتا ایزد کی صفت مستنا نہ ہونی چاہیے) اور رُخِ یکتا بھی لکھا ہے۔ ایسی صورت میں دُرِ یکتا میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

ساقی نامہ (کشمیر) کے متعلق بعض لوگوں کا گلا سن کر مجھے تعجب ہوا۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہو گئی۔ سعدی نے محض قومی رقابت سے کشمیریوں کی ہجو کی ہوگی کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہمسر رہ چکا ہے۔ میں نے تو دُکھڑا رویا ہے اور یہ بات سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے۔ دُکھڑے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا۔[1]

---

[1] ساقی نامہ 'پیامِ مشرق' کی مشہور نظم ہے جو اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں کہی تھی۔ اس میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

پنجاب کے کشامرہ کی حالت کشمیر کے کشامرہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کشامرۂ کشمیر ہیں نہ کشامرۂ پنجاب۔ جو لوگ میرے اشعار کو کشمیریوں کی ہجو تصور کرتے ہیں وہ شعر کے مذاق اور مقاصد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کے لیے یہی جواب کافی ہے کہ میرے آباو اجداد اہلِ خطّہ میں سے ہیں۔

شملہ میں ۔۔۔۔ کے لیے حاضر ہونا پڑے گا مگر معلوم نہیں یہ رسم کب ادا کی جائے گی [1]

محمد اقبال لاہور
۲۶ر مئی ۱۹۲۲ء

(گذشتہ سے پیوستہ)

بہار کا منظر پیش کرنے کے بعد ساقی (خدا) سے دعا کی گئی ہے کہ وہ باشندگانِ کشمیر کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کردے۔ اس کے چند اشعار جنھیں ہجو تصور کیا گیا ہے یہ ہیں ؎

کشمیری کہ مانندگی خو گرفتہ ۔۔۔ بتے می تراشد ز سنگ مزارے
ضمیرش تہی از خیال بلندے ۔۔۔ خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنت او ۔۔۔ نصیب تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغ نگاہے ۔۔۔ نہ در سینۂ او دلِ بے قرارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

ترجمہ: کشمیری جس نے غلامی کی عادت ڈال لی ہے، سنگِ مزار سے بُت بناتا ہے۔
اس کا ضمیر بلند خیالی سے خالی ہے، خودی ناشناس ہے اور خود سے شرمندہ ہے۔
اس کی محنت سے سرمایہ دار بریشم پوش ہے مگر اس کے جسم کی تقدیر میں پھٹے پُرانے کپڑے ہیں۔
نہ اس کی آنکھ میں نگاہ کا فروغ ہے نہ اس کے سینے میں بے قرار دل ہے۔
اس شراب کا ایک قطرہ کشمیری پر ڈال دے جس کی خاکستر سے شرار پیدا ہوتا ہے۔

[1] غالباً نائٹ ہڈ NIGHT HOOD کی رسم کی طرف اشارہ ہے جو خاص اہتمام سے ادا کی جاتی تھی۔ (بشیر احمد ڈار)

میر خورشید احمد کے نام

بر بنا گوشِ تو اے نیک تر از و دُرِّ یتیم
سنبلِ تازہ ہمی بردمد از نقرۂ سیم (فرخی)[1]

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دُرّ مع التشدید واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہوا ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال از لاہور
۳۱ مئی ۱۹۲۳ء
(نقوش مکاتیبِ اقبال نمبر)

---

[1] یہ حکیم فرخی سیستانی کے ایک قصیدہ کا مطلع ہے جو خواجہ ابوسہل عبداللہ بن احمد بن گلشن دبیر کی مدح میں ہے یہ ناصرالدین سبکتگین کے بیٹے امیر ابو یعقوب یوسف کا داماد اور دربار غزنوی کے ممتاز امرا میں سے تھا۔ مطلع کی اصل اور با معنی شکل یہ ہے:

بر بنا گوش تو اے پاک تر از دُرّ یتیم
سنبل تازہ ہمی بردمد از صفحہ سیم

(ترجمہ: اے دُرِ یتیم سے بھی پاک تر (ممدوح) تیرا بنا گوش ایسا چمک رہا ہے گویا چاندی کے صفحہ پر سنبل تازہ اُگا ہو)

اقبال کے خط میں اس کی جو شکل ہے وہ غلط اور بے معنی ہوگئی ہے۔

ملاحظہ ہو: دیوان حکیم فرخی سیستانی ص ۲۴۶
مرتبہ محمد دبیر سیاقی
کتابفروشی زوار تہران ۱۳۴۳ شمسی
(مرتب)

میر خورشید احمد کے نام

مکرمی!

تسلیم۔ لفظ دُر مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ میں آج قصیدۂ بُردہ پڑھ رہا تھا۔ اس میں یہ شعر نظر آیا:-

فالدُّرُ یَزدادُ حُسناً وَ ہوَ مُنتَظِمٌ
ولیسَ یَنقصُ قَدراً غیرَ مُنتَظِمِ

یعنی موتی حُسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ ہو تو بھی اس کی قدر گھٹتی نہیں۔

ایسی صورت میں دُرِ یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے؟ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔ والسلام!

محمدؐ اقبال لاہور

یکم جون ۱۹۲۳ء

(انوارِ اقبال)

ضامن نقوی کے نام

مکرم تسلیم

آپ کی فلسفیانہ مثنوی موسوم بہ اسرارِ ہستی[1]، نہایت سبق آموز ہے اور اس کا طرزِ بیان بھی دل چسپ ہے۔

اقبال لاہور

۱۱ جون ۲۳ء

(انوارِ اقبال)

---

[1] اسرارِ خودی کی طباعت (۱۹۱۵ء) کے بعد اقبال کے فلسفۂ خودی کی موافقت اور مخالفت

(باقی اگلے صفحہ پر)

میر خورشید احمد کے نام

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں، جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔ ہمایوں بھی اچھا رسالہ ہے۔

امام شرف الدین کا لقب 'بوصیری' ہے۔ عربوں میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموزِ بیخودی میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔[1]

اے بوصیری را ردا بخشندہ ای   بربطِ سلمیٰ مرا بخشندہ ای[2]

والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۰ رجون ۱۹۲۲ء

(انوارِ اقبال)

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

میں جو گرما گرم بحثیں چل رہی تھیں ان سے متاثر ہو کر جناب ضامن نقوی صاحب نے ایک سلسلہ مضامین رسالہ "ہمایوں" لاہور میں شائع کرایا۔ پھر اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے ایک مثنوی "اسرارِ ہستی" کے نام سے لکھی اور اقبال کو بغرض تنقید بھیجی۔ اقبال کا یہ خط اسی سلسلہ میں ہے۔

ضامن نقوی صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۴ء میں انھوں نے ایک اور مثنوی "صہبائے راز" اور ایک مقالہ "اصل حیات" طبع کرا کے اقبال کی خدمت میں بھیجے۔ ان کے مطالعہ سے اقبال نے اندازہ لگایا کہ نقوی صاحب برگسان سے متاثر ہیں چنانچہ اقبال نے تبصرہ کے طور پر ایک نظم "فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" کہی جو ضربِ کلیم (صفحہ ۱۰، ۱۱) میں شامل ہے۔ (بشیر احمد ڈار)

[1] امام شرف الدین صاحب "قصیدہ بُردہ" کا لقب بوصیری (با لواؤ) ہے انوارِ اقبال میں بصیری (بدون واؤ) لکھا ہے، خبر نہیں یہ کتابت کی غلطی ہے یا اقبال نے اسی طرح لکھا تھا۔ (مؤلف)

[2] ترجمہ: اے وہ ذات جس نے امام بوصیری کو چادر بخشی اور مجھے سلمیٰ کا بربط عطا کیا ہے۔

ایڈیٹر "زمیندار" کے نام[1]

مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار

السلام علیکم

میں نے ابھی ایک دوست سے سُنا ہے کہ کسی صاحب نے آپ کے اخبار میں یا کسی اور اخبار میں (میں نے اخبار ابھی تک نہیں دیکھا) میری طرف بالشویک خیالات منسوب کیے ہیں۔ چونکہ بالشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرۂ اسلام

---

[1] ۲۲ر جون ۱۹۲۳ء کے روزنامہ "زمیندار" میں "انقلاب" کے سابق مدیر شمس الدین حسن کا ایک مضمون شائع ہوا (موصوف سرگرم اشتراکی تھے "انقلاب" اُن کے بقول "اشتراکی خیالات کی تبلیغ کے لیے نکالا گیا تھا مگر جلد ہی مالی خسارے اور محدود دائرۂ مقبولیت کی وجہ سے بند ہوگیا) جس میں انہوں نے کامریڈ غلام حسن کا دفاع کرتے ہوئے (کامریڈ غلام حسن ایڈورڈز کالج پشاور میں استاد تھے۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں ملازمت چھوڑ کر لاہور آ گئے اور "انقلاب" کی پالیسیوں میں شریکِ کار رہے ۱۹۲۳ء میں بالشویک سازش کے مقدمہ میں گرفتار ہوئے) یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اشتراکیت کی حمایت کوئی جُرم نہیں کیونکہ علامہ اقبال بھی بالشویک خیالات رکھتے ہیں۔ انہوں نے لکھا: "بالشویک نظامِ حکومت کارل مارکس کے فلسفۂ سیاست کا لُبِ لباب اور کارل مارکس کے فلسفہ کو عام فہم زبان میں سوشلزم اور کمونزم کہا جاتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی تھوڑی سی عقل کا مالک بھی سر محمد اقبال کی "خضرِ راہ" اور "پیامِ مشرق" کو دیکھے تو وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ علامہ اقبال یقیناً ایک اشتراکی ہی نہیں، بلکہ اشتراکیت کے مبلغِ اعلیٰ ہیں! پیامِ مشرق میں "قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور" اور "نوائے وقت" کے عنوان سے جو مختصر سی نظمیں لکھی ہیں ان سے قطع نظر کر کے ص ۱۵۶ کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو:

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست

با من میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست

(باقی اگلے صفحہ پر)

سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔ اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے[1]۔
میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے لیکن دنیا کو اس کے مضر اثرات سے نجات دلانے کا طریق یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے۔ جیسا کہ بالشویک تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے

(گذشتہ سے پیوستہ)

(ترجمہ: تیر، نیزے، خنجر اور شمشیر کی مجھے آرزو ہے،
میرے ساتھ مت آؤ مجھے حسینؓ کے مسلک کی آرزو ہے)۔

کیا ایسے اشعار کی موجودگی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ علامہ اقبال ایک انتہائی خیالات رکھنے والے اشتراکی نہیں ہیں۔ (زمیندار ۲۳ جون ۱۹۲۳ء ص ۳)

"زمیندار" میں مذکورہ بالا مضمون چھپا تو علامہ اقبال کو کسی نے اطلاع دی کہ آپ سے بالشویک خیالات منسوب کیے گئے ہیں۔ علامہ موصوف کی نظر سے مذکورہ بالا مضمون یا اخبار نہ گزرا تھا اور انہیں اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ مجھ سے بالشویک خیالات منسوب کرنے والے صاحب کون ہیں

بہرحال "بالشویک خیالات" سے اعلانِ برات کے لیے انہوں نے بلا تاخیر، اسی روز ذیل کا مفصل مضمون مدیر "زمیندار" کے نام ارسال کیا جو اگلے روز اخبار میں شائع ہوا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ "گفتارِ اقبال" میں اس خط کا جو متن شامل کیا گیا، وہ مکمل اور صحیح نہیں۔ ہم اس کا مکمل اور صحیح متن پیش کر رہے ہیں۔ (رفیع الدین ہاشمی)

[1] معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال 'بالشویک خیالات' کے بارے میں کافی حساس تھے اور انہیں گوارا نہ تھا کہ انہیں "اشتراکی" کہا جائے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ علامہ نے بلاتاخیر اسی روز اسی لمحے ایڈیٹر زمیندار کو خط لکھ کر اس کی تردید ضروری سمجھی اور تردید بھی خاصی مفصل ہے۔

لیے قانونِ میراث، حرمتِ ربا اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے[۱]۔ اور فطرتِ انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی طریق قابلِ عمل بھی ہے۔ روسی بالشوزم یورپ کی ناعاقبت اندیش اور خود غرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست ردِّ عمل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشوزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں[۲]۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے اور جس کا میں نے اوپر اشارۃً ذکر کیا ہے۔ شریعت حقہ اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے اور اس مدّعا کے حصول کے لیے میرے عقیدے کی رُو سے وہی راہ آسان اور قابلِ عمل ہے جس کا

۱۔ "گفتارِ اقبال" کے متن میں "حرمتِ ربا" کے الفاظ غائب ہیں جب کہ اصل خط (مطبوعہ زمیندار ۲۴، جون ۱۹۲۳ء) میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ (رفیع الدین ہاشمی)

۲۔

ہر دو جاں را ناصبور و ناشکیب	ہر دو یزداں ناشناس، آدم فریب
زندگی ایں را خروج، آں را خراج	درمیانِ ایں دو سنگ آمد زجاج
ایں بہ علم و دین و فن آرد شکست	آں برد جاں را ز تن، ناں را ز دست
غرق دیدم ہر دو را در آب و گل	ہر دو را تن روشن و تاریک دل

(جاوید نامہ: ص ۶۵)

ترجمہ: دونوں جان کے لیے بے صبر و ناشکیب ہیں، دونوں خدا کو نہیں پہچانتے آدم کو فریب دیتے ہیں۔ زندگی ایک کے نزدیک بغاوت ہے دوسرے کے لیے خراج ہے ان دونوں پتھروں کے درمیان یہ شیشہ ہے۔

یہ علم اور دین اور فن کو شکست دیتا ہے وہ تن سے جان اور ہاتھ سے روٹی چھین لیتا ہے۔

دونوں آب و گل میں غرق ہیں دونوں کے تن روشن ہیں مگر دل تاریک ہیں۔

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

(بالِ جبریل: ص ۴۰)

انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔ اسلام سرمایہ کے[1] قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا بلکہ فطرتِ انسانی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے اور ہمارے لیے ایک ایسا معاشی نظام تجویز کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت کبھی اپنے مناسب حدود سے تجاوز نہیں کرسکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے۔ میرا عقیدہ ہے " فأصبحتم بنعمته اخوانا[2]" میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے اخوان نہیں ہوسکتے۔ جب تک کہ وہ ہر پہلو سے ایک دُوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں، جس کا مقصود سرمایہ داری کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنا ہے۔ یُورپ اس نکتہ کو نظر انداز کرکے آج آلام و مصائب کا شکار ہے۔ میری دِلی آرزو ہے کہ بنی نوعِ انسان

---

[1] "کی" ہونا چاہیے۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

[2] سورہ آلِ عمران کی اس آیت کا ترجمہ ہے:

"اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے" یعنی آنحضورؐ کی آمد سے پہلے اہل عرب باہمی عداوتوں، لڑائیوں اور کشت و خون کے سبب تقریباً تباہ ہو چکے تھے۔ اسلام کی نعمت نے انہیں مکمل بربادی سے بچا لیا۔"

(رفیع الدین ہاشمی)

کی تمام قومیں اپنے اپنے ممالک میں ایسے قوانین وضع کریں جن کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق و تولید ہو[1] اور مجھے یقین ہے کہ خود روسی قوم بھی اپنے موجودہ نظام کے نقائص تجربے سے معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی جس کے اصول اساسی یا تو خالص اسلامی ہوں گے یا اُن سے ملتے جلتے ہوں گے۔ موجودہ صورت میں رُوسیوں کا اقتصادی نصب العین خواہ کیسا ہی محمود کیوں نہ ہو۔ ان کے طریقِ عمل سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان جو یورپ کی پولیٹیکل ایکانمی پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآنِ کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظرِ غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔ لاہور کی لیبر یونین کے مسلمان ممبر بالخصوص اس طرف توجہ کریں۔ مجھے اُن کے اغراض و مقاصد کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ وہ کوئی ایسا طریقِ عمل یا نصب العین اختیار نہ کریں گے جو قرآنی تعلیم کے منافی ہو۔

محمد اقبال

بیرسٹرایٹ لاء

لاہور

(خطوطِ اقبال)

---

[1] اس عبارت میں ذیل کا حصہ :

"......... رکھنا ہے۔ یورپ اس کو نظرانداز .... تا .... سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر"

گفتارِ اقبال کے متن میں شامل نہیں ہے

(رفیع الدین ہاشمی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۲۵ جون ۱۹۲۳ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

آپ کے مضمون کا دوسرا حصہ مسلم آؤٹ لک میں شائع ہو گیا ہے۔ آپ کے ملاحظہ سے گذرا ہو گا۔ مرزا جلال الدین صاحب نے بھی اس کے متعلق کچھ لکھا ہے، جو میں نے نہیں دیکھا۔ وہ ذکر کرتے تھے کہ مسلم آؤٹ لک میں شائع ہو گا۔ آپ کے دوست ضرور آپ کے ہم خیال ہوں گے۔ مگر اقبال فنڈ قائم کرنا میری رائے میں جس میں میرے ضمیر کی آواز بھی شامل ہے، درست نہیں۔ مسلمان غریب قوم ہیں اور باوجود اس غریبی کے گذشتہ دس بارہ سال میں ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ چندوں میں دے چکے ہیں۔

میں خود تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ جو لوگ کتاب کو پڑھ نہیں سکتے، وہ اُسے خرید بھی نہ کریں، کیونکہ اُن کو اس کی خریداری کی ترغیب دینا ایک قسم کی ناانصافی ہے۔ باقی رہا میں، سو میری طرح اُمتِ مرحومہ میں سیکڑوں آدمی آگے گذر گئے ہیں جنہوں نے رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے کام کیا ہے۔ مجھ سے بھی جہاں تک ہو سکے گا، اُنہیں کی تقلید کروں گا۔ شاید آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھ سے کونسل کی اُمیدواری کے متعلق دریافت کیا تھا۔ سو عرض ہے کہ لاہور کے مسلمانوں نے مجھ سے بہت کہا مگر میں نے انکار کر دیا۔ لیکن اب تک انکار اصرار بدستور جاری ہے۔ قریباً ہر روز اُن کا ایک نہ ایک وفد آجاتا ہے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

میر خورشید احمد کے نام

مکرمی جناب خورشید!

ایبن صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ قطعہ ان کا بہت اچھا ہے کسی اخبار میں اس کی اشاعت کر دیجیے شاید زمیندار اس مطلب کے لیے بہتر ہو گا۔

تعجب ہے کہ عربی شعر جناب (نگار) کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ[1] کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے۔ چھٹی صدی کے آخر میں مکّہ میں پیدا ہوئے اور ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا۔ خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بُردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انہی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام

میں انشاء اللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۶ جون ۲۳ء۱۹

(انوارِ اقبال)

سیّد شاہ نظیر احمد ہاشمی غازی پوری کے نام

لاہور

۲۹ جون ۲۳ء

مکرم بندہ جناب سید صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ افسوس کہ آپ سفر میں بیمار ہو گئے۔ مجھے

---

[1] یہاں بھی متن میں بصیری (بدون واؤ) لکھا ہوا ہے۔

آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوتی مگر ایک اعتبار سے یہ اچھی بات ہوئی کہ لاہور کی گرمی آپ کے لیے شاید ناقابلِ برداشت ہوتی۔

مجھے آپ کے ترجمے اور تمہید کی اشاعت میں کیوں کر عذر ہو سکتا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اجازتِ اشاعت دینے سے پہلے میں آپ کی کتاب پڑھ لوں۔ ترجمہ نہایت مشکل کام ہے۔ اس کے علاوہ بسا اوقات نثر میں شعر کے مطالب بیان (کرنے) کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

میں آپ سے کتاب منگوا لیتا لیکن اس میں بھی ایک دقت ہے اور وہ یہ کہ ستمبر کے آخر تک مجھے بالکل فرصت نہیں۔ اگرچہ ہائی کورٹ جولائی کے آخر میں بند ہو جائے گا تاہم مجھے تعطیلوں میں مطلقاً فرصت نہیں۔ بہت سے کام ہیں جن میں سے ایک "پیامِ مشرق" کی دوسرے ایڈیشن کی ترتیب ہے جو غالباً جرمنی میں طبع ہوگی۔ البتہ ماہ نومبر میں میں آپ کا ترجمہ اور تمہید پڑھ کر کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔

کیا میر غلام بھیک صاحب نیرنگ نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے؟ ان کی کیا رائے ہے؟ اگر آپ اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے تو شاید میر غلام بھیک صاحب آپ کے کام پر غایر نظر ڈال کر رائے دے سکیں گے۔ آپ ان سے دریافت کریں کہ آیا وہ یہ زحمت گوارا کر سکیں گے۔ میرے خط کا حوالہ دیدیجیے۔ گوئٹے کے مغربی دیوان کی اکثر نظموں کا ترجمہ انگریزی میں ہو چکا ہے شاید بان لائبریری سیریز میں نکلا تھا۔ غالباً پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں اس کی ایک جلد ہے کسی انگریزی کتب فروش سے دریافت کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

---

[1] یہ خط سید شاہ نظیر احمد ہاشمی غازی پوری کے نام ہے جو ڈاکٹر یامین ہاشمی کے عزیز ہیں۔
(بشیر احمد ڈار — انوارِ اقبال)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور، ۵ جولائی ۱۹۲۳ء[1]

مخدومی السّلام علیکم

پیامِ مشرق پر جو نوٹ آپ نے معارف میں لکھا ہے اُس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔

پروفیسر نکلسن کا خط بھی آیا ہے انہوں نے اسے بہت پسند کیا ہے اور غالباً اس کا ترجمہ بھی کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب جدید اور عجیب خیالات سے مملو ہے اور گوئٹے کے دیوانِ مغربی کا قابلِ تحسین جواب ہے مگر میرے لیے آپ کی رائے پروفیسر نکلسن کی رائے سے زیادہ قابلِ افتخار ہے۔

سیّد نجیب اشرف صاحب نے اپنے مضمون میں محمد دارال کے لطیفہ غیبیہ (اصل نام لطیفہ غیبیہ ہے نہ لطائف الغرائب) کا ذکر کیا ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب ہے اور مَیں نے ایران سے منگوائی ہے اگر وہ یا آپ اُسے دیکھنا چاہیں تو بھیج دوں۔ ندوے والے اُسے دیکھیں گے تو کوئی نہ کوئی بات پیدا کریں گے۔

اب کے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ پر آپ سے ملنے کی توقع تھی مَیں اسی خیال سے جلسہ میں گیا کہ آپ کو اپنے ہاں مہمان کرنے کے لیے ساتھ لیتا آؤں گا مگر جلسہ میں جاکر مایوسی ہوئی ان شاء اللہ پھر کوئی موقع پیدا ہوگا۔ کیا

---

[1] عکس کے مطابق اس خط کا صحیح سنہ تحریر ۱۹۲۳ء ہے۔ مزید برآں "پیامِ مشرق" بھی مئی ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی۔ زیرِ ترتیب "اقبال نامہ" میں بھی اس کا سنہ تحریر ۱۹۲۲ء غلطی سے درج کیا گیا ہے۔

(مؤلف)

مخدومی السلام علیکم

مخلص محمد اقبال لاہور

شاہ ولی اللہؒ کی تفہیماتِ الٰہیہ چھپ گئی ہے؟ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام
مخلص محمدؐ اقبال لاہور
(اقبالنامہ)
(عکس)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

۲۰ جولائی ۱۹۲۳ء

ڈیر خان صاحب السلام علیکم
آپ کا خط صبح آیا تھا۔ کچہری سے واپس آکر اسے پڑھا۔ غالباً میں الیکشن کے ہنگامے میں نہ پڑوں گا۔ لاہور کے لوگ مجبور کرتے ہیں اور بہت سے ڈیپوٹیشن اُن کے آچکے ہیں مگر میاں عبدالعزیز سے مقابلہ کے بعد انتخاب ہو جانا قریباً یقینی ہے۔ تاہم یہ بات میرے نزدیک مروّت کے خلاف ہے کہ ایک موہوم دنیوی فائدے کی خاطر دیرینہ تعلقات کو نظر انداز کر دوں۔

پیام مشرق کے متعلق بہت سے خطوط دور و نزدیک سے آئے ہیں اور آرہے ہیں۔ برلن سے ایک پروفیسر نے لکھا ہے کہ "حیرت انگیز" کتاب ہے۔ پروفیسر ہارویٹز جو علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر تھے اور اب جرمنی میں اس پر ریویو لکھ رہے ہیں جو جرمن اخبارات میں شائع ہوگا۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا ترجمہ انگریزی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک قابل تحسین جواب گوئٹے کے دیوان مغربی کا ہے اور جدید اور اوریجنل خیالات و افکار سے لبریز ہے۔

میں یہ سن کر خوش ہوا کہ اس کے اثر سے آپ پر اشعار نازل ہوتے ہیں۔ مثنوی کے تیسرے حصے کے لیے دل و دماغ تیار ہو رہے ہیں۔ تکمیل اس کام کی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا عجب کہ اپنے حبیب پاک کے صدقے میں ان مضامین کو معرضِ شہود میں لانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مثنوی کے تیسرے حصے میں مسلمانوں کے آئندہ سو سال کے افکار و اعمال کے لیے مواد ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس) مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ دین محمد کے نام

۲۳ جولائی ۲۳ء

ڈیر شیخ صاحب السلام علیکم

حامل رقعہ ایک غریب آدمی ہے جو گجرانوالہ کے ضلع میں کہیں مدرس ہے اور اپنے اسکول سے کسی اور اسکول میں تبدیلی چاہتا ہے۔ یہ تبدیلی شیخ رحیم بخش[1] اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز کے اختیار میں ہے۔ جن کا ہیڈ کوارٹر جالکے میں ہے۔ افسوس کہ میں شیخ صاحب موصوف سے واقف نہیں ہوں ورنہ میں

---

[1] "معلوم ہوتا ہے" سے قیاس ہوتا ہے کہ مدرس سے علامہ خود زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ شاید کسی وسیلے ہی سے شخص مذکور ان تک پہنچا ہو۔ خط میں رحیم بخش اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز کا ذکر ہے۔ یہ "محلہ شیخاں" قصبہ جالکے کے رہنے والے تھے۔ مدتوں گوجرانوالہ میں اول اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز اور پھر ڈسٹرکٹ انسپکٹر رہے۔ آخر میں اُن کا تبادلہ لاہور کا ہوگیا۔ اور یہاں "ڈپٹی ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ علامہ کے مکتوب "جالکے ہیڈ کوارٹر" سے مراد شیخ رحیم بخش مرحوم کی وطنیت ہے۔ یا پھر سائل مذکور شیخ صاحب کے بارے میں صحیح طور پر بتا نہیں سکا کیونکہ مرحوم کا وطن "جالکے" اور ہیڈ کوارٹر گوجرانوالہ میں تھا۔

("صحیفہ "اقبال نمبر - حصہ اول - ڈاکٹر وحید عشرت - ص - ۸۵-۸۶) بزم اقبال لاہور ۱۹۸۶ء

ان کو براہِ راست لکھتا۔ ممکن ہے کہ آپ یا آپ کا کوئی عزیز یا دوست شیخ رحیم بخش صاحب کو جانتا ہو۔ اس واسطے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں کہ اس آدمی کی مدد کریں۔ آدمی اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(خطوطِ اقبال)

سیّد محمد سعید الدین جعفری کے نامؐ

مخدومی السلام علیکم

آپ کا ۲۱ ر جولائی کا لکھا ہوا خط مجھے آج ۲۴ کو ملا اُمید نہیں کہ یہ کارڈ آپ کو ۲۶ سے پہلے ملے۔ مجھے یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کشمیر میں ہیں اور یہ کہ واپسی میں آپ سے ملاقات ہوگی۔

میرا مکان سٹیشن لاہور سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے قلعہ گجر سنگھ کا علاقہ ہے جو لاہور ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی ہے، انگریزی روش کا پتہ یہ ہے (43. MACLEOD ROAD) اُمید کہ اب آپ کی صحت بہت اچھی ہوگی۔ کشمیر

لہ سید محمد سعید الدین جعفری جالندھر کے رہنے والے تھے اور غالباً جج کے عہدے پر فائز تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ یو۔پی میں گزارا۔ علامہ اقبال سے انہیں بے حد عقیدت تھی، وہ جب بھی کشمیر وغیرہ کا سفر کرتے تو اقبال کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔" (اوراقِ گم گشتہ ص ۷۱)

مکتوب الیہ ان دنوں کشمیر میں مقیم تھے اور وہاں سے پنجاب واپس آنے والے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وطن جانے سے پہلے لاہور میں رُک کر حضرت علامہ سے ملاقات کرتے جائیں چنانچہ خط لکھ کر دریافت کیا۔ جواباً علامہ نے مندرجہ بالا خط میں اپنے مکان کا پتہ لکھا اور یہ بھی کہ میں ان دنوں لاہور ہی میں رہوں گا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

ایک نہایت پُرفضا مقام ہے۔ میں انشاءاللہ اگست کی ۲ یا ۳ تاریخ تک لاہور ہی میں ہوں۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ منشی سراج الدین صاحب اور ڈاکٹر عبدالواحد صاحب سے سلام کہیے گا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور ۲۴ جولائی ۲۳ء

(عکس) (خطوطِ اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مکرم بندہ جناب خان صاحب! السلام علیکم

میں نے جو کچھ آپ کو خط میں لکھا تھا وہ پرائیویٹ خطوط کا اقتباس تھا۔ یوروپین لوگوں کے نزدیک پرائیویٹ خطوط یا اُن کا اقتباس بغیر اُن کی اجازت کے چھاپنا ٹھیک نہیں۔ اس کے علاوہ اُس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ فرنک فورٹ کے پروفیسر ہارووٹز[1] کا ریویو عنقریب ہندوستان آئے گا۔ وہ غالباً خود ہی اس ریویو کی ایک کاپی میرے ملاحظہ کے لیے ارسال کریں گے۔ اس کا انگریزی ترجمہ کرا کے یہاں شائع کر دیا جائے گا۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

۲۸ جولائی، ۱۹۲۳ء

۲۸ کا مسلم آؤٹ لک ملاحظہ کیجیے۔

لاہور میں موسم اچھا رہا۔ آج قدرے گرمی ہے۔ میں کل سیالکوٹ جاتا ہوں۔ وہاں سے واپس آکر اگر ممکن ہوا تو شملہ جاؤں گا۔

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] HAROVITZ

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں سیالکوٹ سے آرہا ہوں۔ اب ایک دو روز میں شملہ جا رہا ہوں۔ جواب لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تو پہلے ہی اس تحریک کا مخالف تھا۔ اُن خطوط سے جو مُسلم آؤٹ لک میں شائع ہوئے ہیں۔ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہوگیا ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ حقیقت حال سے آگاہ نہیں۔

نا اُمید استم ز یارانِ قدیم
طور من سوزد کہ می آید کلیم[1]

والسلام

محمد اقبال، لاہور

۲ راگست ۱۹۲۳ء

اُمید کہ آپ کا بخار اُتر گیا ہوگا۔

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

سردار عبدالرب خاں نشتر کے نام

مکرم بندہ! السلام علیکم

آپ کا جواب درست ہے۔ میں اس میں کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتا،

---

[1] ترجمہ: میں اپنے پرانے ساتھیوں سے نا اُمید ہوں میرا طور جل رہا ہے کہ کلیم آتا ہوگا۔

سوائے اس کے کہ زبان کو میں ایک بُت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے۔ بلکہ اظہارِ مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مُردہ ہو جاتی ہے۔ ہاں تراکیب کے وضع کرنے میں مذاقِ سلیم کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔

محمدؐ اقبال۔ لاہور
۱۹ر اگست ۱۹۲۳ء
(اقبالنامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۲۔ اگست ۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندہ کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

رقعہ مل گیا ہے مگر یہ رقعہ حقیقت میں جواب کا مستحق نہیں ہے۔ آپ کا خط میرے نام آئے گا تو جواب عرض کروں گا۔ نئی کوٹھی ابھی نہیں خریدی۔ سودا تو ہوگیا تھا مگر تمام امور زبانی طے ہو جانے کے بعد بایع جو ہندو تھا، مکر گیا۔ اب اور جگہ کی تلاش ہو رہی ہے چونکہ آپ نے مبارکباد کہہ دی ہے اس واسطے یقین ہے کہ کوئی اور کوٹھی حسب دلخواہ مل جائے۔ بیوی کی صحت خدا کے فضل وکرم سے اچھی ہے پندرہ روز کے بعد بخار اُتر گیا۔ مگر کمزوری بے انتہا ہے اور یہ مرحلہ بیماری سے زیادہ خطرناک ہے۔ احتیاط کامل کی جارہی ہے اللہ فضل کرنے والا ہے۔ ان کی بیماری کی وجہ سے میں شملہ نہیں جاسکا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۷ اگست ۲۳ء

جناب مولانا گرامی

السلام علیکم۔ والانامہ ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ ذیابیطس کا ایک مجرب نسخہ میں نے خان بہادر اللہ بخش خاں مرحوم سے سُنا تھا۔ جامن کی گٹھلی سائے میں خشک کیجئے پھر اسے پیس کر کپڑے میں چھان کر اور ذرا سا نمک ملا کر پانی کے ساتھ بقدر دو تین ماشہ صبح کھایا کیجئے۔ وہ کہتے تھے کہ بیماری کی ابتدا ہو تو اس سے صحت ہو جاتی ہے۔ سو اگر آپ کا ذیابیطس جوانی کی غلط کاریوں کا نتیجہ ہے تو شاید یہ نسخہ مفید نہ ہوگا۔ لیکن اگر بڑھاپے کی غلط کاری کا نتیجہ ہے تو ضرور مفید ہوگا۔ اگر آپ حیدر آباد گئے تو وہاں کی ہوا شاید اس کے لیے اچھی نہیں ہے دہلی جا کر حکیم صاحب سے علاج کرائیے مگر وہ تو آج کل شاید سولن میں ہیں۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ آپ دہلی نہ جائیں گے۔ لاہور آئیے تو یہاں سے علاج کرائیے۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب اچھے طبیب ہیں وہ آپ کا علاج کریں گے۔

حیدر آباد سے مجھے دو تین تار آئے تھے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے آؤ۔ مگر میں بیوی کی علالت کی وجہ سے نہ جا سکا۔ آخر انھوں نے وہاں کے ایک اہل کار صاحب کو لاہور بھیج دیا، جو دو روز یہاں رہے۔ میں نے ان کو تمام ضروری امور کے متعلق مشورہ دے دیا تھا۔

---

[۱] جس خط کے پہنچنے کا ذکر اقبال نے کیا ہے، اس میں گرامی نے لکھا تھا:

"گرامی ضیابطوس (ذیابیطس) کے مرض میں مبتلا ہے۔ یہی مرض مرگ کا مقدمۃ الجیش ہے۔ دہلی جاؤں گا۔ حکیم مسیح الملک سے علاج کراؤں گا۔ مسیح الملک (حکیم اجمل خاں دہلوی)

(باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کا مصرع بہت عمدہ ہے انشاء اللہ دوسری اشاعت میں ملحوظ رہے گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گھر میں میری طرف سے آداب کہہ دیجیے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

سے علاج کرانا پریوی کونسل کی اپیل ہے۔ یا ادھر یا اُدھر۔ رباعی

طوفان بلاست آشنائے اجمل
بوسد ہر موج دست و پائے اجمل
دیدی کہ خداست ناصرش در ہمہ حال
دریا گردید نا خدائے اجمل

(ترجمہ: طوفان بلا اجمل کا دوست ہے ہر موج اجمل کے ہاتھ پاؤں چومتی ہے،
تم نے دیکھا کہ خدا ہر حال میں ان کا مددگار ہے دریا خود اجمل کا ناخدا بن گیا ہے)

یہ رباعی لکھ کر بھیج دی ہے۔ اجمل پسند ہے، اقبال پسند بھی ہو گی۔ حکیم صاحب چاہتے ہیں کہ گرامی دہلی میں آوے اور ہم علاج کریں۔ گویا مسیح مُردہ کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔

۲ؔ اس کا جواب ملاحظہ ہو:

"گرامی نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ دہلی آ گیا ہوں۔ حکیم مسیح الملک کا علاج ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے ___ جوانی کی غلط کاری صحیح نہیں۔ پیری کی غلط کاری، پیری کا اثر صحیح ___ گرامی دہلی سے لاہور آئے گا۔ حیدر آباد سے اگر میر مجلس کا منصب جلیلہ یا حضور بندگان عالی کی سیکریٹری کی خدمت ملے، ضرور منظور کر لیجیے گا۔ گرامی کی پیش گوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ اسلام میں الہام غلط نہیں ہوتا۔" (محمد عبداللہ قریشی)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے۔ افسوس ہے کہ امسال کہیں نہیں جا سکا۔ اگست کے شروع میں میری بیوی کو ٹائیفائڈ فیور ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ شروع ستمبر تک بیمار رہیں۔ اگرچہ اب بخار نہیں تاہم صحت ابھی تک درست نہیں ہوئی۔ نواب صاحب کا خط میں نے بھی دیکھا تھا۔ آپ کا خط بھی اُمید ہے نظر سے گذرے گا۔ پیام مشرق کی دوسری ایڈیشن تیار ہو رہی ہے۔ اس میں بہت سا اضافہ ہو جائے گا۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

۱۰ ستمبر ۱۹۲۳ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۱ ستمبر ۲۳ء

سرکار والا۔ تسلیم

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ گزشتہ تین ماہ سے مسلسل بیماری کی وجہ سے آلام و افکار میں گرفتار ہوں۔ پہلے میری بیوی کو ٹائی فائڈ فیور ہو گیا اور وہ قریباً دو ماہ صاحب فراش رہیں۔ اس کے بعد میری باری آئی۔ خدا خدا کر کے پرسوں سے بخار اترا ہے اور یہ خط نقاہت کی وجہ سے بستر پر بیٹھے لیٹے لکھ رہا ہوں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

لیکن یہ معلوم کر کے تعجب بھی ہوا اور تردّد بھی کہ برخوردار خواجہ پرشاد طال

مخلص محمد اقبال

اللہ عمرہٗ کی آنکھ ابھی تک اچھی نہیں ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ فضل وکرم کرے ۔ مجھے یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کو صحت کامل عطا فرمائے گا۔ وہ جس کا وجود سیکڑوں ہزاروں کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ اس کے نور نظر کو چشم زخم پہونچے ۔ انشاء اللہ استدعاتے دعا کروں گا۔ گزشتہ اگست عثمانیہ یونیورسٹی نے حیدرآباد آنے کی دعوت دی تھی ۔ جناب رجسٹرار نے تار دیا۔ اس کے بعد حیدری صاحب کا بھی تار آیا مگر بیوی کی علالت نے لاہور سے باہر نکلنے نہ دیا۔ آخرکار پروفیسر فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی لاہور ہی تشریف لے آئے اور جو مشورہ ان کو مطلوب تھا دے دیا گیا۔ یہ موقع سرکار کی ملاقات کے لیے ایک مدت کے بعد ہاتھ آیا تھا مگر افسوس کہ اللہ تعالیٰ کو میرا سفر حیدرآباد منظور نہ تھا خدا کرے کہ پھر کوئی موقع پیدا ہو اور اقبال سرکار شاد کی زیارت سے شرف اندوز ہو۔

زیادہ کیا عرض کروں اُمید کہ سرکار والا کا مزاج مع الخیر ہو گا۔

راجہ خواجہ پرشاد طال عمرہٗ کو دعائے صحت ودرازی عمر و ترقی درجات ۔

مخلص محمد اقبال

(عکس)[1]

(شاد اقبال)

عبدالماجد دریابادی کے نام

لاہور

۱۱ ر اکتوبر ۱۹۲۳ء

مخدومی ، السلام علیکم

"پیام مشرق" میں چند اشعار "بوئے گل" پر ہیں جو آپ کے ملاحظہ سے گذرے ہوں گے، آخری شعر ہے :۔

---

[1] شاد اقبال میں اس خط کی تاریخ ۲۹ ر ستمبر درج ہے جبکہ عکس میں ۱۱ ستمبر واضح طور پر پڑھا جاتا ہے۔ (مولف)

زندانیؒ کہ بند ز پائش کشادہ اند[1]
آہے گذاشت است کہ بُو نام دادہ اند

حال میں جامعہ ملّیہ علی گڑھ کے رسالے میں "پیامِ مشرق" پر ریویو کرتے ہوئے مولانا محمد اسلم جیراجپوری "آہے گذاشت است" پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ترکیب مکروہ معلوم ہوتی ہے یہی مطلب کسی اور طرح ادا کرنا چاہیے۔ میں آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مولینا سیّد سلیمان ندوی صاحب سے بھی استصواب کروں گا۔ چونکہ دُوسری ایڈیشن جلد نکالنے کا ارادہ ہے اس واسطے اگر آپ کا جواب جلد مل جائے تو بہتر ہو۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال۔ لاہور

بیگم صغریٰ ہمایوں مرزا کے نام

لاہور

۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۳ء

مکرمہ تسلیم

افسوس کہ میں وعدہ یاد نہ رکھ سکا جس سے مجھے ندامت ہے۔ اُمید کہ آپ معاف فرمائیں گی۔

بہر حال کل پبلشر کو لکھ بھیجوں گا کہ وہ پیامِ مشرق کی ایک جلد آپ کی خدمت میں بھیج دے۔ مضمون لکھنے کی فرصت نہ ملی اور نہ ابھی کچھ مدت تک ایسی فرصت ملنے کی توقع ہے۔ کیونکہ فرصت کے اوقات میں مجھے بعض ضروری لٹریری کاموں کی تکمیل کرنا ہے۔

محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] ترجمہ: وہ ایک قید خانہ ہے جس کے پیروں سے بیڑیاں کھولی گئی ہیں۔ اس نے ایک آہ کھینچی ہے جس کا نام خوشبو رکھ دیا ہے۔

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۱ ؍ اکتوبر ۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا۔ آپ لاہور آنے والے نہیں محض شاعری ہے۔ آپ کی ترمیم[1] سے زبان کے اعتبار سے شعر بہت ستھرا ہوگیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس سے وہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا جو میں ادا کرنا چاہتا ہوں میرا مطلب یہ ہے کہ وہ نازنین حور خود تو رخصت ہوگئی مگر دنیا میں اپنی آہ چھوڑ گئی ہے جس کو لوگ خوشبو کہتے ہیں آپ کے شعر سے مترشح ہوتا ہے۔ "وقت بند کشادن آہے سر داد" لہٰذا معانی کے اعتبار سے میں اپنے ہی مطلع کو ترجیح دیتا ہوں، جس کو آپ نے پسند فرمایا ہے لیکن 'سر دادن آہ' کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہاں آپ نے یہ کیا لکھ دیا کہ "ممکن ہے گرامی اقبال کی کوٹھی پر ہی فروکش ہو"! کیا آپ کے کسی اور جگہ ٹھہرنے کا بھی امکان ہے؟ رباعیات نے بڑا لطف دیا۔ میں نے پرزہ کاغذ جیب میں رکھ لیا ہے۔ نواب صاحب اور شیخ اصغر علی ابھی آنے والے ہیں اُن کو سناؤں گا۔ کل یہاں پر ویسرائے بہادر تشریف لاتے ہیں اسٹیشن اور وہاں سے آنے کے رستے کی سجاوٹ ہو رہی ہے۔

---

[1] یہ ترمیم اسی نظم "بوئے گل" کے آخری شعر کے متعلق تھی جس کا ذکر ۱۸ ؍ اکتوبر ۲۳ء کے خط میں تفصیل سے آچکا ہے مگر یہ ترمیم اقبال نے قبول نہیں کی اور اپنے ہی مطلع کو ترجیح دی، جسے گرامی نے بھی پسند کیا۔

(عبداللہ قریشی)

سائل صاحب[1] کو تو آپ نے خوب سُنائی۔ شاعروں سے ڈرنا چاہیے بھائی یہ لوگ بڑے بے ڈھب ہوتے ہیں۔ حیدر آباد نہ جانا کوئی فال بد نہیں۔ کل مہاراجہ بہادر[2] کا خط آیا تھا، سنا ہے وزیر اعظم وہ ہوں گے وہاں کے متعلق عجیب و غریب حالات سُنے ہیں جن کو خط میں لکھنا ٹھیک نہیں آپ آ گئے تو زبانی عرض کروں گا اس ریاست کے دن بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۴ اکتوبر ۲۳ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

والا نامہ موصول ہو گیا ہے۔ صاحبزادی کے انتقال کی خبر معلوم کر کے نہایت تاسّف ہوا اقبال شاد کے غم و الم میں شریک ہے۔ سرکار کی نگاہ بلند طبیعت بلند پھر حوصلہ کیوں بلند نہ ہو مگر عُرفی نے کیا خوب لکھا ہے۔

---

[1] نواب سراج الدین سائل دہلوی داغ کے شاگرد اور داماد تھے۔ داغ کے انتقال کے بعد اپنے کلام کے متعلق گرامی سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے گرامی سے ان کے بارے میں پوچھا تو گرامی نے کہا: "خامی میں پختہ ہو گیا ہے بچہ"۔ اقبال نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[2] مہاراجہ سر کشن پرشاد

(عبداللہ قریشی)

"من ازیں دردِ گراں مایہ چہ لذّت یابم
کہ باندازۂ آں صبرو ثباتم دادند[1]"

خدائے تعالیٰ صبرجمیل عطا فرمائیے۔ معزز ذرایع سے جو خبر سرکارِ والا نے سُنی ہے خدا کرے کہ صحیح ہو میری تو یہ دیرینہ آرزو ہے کہ سرکار کو فایز المرام دیکھوں۔ ذمہ داری ضرور ہے لیکن اس وقت کے حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ حیدرآباد کا دارالمہام شاد ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ حضور نظام کی نگاہ زمانے کے میلانِ طبیعت کو صحیح طور پر دیکھتی ہے۔

حضور وایسرائے آج کل لاہور میں رونق افروز ہیں کل انھوں نے نئے ہائی کورٹ پنجاب کا افتتاح فرمایا۔ چیف جسٹس سر شادی لال نے جو تقریر اس موقع پر فرمائی اس کے جواب میں حضور وایسرائے نے اقبال کی تعریف بھی کی۔ تقریر نہایت دلکش اور نہایت عمدگی کے ساتھ ادا کی گئی۔ اقبال کی تعریف سے سب کو تعجّب ہوا کہ اس کی توقع نہ تھی۔ اخباروں میں اُمید کہ یہ تقریر سرکار والا کے ملاحظے سے گزرے گی۔

زیادہ کیا عرض کروں اُمید کہ سرکار والا کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمّد اقبال لاہور

(عکس)

---

[1] ترجمہ:

مجھے اس بھاری درد سے کیا لذت مل سکتی ہے جس کے اندازے کا صبر و ضبط بھی مجھے دے دیا گیا ہے

لاہور ۲۴ اگست ۲۳ء

سرکار والا تبار تسلیم

[illegible]

فرق است میان دیگراں با تو چہ لذت یابم

کہ باندازۂ آں جرعہ نیابم وادند

[illegible]

مخلص محمد اقبال لاہور

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۲۸۔ اکتوبر ۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا جس کے لیے شکرگزار ہوں۔ اب کے گرمی کی تعطیلیں تمام آلام و مصائب میں گزریں۔ مجھ کو ڈنگو فیور ہوگیا۔ بعد میں مسوڑا پھول جانے سے بھی سخت تکلیف رہی جو صرف کل سے کم ہوئی ہے۔ بارے آپ نے اس نئے بخار کا مزا چکھ لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس جس کو یہ بخار آیا ہے اس کی عمر میں بقدر سی سال کے اضافہ کیا گیا ہے۔ سو آپ مطمئن رہیے آپ استخواں شکنی کے امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ کسی پرانے بزرگ کا شعر ہے

قحبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی[1]

سو فرق اس قدر ہے کہ بعض پیر بڑے بڑے لوگوں کی دلالی کرتے ہیں بعض چھوٹے لوگوں کی۔ بہرحال یہ مشغلہ آپ کے لیے موزوں ہے۔ اور شاعری بھی تو ایک قسم کی خدا اور بندوں کے درمیان دلالی ہے، اوپر سے الہام ہوا بندوں تک پہنچا دیا گیا۔ جس کو اس پیشے کی شرافت میں شبہ ہو، وہ کافر ہے۔ آپ یوں تو لاہور آتے ہی نہیں اس واسطے میں نے یہ ترکیب سوچی ہے کہ ابھی بڑھاپے میں نکاح کروں ممکن ہے ہوس دلالگی آپ کو یہاں کھینچ لائے۔ اگر آپ آئیں تو آپ کی برکت سے شاید کوٹھی کا سودا بھی یکسو ہو جائے۔ خدا بچائے دنیا کی جائداد سے کس قدر سر دردی اس کے خریدنے میں ہے تارک دنیا

نوٹ: ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۳ء بمطابق عکس۔ "مکاتیب اقبال بنام گرامی" میں اس کی تاریخ ۱۸ر اکتوبر درج ہے۔ جو درست نہیں ہے۔ (مؤلف)

[1] ترجمہ: طوائف بوڑھی ہو جائے تو نائکہ بن جاتی ہے۔

لوگ سچے تھے۔ دکن تو اب آپ جا چکے۔ اگر "عرفت ربّی بفسخ العزائم"[۱] صحیح ہے تو آج دنیا بھر میں آپ سے بڑھ کر کوئی عارف کامل موجود نہیں۔ ہاں ایک بات خوب وقت پر یاد آئی ہے۔ پیامِ مشرق میں چند اشعار میں نے بوئے گل[۲] پر لکھے تھے جو آپ کی نظر سے گذرے ہوں گے ان کا مطلب یہ تھا کہ جنّت کی ایک حور دُنیا کا نظارہ کرنے کے لیے پھُول کی صورت میں نمودار ہوئی اور آخر کار پژمردہ ہوگئی جس کو لوگ نکہت گل کہتے ہیں وہ اس حور کی آہ ہے جس کو اس نے دنیا میں اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ آخری شعر یہ تھا

زندانیِ کہ بند ز پایش کشادہ اند
آہے گذاشت است کہ بو نام دادہ اند[۳]

مولوی اسلم جیراج پوری استاد جامعہ ملّیہ علی گڑھ کا یہ اعتراض ہے کہ "گذاشت است" ذوق سلیم کو کھٹکتا ہے۔ مجھ کو بھی ان کے ایراد میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور معلوم ہوتی ہے لیکن گرامی کا فتویٰ قطعی ہوگا آپ اپنی رائے صحیح سے مطلع فرمائیں

۱۔ ترجمہ:- یہ حضرت علیؓ کا قول ہے اُنھوں نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔

۲۔ "بوئے گل" پیام مشرق کے صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ پر شائع ہو چکی ہے۔ اس کا آخری شعر اسی صورت میں ہے، جس طرح اقبال نے اس خط کے آخر میں لکھا ہے۔ یعنی:

زاں نازنین کہ بند ز پایش کشادہ اند ؛ آہے است یادگار کہ بو نام دادہ اند

ترجمہ: (وہ نازنین جس کے پیروں سے بند کھول دیے گئے ہیں،
اس کی یادگار ایک آہ رہ گئی ہے جس کا نام خوشبو رکھ دیا ہے)

گویا پہلی صورت نہیں رہی اور گرامی نے اس میں جو ترمیم تجویز کی تھی وہ بھی اقبال نے قبول نہیں کی کیوں کہ اس سے وہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا تھا جو اقبال ادا کرنا چاہتے تھے۔ (عبداللہ قریشی)

۳۔ ترجمہ ہو چکا ہے۔

اِس شعر پر تنقیدی نظر ڈالیے اور نتیجہ سے آگاہ کیجیے۔ مولوی سلیمان ندوی اور عبدالماجد صاحب سے بھی استصواب کیا ہے۔ بہرحال آپ کی رائے سب پر مقدم ہے۔ اس شعر کا مطلع ہونا ضروری ہے کہ یہ بند کا آخری شعر ہے۔ یوں بھی ہوسکتا ہے

زان نازنین کہ بند زپایش کشادہ اند
آہے است یادگار کہ بو نام دادہ اند[1]

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا گھر میں آداب کہیے۔

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس)
(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

ڈاکٹر ریوبن لیوی کے نام

لاہور
۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۳ء

جناب مکرم،

کل رات، پنجاب یونیورسٹی کے 'فارسی تعلیمی بورڈ' کی ایک میٹنگ میں ہم نے ادب فارسی پر آپ کے دلچسپ کتابچے کو اپنے بی اے کے فارسی نصابِ تعلیم میں داخل کرلیا ہے۔ یہ کتاب اس سے پیشتر میری نظر سے نہیں گزری تھی، لیکن اس کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ میری کتاب "پیامِ مشرق" جو گوئٹے کے "دیوانِ مغرب و مشرق" کے جواب میں لکھی گئی ہے، شاید آپ کے لیے باعثِ دلچسپی ہو۔ یہ کتاب چند ہی مہینے ہوئے، شائع ہوئی تھی، اور اس کا ایک

---

[1] ترجمہ: وہ نازنین جس کے پیروں سے بند کھول دیے گئے ہیں؛
اس کی یادگار ایک آہ رہ گئی ہے جس کا نام خوشبو ہے۔

دُوسرا ایڈیشن، ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ عنقریب ہی نکلنے والا ہے۔ چنانچہ میں اس کا ایک نسخہ آپ کو بھیجنے کی جسارت کر رہا ہوں، اور میری بڑی خواہش ہے کہ آپ اس کے بارے میں اپنی رائے سے مجھے آگاہ فرمائیں۔

آپ کا مخلص
محمدّ اقبال (کے۔ ٹی)
بیرسٹرایٹ لا
(ڈین، اورینٹل فیکلٹی
پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

(عکس) (انگریزی) (اقبال یورپ میں)

عبدالماجد دریابادی کے نام

مکرمی - پیام امن کے لیے شکرگزار ہوں۔ آپ کا تبصرہ بجائے خود ایک نہایت مفید رسالہ[1] ہے۔ اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمدؐ اقبال
۳، نومبر ۱۹۲۳ء
(اقبالنامہ)

---

[1] مکتوب الیہ نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ مع اپنے مفصّل تبصرہ کے شائع کیا تھا (عطاءاللہ)

سیّد محمد سعید الدین جعفری کے نام

لاہور ۱۴ نومبر ۲۳ء

مکرمی السلام علیکم

(۱) ایشیا کے قدیم مذاہب کی طرح اسلام بھی زمانۂ حال کی روشنی میں مطالعہ کیے جانے کا محتاج ہے۔ پُرانے مفسرینِ قرآن اور دیگر اسلامی مصنّفین نے بڑی خدمت کی ہے۔ مگران کی تصانیف میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو جدید دماغ کو اپیل نہ کریں گی ۔ میری رائے میں بہ حیثیت مجموعی زمانۂ حال کے مسلمانوں کو امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ان کی کتب زیادہ تر عربی میں ہیں مگر شاہ صاحب موصوف کی حجۃ اللہ البالغہ کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ حکماء میں ابنِ رشد اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ دیکھا جائے۔ علیٰ ہٰذالقیاس غزالی اور رومی علیہم الرحمۃ۔ مفسرین میں معتزلی نقطۂ خیال سے زمخشری، اشعری نقطۂ خیال سے رازی اور زبان و محاورے کے اعتبار سے بیضاوی۔ نئے تعلیم یافتہ مسلمان اگر عربی زبان میں اچھی دستگاہ پیدا کریں تو اسلام کے RE-INTERPRETATION میں بڑی مدد دے سکیں گے۔ میں نے اپنی تصانیف میں ایک حد تک یہی کام کرنے کی کوشش کی ہے۔ انشاء اللہ اس پر نثر میں بھی لکھوں گا۔

(۲) الفاظ کے انتخاب میں لکھنے والا (شاعر) اپنی حسِ موسیقیت سے کام لیتا ہے اور مضامین کے انتخاب میں اپنے فطری جذبات کی پیروی پر مجبور ہوتا ہے۔ اس امر میں کسی دوسرے شخص کے مشورے پر خواہ وہ کتنا ہی نیک مشورہ کیوں نہ ہو، عمل نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے اعتراض کے متعلق یہ بھی عرض ہے کہ میرے نزدیک اسلام نوع انسانی کی اقوام کو جغرافی حدود سے بالاتر کرنے اور نسل و قومیت کی مصنوعی مگر ارتقاء انسانی کے ابتدائی مراحل میں مفید امتیازات کو مٹانے کا ایک عملی ذریعہ ہے۔

اسی وجہ سے اور مذاہب (یعنی مسیحیت، بدھ ازم وغیرہ) سے زیادہ کامیاب رہا ہے، چونکہ اس وقت ملکی اور نسلی قومیت کی لہر یورپ سے ایشیا میں آرہی ہے اور میرے نزدیک انسان کے لیے یہ ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ اس واسطے بنی نوع انسان کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت اسلام کے اصلی حقائق اور اس کے حقیقی پیش نہاد پر زور دینا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں خالص اسلامی نقطۂ نظر کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ ابتدا میں مَیں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا لیکن تجربے اور خیالات کی وسعت نے میرے خیالات میں تبدیلی کر دی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی نظام ہے جس کو ہم ایک ناگزیر زشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔ آپ PAN-ISLAM کو ایک پولیٹیکل یا قومی تحریک تصور کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک طریق چند اقوام انسانی کو جمع کرنے اور ان کو ایک مرکز پر لانے کا ہے۔ اس غرض سے ایک مرکز شہودی پر مجتمع ہو جانے اور ایک ہی قسم کے خیالات رکھنے اور سوچنے کے باعث یہ اقوام نسلی اور قومی اور ملکی امتیازات و تعصبات کی لعنت سے آزاد ہو جائیں۔ پس اسلام ایک قدم ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف۔ یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ پس جو کچھ میں اسلام کے متعلق لکھتا ہوں اس سے میری غرض محض خدمتِ بنی نوع ہے اور کچھ نہیں اور میرے نزدیک عملی نقطۂ خیال سے صرف اسلام ہی HUMANITARIAN IDEAL کو ACHIEVE کرنے کا ایک کارگر ذریعہ ہے۔ باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں۔ خوشنما ضرور ہیں مگر ناقابلِ عمل۔ مجھے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خالص اسلامی حقائق پر لکھنے اور ان کو نمایاں کرنے سے ہندوستان کی اقوام میں باہمی عناد بڑھتا ہے۔ اس بات میں مَیں آپ سے متفق ہوں کہ مسلمانوں کو محبت کا طریق اختیار کرنا چاہیے نبی کریمؐ کی حدیث ہے کہ مسلمان دنیا کے لیے سراپا شفقت ہے مگر اس اخلاقی

انقلاب کو حاصل کرنے کے لیے بھی یہی ضروری ہے کہ اسلام اپنی اصلی روشنی میں پیش کیا جائے۔ میرا ذاتی طریق یہی ہے کہ میں دنیا کی تمام مذہبی تحریکوں کو ادب اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ گو یہ احترام مجھے ایسی تنقید سے باز نہیں رکھ سکتا جس کی بناء دیانت پر ہو اور جس میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہ ہو۔ غرضیکہ میرا عقیدہ یہ ہے اور یہ عقیدہ محض خاندانی تربیت اور ماحول کے اثرات کا نتیجہ نہیں بلکہ بیس سال کے نہایت آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ اس وقت اقوامِ انسانی کے لیے سب سے بڑی نعمت اسلام ہے اور جو شخص مسلمان کہلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ قومی تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ خالصتاً للہ اپنی زندگی میں ایک عملی انقلاب پیدا کرے اور اگر دماغی قوت رکھتا ہے تو اپنی بساط کے مطابق اسلام کے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرے تاکہ نوعِ انسانی قدیم توہمات سے نجات پائے۔ مسلمانوں کو تو سیاسیات سے پہلے اشاعتِ اسلام کا کام ضروری ہے تاہم دونوں کام ساتھ ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔

منظر علی صاحب کے مذہبی عقائد کا حال سن کر مجھے کچھ تعجب نہیں ہوا کیونکہ NATIONALISM نے قریباً ہر ملک میں مذہب کو DISPLACE کیا ہے لیکن الحمدللہ ان کے خیالات نے اس طرف پلٹا کھایا اور ان کو تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ چند مصنفین کے نام میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ میری رائے میں سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام اس بارے میں بہتر مشورہ دے سکیں گے۔

مجموعہ شائع کرنے کی فکر میں ہوں۔ ان شاءاللہ ۲۴ء میں ضرور شائع ہو جائیگا۔ معلوم نہیں آپ کی سب باتوں کا جواب اس خط میں آیا ہے یا نہیں۔ میں نے آج تک اتنا طویل خط کسی کو نہیں لکھا اور نہ حقیقت میں ایسا کرنے کی فرصت ہے۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمّد اقبال

(خطوطِ اقبال) (عکس)

پیرزادہ ابراہیم حنیف کے نام

لاہور یکم دسمبر ۲۳ء[1]

مخدومی۔ آپ کی کتاب دل چسپ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی تکمیل میں آپ کی مدد کرنے سے قاصر ہوں۔ میرے فرصت کے اوقات پرائیویٹ لٹریری کام کے نذر ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ ایسے معاملے میں مطالعہ کتب کے بغیر مشورہ دینا ممکن نہیں۔ میں ایک عرصے سے فلسفے کا مطالعہ چھوڑ بیٹھا ہوں۔ صرف ایک آدھ مسئلہ سے دلچسپی باقی ہے جس کا تعلق آپ کے مضمون سے نہیں۔

اگر آپ کا مدعا یہ ہے کہ آپ کی کتاب یونیورسٹی کے کسی امتحان میں کورس مقرر ہو جائے تو یہ بات کتاب کی اشاعت سے پہلے ممکن نہیں۔ کورس کا معاملہ یونیورسٹی بورڈ کے سامنے پیش ہوتا ہے جس کا میں بھی ایک ممبر ہوں۔ اشاعتِ کتاب کے بعد ایک کاپی بھیج دیں۔ میں اسے بورڈ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ اگر بورڈ کی رائے میں وہ کتاب کورس بننے کے قابل ہوئی تو یقیناً نصاب میں داخل ہو جائے گی۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

(انوارِ اقبال)

---

[1] یہ خط پوسٹ کارڈ کی شکل میں ہے جس پر پتہ "پیرزادہ محمد حنیف صدیقی" اردو پروفیسر پڑھا جاتا ہے۔ "انوارِ اقبال" میں اس کی تاریخ یکم ستمبر ۲۲ ۱۹ء درج ہے مگر صابر کلوروی کا خیال ہے کہ یہ خط "یکم دسمبر ۱۹۲۳ء" کو لکھا گیا ہے جیسا کہ عکس سے ظاہر ہے۔

۱۔ صابر کلوروی ــ مکاتیب اقبال کے ماخذ ــ چند مزید حقائق ص ۔ ۴

۲۔ صابر کلوروی ــ اشاریہ مکاتیب اقبال۔ ص ۱۲۶

ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام[1]

مخدومی، السلام علیکم!

زبان کے اعتبار سے آپ کے اشعار میں کسی قسم کی اصلاح کی گنجائش نہیں۔ خیالات بھی اچھے ہیں۔ ہاں تخیّل کی کمی ہے اور اس کمی کو لفظی اصلاح پورا نہیں کر سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ترقی کریں گے۔ اس وقت عرب کے قدیم شعر کو پیش نظر رکھنا چاہیے[2]۔ میری نسبت جس حُسنِ ظن کا اظہار آپ نے اپنے اشعار میں کیا۔ اس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مخلص

محمد اقبال

لاہور

(خطوطِ اقبال)

---

[1] سید یامین ہاشمی کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی۔ لندن سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ "اقبال کی پیش گوئیاں" (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۲ء) نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی، یامین ہاشمی صاحب سندھ مسلم کالج کراچی میں پروفیسر تھے۔ "انوارِ اقبال" (ص ۱۹۱ ـ ۱۹۴) میں بھی ان کے نام علامہ اقبال کے دو خطوط (مرقومہ ۴ مارچ و ۳۰ جولائی ۱۹۳۴ء) موجود ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مکتوب الیہ ملازمت کی تلاش میں تھے اور علامہ اقبال سے اعانت کے خواہاں تھے۔

۱۹۲۳ء میں انہوں نے علامہ کی خدمت میں مندرجہ ذیل قطعہ بغرضِ اصلاح روانہ کیا:

ڈاکٹر اقبال تو ہے مُلہمِ رازِ حیات — واقفِ اسرارِ ہستی، صاحبِ رازِ حیات

ہمت افزائے دلِ مسلم ہے تیری شاعری — پست ہمت بھی نظر آتے ہیں جانبازِ حیات

(باقی اگلے صفحہ پر)

سجاد حیدر یلدرم کے نام[۱]

ڈیر سجاد!

اِس خط کے پچھلے صفحے پر چند اشعار[۲] لکھتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب کو دیدیجیے۔ اس وقت جلدی میں ہوں، معاف کیجیے کہ علیحدہ کاغذ پر نہیں لکھ سکا۔ ایک شامی عرب بشیر کمال سے معلوم ہوا کہ محمد عاکف، ایڈیٹر 'سبیل الرشاد' نے

گذشتہ سے پیوستہ)

بادۂ عرفاں جو ساقی نے پلائی ہے تجھے ہاشمی کو بھی چکھا دے وہ مئے رازِ حیات

جواباً انہیں مندرجہ بالا مکتوبِ اقبال موصول ہوا۔

۲۔ ڈاکٹر یامین ہاشمی کے نام ۲۰ جولائی ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں علامہ لکھتے ہیں:

"بحیثیتِ مجموعی آپ کے اشعار کا رنگ عجمیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمانۂ حال میں عجمیت سے اجتناب لازم ہے۔ اِس وقت مسلمان کا فرض ہے کہ جو قوت خدا تعالیٰ نے اسے اسلام کی خدمت اور اقوام وملل اسلامیہ کے احیاء وبیداری میں صرف کرے۔ میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔

" (انوارِ اقبال: ص ۱۹۲)

(رفیع الدین ہاشمی)

۱۔ جس زمانے میں یلدرم علی گڑھ یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے۔ جنوری ۱۹۲۳ء میں یونیورسٹی کانووکیشن کے موقع پر یونیورسٹی کے ادبی رسالے، علی گڑھ میگزین کا خاص نمبر شائع کرنے کا پروگرام بنا، میگزین کے ایڈیٹر خواجہ منظور حسین نے علامہ اقبال کی خدمت میں ایک خط لکھ کر تازہ کلام اور دستخطی تصویر کی فرمائش کی اور ساتھ ہی یلدرم کا حوالہ بھی دیا، معلوم نہیں، اس سلسلے میں یلدرم نے بھی علامہ کو خط لکھا یا نہیں۔ مگر علّامہ نے خواجہ منظور حسین کے اسی خط کے خالی حصّے پر جواب لکھا اور نظم اس کی پشت پر لکھ بھیجی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ترکوں کی شاعری کے بہت عمدہ نمونے جمع کیے ہیں۔ اس کتاب کا نام "صفحات محمّد عاکف" ہے۔ اس کا ترجمہ اُردو میں ہونا چاہیئے۔ محمد ثانی کے دیوان میں کوئی شعریت نہیں۔ والسّلام

مخلص
محمّد اقبال
(خطوط اقبال)

(عکس نظم)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس خط پر تاریخ درج نہیں مگر اندازہ ہے کہ دسمبر ۱۹۲۳ء کے پہلے پندرھواڑے میں لکھا گیا ہوگا کیوں کہ خواجہ منظور حسین نے علّامہ کی خدمت میں اپنا عریضہ یکم دسمبر کو ارسال کیا تھا۔ علّامہ بالعموم فوراً جواب لکھتے تھے۔

ــہ اشعار سے مراد ہے اقبال کی فارسی نظم "تنہائی"، جو انہوں نے خط کی پشت پر لکھ بھیجی، یہ نظم "پیامِ مشرق" (ص ۱۱۸) میں موجود ہے۔ اس کا عکس شامل کرلیا ہے کہ بخط اقبال ہے۔ افسوس ہے کہ اس خط کا عکس دستیاب نہ ہوسکا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

تنہائی

بہ بحر رفتم و گفتم بہ موجِ بیتابے
ہمیشہ در طلب استی چہ مشکلے داری؟
ہزار لولوئے لالاست در گریبانت
درون سینہ چو من گوہر دلے داری؟
تپید و از لب ساحل رمید و ہیچ نگفت

بہ کوہ رفتم و پرسید ایں چہ بے دردی است
رسد بگوشِ تو آہ و فغانِ غم زدۂ؟
اگر بسنگ تو لعلے ز قطرۂ خون است
یکے در آبہ سخن با منِ ستم زدۂ؟
بخود خزید و نفس درکشید و ہیچ نگفت

(باقی اگلے صفحے پر)

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

رہ دراز بریدم ز ماہ پرسیدم سفر نصیب! نصیب تو منزلے است کہ نیست
جہاں ز پرتو سیمائے تو سمن زارے فروغ داغ تو از جلوۂ دلے است کہ نیست

سوئے ستارہ رقیبانہ دید و ہیچ نگفت

شدم بحضرتِ یزداں گذشتم از مہ و مہر کہ در جہانِ تو یک ذرہ آشنایم نیست
جہاں تہی ز دل و مشتِ خاکِ من ہمہ دل چمن خوش است ولے درخور نوایم نیست

تبسمے بلب او رسید و ہیچ نگفت

ترجمہ: میں سمندر کے پاس گیا اور موج سے کہا کہ تو بیقرار ہے، ہمیشہ کسی طلب میں ہے تجھے کیا مشکل درپیش ہے۔

ہزاروں چمکدار موتی تیرے گریباں میں ہیں، اور میری طرح تیرے سینہ میں دل کا موتی ہے۔

وہ تڑپی لب ساحل سے دُور ہٹ گئی اور کچھ نہ کہا! میں پہاڑ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا یہ کیا بے دردی ہے؟

کیا کسی غم زدہ کی آہ و فغاں تیرے کانوں تک پہنچتی ہے؟

اگر تیرے پتھروں میں چھپا ہوا لعل کوئی قطرۂ خون ہے تو ذرا مجھ ستم زدہ سے بھی کوئی بات کرلے۔

وہ اپنے آپ میں سمٹ گیا اپنی سانس روک لی اور کچھ نہ کہا! اب میں نے اپنا لمبا رستہ ناپا اور چاند سے پوچھا،

اے سفر نصیب! تیری قسمت میں کوئی منزل ہے کیا نہیں؟

تیری روشنی کی چمک میں سارا جہاں چنبیلی کے پھولوں کا چمن معلوم ہوتا ہے،

مگر تیرے داغ کی یہ چمک کسی دل کے جلوہ سے کم نہیں؟

تو اس نے ایک رقیبانہ نظر سے ستاروں کی طرف دیکھا اور کچھ نہ کہا!

اب میں مہ و مہر سے گزر کر حضرت یزداں کی خدمت میں گیا (اور کہا)

یہ کائنات بھی دل سے خالی ہے اور میری مشتِ خاک تمام دل ہے

یہ چمن اچھا ہے مگر میری نوا کے لائق نہیں،

تو ایک تبسم اس کے ہونٹوں پر آیا اور اس نے بھی کچھ نہ کہا!

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۴ جنوری ۲۲ء

سرکارِ والا تبار تسلیم

نوروز کارڈ کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میں یکم جنوری سے ۹ جنوری تک لاہور سے باہر تھا۔ نواب صاحبان کرنال (پنجاب) کے مقدمات کی خاطر اتنے روز لاہور سے باہر ٹھہرنا پڑا۔ وہاں سے واپس آیا تو سرکارِ عالی کا نوروز کارڈ پایا جو حقیقت میں نصف ملاقات تھا۔ سرکار اور صاحبزادگانِ والا تبار کی تصویریں نہایت صاف اور ستھری ہیں۔ مصور کا فن قابلِ داد ہے۔

یہ خط شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی لکھنوی کی معرفی کے لئے لکھتا ہوں۔ یہ نوجوان نہایت قابل اور ہونہار شاعر ہیں۔ میں نے ان کی تصانیف کو ہمیشہ دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اس خداداد قابلیت کے علاوہ لکھنو کے ایک معزز خاندان سے ہیں جو اثر و رسوخ کے ساتھ لٹریری شہرت بھی رکھتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ سرکار ان کے حال پر نظرِ عنایت فرمائیں گے اور اگر ان کو کسی امر میں سرکارِ عالی کے مشورے کی ضرورت ہوگی تو اس سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ سرکارِ والا کی شرفا پروری کے اعتماد پر اس درخواست کی جرأت کی گئی ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مفصل عریضہ انشاءاللہ پھر لکھوں گا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس) (شادِ اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں خدا کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں۔ امید کہ آپ کا

والسلام محمد اقبال لاہور

مزاج بھی بخیر ہوگا۔

نواب صاحب سے آپ کی تحریروں کے متعلق میرا کوئی ذکر نہیں آیا لوگوں کو ان باتوں کے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں اور نہ وہ اس کام کو فی الحال سمجھ سکتے ہیں، جو میں نے کیا ہے۔ اس واسطے ان کو معذور سمجھ کر میں خاموش ہوں اور کسی ایسی تحریک میں کوئی خاص دلچسپی بھی نہیں رکھتا۔ امید کہ آپ کنج پورہ میں کوئی مفید کام کرسکیں گے نواب کنج پورہ نہایت نیک نفس آدمی ہیں۔ اُن سے آپ کا نبھاہ بھی خوب ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

۲۰ جنوری ۱۹۲۴ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور، ۲۳ جنوری ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم

رسالہ ذخیرۃ الدینیہ حاوائے نکلنا شروع ہوا ہے۔ آپ کی خدمت میں بھی پہنچا ہوگا۔ ایڈیٹر واقف کار آدمی معلوم ہوتا ہے اور مضامین اچھے لکھتا ہے۔ ہر مہینہ احادیث نبوی کے متعلق کچھ نہ کچھ اس میں ضرور ہوتا ہے۔ گذشتہ ماہ کے پرچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ حدیث "خلیلی فی ہذہ الامۃ اویس القرنی"[1] موضوع ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اویس کا کوئی تاریخی وجود ہی نہیں ہے۔ آپ حضرت اویس اور ان تمام صوفی روایات کے متعلق جو اُن سے منسوب ہیں کیا خیال رکھتے ہیں؟ اگر حضرت امام مالک کی تحقیق زیر نظر[2] ہو

---

[1] ترجمہ:- میرا دوست اس امت میں اویس قرنی ہے۔

[2] الاصابہ ابن حجر میں ہے "قال ابن عدی لیس لہ روایۃ لکن کان ینکر وجودہ" (ابن عدی نے کہا کہ ان سے کوئی روایت نہیں آتی ہے مگر وہ ان کے وجود سے انکار کیا کرتے تھے)

(باقی اگلے صفحہ پر)

لاہور ۲۳ جنوری ۲۴ء

مخدومی — السلام علیکم

رسالہ ذخیرۃ الدینیہ جاوا سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ آپ کی
خدمت میں بھی پہنچا ہوگا — ایڈیٹر ایک قابل آدمی معلوم ہوتا ہے
اور عربی اچھی لکھتا ہے — ہر مہینے احادیث نبوی کی تشریح کچھ نہ کچھ
اس میں ضرور ہوتی ہے۔ گذشتہ ماہ جو پرچہ شائع ہوا تھا اس کا موضوع
حدیث خلیلی من ہذہ الامۃ اویس القرنی ہے
ہے اور امام مالک کے نزدیک اویس کا کوئی تاریخی وجود ہی نہ تھا
آپ حضرت اویس اور ان تمام صوفی روایات کی نسبت جو ان سے منسوب
ہیں کیا خیال رکھتے ہیں؟ اگر حضرت امام مالک کی تحقیق زیر نظر ہو

تو ازراہ عنایت مجھے اس سے آگاہ فرمایئے گا۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا

مخلص محمد اقبال لاہور

تو ازراہِ عنایت حوالے سے آگاہ فرمائیے گا

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال نامہ)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور، یکم فروری ۱۹۲۴ء

مخدومی۔ السلام علیکم

نوازش نامہ معلومات سے لبریز ہے نہایت شکرگزار ہوں میں نے چند نظمیں فارسی میں لکھی تھیں جو پیام مشرق کی دوسری ایڈیشن میں شائع کر دی گئیں۔ انھیں نظموں میں سے ایک آپ کی خدمت میں ارسال کی گئی ایک جامعہ ملیہ علی گڑھ کے لئے اور ایک علی گڑھ منتھلی کے لئے بھیجی گئی اور کسی جگہ کوئی نظم میں نے نہیں بھیجی۔ معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لئے آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے بھی مالامال ہوتی ہے مولانا گرامی کی غزل میں سن چکا ہوں اس کا ایک شعر مجھے خاص طور پر پسند آیا

فقر را ترکمانے ہم ہست[1]

اس شعر پر میں نے تضمین بھی کی تھی مگر پیام مشرق میں اس واسطے داخل نہ کی کہ اس کے اشعار کی بندش بہت پسند نہ آئی۔ اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت میں کوئی عذر نہیں، عرض کرتا ہوں

سخنے راندۂ کہ جز قرشی   بہ سر مسند نبیؐ نہ نشست[2]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) اس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے ان کے وجود کی اثباتی روایتیں لکھی ہیں (شیخ عطاء اللہ)

[1] ترجمہ:۔ فقر میں بھی ایک بانکپن ہے۔

[2] ترجمہ:۔ تم نے کہا ہے کہ قریشی کے سوا کوئی نبیؐ کا جانشین نہیں ہو!

(باقی اگلے صفحہ پر)

درس گیر از گرامی ہمہ درد | کہ برید از خود و با و پیوست
رمزِ ترکِ خلافتِ عربی | گفت آں مے گسارِ بزمِ الست
ماہ را بر فلک دو نیم کند
فقر را ترکمانئے ہم ہست

لفظ نشانی کلاسکل فارسی میں تو آتا ہے جدید فارسی کا حال مجھے معلوم نہیں بہار عجم ملاحظہ فرمائیے۔

مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو جو افسانے انھوں نے یونانیوں کی منطق پر کئے ہیں اس کے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں۔

میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں گا اگر آپ از راہِ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں۔ کم از کم ان کتابوں کے نام تحریر فرمائیے جن کو پڑھنا ضروری ہے۔ جرمن زبان میں کچھ مسالہ اس کے لئے ہے اور چند کتابیں اسلامی حکماء پر حال ہی میں شائع ہوئی ہیں جو میں نے پنجاب یونیورسٹی کے لئے خریدی تھیں عربی و فارسی کتب سے آپ آگاہ فرمائیں مگر کتابیں ایسی ہوں جو دست یاب ہو سکتی ہوں جو دست یاب نہ ہو سکتی ہوں اُن کے ناموں پر نشان کر دیجئے گا۔ قیاس پر اعتراض غالباً سب سے پہلے[۲] امام رازی نے کیا تھا۔ امام غزالی ابن تیمیہ اور شاید شیخ سہروردی مقتول نے بھی اس مضمون پر لکھا ہے مؤخر الذکر کی تحقیق زمانۂ حال کے خیالات کے بہت قریب ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) ہر یاد رد گرامی سے سبق لو جو اپنے آپ سے ٹوٹ کر ان سے پیوست ہو گیا ہے خلافت عرب کو چھوڑنے کا راز اس بزم ازلی کے میخوار نے یہ بتایا کہ چاند کو آسمان پر دو ٹکڑے کر دیتا ہے گویا فقر میں بھی ایک سپاہیانہ شان ہے۔

۲ سب سے پہلے ابو البرکات بغدادی نے کیا ہے جن کی کتاب المعتبر حیدر آباد سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ (شیخ عطاء اللہ)

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

ڈاکٹر ہادی حسن[1] کے نام

لاہور، ۲ فروری ۱۹۲۴ء

مکرم بندہ

آپ کے خط کا شکریہ۔ میں نے آپ کے شاگردِ رشید کا ترجمہ جستہ جستہ دیکھا ہے جو واقعی بہت عمدہ اور لائق تحسین ہے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ میں نے "اسرارِ خودی" شائع کر کے غلطی کی ہے چونکہ خودی کا نظریہ آسانی سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں۔ اور اس کے عرفان کا دارومدار زیادہ تر ذاتی و روحانی مشاہدہ پر ہے نہ کہ منطقی استدلال پر بہرکیف میں آپ کے شاگرد کا ترجمہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ کم سے کم چند لوگ ہیں جو نظریۂ خودی کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے کوشاں ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کے شاگرد "پیام مشرق" (بالخصوص رباعیات اور قطعات) اور "رموزِ بے خودی" کی ان چند فصلوں کا مطالعہ کریں جو فرد اور ملت کے ربط اور اجتماعی زندگی کی نوعیت سے متعلق ہیں تو ان کو میرے عمومی نظریہ حیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی خواہ وہ نظریہ بشری ہو یا الہیاتی۔ جن خیالات کو میں نے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے وہ بہت دور رس ہیں اور انسانی دماغ ان کی وسعت اور معنی کا احاطہ

---

[1] یہ خط ڈاکٹر ہادی حسن پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام ہے ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر ایس وائی ہاشمی نے "خضرِ راہ" کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا اس کا ایک نمونہ علامہ کی خدمت میں تبصرہ کے لئے ارسال کیا تھا۔ اب یہ ترجمہ اقبال اکادمی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

آہستہ آہستہ ہی کر سکتا ہے۔ خود میری مثال لیجئے اس پر قدرت حاصل کرنے میں پندرہ سال سے کم مدت نہیں لگی۔ آپ کے شاگرد نے کہیں ذاتِ محدود کے ذاتِ لامحدود میں سما جانے کی بات کی ہے۔ انسانی شخصیت یعنی ذات محدود کے نصب العین کا اظہار فارسی کے ایک شعر سے بہتر نہیں ہوا جو ایک قدیم فارسی شاعر نے آنحضرتؐ کی شان میں لکھا تھا۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی[1]

میرا بھی نصب العین ذاتِ لامحدود کے مقابل بھی فرد کی شخصیت کے استحکام کے بارہ میں یہی ہے۔ مسلم ادبیات کے تمام ذخیرہ میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ہے اور ان دو مصرعوں میں ایک دنیائے معنی آباد ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آیا شاعر کو خود شعور تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ خیر ہمارے مقصد کے لئے یہ بات جاننا کچھ زیادہ ضروری نہیں۔ میری رائے میں حیاتِ جاودانی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اگر اس سے محدود شخصیت کا تسلسل مراد نہ ہو۔

زخود گذشتہ ای اے قطرۂ محال اندیش
شدن بہ بحر و گہر بر نخاستن ننگ است[2]

یہ ذاتِ انسانی کا نظریہ ہے جو میرے خیال میں قرآن کی تمام تعلیمات کی اساس ہے

---

[1] ترجمہ:۔ موسیٰ ذات باری کی ایک جھلک دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے! آپ عین ذات باری کو دیکھ رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں! ۔ (یہ شعر سیر العارفین کے مصنف جمالی دہلوی کا ہے۔ جمالی کے لیے دیکھیے حواشی۔

[2] ترجمہ:۔ اے قطرہ! تو ایک ناممکن الحصول نصب العین کی تلاش میں خود سے گزر گیا۔

سمندر میں غرق ہونا اور گہر بن کر نہ ابھرنا تیرے لیے باعثِ ننگ ہے!

(یہ شعر سیر العارفین کے مصنف جمالی دہلوی کا ہے۔ جمالی کے لئے دیکھئے حواشی) (بشیر احمد ڈار)

اور اس نظریہ کا احیاء زمانہ حاضر میں اسلام کے لیے ناگزیر ہے۔
میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی ایسی قوت جس کے دباؤ کو روکا نہیں جا سکتا، مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں اس نظریہ کی معنوی تہ داری، اور زندگی نیز آخرت پر اس کے اثرات کو نئی مسلم نسل پر واضح کروں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے عصر حاضر کے مسلمانوں کی دکھتی رگ پکڑ لی ہے اور امید کرتا ہوں کہ میں ان کے مرض کی تشخیص کر سکتا ہوں۔ مجھے اپنے اس کام کی اہمیت کا پوری طرح احساس ہے اور امید ہے کہ میری تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے بھی اس ذمہ داری کو محسوس کریں گے جو اُن کے شانوں پر ہے۔
براہِ کرم یہ خط اپنے شاگرد کو دکھا دیں کہ یہ انھیں کے لیے لکھا گیا ہے۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے اس کے مقدمہ اور تراجم دونوں پر نظرثانی کی ضرورت ہے مجھے اس مقالے کی اشاعت پر کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ میں اُن کو یہ مشورہ دوں گا کہ وہ اسے کسی کو دکھا لیں جو اظہارِ مطالب کے بارے میں اُن کی مدد کر سکے کہ یہ جہاں تہاں ناقص بلکہ غلط بھی ہے۔ ترجمہ پر نظرثانی احتیاط کے ساتھ کی جائے اور بہتر شاعرانہ انداز میں پیش کیا جائے۔ جب شاعری کو نثر کی صورت میں لکھا جاتا ہے تو مترجم کو یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کی شاعرانہ لطافت مجروح نہ ہو۔
مزید برآں چند فارسی ترکیبیں ایسی ہیں جو اُن کے خیال میں میں نے وضع کی ہیں۔ مثلاً "پردۂ تقدیر"، "گل دورو"، یا "جہاں بیں" یہ تو عام فارسی ترکیبیں ہیں جو انھیں کسی بھی فارسی لغت میں مل جائیں گی۔ مسودہ ایک آدھ روز میں واپس کر دیا جائے گا۔
آپ نے اور آپ کے شاگرد نے جو کلماتِ خیر مقدمہ میں میری بابت لکھے ہیں ان سب کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا

محمد اقبال

(انگریزی سے)　　(لیٹرز آف اقبال)

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام[1]

لاہور، ۲ فروری ۱۹۲۴ء

مخدومی السلام علیکم

خط آپ کا ابھی ملا ہے جسے پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ آپ کو اسلامی ممالک کے سفر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور ہوگا۔ اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں نہایت دلچسپ ہیں اور بالخصوص "مسلمانے نمی بینم" نے تو مجھے رُلا دیا۔ اللّٰھم زد فزد! میں نے ایک عرصہ ہوا آپ کو بغداد کے پتے پر خط لکھا تھا۔ یا شاید شیراز کے پتے پر۔ امید نہیں کہ وہ خط آپ تک پہنچا ہو۔ کیونکہ اس خط میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ اس عرصے میں میں نے ایک کتاب پیام مشرق نام لکھ کر شائع کی ہے چونکہ آپ کا مستقل پتہ معلوم نہ تھا اور آپ نے خط اُس وقت لکھا جب آپ طہران سے رخصت ہونے والے تھے۔ اس واسطے میں نے احتیاطاً اُسے نہ بھیجا۔ اس خیال سے کہ ضائع نہ ہو جائے۔ اب اُس کی پہلی ایڈیشن ختم ہو چکی ہے۔ دوسری ایڈیشن جس میں بہت سا اضافہ ہے چند روز تک شائع ہو جائے گی۔ جہاں آپ کا مستقل قیام کچھ عرصہ کے لیے ہو مطلع فرمائیے تاکہ میں کتاب آپ کی خدمت میں ارسال کر سکوں۔ یہ کتاب گوئٹے کے مغربی دیوان کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ دنیا کے دل میں انقلاب ہے۔ اس واسطے قلوبِ انسانی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اسلام کی عظمت کا زمانہ انشاءاللہ قریب آرہا ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال ۲ فروری ۲۴ء

(اقبال نامہ)

---

[1] یہ خط بغداد کے پتہ پر لکھا گیا ہے (عطاءاللہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے الحمد للہ کہ آپ مع الخیر کنج پورہ پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ علی گڑھ جانے کا قصد تو تھا مگر سردی اور متواتر بارش کی وجہ سے کمر میں درد ہونے لگی۔ یورک ایسڈ کے دور کرنے کی دوائی پی رہا ہوں۔ اس اندیشے کہ گوٹ کا حملہ نہ ہو جائے۔

پیام مشرق چھپ رہا ہے۔ مجموعہ اردو مرتب ہو چکا ہے۔ دو تین روز تک کاتب کے ہاتھ میں ہوگا۔ حکماء کے اسماء اچھی طرح پڑھے نہیں گئے۔ اگر یہ فلسفیوں کے نام ہیں تو اُن میں سے اکثر غیر معروف ہیں۔ میں صرف چند نام پڑھ سکا ہوں۔

(۱) BAIN (ب ی ن)
مشہور سائی کالوجسٹ ہے مگر اب اس کو شاید کوئی نہیں پڑھتا۔

(۲) BUCHNER (ب خ ن ر)
نمبر ۲ بھی فلسفے میں یکتا ہے، مگر بہت مشہور اساتذہ میں نہیں سمجھا گیا۔

(۳) GIEGER
نمبر ۳ مستشرق ہے جس نے زیادہ تر ایرانی تہذیب و تمدن پر لکھا ہے ممکن ہے کوئی اور شخص ہو۔

(۴) PHYSIOLOGY
علم اعضائے انسانی

والسلام

مخلص محمد اقبال

۱۱ر فروری، ۱۹۲۴ء

آپ کا مصرع بہت اچھا ہے۔

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لدھیانہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ لاہور میں طاعون کا زور ہے میں چند دنوں سے مع اہل و عیال لدھیانہ میں مقیم ہوں، دو چار روز میں واپس لاہور جاؤں گا۔

قلندر صاحب بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ اُن کے عرس پر روپیہ صرف کرنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانا بڑی برکت کا باعث ہے۔ امید کہ آپ کو اپنے نئے ماحول میں کبھی کبھی پرائیویٹ مشاغل کے لیے فراغت مل جاتی ہو گی۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور، یکم مئی ۲۴ء

مخدومی السلام علیکم

کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی؟ اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے۔ مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہو گیا ہے ان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا؟

تکلیف دہی کے لیے معافی چاہتا ہے اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضہ کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیا جائے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(عکس)

(اقبال نامہ)

پروفیسر محمد شفیع کے نام

(اسلامیہ کالج پشاور)

لاہور

۲ مئی ۱۹۲۴ء

مائی ڈیر شفیع

حکام کا اپنا ایک مسلک اور طریق کار ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں حکام سے لوگوں کی سفارش نہیں کرتا۔ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ ایسی سفارشات شاذ و نادر ہی کارگر ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود گذشتہ دو سال میں دوستوں اور دوسرے لوگوں کے اصرار پر تحریری و زبانی سفارشات کرنے پر مجبور ہوا ہوں اور نتیجہ ہیچ۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے متعلق بھی میری سفارش کا نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ میں تو اس سلسلہ میں اپنے گذشتہ گناہوں سے پشیمان ہوں۔ تجربہ نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ یہ خودداری کے قطعی منافی ہے۔ اب آپ کے لئے دعا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اب اُس کے لیے بلا نتیجہ سفارش پر سفارش کرتے چلے جانا مجھے ذلّت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ اس کے لیے بہترین طریق یہ ہوگا کہ درخواست دے اور اپنے حقوق پیش کرے۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

(انگریزی سے)

شاکر صدیقی کے نام

مکرم بندہ السلام علیکم

آپ کے حسن ظن کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ افسوس ہے کہ آپ کا ترجمہ میری رائے

ناقص ہیں اشاعت کے قابل نہیں ہے۔ آپ کو اس کی اشاعت سے روکنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے اس کی اشاعت میں کوئی اعتراض نہیں[1] والسلام

مخلص محمد اقبال

۲۴ر جون ۱۹۲۴ء

(انوار اقبال)

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ تاحال ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے یہ تو بالکل صحیح ہے کیونکہ آج کل لاہور دوزخ سے کم نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور ۳۰ر جون ۲۴

(عکس)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۱۳ر جولائی ۱۹۲۴ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ میں کئی روز تک بیمار رہا۔ مسوڑا پھول گیا تھا جس کو کل چروا دیا گیا اب خدا کے فضل سے آرام ہے مگر گذشتہ ہفتہ سخت تکلیف رہی

اردو مجموعہ چھپ گیا ہے۔ قریباً دو ہفتہ تک بالکل تیار ہو جائے گا۔ شیخ عبدالقادر صاحب اس کا دیباچہ لکھ رہے ہیں۔ جو کل انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی لکھائی چھپائی میں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ میں بھی اگست میں شملہ جانے کا قصد کر رہا ہوں۔

---

[1] شاکر صدیقی صاحب نے اقبال کی فارسی نظم "تنہائی" کا اردو ترجمہ کیا تھا جسے انھوں نے شائع کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔

(بشیر احمد ڈار)

آج کل گرمی سخت ہے ۔ بارش مطلق نہیں ہوئی ۔ فکرِ سخن کے لیے یہ موسم نہایت خراب ہے ۔ تاہم کبھی کبھی شبنم کی کوئی نہ کوئی بوند برس جاتی ہے ۔ ایک چھوٹی سی کتاب لکھ رہا ہوں جس کا نام غالباً یہ ہو گا ۔

SONGS OF A MODERN DAVID

نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کیجئے ۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا ۔

والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۱۳ جولائی ۳۴ء

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔ بہت بہتر ہے آپ اعجاز کا نام بھجوا دیجئے میں چیف جج صاحب سے اس کا ذکر تپہلے کر چکا ہوں ۔ اس کو چند ماہ کا عرصہ ہو گیا ۔ مگر بعد میں مَیں خود بعض وجوہ سے خاموش رہا جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں بہرحال اب وہ اکتوبر میں ولایت سے واپس آئیں گے تو پھر اُن سے کہوں گا ۔ باقی والدِ مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو مسوڑھے کے پھول جانے سے اب کے بہت تکلیف ہوئی آخر چیرا ہی دلانا پڑا ۔ پرسوں سے بالکل آرام ہے ۔ رات یہاں بارش ہوئی موسم خنک ہو گیا ہے ابھی مطلع ابر آلود ہے ۔ امید ہے اور برسے گا ۔ شہر میں بخار اور نزلہ کے کوئی کوئی کیس ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ فضل و کرم کرے ہیں غالباً ابتدائے اگست میں شملہ جاؤں گا ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

دینا ناتھ کے نام

لاہور

۲۳ر جولائی ۱۹۲۴ء

میرے پیارے دینا ناتھ

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں آپ کے اس مکتوب کے بارے میں سب کچھ بھول گیا تھا جو کچھ وقت پہلے ملا تھا۔ آج ہی خیال آیا اور تلاش کرنے پر معلوم ہوا وہ اس جگہ پر نہیں جہاں پر رکھا گیا تھا پھر بھی میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ یہ آپ کو موصول ہو جائے گا۔ (مجھے یقین سے آپ کا پتہ معلوم نہیں)

جہاں تک میرا خیال ہے آپ نے میرے اردو[1] شعری مجموعے کے بارے میں دریافت فرمایا تھا۔ کتاب پریس میں ہے اور امید ہے کہ تقریباً ایک ہفتہ میں تیار ہو جائے گی۔

آپ کے خط کے جواب میں تاخیر کے لیے آپ مجھے معاف فرمائیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(غیر مدون)

مآخذ: ڈاکٹر اخلاق اثر: سہ روزہ "اردو ایکشن" بھوپال ۳۰ر ستمبر ۱۹۹۱ء

[1] اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ "بانگ درا" ۲۳ر جولائی ۱۹۲۴ء تک شائع نہیں ہوئی تھی۔ (ڈاکٹر اخلاق اثر)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۷ جولائی ۱۹۲۴ء

مخدومی السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے ۔ امید کہ مزاج بخیر ہے ۔ عربی اشعار کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں للہ درک ۔ ایک نظم موسوم بہ "نغمۂ ساربان[1]" "معارف" کے لیے ارسال کرتا ہوں ۔

فارسی میں جام اسکندر بھی آیا ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کی اصلاح قابلِ داد ہے ابلہ کا استعمال یاد نہیں آیا اگر نوٹ کر لیا ہے پھر عرض کروں گا ۔ اگر ایسی باتیں اور نظر سے گذریں تو بلا تکلف تحریر فرمائیں ۔

مخلص محمد اقبال

ماخذ : دار المصنفین ۔ اعظم گڑھ)

عکس (غیر مدون)

---

[1] نغمۂ ساربان

درہم و دینار من	میرے درہم و دینار
اندک و بسیار من	میرا تھوڑا اور بہت
دولتِ بیدار من	اے میری دولت بیدار
ناقۂ سیار من	اے میری سیر کرنے والی اونٹنی
آہوئے تاتار من	اے میرے تاتاری ہرن
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا ہماری منزل دور نہیں ہے
دلکش و زیبا ستی	تو دلکش اور خوبصورت ہے
شاہدِ رعنا ستی	شاہد رعنا ہے
رشکِ حورا ستی	حوروں کا منہ پھیر دینے والی ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

نغمۂ ساربان

درہم و دینارِ من
اندک و بسیارِ من
دولتِ بیدارِ من
ناقۂ سیارِ من
آہوئے تاتارِ من
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

دلکش و زیباستی
شاہدِ رعناستی
روکشِ حوراستی
غیرتِ لیلاستی
دخترِ صحراستی
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

در تپشِ آفتاب
غوطہ زنی در سراب
ہم بشبِ ماہتاب
تند روی چون شہاب
چشمِ تو نادیدہ خواب
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

شامِ تو اندر یمن
صبحِ تو اندر قرن
ریگِ درشتِ وطن
پائے ترا یاسمن
ای چو غزالِ ختن
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

سوزِ تو اندر خرام
سازِ تو اندر زمام
بی خورش و تشنہ کام
پا بسفر صبح و شام
خستہ شوی از مقام
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

لکۂ ابرِ روان
کشتیِ بی بادبان
مثلِ خضر راہ دان
بر تو سبک ہر گران
لیت دلِ ساربان!
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

مہ ز سفر پا کشید
در پسِ تل آرمید
صبح ز مشرق دمید
جامۂ شب بردرید
بادِ بیابان وزید
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

نغمۂ من دلگشاے
زیر و بمش جانفزاے
قافلہ ہا را دراے
فتنہ ربا فتنہ زاے
ای بحرم چہرہ ساے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست

خادم
محمد اقبال

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۳۰ر جولائی ۲۲ء

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا خط کل مل گیا تھا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ اعجاز کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ شیخ رحیم بخش صاحب کو خط لکھوایا جائے۔ میری رائے میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

غیرت لیلیٰ استی	لیلیٰ کو شرما دینے والی ہے
دختر صحرا استی	تو صحرا کی بیٹی ہے
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا، ہماری منزل دور نہیں ہے!
در تپش آفتاب	دھوپ میں
غوطہ زنی در سراب	تو سراب میں غوطہ لگاتی ہے
ہم بہ شب ماہتاب	چاندنی راتوں میں بھی
تندروی چوں شہاب	ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح تیزی سے جاتی ہے
چشم تو نادیدہ خواب	تیری آنکھوں نے نیند نہیں دیکھی ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا، ہماری منزل دور نہیں ہے!
لکۂ ابر رواں	چلتے ہوئے بادل کا ٹکڑا
کشتیِ بے بادباں	بے پتوار کی کشتی
مثلِ خضر راہ داں	خضر کی طرح راستہ پہچاننے والی
بر تو سبک ہر گراں	تجھ پر ہر گراں چیز آسان ہے
لختِ دلِ ساربان!	تو ساربان کے دل کا ٹکڑا ہے
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا، ہماری منزل دور نہیں ہے!
سوز تو اندر خرام	تیرا سوز تیرے خرام میں ہے
ساز تو اندر زمام	تیرا ساز زمام (نکیل) میں ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اعجاز نے بھی مجھے خط لکھا تھا کہ ان کو لکھوں مگر میں خاموش رہا۔ شیخ رحیم بخش میرے پرانے مہربان ہیں ہیں اور وہ کالج میں اکٹھے تھے اور اگرچہ ہم جماعت نہ تھے ان کو خوب معلوم ہے کہ میرے

بقیہ گذشتہ صفحہ

بے خورش و تشنہ گام	بے کھائے پیئے
پا بہ سفر صبح و شام	تو صبح و شام سفر میں ہے
خستہ شوی از مقام	ٹھہر جانے سے تو تھک جاتی ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا، ہماری منزل دور نہیں ہے!
شامِ تو اندر یمن	تیری شام یمن میں ہے
صبح تو اندر قرن	تیری صبح قرن میں ہے
ریگِ درشت وطن	وطن کی کھردری ریت
پائے ترا یاسمن	تیرے پیروں کے لیے پھولوں کی طرح ہے
اے چو غزالِ ختن	اے کہ تو ختن کی ہرنی کی طرح ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا ہماری منزل دور نہیں ہے!
مہ ز سفر پا کشید	چاند نے سفر سے قدم روک لئے
در پسِ تل آرمید	پہاڑی کے پیچھے چھپ گیا
صبح ز مشرق امید	مشرق سے صبح کی پو پھٹنے لگی
جامۂ شب بردرید	رات کا لباس تار تار ہو گیا
بادِ بیاباں وزید	جنگل کی ہوا چلنے لگی
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا، ہماری منزل دور نہیں ہے
نغمۂ من دلکشائے	میرا نغمہ دل کشا ہے
زیر و بمش جانفزائے	اس کے زیر و بم جانفزا ہیں
قافلہ ہا را درائے	کارواں کے لئے جرس کی طرح ہے
فتنہ ربا فتنہ زائے	فتنہ دور کرنے والے، فتنہ پیدا کرنے والے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اور اعجاز کے کیا تعلقات ہیں اور مجھ سے انھوں نے خود ذکر بھی کیا تھا کہ اعجاز کی نسبت ان کے خیالات بھی اچھے ہیں۔ غرضیکہ موجودہ حالات میں کسی خاص سفارش کی ضرورت نہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ اعجاز کا نام ضرور بھیج دیں گے۔ یہاں لاہور میں بھی سخت مقابلہ ہوگا کیونکہ ہر ضلع سے دو دو نام آئیں گے اور سفارشوں کی کوئی حد نہ رہے گی۔ بہر حال کوشش شرط ہے اور انشاء اللہ میں بھی کوشش کروں گا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ چیف جج صاحب سے میں اس کا ذکر بھی کر چکا ہوں۔ اب موقع آنے پر پھر دوبارہ ذکر کروں گا۔ آفیشل اعتبار سے بھی رحیم بخش صاحب کو لکھنا یا لکھانا ٹھیک نہیں اس کے متعلق فی الحال قواعد سخت ہیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والدِ مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ والسلام

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ نور محمد کے نام

لاہور، ۱۰؍ اگست ۳۴ء

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

اعجاز کا خط ابھی ملا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہمشیرہ کریم بی بی کے خط سے آپ کے دل پر بڑا اثر ہوا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ جلد سیالکوٹ آجائے۔ مجھے آپ کی بےچینی کا حال پڑھ کر بہت رنج ہوا ہے بلکہ میرا دل بھی اس خط سے ایسا ہی متاثر ہوا جیسا کہ آپ کا۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

اے بحرم بچہرہ سائے	اے حرم کو (اپنے چہرے سے چھونے والی) سجدہ کرنے والی
تیز ترک گامزن منزلِ ما دور نیست	ذرا تیز قدم اٹھا۔ ہماری منزل دور نہیں ہے۔

محمد اقبال

میں نے مختار سے کہہ دیا ہے کہ اگر گاڑی میں کافی وقت ہے تو آج ہی ہمشیرہ کو لے جائے ورنہ کل روانہ ہو جائے۔ سو انشاء اللہ اوّل تو آج ہی جائے گا ورنہ کل روانہ ہو جائے گا۔ میں بھی انشاء اللہ چند روز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ مقدمات کرنال کے تصفیے کے لیے شملہ جانا ہے اور ان کی تاریخ کا انتظار ہے۔ وہاں سے واپس ہونے کے بعد انشاء اللہ ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اطمینان فرمائیں اور ہمشیرہ کریم بی بی کے پہنچنے کے بعد اپنی خیریت سے مطلع کریں۔ اس کی جب ضرورت ہوگی اسے پھر بلا لیا جائے گا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

سید محمد سعید الدین جعفری کے نام

لاہور، ۱۳ اگست ۲۴ء

مخدومی تسلیم

آپ کا والانامہ موصول ہوا ہے۔ دعوت کے لیے سراپا سپاس ہوں مگر افسوس کہ حاضر نہیں ہو سکتا۔ سفر طویل ہے اور طویل سفر میں عموماً میری صحت خراب ہو جاتی ہے۔

آج کل کچہری بند ہے۔ میں ایک مفصل مضمون انگریزی میں لکھ رہا ہوں[1] جس کا عنوان ہے "THE IDEA OF IJTIHAD IN THE LAW OF ISLAM" امید ہے آپ اسے پڑھ کر خوش ہوں گے۔

آپ کے خط کا جواب انشاء اللہ سردیوں میں دوں گا جب آپ تشریف لائیں گے۔

---

[1] اقبال کے اس مجوزہ مضمون کے بارے میں مزید تفصیلات رحیم بخش شاہین کے ایک مقالے بعنوان "وہ کتاب جو اقبال لکھنا چاہتے تھے" (اسلامی تعلیم لاہور، اقبال نمبر ... م ۱۹۷۶ء) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ (رحیم بخش شاہین)

مجھے آپ سے دوبارہ مل کر بڑی مسرت ہوگی۔
ایک اور فارسی کتاب "زبور جدید" زیرِ تصنیف ہے یہ نظم ہوگی مگر بہت عرصہ لے گی
امید کہ مزاج بخیر ہوگا   والسلام

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

(عکس)   (اوراقِ گم گشتہ)

مدیر نیرنگِ خیال کے نام

رسالہ نیرنگِ خیال[2] جو حال ہی میں لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ بہت ہونہار معلوم ہوتا ہے اس کے مضامین میں پختگی اور متانت پائی جاتی ہے مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ پنجاب میں صحیح ادبی مذاق پیدا کرنے میں بہت مفید ثابت ہوگا۔ ایڈیٹر دونوں نوجوان ہیں[3] اور لٹریچر کی خدمت کا شوق رکھتے ہیں۔ جناب عبدالرحمٰن چغتائی کی تصویر[4]

---

[1] پیام مشرق (۱۹۲۳ء) یا زبور عجم (۱۹۲۷ء) کی طرف اشارہ ہے۔ (رحیم بخش شاہین)

[2] اردو کا معروف ادبی پرچہ "نیرنگ خیال" ۱۹۲۴ء میں جاری ہوا۔ جولائی میں اس کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا جس کا سرورق معروف مصور جناب عبدالرحمٰن چغتائی نے تیار کیا تھا۔ ادبی حلقوں نے اس رسالے کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ علامہ اقبال نے اس خط میں رسالے کے مندرجات کو سراہا اس شمارے میں چغتائی کی متعدد تصاویر بھی شامل تھیں۔ علامہ کو ایک تصویر "لیلیٰ کا تحفہ" بہت پسند آئی جس کا ذکر خط میں کیا ہے:

[3] ایڈیٹر حکیم محمد یوسف حسن اور جائنٹ ایڈیٹر، محمد دین تاثیر ایم اے

[4] اس تصویر کے بارے میں ایڈیٹر کی طرف سے یہ نوٹ درج کیا گیا تھا: "اس پرچہ میں ہم ہندوستان کے مایۂ ناز مصور عبدالرحمٰن چغتائی کی صنعتِ جمیلہ کا ایک نمونہ "لیلیٰ کا تحفہ" پیش کرتے ہیں —— لیلیٰ مستغراق شوق کے عالم میں دشتِ قیس میں نکلی ہے اور اس کے عنان آہوانِ صحرا ہیں جسے وہ اپنے دستِ کلیل کے اسیر مجنوں کے لیے لائی ہے۔ عالمِ نیاز میں اس صاحبِ نظر نے خدا جانے کس پیرایہ میں یہ چشمِ آہو کی تحسین کی ہوگی کہ لیلیٰ یہ تحفہ لیے جارہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں حسن و عشق کا امتیاز محال ہو جاتا ہے اور مصور نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

"تحفۂ لیلیٰ بہت خوبصورت ہے دیکھ کر مسرت ہوئی۔ دیکھیے اب تحفۂ قیس کب نکلتا"

محمد اقبال

لاہور ۱۷ اگست ۱۹۲۴ء

(خطوط اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۸ اگست ۲۴ء

مخدومی السلام علیکم

حال ہی میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے "مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات" اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماعِ امت نصِ قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیر خوارگی جو نص صریح کی رُو سے دو سال ہے کم یا زیادہ کر سکتا ہے یا حصص شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفا اور معتزلیوں کے نزدیک اجماعِ امت یہ اختیار رکھتا ہے مگر اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں ایسا کوئی حوالہ موجود ہے؟[1]

امر دیگر یہ کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے؟ میں نے مولوی ابو الکلام صاحب کی

(بقیہ گذشتہ صفحہ) جس صناعی سے ان موز کو رنگین جامہ پہنایا ہے اس کی تعریف الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتی۔
(نیرنگِ خیال: شمارہ جولائی ۱۹۲۴ء) (رفیع الدین ہاشمی)

[1] اجماع سے نصِ قرآنی کے منسوخ ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ امریکی مصنف نے غلط لکھا ہے آمدی "الاحکام" میں لکھتے ہیں مذھب الجمھور ان الاجماع لاینسخ بہ خلافا لبعض المعتزلۃ۔ ج ۳ ص ۲۹
(ترجمہ: بعض معتزلہ کے برخلاف جمہور (عام علماء) کا مسلک یہ ہے کہ اجماع (CONSENSUS) قرآنی نص کو منسوخ نہیں کرتا۔) بعض معتزلہ ایسا کہتے تھے مگر ان کی رائے قبول نہیں ہو سکی۔ آمدی نے حصہ شرعی کے ایک خاص مسئلہ کے باب میں ایک حوالہ نقل کیا ہے، پھر اس کا جواب دے دیا ہے اس سے امریکی مصنف کا استدلال غلط محض ہے (شیخ عطاء اللہ)

خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے ہیں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اگر جواب جلد دیا جائے۔

آپ کا مخلص محمد اقبال بیرسٹر

۴۳۔ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

(عکس) (اقبال نامہ)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

مخدومی، السلام علیکم

میں نے کل ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا۔

تخصیص و تعمیم احکام کا جہاں تک تعلق ہے، اس خط کے جواب کی زحمت گوارا نہ فرمایئے کیونکہ قاضی شوکانی کی ارشاد الفحول سے اس کا حال مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ البتہ باقی حصۂ خط کا جواب ضرور عنایت فرمایئے۔ علامہ آمدی کی کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں نہیں ہے۔ انشاء اللہ سرمایہ یونیورسٹی کے لیے ایک کاپی منگوانے کی کوشش کروں گا۔ پنجاب میں ایک صاحب نے حال میں قرآن کی تفسیر شائع کی ہے جس کا نام تذکرہ[1] ہے۔ کیا آپ کی نظر سے گذری ہے؟ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ریویو مفصّل آپ کے قلم سے نکلے۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور (اقبال نامہ)

۱۹ اگست ۱۹۲۴ء

شاد عظیم آبادی کے نام

لاہور ۲۵ اگست ۲۴ء

مخدومی تسلیم

آپ کا والا نامہ مجھے ابھی ملا ہے۔ اس غائبانہ عقیدت کی وجہ سے جو آپ سے ہے یہ

---

[1] عنایت اللہ مشرقی کی کتاب "تذکرہ" کا حوالہ ہے

معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمہ وجوہ خیر و عافیت سے ہیں اور باوجود پیرانہ سالی کے آپ کی لٹریری مصروفیتیں کم نہیں ہوئیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی تصانیف تمام ملک کے لیے مفید ہوں گی اور دعا ہے کہ آپ کو اُن کی تکمیل کے لیے دیر تک سلامت رکھے۔ جس تمدنی نظام نے آپ کو پیدا کیا وہ تو اب رخصت ہو رہا ہے بلکہ ہو چکا ہے لیکن آپ کی ہمہ گیر دماغی قابلیت اور اس کے گراں بہا نتائج اس ملک کو ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے کہ موجودہ نظامِ تمدن پرانے نظام کا نعم البدل نہیں ہے۔ کاش عظیم آباد قریب ہوتا اور مجھے آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا۔ شیخ عبدالقادر صاحب مع الخیر ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے (ان کے) بہت سے بال بچے ہیں۔ تھوڑے عرصے کے لیے ہائی کورٹ لاہور کے جج بھی ہو گئے تھے۔ مگر اب پھر پریکٹس کرتے ہیں۔ آج کل لاہور سے باہر ہیں۔ انشاء اللہ جب ان سے ملاقات ہو گی آپ کا سلام ان تک پہنچا دوں گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی خیریت سن کر وہ بھی میری طرح بے انتہا مسرور ہوں گے۔ امید کہ جناب کا مزاج اچھا ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

(عکس)

(خطوطِ اقبال)

شیخ مبارک علی کے نام

جناب شیخ مبارک علی صاحب

بانگِ درا کی طباعت وغیرہ کا بل کریمی پریس کی طرف سے میرے پاس آگیا ہے۔ جس کو میں ادا کر دوں گا۔ آپ اسے ادا کرنے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

لہ شیخ عبدالقادر ۱۲ مئی ۱۹۲۱ء کو ہائی کورٹ کے قائم مقام جج مقرر ہوئے اور ۴ اکتوبر ۱۹۲۲ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس کے بعد لاہور ہی میں وکالت کرتے رہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

لیکن عبدالمجید صاحب کاتب کا بل ابھی تک میرے پاس نہیں آیا۔ اگر آپ نے ادا کر دیا ہے تو بہتر۔ اگر ابھی تک ادا نہیں ہوا تو اطلاع دیجیے کہ اس سے بل منگوا کر ادا کر دیا جائے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور
۲۶ اگست ۲۴ء

(عکس)

(انوار اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۷ اگست ۱۹۲۴ء

مخدوم محترم۔ السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

۱۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقہا نے اجماع سے نص کی تخصیص جائز سمجھی ہے۔ ایسی تخصیص یا تعمیم کی مثال اگر کوئی ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسی تخصیص یا تعمیم صرف اجماع صحابہ ہی کر سکتا ہے یا علماء و مجتہدین امت بھی کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کی تاریخ میں صحابہ کے بعد کوئی ایسی مثال ہو تو آگاہ فرمایئے یعنی یہ کہ کس مسئلہ میں صحابہ نے یا علماء امت نے نص کے حکم کی تخصیص یا تعمیم کر دی۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تخصیص یا تعمیم کے حکم سے آپ کی کیا مراد ہے۔

۲۔ دیگر آپ کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہ کا کوئی حکم نص کے خلاف ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہوگا جو ہم تک روایتہً نہیں پہنچا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے، جو صحابہ نے نص قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کون سا حکم ہے۔

یہ بات کہ کوئی ناسخ حکم اُن کے علم میں ہوگا محض حسن ظن پر مبنی ہے یا آج کل کی

قانونی اصطلاح میں "لیگل فکشن" ہے علامہ آمدی کے قول سے تو بظاہر امریکن مصنف کی تائید ہوتی ہے گو صرف اسی حد تک کہ اجماع صحابہ نص قرآنی کے خلاف کر سکتا تھا بعد کے علماء ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے علم میں کوئی ناسخ حکم نہیں ہو سکتا

۳۔ اگر صحابہ کے اجماع نے کوئی حکم نص قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہوا ہے۔ وہ ناسخ حکم سوائے حدیثِ نبوی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے اور غالباً آپ کو بھی ہوگا مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو دوبارہ زحمت دینے پر مجبور ہوا لیکن آپ کے وسیع اخلاق پر بھروسہ کر کے یہ جرأت کی ہے جو کتاب امریکہ میں چھپی ہے اس کا نشان مندرجہ ذیل ہے۔

MOHAMMADAN THEORIES OF FINANCE

BY NICOLAS P. AGHNIDES

یہ کتاب کولمبیا یونیورسٹی نے شائع کی ہے۔ قیمت غالباً دس بارہ روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ اگر آپ اُسے منگوانا چاہیں تو کسی تاجر کتب امریکائی کے ذریعہ منگوا سکتے ہیں۔ تھیکر اسپنک یا میکمیلن کلکتہ بھی منگوا کر دے سکتا ہے۔ ان کو مفصل پتہ لکھ بھیجئے یا براہ راست سکریٹری کولمبیا یونیورسٹی شہر نیویارک (امریکہ) سے خط و کتابت کیجیے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا اور خط کا جواب جلد ملے گا۔

مخلص محمد اقبال بیرسٹر،

مکلوڈ روڈ لاہور

(اقبالنامہ)

(عکس)

سر اکبر حیدری کے نام

ڈیر مسٹر حیدری۔ آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ جس کے ساتھ مسٹر عبدالرزاق کا خط ملفوف تھا۔ رقم کی ادائیگی کے لیے ان کی مزید مہلت طلبی پر میں رضامند ہوں۔

مجھے افسوس ہے کہ مجھے کتاب[1] (یعنی کلیاتِ اقبال) کی فروخت کو برطانوی ہند سے باہر یعنی مملکتِ نظام تک محدود رکھنے پر اصرار کرنا پڑا کیونکہ جن لوگوں سے میرا معاملہ ہونا ہے وہ اس قسم کی کسی شرط کے بغیر میرے ساتھ معاہدہ نہیں کریں گے اور اُن کے نقطۂ نگاہ سے میں سمجھتا ہوں بات خاصی معقول ہے۔ امید ہے کہ اب یہ لوگ کنٹریکٹ کی تکمیل کریں گے ویسے مجھے اندیشہ ہے کہ ایک ہزار روپے کی رقم معاوضے کے سلسلے میں وہ مجھے ذاتی طور سے ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ مسٹر عبدالرزاق سمجھ گئے ہوں گے کہ میں اس قرارداد سے جو آپ کی مہربانی سے میرے اور اُن کے درمیان طے پائی تھی کوئی گریز نہیں رہا۔

آپ کی زحمتوں کے لیے شکرگزار

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

(انگریزی سے)

---

[1] بانگِ درا پہلی بار ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کی طباعت سے کچھ عرصہ پہلے حیدرآباد دکن کے عبدالرزاق صاحب نے اقبال کی متفرق نظموں کو مختلف رسائل سے جمع کر کے "کلیاتِ اقبال" کے نام سے ایک مجموعہ شائع کیا۔ اس اشاعت کا محرک جیسا کہ اس کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے محض اقبال کے کلام سے عشق تھا اور مرتب کی منشا محض یہ تھی کہ بے مثال کلام ضائع نہ ہو جائے۔ جب اقبال کو اس بات کا علم ہوا تو انھیں اس پر تشویش ہوئی۔ وہ ان دنوں بانگِ درا کی ترتیب و اشاعت کا کام کر رہے تھے اور پبلشر کے نقطۂ نگاہ سے یہ مجموعہ اس کی اشاعت کے لیے نقصان دہ تھی۔ اس پر اقبال نے سر اکبر حیدری سے خط و کتابت کے ذریعہ یہ فیصلہ کرایا کہ کلیاتِ اقبال کی اشاعت صرف حیدرآباد دکن تک محدود رہے گی۔ اسی سلسلے میں اقبال نے سر اکبر حیدری کو مندرجہ بالا خط لکھا۔ اصل خط انگریزی میں ہے۔ جناب نادم سیتاپوری نے اس کا اردو ترجمہ "ہماری زبان" (علی گڑھ) جولائی (اگست) ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔

(بشیر احمد ڈار)

شیخ اعجاز احمد کے نام[1]

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

تمھارا خط مل گیا ہے۔ مجھے شیخ صاحب سے کوئی توقع نہ تھی اسی واسطے میں نے اُن کو خط لکھنے سے احتراز کیا تھا۔

اب یہ بات کہ جان ہائی کورٹ خاص طور پر تمھارا رول منگوائیں بہت مشکل نظر آتی ہے کیونکہ اس کے لیے خاص وجوہ کی ضرورت ہے تاہم میں اس بات کی کوشش پورے طور پر کروں گا اور چیف جج صاحب سے تمام ضروری باتیں کہہ دوں گا۔ تم ستمبر کے آخر میں مجھے ڈپٹی کمشنر کے سارٹیفکٹ کی ایک نقل بھیج دینا جو انھوں نے تم کو دیا ہے علاوہ اس کے یہ بھی لکھنا کہ جن لوگوں کے نام بھیجے گئے ہیں وہ تم سے سینئر ہیں یا جونیئر اور اگر جونیئر ہیں تو کتنے سال۔ تم نے خط میں لکھا تھا کہ خلافت کمیٹی کا ممبر ہونے کی وجہ سے تم پر اعتراض کیا گیا تھا جس کے متعلق ڈپٹی کمشنر کی تحریر تم نے خط میں نقل کی تھی اگر وہ تحریر آفیشل نہ ہو تو اس کی نقل بھی بھیج دینا۔

ان سب باتوں کے علاوہ سیالکوٹ شہر کے وکلاء کو خاص طور پر اس امر کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے کہ سیشن جج صاحب نے اپنی سفارشات میں ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ بار کمیٹی کو چاہیے کہ وہ ایک رزولیوشن اس کے خلاف پاس کر کے چیف جج صاحب کے نام بھیج دے۔ یہ تجویز تم خود کر دیا تمھارا کوئی دوست بار ایسوسی ایشن میں یہ تجویز پیش کرے۔ بہتر ہے کہ تمھارا کوئی دوست ایسا کرے۔ اس سلسلے میں میرا ذکر نہ کرنا چاہیے یعنی کہ یہ تجویز میرے ایما سے کی گئی ہے اگر ایسا کیا گیا تو میرے ہاتھ ذرا مضبوط ہو جائیں گے اور میں زیادہ صفائی کے ساتھ چیف جج صاحب سے کہہ سکوں گا باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

محمد اقبال لاہور

---

[1] اس خط میں تاریخ درج نہیں لیکن جناب اعجاز احمد صاحب کے مطابق یہ خط اگست ۱۹۲۴ء کے آخر یا ستمبر کے شروع کا ہے۔ (اعجاز احمد۔ مظلوم اقبال، ص ۲۴۸ - ۲۴۶)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۲ ستمبر ۲۴ء

برادر مکرم السلام علیکم
آپ کا خط مل گیا ہے۔ اعجاز کا خط بھی پہنچا ہے مجھے منشی رحیم بخش صاحب سے زیادہ توقع نہ تھی اسی واسطے میں ان کو خط نہ لکھنا چاہتا تھا۔ مگر خیر اُن کی سفارشات کا بھی ججان ہائی کورٹ پر کوئی ایسا اثر نہیں ہے۔ حال میں ان کے ایک فیصلہ کی اپیل میں ججان نے ان پر نہایت خراب ریمارک کئے ہیں یہی وجہ اُن کے خوف کی ہے یہ معاملہ سفارشات کا ججوں کی کمیٹی میں پیش ہوگا۔ چیف جج آئیں گے تو میں خود ان سے سب حال کہہ دوں گا اور اگر اعجاز کے آنے کی ضرورت ہوئی تو اس کو بھی بلالوں گا۔ فی الحال تعطیلوں میں کچھ کام نہ ہوگا اور جو جج چھٹیوں میں کام کر رہے ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اعجاز کو بھی یہ خط دکھا دیجیے بہر حال جو کچھ ہو سکے گا کیا جائے گا اعجاز کو گھبرانا نہ چاہیے اور مواقع نکل آئیں گے۔

والسلام

محمد اقبال
(مظلوم اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۵ ستمبر ۱۹۲۴ء

مخدومی السلام علیکم
والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے مضمون سے بہت تسکین ہوئی۔
انجمن حمایت اسلام کا صدر مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ مگر میں نے بعض وجوہ سے استعفا دے دیا ہے۔ کونسل میں اختلاف ہے اور عام حالت اس انجمن کی اچھی

نہیں ہے۔ بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں داخل ہیں اور ان کے نزدیک انجمن ان کے اغراض کے حصول کا ذریعہ ہے، اور بس اس وقت وہی جماعت جلسہ کی تیاریاں کر رہی ہے مگر آپ ضرور تشریف لائیں۔ یہاں کے لوگوں کو ختمِ نبوت کے مسئلے میں بڑی دلچسپی ہے اور آپ کی تقریر ان شاء اللہ بے حد توجہ سے سنی جائے گی۔ اس کے علاوہ میں ایک مدت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہوں میرے ہی غریب خانہ پر ٹھہریے۔ یہاں سے انجمن کا جلسہ گاہ کچھ دور نہیں موٹر پر چھ منٹوں کی راہ ہے۔

جنابِ مشرقی امرتسر کے رہنے والے ہیں نوجوان آدمی ہیں کیمبرج میں ریاضی کا اعلیٰ امتحان پاس کیا ہندوستان واپس آئے تو کچھ مدت کے لیے پشاور یونیورسٹی کے پرنسپل رہے اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں رہے آج کل غالباً کسی سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں مجھے ان کی قابلیت کا حال زیادہ معلوم نہیں مگر اس کتاب کی ریویو سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر بھی ان کی نظر نہایت سطحی ہے باقی تفسیر قرآن و تاریخِ اسلام کے متعلق آپ مجھ سے بہتر اندازہ کر سکتے ہیں ان کی کتاب کے متعلق۔ یہاں عجیب و غریب افواہیں ہیں زبانی عرض کروں گا زمیندار میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصل شائع ہوا ہے جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے۔ مگر سید سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعتِ نظر اس کو حاصل نہیں مجھے تذکرہ کا علم اسی ریویو سے ہوا۔

جناب مشرقی جہاں تک مجھے معلوم ہے خود مدعی نہیں ہیں ' امت مسلمہ ' سے ممکن ہے ان کا تعلق ہو۔ کیونکہ آج کل ' امت مسلمہ ' کا سنٹر امرتسر ہے۔ بہائی فرقہ سے بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے اُن کا تعلق نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ یورپین افکار کی تاریخ کا اعادہ آج کل دنیائے اسلام میں ہو رہا ہے۔ ان حالات میں جو اس وقت کیفیت آپ کے قلب میں ہے وہ ایک حد تک نیچرل امر ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ امت کے لیے ازبس مفید ہے۔ دنیائے اسلام اس وقت ایک عظیم الشان روحانی پیکار میں مصروف ہے۔ اس پیکار و انقلاب کا

رُخ متعین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و ناامیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا قلب قوی ہے اور ذہن ہمہ گیر آپ اس حالت سے جلد نکل جائیں گے ۔ یا صوفیہ کی اصطلاح میں یوں کہیے کہ اس مقام کو جلد طے کر لیں گے آپ قلندر ہیں مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے :

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند[1]
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بخلوت اند و زمان و مکاں در آغوشند
دریں جہاں کہ جمالِ تو جلوہ ہا دارد
ز فرق تا بہ قدم دیدہ و دل و گوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیاں و حریر
بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ہیں اس جماعت کا دنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے ۔ باقی جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن تھے اس کے متعلق انشاء اللہ بوقتِ ملاقات گفتگو ہو گی ۔ ہندوستانی نیشلزم کی انتہا یہی تھی جو آپ کے مشاہدہ میں آگئی[2] ۔

ترجمہ [1] (قلندر جو تیری راہ میں سخت کوشش (مجاہدہ) کرتے ہیں
وہ خرقہ (گدڑی) ضرور پہنتے ہیں مگر باد شاہوں سے خراج وصول کرتے ہیں)

جلوت (انجمن) میں ہوں تو چاند سورج پر کمند پھینکتے ہیں
خلوت میں ہوں تو زمان و مکاں اُن کی آغوش میں ہوتے ہیں

اس دنیا میں جہاں تیرے جمال کے بہت سے جلوے ہیں
وہ سراپا دید و سراپا گوش بن جاتے ہیں

بزم کا دن ہو تو وہ حریر و پرنیاں کی طرح نرم ہوتے ہیں
اور رزم کا میدان ہو تو خود آگاہ اور تن فراموش ہوتے ہیں

[2] اشارہ کانگریس کی طرف ہے

امید کہ مزاج بخیر ہوگا یہ خط بستر پر لیٹے لیٹے لکھا ہے آج طبیعت بہت مضمحل ہے بدخطی معاف فرمائیے گا۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

سید سلیمان ندوی کے نام

مخدومی۔ السلام علیکم

آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھے لکھا تھا کہ حضور سرورِ کائنات ؐ سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا تو قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے اور جواب کے ساتھ وہ آیت بھی پڑھ دیتے۔ اس کا حوالہ کون سی کتاب میں ملے گا کیا یہ قاضی شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول سے آپ نے لیا ہے[1]؟

دوسرا امر جو اس کے متعلق دریافت طلب ہے یہ ہے کہ جو جواب وحی کی بنا پر دیا گیا وہ تمام امت پر حجت ہے (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہوگئی) لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا جس میں وحی کو دخل نہیں کیا وہ بھی تمام امت پر حجت ہے[2]؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضورؐ کے تمام استدلات بھی وحی میں داخل ہیں[3]۔ یا بالفاظِ دیگر یہ کہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں[4]۔ جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے۔

مخلص محمد اقبال لاہور، ۱۶ اکتوبر ۳۴ء

(عکس) (اقبال نامہ)

---

[1] اس کا ذکر کتب احادیث میں ہے

[2] بے شبہ

[3] وحی خفی میں داخل ہیں

[4] جی نہیں دونوں میں بہت فرق ہے، قرآن پاک بالفاظ وحی ہے اور بتواتر منقول ہے اور یہ حدیثیں وحی سے معنیً ماخوذ ہیں اور بتواتر منقول نہیں۔ (شیخ عطاء اللہ)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۱۸ اکتوبر ۲۴ء

برادرِ مکرم السلام علیکم

آپ کا خط اور پوسٹ کارڈ دونوں مل گئے ہیں۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ لدھیانے سے بھی خط آیا تھا۔ وہاں بھی خیریت ہے۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی انتظام بہاولپور یا کوئی اَور ایسی ہی تجویز کروں گا۔ آئندہ جو اللہ کو منظور ہے۔ آپ اطمینان کریں۔

اعجاز کی چچی سے کہہ دیں کہ سردار امراؤ سنگھ صاحب کی بیوی نے شملے سے اُن کو مبارکباد بھیجی ہے۔ میں آج شام جھنگ جانے والا تھا مگر ڈارلنگ صاحب جنھوں نے اعجاز کو مقرر کیا تھا ولایت جانے رہے ہیں ان کی بیوی کا خط آج صبح آیا کہ اتوار کی شام کا کھانا اُن کے یہاں کھاؤں اس واسطے تار دے کے تاریخ بدلوائی ہے اب ۲۹ اکتوبر کی شام کو جاؤں گا۔ اعجاز سے کہہ دیجیے کہ وہ اس تاریخ سے پہلے کسی روز آجائے۔ بہتر ہو کہ اتوار کی صبح کو وہ یہاں ہو تاکہ وہ چیف جج صاحب سے مل سکے میں اس کو خط دے دوں گا کہ وہ میری موجودگی میں اُن سے مل سکے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔ بچوں کو دعا۔

امید ہے جاوید کی ماں اب اچھی ہو گی۔

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مولانا گرامی کے نام

لاہور، ۱۹ اکتوبر ۲۴ء

مخدومی جناب مولانا گرامی!

السلام علیکم! ابھی مرزا[1] صاحب کا خط لکھنؤ سے آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مولانا گرامی

---

[1] مرزا ہادی عزیز لکھنوی (۱۸۸۲ء — ۱۹۳۵ء) ان کا سوانحی خاکہ حواشی میں ملاحظہ فرمائیں (مرتب)

سے میر التعارف کرا دیجیے۔ یہ عریضہ اُن کی معرفی کے لیے لکھتا ہوں، وہ آپ کی خدمت میں لکھیں گے، اُن کو ضرور جواب دیجیے گا۔ آپ کا خط آئے مدت ہو گئی۔ پہلے موسم سرما میں آپ لاہور میں کبھی کبھی آیا کرتے تھے مگر اب تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جغرافیے میں لاہور کا وجود ہی نہیں ہے۔ اکتوبر ختم ہونے کو ہے، نومبر میں خوب موسم ہوگا، چند روز کے لئے تشریف لائیے، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ یاران ہم دم کی صحبت غنیمت ہے، کل ایک شعر خیال میں آیا، عرض کرتا ہوں

عقل ہم عشق است واز ذوقِ نگہ بیگانہ نیست[1]
لیکن ایں ناپختہ را آں جرأتِ رندانہ نیست

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

مسٹر سمتھ کے نام[2]

لاہور ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۲۴ء

مائی ڈیر سمتھ

جی ہاں آپ نے اپنے خط میں جن نظموں کا حوالہ دیا ہے، آپ انھیں ٹیکسٹ بک کے نصابوں میں شامل کر سکتے ہیں۔

آپ کا
محمد اقبال بیرسٹر

(انگریزی سے)

(خطوط اقبال)

---

[1] ترجمہ: عقل بھی عشق ہے اور ذوقِ نظر سے بیگانہ نہیں ہے مگر اس ناپختہ میں وہ جرأت رندانہ نہیں ہے۔

[2] ۱۹۲۴ء میں پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی اپنی اردو کورس اول، دوم اور سوم کی نصابی کتابوں پر نظر ثانی کر رہی تھی کمیٹی نے چاہا کہ نصاب میں علامہ اقبال کی بعض نظمیں شامل کر لی جائیں۔ کمیٹی کے سکریٹری (باقی اگلے صفحہ پر)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور۔ ۲۲ اکتوبر ۲۴ء

برادرِ مکرم السلام علیکم

آپ کا کارڈ ابھی موصول ہوا ہے۔ کل میں آپ کی خدمت میں تار دے چکا ہوں۔ تقدیر الٰہی کا مقابلہ تدبیر انسانی سے نہیں ہو سکتا۔ مرحومہ کی موت کا منظر نہایت دردانگیز تھا خدا تعالیٰ اس کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ بہترین ڈاکٹروں کا علاج تھا جو دن میں تین دفعہ اور اگر ضرورت ہو تو اس سے زیادہ دفعہ آتے تھے اور بعض دفعہ رات بھر یہیں رہتے تھے مگر اللہ کے علم میں مرحومہ کی زندگی کے دن ختم ہو چکے تھے۔ اس موقع پر آپ کا اور بھاوجہ صاحبہ یا گھر کا کوئی اور آدمی آجائے تو بہت بہتر ہے میں ۲۵ اکتوبر تک یہیں رہوں گا اور قلوں کے بعد جاؤں گا۔ سردار بیگم سے کہہ دیجیے کہ وہ زہرہ اور عائشہ کے نام بہت ہمدردی کا خط لکھے کیونکہ ان دونوں لڑکیوں کا رونا کوئی شخص کیسا ہی سنگ دل ہو نہیں سن سکتا اُن کی ہر طرح تسلی کرنی چاہیے اور لکھنا چاہیے کہ میں تا عمر تمھاری بہن ہوں اور ہمیشہ تم کو ایسا ہی سمجھوں گی وغیرہ وغیرہ۔ یوں بھی سردار بیگم کو ان دونوں لڑکیوں سے محبت ہے اور اس موقع پر وہ بہت ہمدردی کی مستحق ہیں آپ خود اس کو مضمون لکھ دیں وہ نقل کر کے اور اپنی طرف سے جو اضافہ ضروری ہو کر کے اُن کو خط لکھے۔ جب وہ اچھی ہو جائے تو لدھیانہ بھی اظہارِ ہمدردی کے لیے آئے۔ مرحومہ نے نہایت طمانیت اور سکون سے جان دی۔ موت سے دس پندرہ منٹ پہلے میں نے اس کو دیکھا اور حال پوچھا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اچھی ہوں حالانکہ اس وقت اس کا وقت بالکل قریب تھا اور اس کو بھی یہ بات معلوم تھی۔ نمونیہ نے اسے سخت کمزور

(بقیہ گذشتہ صفحہ) مسٹر سمتھ نے علامہ اقبال کے نام ایک خط (۱۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء) میں یہ درخواست کی کہ وہ اپنی چار نظموں (۱) ہمالہ (۲) پیامِ صبح (۳) جگنو (۴) شعاعِ آفتاب کو نصاب میں شامل کرنے کی اجازت عطا کریں (مذکورہ خط کا عکس ملاحظہ ہو: روزگارِ فقیر، اول ص ۱۰۰) حضرت علامہ نے جواباً یہ مختصر خط مسٹر سمتھ کو روانہ کیا۔
(رفیع الدین ہاشمی)

کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ڈیلیوری کی زحمت وہ برداشت کرنے کے ناقابل تھی۔ آخر میں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ وہ جہاں تک ممکن ہو اس کی جان بچانے کی کوشش کریں اور بچہ کا خیال نہ کریں۔ چنانچہ یہی تجویز قرار پائی۔ بچے کو رحم سے نکالنے کے لیے آلات کا استعمال شروع ہی ہوا تھا کہ اُس نے جان دے دی۔ مرنے سے قریبًا دو گھنٹے پہلے تمام دردِ زہ بند ہو گیا تھا اور یہی علامت بڑی خراب تھی۔ غرض کہ درد کی حالت میں اُس کی حالت بیچارگی اور بیکسی کی تھی کہ میرے لیے اُس کے چہرے کی طرف نگاہ کرنا بھی مشکل تھا اور میرا قلب سخت رقیق ہو گیا۔ ایک معمولی انسان کو دنیا میں لانے کے لیے جو پچاس ساٹھ سال سے زیادہ اس دارِ فانی میں نہیں ٹھہرتا، نیچر اس قدر تکلیف ایک ضعیف عورت کو دیتی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل کی دعا کیجیے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

مولانا گرامی کے نام

۲۵ اکتوبر ۲۴ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ لاہور سے ہوتا ہوا لدھیانہ میں ملا۔

جو مصرع آپ نے تجویز فرمایا ہے اس کے متعلق پھر عرض کروں گا[1]۔ فی الحال یہ رنج دہ خبر آپ کو دینا ہے کہ میری لدھیانہ والی بیوی ۲۱ اکتوبر کو یہاں لدھیانے میں انتقال کر گئی ہے۔ ان کو نمونیا ہو گیا تھا اور انسانی علمِ طب کی کوئی تدبیر اُن کی زندگی نہ بچا سکی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ گذشتہ دس بارہ سال میری زندگی میں شریک رہیں اور اس مدت میں انھوں نے جو میری خدمت گذاری کی، کم کسی بیوی نے اپنے شوہر کی کی ہوگی۔ خدا تعالیٰ ان کو اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ میں ۱۹ اکتوبر سے لدھیانہ میں ہوں۔ آج شام لاہور واپس جاؤں گا۔ آپ سے

---

[1] اقبال نے گرامی سے مادۂ تاریخ کی جو فرمائش کی تھی وہ گرامی نے پوری کی یا نہیں ؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

التماس ہے کہ کوئی عمدہ مادۂ تاریخ نکالیے جس کو ان کے مزار پر کندہ کرایا جائے
میں خود بھی فکر کروں گا۔ چونکہ آپ بزرگ ہیں اس واسطے تبرکاً آپ سے مادۂ تاریخ وفات
کی درخواست کرتا ہوں۔ ۱۳۴۳ھ ہے امید کہ مزاج بخیر ہوگا والسلام
مخلص محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور، ۲۷ اکتوبر ۲۴ء

برادر مکرم السلام علیکم

میں بخیریت لدھیانے (سے) پرسوں مع اعجاز کے آگیا تھا۔ ماتم پرسی کرنے والوں
کا تانتا بندھا ہوا ہے اس واسطے آپ کو خط نہیں لکھ سکا۔ طبیعت نہایت پریشان ہے۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ)

اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اقبال نے جو تاریخ کہی تھی وہ مرحومہ کی قبر پر کتبے کی صورت
میں یوں درج تھی:

وادریغا زمرگ ہم سفرے — دل من در فراق او ہمہ درد
ہاتف از غیب داد تسکینم — سخن پاک مصطفیٰ آورد
بہر سال رحیل او فرمود — بشہادت رسید و منزل کرد

۱۳۴۳ھ

(افسوس ہے ایک ہم سفر کی موت پر اس کے فراق سے میرا دل تمام درد ہے ہاتف غیب نے
مجھے تسکین دی اور حدیث مصطفیٰ سنائی۔ اس کے سال رحلت کے بارے میں کہا کہ وہ شہید ہوئی
اور اپنی منزل پہ جا پہونچی۔)

انتقال زچگی کی حالت میں ہوا تھا۔ اسی لیے علامہ نے دوسرے شعر کے مصرع ثانی اور مادۂ تاریخ
میں اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

پرسوں شام جھنگ مقدمہ کے لیے جاؤں گا اس طرح طبیعت کے اور طرف لگ جانے سے امید ہے خیالات میں اطمینان و سکون پیدا ہوگا۔ مرحومہ کے بھائیوں نے اس کا تمام زیور اور سامان واپس کر دیے ہیں ہرچند میں نے کہا کہ شریعت کی رو سے اس کے بیشتر حصے کے وارث اس کے بھائی بہن ہیں مگر انھوں نے ایک نہیں مانی معلوم ہوتا ہے وہ مرنے سے پہلے اُن سے یہی کہہ گئی تھی۔ اب ارادہ ہے کہ یہ ترکہ اس کی کسی یادگار کی صورت میں صرف کیا جائے کچھ روپیہ میں اپنی طرف سے اس میں اضافہ کر دوں گا۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو بہت اچھی صورت ہو جائے گی۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔

امید ہے جاوید اور اس کی والدہ دونوں اچھے ہوں گے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اعجاز کا رول بلا لیا جائے گا باقی مرحلہ جو زیادہ سخت ہے بعد میں آئے گا۔ اس کے لیے بھی انشاء اللہ کوشش کروں گا۔

والسلام

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور، ۵ر نومبر ۲۴ء

برادر مکرم السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ اگر جاوید اور اس کی والدہ تندرست ہیں تو بہتر ہے ۱۰ر نومبر تک آجائیں۔ لیکن اگر کوئی احتمال ابھی باقی ہے تو وہیں قیام

(گذشتہ سے پیوستہ)

"المبطون شہید"

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا بیان ہے کہ علامہ اقبال مرحوم کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کسی ایسے بزرگ کی تلاش میں تھے جن کا تعلق قادری سلسلے سے ہو مگر اس میں ناکامی ہوئی تو خود نماز جنازہ پڑھائی۔ (محمد عبداللہ قریشی)

کریں۔ ڈاکٹر میر حمید رضا صاحب کا نسخہ ہمراہ لیتے آئیں اس کا استعمال جاری رہے گا لیکن میں نومبر کے مہینے میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ کام کے علاوہ اور بہت سی مصروفیتیں ہیں نئے گورنر صاحب کے بہت سے ڈنر ہیں وہاں جانا ہے اس کے علاوہ علی گڑھ کے ایک پروفیسر مجھ سے ملنے کے لیے آ رہے ہیں وہ میرے متعلق کوئی کتاب لکھنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ مجھ سے سوالات کرنا چاہتے ہیں جن کے جوابات محفوظ رہیں گے۔ اعجاز کے ہمراہ آجائیں میں ان شاء اللہ بمبئی میں والد مکرم کی زیارت کے لیے حاضر ہوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اعجاز کا رول امید ہے آج پہنچ گیا ہوگا مرزا ظفر علی اور سید عبدالرؤف جج جالندھر تو مل گیا ہے۔ باقی چیف جج صاحب سے میں نے اس کے تمام حالات بیان کر دیے تھے اور اس .D.O کا بھی ذکر کر دیا تھا جو سیشن جج صاحب نے رول کے ہمراہ بھیجی ہے اگر وہ یہ .D.O نہ بھیجتے تو بہتر ہوتا بہر حال امید نہیں کہ با اثر ہو۔ مشکل جو اس معاملے میں ہے وہ یہ ہے کہ پنجاب کونسل نے ریزولیوشن پاس کیا ہے کہ پہلے ۶۰ فیصدی ملازمتیں زمینداروں کو دی جائیں۔ چیف جج صاحب سے پھر بھی ملوں گا۔ اس کے لیے جہاں تک ہو سکے گا کوشش کی جائے گی۔ آئندہ اس کا مقدر۔

والد مکرم کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

(مظلوم اقبال)

عبدالماجد دریابادی کے نام

لاہور ۲۶ نومبر ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم

ابھی ایک عریضہ ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ مکرر عرض ہے کہ آپ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں فوراً خط لکھیں کہ وہ تجویز معلومہ کورٹ کے سامنے پیش نہ کریں۔ کم از کم مجھے

بو پوچھے بغیر پیش نہ کریں ۔ والسلام تاکید مزید عرض کرتا ہوں ۔

مخلص محمد اقبال

(اقبالنامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۲۹ نومبر ۱۹۲۴ء

جناب خان صاحب : السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے ۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔ نواب صاحب کے صفات ستودہ کا میں مدت سے قائل ہوں ۔ خاص کر ان کی دین داری اور اسلامیت کا ان کے کام کے لیے میں دل وجان سے حاضر ہوں اور اپنی لساط کے مطابق اُن کے حقوق کے حصول کے لیے انشاءاللہ پوری کوشش عمل میں لاؤں گا ۔ میری طرف سے اُن کی خدمت میں عرض کر دیں کہ میری خدمات اُن کے لیے حاضر ہیں ۔ میں خود ہی گورنر صاحب کی خدمت میں اُن کا میموریل پیش کر دوں گا (اگر ان کی ایسی خواہش ہو) ۔ موجودہ گورنر کو میں بھی جانتا ہوں اور اس کے علاوہ میرے پرانے دوست اور استاد مسٹر آرنلڈ کے وہ نہایت گہرے دوست ہیں ۔ غرض کہ میں ہر طرح سے حاضر ہوں ۔ باقی رہا فیس کا معاملہ سو اُس کے متعلق فکر کرنے کی ایسی ضرورت نہیں ۔ اول تو مجھے اس وقت معلوم نہیں کہ کام کی نوعیت اور مقدار کیا ہے دوئم اگر یہ امور معلوم بھی ہوں تو خدانخواستہ یہاں دوکانداری نہیں ، خلوص اور خدمت ہے ۔ نواب صاحب خود لفضلہ نکتہ رس ہیں اور آپ بھی تجربہ کار آدمی ہیں ۔ معاملات کی اہمیت کا اندازہ کرنا جانتے ہیں ۔ مجھے اس معاملے میں عرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ، سوائے اس کے کہ آپ کے خیال میں جو کچھ فیس اس خدمت کے لیے ماڈریٹ ہوگی ، وہی میرے خیال میں بھی ماڈریٹ ہوگی ۔ آپ اگر لاہور تشریف لائیں تو مجھے کام کی مقدار اور نوعیت سے آگاہ فرمائیں میں مع سر ذوالفقار علی خاں آج شام کرنال جا رہا ہوں ۔ دو ایک روز وہاں قیام رہے گا ممکن ہے آپ سے یا نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے ۔ والسلام

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ نواب صاحب کی خدمت میں آداب عرض ہو

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

چودھری غلام رسول مہر کے نام

لاہور، ۷ دسمبر ۲۴ء

ڈیر چودھری غلام رسول، السلام علیکم

میں نے پرسوں ایک خط "زمیندار" میں اشاعت کی غرض سے لکھا تھا اس میں سکریٹری انجمن حمایتِ اسلام لاہور کا نام لکھنا بھول گیا۔ مہربانی کر کے لفظ سکریٹری انجمن کے آگے "شیخ عبدالعزیز صاحب" کے الفاظ بڑھا دیجیے اور خط کے آخر میں یہ فقرہ بھی لکھ دیجیے کہ

مجھے معلوم نہیں اخباروں میں جو خبر اس وفد کے متعلق شائع ہوئی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے

مخلص محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

امجد نجمی[1] کے نام

جنابِ من السلام علیکم

آپ کے اشعار کے لیے سراپا سپاس ہوں امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ شعرا

---

[1] امجد نجمی نے علامہ اقبال کے نام مندرجہ ذیل منظوم خط لکھا جس کے جواب میں علامہ نے مندرجہ بالا مکتوب لکھا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے بہترین ہدایت یہ ہے کہ بہترین اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال ۱۲ دسمبر ۲۴ء

(عکس)

(غیر مدون)

اے آنکہ بہ دورا تو ہم عرفی و ہم انوری

ہر چند وصفت می کنم در شعر از بالاتری

تو ہم زبان غالبی تو ہم خیال اکبری

ہر شعر تو ہر قول تو جزو لیست از پیغمبری

در ہند بس گردیدہ ام بس شاعران را دیدہ ام

لیکن ندیدم چیدہ ام ایں تو چیزے دیگری

ذوقم شبیہ شعر تو [illegible] فکر تو

باشد [illegible] بلندی

[illegible] ما پس شرق و [illegible]

پس [illegible] من دیگر تو [illegible]

دل با ملامت [illegible] خود ام

[illegible] شعر [illegible]

یہ غیر مدون [illegible] صاحب [illegible] نے مرحمت فرمایا (مؤلف)

ترجمہ: اے وہ کہ تو اردو کے لیے عرفی بھی ہے اور انوری بھی

میں تیری کتنی ہی توصیف کروں مگر تیری شاعری اس سے کہیں بالاتر ہے

تو غالب کی زبان بھی ہے اور اکبر کا ہم خیال بھی

تیرا شعر اور تیرا قول جزو پیغمبری ہے

میں ہندوستان میں بہت گھوما ہوں اور بہت سے شعرا کو دیکھا ہے

جناب من - السلام علیکم

آپ کے اشعار کے لئے سراپا سپاس ہوں

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا - [illegible]

[illegible]

مخلص محمد اقبال ۱۲ دسمبر ۲۲ء

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور، ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ء

سرکارِ والا تبار تسلیم

خوبصورت کرسمس کارڈ مرسلہ سرکارِ والا ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اگر مکتوب نصف ملاقات ہے تو فوٹو بھی نصف زیارت کہلانے کا حق رکھتا ہے۔

الحمدللہ کہ سرکارِ والا کی زیارت ہوئی اور صاحب زادوں کی بھی۔ خدائے تعالیٰ ان کو دیرگاہ سلامت رکھے۔ اور سرکارِ والا کی آرزو برلائے۔ ایک مدت ہوئی سلسلۂ خط و کتابت سے محروم ہوں۔ اس عرصہ میں بہت سے آلام و مصائب کا شکار رہا۔ بیوی کا انتقال ہوگیا جس سے اب تک قلب پریشان ہے۔

دوسری بیوی کے ہاں خدا کے فضل و کرم سے لڑکا ہوا جس سے کسی قدر تلافی ہوئی خدائے تعالیٰ کا شکر ہے۔ خوشی ہو یا غم۔ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اور

ہرچہ از دوست می رسد نیکوست[1]

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

ٹیگور بھی میرا محبوب شاعر ہے لیکن تو چیزے دیگر ہے

میرا ذوق تیری شاعری کا شیدا اور میری طبع تیرے فکر کی قتیل ہے

اس لیے خدا کے لیے اڑیسہ کی طرف بھی کرم کیجیے

(باش کہ از بہر خدا سوئے غریباں نگری۔ (خسرو))

تیرے نزدیک وطن کا تصور مشرق و مغرب کا پابند نہیں ہے

پس اس کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ میں اور ہوں تو اور ہے

میری شاعری سے میرے دل کو لگاؤ ہے لیکن دوری سے رنجیدہ ہوں

از راہ کرم خط و کتابت کے ذریعہ شاعری میں میری رہنمائی فرمائیے

[1] دوست سے جو کچھ ملے اچھا ہے۔

[illegible] (اڑیسہ مشرق میں ہے اور پنجاب مغرب میں)

بچّہ کا نام جاوید رکھا گیا ہے۔

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ سرکار والا معہ جملہ متعلقین و متوسلین خدا کے فضل و کرم سے بہمہ وجوہ مع الخیر ہیں۔ حیدرآباد کی وزارت کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اخبار پنجاب میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جلد ہی اُن کی تردید بھی ہو جایا کرتی ہے۔ آخری افواہ یہاں سر محمد شفیع صاحب کے متعلق تھی۔ مگر دو چار روز ہوئے کہ اس کی زور سے تردید ہو گئی۔

وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ۲۴ کو لاہور پہنچنے والے ہیں۔ یہاں ان کا زور و شور سے استقبال ہوگا۔ سنا گیا ہے کہ وہ لاہور ہائی کورٹ میں پھر اپنا بیرسٹری کا کام شروع کریں گے۔ سر علی امام صاحب کے مساعی کا نتیجہ افسوس ہے حسب دلخواہ بر آمد نہ ہوا۔ سرکار کو یاد ہوگا جو کچھ میں نے بہت مدت ہوئی خدمت عالی میں عرض کیا تھا معلوم نہیں اب اعلیٰ حضرت کیا طریق اختیار کریں گے۔ بعد اس ناکامی کے عجیب عجیب خبریں اڑائی گئیں۔ دنیا بھی خوب ہے۔ کوئی شخص اپنی تدبیر کی ناکامی ماننے کو تیار نہیں۔ خدا کا علم سب پر غالب ہے۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون[1]۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ شاد آباد رہے۔

مخلص محمد اقبال

(شاد اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۲۴ء

مخدومی جناب خان صاحب السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا۔ مگر افسوس کہ میں

---

[1] اللہ اپنے کام پر غالب ہے مگر بہت سے لوگ یہ بات نہیں جانتے۔

بوجہ مشاغل خط نہ لکھ سکا۔ نواب صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے کہ میں میموریل لکھنے کے (لیے) حاضر ہوں۔ مگر آپ مہربانی کر کے تمام کاغذات متعلقہ لاہور بھیج دیں تاکہ کام کی کیفیت و کمیت کا اندازہ کر سکوں۔ اس کے علاوہ ان کو پڑھ کر اور سمجھ کر یہ رائے بھی لگا سکوں کہ آیا اس میں کامیابی کی توقع ہے یا نہیں۔ کیونکہ میرا فرض ہے کہ اس بارے میں بھی نواب صاحب کو پیشتر لکھنے کے رائے دے سکوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے۔ میں تعطیلوں میں لاہور ہی میں رہوں گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

خالد خلیل کے نام[1]

مائی ڈیر خالد خلیل!

میں آپ کو یہ خط سید سجاد[2] (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے مکتوب کے جواب میں لکھ رہا ہوں جنھوں نے کچھ عرصہ ہوا آپ کا خط یہاں اخبارات میں شائع کرایا اور خصوصاً

---

[1] مکتوب الیہ کا اصل نام خلیل خالد بے تھا ان کے حالاتِ زندگی حواشی میں ملاحظہ ہوں۔ (مؤلف)

[2] اس خط میں سید سجاد حیدر یلدرم کے ایک مکتوب کا حوالہ ہے اور قوسین میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھا ہے۔ سید سجاد حیدر یلدرم ۱۷ دسمبر ۱۹۲۰ء کو مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار مقرر ہوئے اور مئی ۱۹۲۴ء میں قاہرہ گئے جہاں سے پہلے سوئزرلینڈ اور پھر اسی سال ستمبر میں قسطنطنیہ گئے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو واپس علی گڑھ پہنچے۔

خط کے نفسِ مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے یہ خط اس وقت لکھا جب سجاد حیدر یلدرم ترکیہ سے واپس آ چکے تھے۔* سید سجاد حیدر یلدرم نے ترکیہ سے واپس آ کر فوراً اخبار میں ایک خط شائع کرایا ہوگا۔

* قرۃ العین حیدر، کارِ جہاں دراز ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

مجھ سے ایسی تجاویز طلب کیں جو آپ کے معلمانہ مساعی و مشاغل میں معین ہو سکیں میرے نزدیک قسطنطنیہ یونیورسٹی کے ادارۂ دینیات نے یہ نہایت دانشمندانہ کام کیا ہے۔ اگر اسلامی علم الانساب کا کام باقاعدہ طور پر کیا گیا تو اغلباً ایسے انکشافات بروئے کار آئیں گے جن سے دنیائے اسلام کی بابت ترکوں کا دائرۂ نظر وسیع تر ہو جائے گا اور اس طرح ممکن ہے کہ نوخیز نسل کا ذہنی اور روحانی نصب العین محکم تر ہو جائے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی تحقیقات سے انسانی علوم کے سرمایہ میں اضافہ ہو گا اور ممکن ہے نسلی خصوصیتوں کی تہہ میں وحدتِ روح کے ایسے سامان دریافت ہو سکیں جن کا اندازہ سطحی مشاہدہ سے بمشکل لگایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے اس سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو سکے کہ ایشیا کی سیرت کی تشکیل میں جس کا راز اب تک معلوم نہیں کیا جا سکا ہے عظیم الشان تاتاری نسل کی بعض اہم ترشاخیں کارفرما رہی ہوں۔ جو کام آپ کے پیشِ نظر ہے اس کے امکانات بے پایاں ہیں، اور مجھے یقین ہے آپ اپنے خطباتِ علمی سے انسانیت، اسلام اور اپنے ملک و ملت کی زبردست خدمت انجام دیں گے۔ اور کم از کم دس سال کی مستقل سعی و محنت کے بعد آپ ملِ اسلام اور ان لوگوں کے لیے جو بطریقِ مختلف ان ملل سے دلچسپی رکھتے ہیں، ایک کلیتہً جدید نقطۂ نظر مہیا کر سکیں گے۔

(۱) میں پہلے ایک عام تجویز پیش کروں گا۔ آپ کو ادارۂ دینیات کو مشورہ دینا چاہیے کہ جتنی دینی کتابیں تاریخی یا دوسری قسم کی یورپین اور اسلامی زبانوں میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں، وہ ان سب کو فراہم کرے۔ یورپین کتابوں میں سے

(بقیہ گزشتہ صفحہ) علامہ کے بالفاظ: "میں آپ کو یہ خط سید سجاد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے مکتوب کے جواب میں لکھ رہا ہوں جنہوں نے کچھ عرصہ ہوا آپ کا خط یہاں اخبارات میں شائع کرایا تھا۔

۔ کچھ عرصہ کی روشنی میں اس خط کی تاریخ کا تعین نومبر / دسمبر ۱۹۲۴ء بھی کیا جا سکتا ہے۔

صابر کلوروی، مکاتیب اقبال کے ماخذ

اکثر بلاشبہ خاص اغراض کو مدِ نظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں ۔ (مثلاً تبلیغی، سیاسی، تجارتی وغیرہ) تاہم ان کتابوں میں کہیں کہیں آپ کو اپنے مضمون سے متعلق نہایت مفید معلومات ملیں گی ۔ مثلاً مارشلؒ کی 'اسلام چین میں' ایک مشنری نے مشنری اغراض کے لیے لکھی ہے ۔ بایں ہمہ اس کتاب کے بعض حصص کے مطالعہ سے چینی مسلمانوں کے موجودہ نصب العین ان کی تحریکات اور ان کی آرزوؤں کا پتہ لگتا ہے ۔ مصنف نے اُن کی اصلیت کے متنازع فیہ مسئلہ، اُن کی موجودہ آبادی، اُن کے معابد اور اُن کے ادب کی نوعیت سے بھی بحث کی ہے ۔ ایک دوسری مثال سٹورڈرڈ کی تصنیف "جدید دنیائے اسلام" ہے ۔ یہ اُن کتابوں میں سے ہے جو جنگِ عظیم کے بعد ضبطِ تحریر میں آئی ہیں اور اُس کے مصنف کا مقصد (جو اینگلوسیکسن کی نسل کی برتری کا قائل معلوم ہوتا ہے) محض ایک طرح کی سیاسی اشتہار بازی ہے ۔ تاہم یہ ایک مفید کتاب یورپین زبانوں میں لکھی ہوئی اُن کتابوں کے بے شمار حوالے دیتی ہے جو اسلام اور مللِ اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں ۔ اس کے علاوہ وہ کتابیں ہیں جن کو سیاحوں یا حکومتہائے یورپ کے اُن سیاسی نمائندوں نے فرداً فرداً بعض اسلامی ممالک پر لکھا ہے ۔ جہاں وہ متعین تھے ۔ مثلاً برٹن اور فلبی (عرب) گوبنو (فارس) اور ویمبری (وسط ایشیا) یہ وہی ویمبری ہے جس نے مرحوم سلطان عبد الحمید کو بتایا تھا کہ اسلام کے حلقہ بگوش ہونے سے قبل ترک اپنے ایک مخصوص رسم الخط کے مالک تھے ۔

یہ سب کتابیں جمع کرنی چاہئیں اور اپنے خطبات کی ترتیب و تیاری میں آپ کو اُن سے مدد لینی چاہئے ۔ میسرز لوزک اینڈ کمپنی برٹش میوزیم لندن سے مراسلت کیجیے اُن کی فہرست کتب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یورپین مستشرقین نے اسلامی تمدن پر کتنا زبردست ذخیرہ فراہم کیا ہے ۔ اس سلسلہ میں آپ کا لائپزگ (جرمنی) کے پروفیسر ڈاکٹر فشر سے مراسلت کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا ۔ میرا خیال ہے، وہ آپ کے مضمون کے متعلق

ؔ مصنف کا پورا نام مارشل بروم ہال MARSHAL BROOM HALL ہے اور اس کی کتاب کا نام ISLAM IN CHINA A NEGLECTED PROBLEM ہے ۔ اس کی عکسی طباعت ثانی گورڈن پریس GORDON PRESS نے ۱۹۸۰ء میں کی تھی ۔ (مولف)

قیمتی مشورے دے سکیں گے۔ اگر آپ خود ان سے واقف نہیں تو خط میں میرا حوالہ دے دیجئے گا۔
اس سلسلہ میں ڈاکٹر زویمر کا بھی نام لوں گا جو قاہرہ میں ایک امریکن مشنری ہیں۔ وہ اسلام کی مخالفت میں ایک رسالہ "مسلم ورلڈ" کی ادارت بھی کرتے ہیں لیکن انھوں نے متعدد کتابوں اور مضامین کی صورت میں ملل اسلامی پر بہت کچھ لکھا ہے۔ گزشتہ سال وہ لاہور آئے تھے اور انھوں نے جرمن زبان میں مجھے ایک کتاب دکھائی تھی جس میں اسلام اور ملل اسلام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کے عنوانات درج تھے۔ میں اس کے مصنف کا نام بھول گیا ہوں مگر یہ آسانی سے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ ڈاکٹر زویمر کو لکھیں تو وہ آپ کو بتادیں گے۔ یہ کتاب حال میں شائع ہوئی ہے اور اس سے اغلباً آپ کو ایسی کتابوں کے نام ملیں گے جو آپ کے مضمون سے متعلق ہیں، پروفیسر ہاروٹز[1] (فرینکفورٹ جرمنی) سے بھی مشورہ کیا جاسکتا ہے)۔
(۲) تصریحاً میں مشورہ دوں گا کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مستقل طور پر پیش نظر رہے۔ اس میں آپ کو اسلامی ممالک مثلاً افغانستان، بلوچستان، کشمیر وغیرہ پر ان کی نسلی اور نسبی خصوصیات پر مضمون ملیں گے۔ فارس کے متعلق میں

MEMOIR SUR I ETHNOGRAPHIC de la perse

NICOLAS de KHANIKOF

کے مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔ یہ کسی قدر پرانی کتاب ہے۔ مگر اس سے آپ کو اپنے کام کی نوعیت اور ترتیب کا ایک عام اندازہ ہوجائے گا۔
(۳) جہاں تک آپ کے خطبات کی ترتیب کا تعلق ہے۔ میں حسب ذیل مشورے دینا چاہتا ہوں۔ شروع میں دو ایک ابتدائی خطبات ہوں۔ جن میں حسبِ ذیل امور پر بحث ہو:-
(الف) علم وظائف الاعضار کے نقطہ نظر سے نسل کی حیثیت

---

[1] JOSEPH HAROVITZ

(ب) وہ اسباب جن سے نسلوں کی تفریق پیدا ہوئی۔

(ج) کیا مذہب ایک نسل آفریں عنصر ہے؟ بذاتہ میں محسوس کرتا ہوں کہ تفریق لسانی کے باوجود کیا عالمِ اسلام کی ادبیات ایک مشترک پیش نہاد کی حامل ہیں؟ بحیثیتِ مجموعی میرا خیال ہے کہ ایسا ہے۔

(د) اسلامی نسلوں کا ایک سرسری جائزہ۔

۱۔ سامی

(۱) عرب، (ب) افغانی اور کشمیری۔ (کیا یہ عبرانی ہیں؟)

۲۔ آریائی

(۱) ایرانی۔ (ب) ہندی مسلمان۔ مخلوط النسل ہیں۔ آریائی عنصر غالب ہے۔ جاٹ اور راجپوت جیسا کہ بعض مصنفین کا خیال ہے شاید تاتاری ہیں۔

۳۔ تاتاری

(۱) وسط ایشیا کے تاتاری (ب) منگولین۔ (کاشغری اور تبتی) (ج) چینی مسلمان (د) عثمانی ترک۔

۴۔ حبشی اور بربری

۵۔ علم الانساب کے اغراض و مقاصد

(۴) میری رائے ہے کہ مثال کے طور پر افغانوں پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے۔

خطبۂ اول:۔

افغان، افغانستان میں نسلوں کا خلط ملط۔ فارسی بولنے والے افغان اور پشتو بولنے والے افغان۔ کیا افغان اور پٹھان میں کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے؟ کیا افغان عبرانی ہیں؟ اپنی اصلیت کے متعلق ان کی اپنی روایات۔ کیا پشتو زبان میں عبرانی الفاظ ملتے ہیں؟ کیا وہ اُن یہودیوں کے خلاف ہیں جن کو ایرانی کسریٰ نے اسیرین کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ جدید افغانستان کے بڑے بڑے قبائل ان کی تخمینی آبادی

خطبۂ دوم:-
افغانوں کے اسلام لانے کے زمانہ سے ان کی سیاسی تاریخ پر سرسری تبصرہ۔

خطبۂ سوم:-
افغانوں کو متحد کرنے کی جدوجہد
(ا) مذہبی۔ پیر روشن اور اُن کے خلاف
(ب) سیاسی۔ مشہور افغان شیر شاہ سوری جس نے افغانانِ ہند کو متحد اور عارضی طور پر حکومتِ مغلیہ کو بطرف کر دیا تھا۔ اُس کی تگ و دو کا صرف ہندوستان تک محدود ہونا۔
(ج) خوشحال خاں خٹک۔ سرحدی افغانوں کا زبردست سپاہی شاعر جس نے ہندوستان کے مغلوں کے خلاف افغان قبیلوں کو متحد کرنا چاہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ افغان عبرانی النسل تھے۔ اس نے آخر شہنشاہ اورنگ زیب سے شکست کھائی اور کسی قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ افغانوں کا شاید اوّلین قومی شاعر تھا۔
(د) احمد شاہ ابدالی۔
(ہ) مرحوم امیر عبدالرحمٰن خاں۔ موجودہ امیر اور افغانوں میں قومی تشخص پیدا کرنے کی جدوجہد۔

خطبۂ چہارم:-
موجودہ افغانی تمدّن۔ ان کی قدیم اور جدید صنعت و صناعت۔ ان کی ادبیات ان کی آرزوؤں اور حوصلہ مندیوں کی ترجمان کی حیثیت سے۔

خطبۂ پنجم:-
افغانی نسل کا مستقبل۔

(۵) آخر میں ایک نہایت اہم تجویز پیش کرنا چاہوں گا۔ گو اس کا تعلق اس خط کے مضمون سے نہیں ہے۔ ادارہ دینیات کو چاہیے کہ دینیات کی ایک پروفیسرشپ قائم کرے جس پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور

جدید یورپین فکر و تصوّر کا مطالعہ کیا ہو۔ تاکہ وہ مسلم دینیات کو افکارِ جدیدہ کا ہمدوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات کے (جس کا ماخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا) تار و پود بکھر چکے ہیں۔ اب وقت آچکا ہے کہ اس کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ترکی کو چاہیے کہ جس طور پر وہ اور معاملات میں پیش قدمی کر رہی ہے اس معاملہ میں بھی پیش قدمی کرے۔ یورپ نے عقل والہام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے وہ اپنے دینیات کو موجودہ فلسفہ کی روشنی میں از سرِ نو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے اسلام کہ عیسائیت سے کہیں زیادہ سادہ اور عقلی مذہب ہے، اس شعبہ میں کیوں بے حس و حرکت رہے۔ ادارۂ دینیات کو ایک جدید علمِ کلام کی طرح ڈالنی چاہیے اور ترکی کی نوخیز نسل کو یورپ کی لامذہبیت سے محفوظ و مصئون کر لینا چاہیے۔ مذہب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیاتِ ملّی کے مختلف پہلوؤں کے لیے بیش بہا ترین سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہو گا۔ شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹرایٹ، لاہور

(انگریزی سے)

شیخ اعجاز احمد کے نام[1]

برخوردار اعجاز کو بعد دعا واضح ہو کہ میں نے تمھارے خط پڑھ لیے ہیں۔ والد مکرّم کی طبیعت پہلے بھی رقیق تھی۔ اب بہ سبب ضعفِ پیری کے اور بھی رقیق ہو گئی ہے اس کے علاوہ زیادہ عمر کا آدمی کوئی رفیق اپنا نہیں دیکھتا۔ اس کو دنیا نئی

---

[1] حضرت علامہ کے والد محترم کا قیام سیالکوٹ میں تھا جب کہ اقبال خود مستقلاً لاہور میں رہتے تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے، جس سے اُس کی طبیعت اور گھبراتی ہے۔ اس واسطے میرا تم کو یہ مشورہ ہے کہ دن میں ایک دفعہ وقت نکال کے ایک آدھ گھنٹہ ان کے پاس بیٹھا کرو اور جن باتوں میں اُن کو دلچسپی ہے، اُن کے متعلق اُن سے گفتگو کیا کرو خواہ وہ گفتگو بہ تکلف ہی کیوں نہ ہو۔ تم اس بات کو زندگی کے دیگر فرائض کی طرح لازم کرلو اور ایک دن بھی اس فرض کی انجام دہی سے غافل نہ ہو غالب گمان ہے کہ اس سے تم کو فائدہ پہنچے گا۔ کیا عجیب ہے کہ جو بات اُن سے ...... کو حاصل نہیں ہوسکی وہ تم کو مل جائے اور اگر یہ بات ہوگئی تو زندگی بھر اُن کے احسان کو فراموش نہ کرسکو گے اگرچہ اس وقت تم کو اس کا احساس نہ ہو کیونکہ جوانی کے خیالات کا رخ اور طرف ہوتا ہے۔ مجھے خود جو فائدہ اُن کی ذات سے ہوا، اس کا احساس اب ہوا ہے اور میں اس کو ہر قسم کے علم اور دنیوی وجاہت پر ترجیح دیتا ہوں۔ تم اُن کے مذاق کا مطالعہ کرو

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

اُن کی طرف سے سیالکوٹ کے جملہ اعزہ کو تاکید تھی کہ وہ والد محترم کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ علامہ بالالتزام اُن کے احوال سے باخبر رہتے اور ان کے آرام و آسائش اور علاج معالجے کے سلسلے میں مفصل ہدایات لکھ کر اہل خانہ کو روانہ کرتے۔ شیخ اعجاز احمد ۱۹۲۴ء کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہماری ایک پھوپھی صاحبہ جو سیالکوٹ میں ہمارے ساتھ رہتی تھیں اور جنھیں میاں جی کا تقرب حاصل تھا، تھوڑے عرصے کے لیے لاہور چچا جان کے ہاں گئیں۔ جب انھیں گئے ہوئے کچھ دن ہو گئے تو میاں جی کچھ اُداس نظر آنے لگے۔ میں نے چچا جان کو یکے بعد دیگرے دو خط لکھے کہ میاں جی بہت اُداس معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا پھوپھی صاحبہ کو جلد ہی سیالکوٹ بھجوا دیں۔ میرے خطوط ملنے پر انھوں نے میاں جی کو خط لکھا کہ آپ کی بھیجنی کا حال معلوم ہو کر بہت رنج ہوا۔ ہمشیرہ کو انشاءاللہ اول تو آج ہی ورنہ کل روانہ کر دیا جائے گا۔ اسی خط میں میرے نام بھی علیحدہ خط تھا:

شیخ اعجاز احمد کے نام درج بالا مکتوب پر کوئی تاریخ یا سنہ موجود نہیں لیکن چونکہ متعلقہ واقعہ ۱۹۲۴ء کا ہے اس لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ خط کا سال تحریر بھی ۱۹۲۴ ہی ہوگا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

اور پھر خواہ بہ تکلف ہی کیوں نہ ہو، تھوڑی دیر کے لیے اس مذاق میں رنگین ہو جایا کرو تاکہ وہ تمھیں محرم تصور کریں۔ اس میں تمھارے لیے بڑے بڑے فائدے مستور ہیں جن کو میں اب بیان نہیں کر سکتا اور اگر بیان کروں بھی تو شاید تم ان کو اچھی طرح سمجھ بھی نہ سکو گے۔ اس فائدے کے علاوہ دنیوی فائدے کا بھی امکان غالب ہے۔ کسی وقت خوش ہو کر ایک کبیر السّن آدمی کے منہ سے دعا نکل جائے تو اُسے دنیا کے تجربے نے نہایت پُر تاثیر بتایا ہے[1]۔

(خطوطِ اقبال)

---

[1] حضرت علاّمہ کا قیاس غلط نہ تھا۔ شیخ اعجاز احمد کا بیان ہے کہ اس خط کے ملنے کے بعد جب تک میں سیالکوٹ میں رہا، قریباً ہر روز میاں جی کے پاس ضرور کچھ وقت بیٹھتا اور اُن کی باتوں سے مستفید ہوتا۔ اس سے مجھے اتنے فوائد حاصل ہوئے کہ میں نہ میاں جی کا احسان فراموش کر سکتا ہوں اور نہ چچا جان کا جنھوں نے ایسی خدمت کی طرف توجہ دلائی۔ (روزگارِ فقیر۔ جلد دوم، ص ۱۲۱)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور۔ ۴ جنوری ۲۵ء

سرکار والاتبار تسلیم مع التعظیم

والانامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے اور سال نو کی مبارکباد خدمت عالی میں عرض کرتا ہے۔ سرکار عالی نے مرور زمانہ کا نقشہ خوب کھینچا۔ گویا الفاظ میں اس کیفیت کی تصویر اتار دی جس کی تصویر سے رنگ و قرطاس عاجز ہیں۔

اس سے پہلے بھی ایک والانامہ ملا تھا اس کی تعمیل میں بانگ درا کا نسخہ ارسالِ خدمت کر دیا گیا ہے۔

وزارتِ حیدرآباد کے لیے اب تک بھی افواہ ہے کہ سر محمد شفیع حضور نظام سے خط و کتابت کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فی الحال انھوں نے یہاں بیرسٹری کا کام شروع کر دیا ہے۔ مگر سرکار نے خوب فرمایا کہ جو ہوا ہو گیا جو ہونے والا ہے ہو رہے گا۔ اکبر مرحوم کا یہ شعر یاد آ گیا کیا خوب فرماتے ہیں۔

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

شادؔ کی زیارت سامان مسرت و انبساط ہے۔ دیکھئے یہ سامان دور افتادہ اقبال کو کب میسر آتا ہے۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہو گا۔ اور جملہ صاحبزادگان مع متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

مخلص محمد اقبال

(شاد اقبال)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

لاہور، ۲۰ جنوری ۲۵ء

مکرمی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

میموریل کے لیے ضروری ہے کہ تمام سامان کافی ہو، ورنہ میموریل لکھنا فضول ہے۔ آپ کو نظام کا معاملۂ برار جو ابھی تازہ ہے، یاد ہوگا۔ اتنے سامان کے ہوتے ہوئے بھی ٹکا سا جواب ملا۔ گو ہمارے نواب صاحب کے معاملہ کو برار کے معاملہ سے چنداں مناسبت نہیں، تاہم پوری تیاری کرنی ہوگی۔ یہ دقت زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ اور ریاستیں بھی جن کے اختیارات چھین لیے گئے تھے۔ اس معاملے سے تعلق رکھتی ہیں۔ امرائے ہند کے متعلق اس وقت خیالات بھی اچھے نہیں ہیں۔ غرض کہ موجودہ حالات میں پوری تیاری کرنی چاہیے اور اگر کامیابی کی امید موجودہ مسالہ سے نہ ہو تو انکار کرنا بہتر ہوگا۔

پیرزادہ صاحب کی مثنوی کا حال مجھے معلوم ہے۔ مسلمانان ہند کے دل و دماغ پر عجمی تصوف غالب ہے۔ وہ عربیت کے تخیلات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ مجھے یقین ہے اگر نبی کریمؐ بھی دوبارہ پیدا ہو کر اس ملک میں اسلام کی تعلیم دیں تو غالباً اس ملک کے لوگ اپنی موجودہ کیفیات اور اثرات کے ہوتے ہوئے حقائق اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں۔

اسلام نہایت سادہ مذہب ہے۔ لیکن اس کی بدیہیات کے اندر ایسی ایسی مشکلات ہیں جن کی حقیقت کا سمجھنا آسان کام نہیں۔ خاص کر ان لوگوں کے لیے جن کو عجمی "بلند خیالی" کے افسوں نے محسوس فراموش کر دیا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

جناب نواب صاحب بہادر کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

مخلص

محمد اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور ۷ فروری ۲۵ء

برادر مکرم۔ السلام علیکم

میں اب خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ مختار کے متعلق آپ کا خط مل گیا تھا۔ میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اسے غلط آگاہی ملی تھی۔ آئندہ سال اس کے لئے انشاء اللہ کوشش کی جائے گی۔

شیخ گلاب دین صاحب سیالکوٹ آتے ہیں۔ ان کا معاملہ آپ کو معلوم ہے اس میں جہاں تک ہو سکے جلد ان کا فیصلہ کرانے میں کوشش کیجئے حالات آپ کو معلوم ہی ہیں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ضرورت پڑے تو اعجاز سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اس معاملے میں شیخ صاحب کی مدد کرے۔

والسلام

محمد اقبال

(مظلوم اقبال)

پروفیسر سردار محمد کے نام

لاہور

۶، مارچ ۲۵ء

مکرمی۔ السلام علیکم

آپ کا خط کئی دنوں سے آیا رکھا ہے۔ مگر میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب نہ لکھ سکا۔ اب بھی آپ کے دوست کے نوٹ کا پورا جواب دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ سند مانگتے ہیں سند کے لئے تلاش کی ضرورت ہے اور تلاش کے لیے فرصت شرط ہے۔ میرے علم میں خجستہ پا۔ خجستہ پے۔ خجستہ گام۔ خجستہ قدم سب صحیح ہیں۔ ان میں سے کون کس محل پر استعمال کیا جائے، استعمال کرنے والے کی ضرورت اور مذاق پر منحصر ہے۔ عثمان مختاری نے خجستہ دست بھی لکھ دیا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس کا ضد سبز پا (شوٗ قدم) ہے۔ اس میں بھی شعراء نے حسب ضرورت تصرف کیا ہے اور سبز پا۔ سبز پے۔ سبز قدم تینوں طرح لکھا ہے۔ بہر حال مطالعہ کے وقت خیال میں رکھوں گا۔ اگر کوئی شعر مل گیا تو لکھ بھیجوں گا۔ زبان کے متعلق میرا نقطۂ نگاہ اور ہے مگر اس ملک میں جہاں لوگ علم اللسان جدید سے واقف نہیں، وہ نقطۂ نگاہ بدعت سمجھا جائے گا۔ اس واسطے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ آپ کے دوست کی تنقید کا وہ کافی جواب ہوتا۔ ان کی تسلی صرف سند ہی سے ہو سکتی ہے جس کی تلاش انشاءاللہ کروں گا۔

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

سیّد انور شاہ کشمیری کے نام

لاہور

۱۳ / مارچ ۳۵ء[1]

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

مجھے ماسٹر عبداللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خُدام الدّین کے جلسہ میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرماویں گے۔ میں اِسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں۔ جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ عثمانی حضرت مولوی شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیزالرحمٰن صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

مخلص محمدؐ اقبال

---

[1] اقبال نامہ حصہ دوم (ص ۲۵۷) میں اس خط کی تاریخ ۱۳/ مارچ ۱۹۳۵ء درج ہے۔ متنِ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں مولانا انور شاہ انجمن خدام الدین کے سالانہ جلسے میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ اس خط میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا ذکر ہے اور ان کے مطابق یہ جلسہ مارچ ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوا تھا۔ مزید برآں مولانا انور شاہ کی تاریخِ وفات ۲۹/ مئی ۱۹۳۳ء ہے۔ اس لیے اس خط کی تاریخ ۱۳/ مارچ ۱۹۲۵ء ہے۔

(ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ۔ ص۔ ۲۲۷)

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام[1]

لاہور

۱۷ مارچ ۱۹۲۷ء

ڈیر مسٹر اکبر منیر!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔

زندگی کا راز یہی ہے جہاں رہو، جس حالت میں رہو، خوش اور مطمئن رہو۔ دنیا میں بہت کم آدمی ہیں جو اپنی زندگی کے مختلف احوال و مقاصد سے آگاہ ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہم سب لوگ اپنی زندگی کا محض ایک خارجی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اندرونی علل و اسباب و نتائج ہماری نظر سے مخفی رہتے ہیں۔ ہاں! لاہور میں بہار کا آغاز ہے مگر

دلم بہ ہیچ تسلی نمی شود حاذق![2]

بہار دیدم و گل دیدم و خزاں دیدم

ماہِ نو ضرور مرتب کیجیے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ ز۔ لورِ عجم کے لیے ایک مدت درکار ہوگی۔ بہت سے اور مشاغل ہیں جن کی طرف توجہ ضروری ہے۔

---

[1] یہ مکتوب گورنمنٹ کالج ملتان کے پتہ پر لکھا گیا جہاں مکتوب الیہ پروفیسری کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

(شیخ عطاء اللہ)

[2] ترجمہ:۔ اے حاذق میرے دل کو کسی بھی طرح قرار نہیں آتا۔ میں نے بہار بھی دیکھی، پھول بھی دیکھے اور خزاں کا موسم بھی دیکھا۔

(حکیم حاذق گیلانی کا شعر ہے)

اگر اسی کام میں سراپا محو ہو سکتا تو اب تک ختم ہو گیا ہوتا۔ والسلام

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

عبدالماجد دریابادی کے نام

لاہور

۲۲ مارچ ۱۹۲۵ء

مخدومی، السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مگر آپ کا نوٹ پڑھ کر مجھے بہت تعجب ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ نے وہ مضمون[1] بہت سرسری نظر سے دیکھا ہے۔ بہر حال میں آپ کا خط زیرِ نظر رکھوں گا۔ مضمون کا مسودہ ارسال فرمایئے۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام

مخدومی۔ السلام علیکم

آپ کو جب فرصت ہو تشریف لایئے۔ میں کہیں باہر جانے والا نہیں۔

---

[1] اقبال نے اپنے ایک انگریزی مقالہ "اجتہاد" پر رائے طلب کی تھی اور جو رائے دی گئی تھی مخالفانہ تھی۔ (شیخ عطاء اللہ)

آپ کا خط پڑھ کر مجھے بہت تعجب ہوا۔ کفر توڑ وغیرہ کی اشاعت کا راز اس بات میں ہے کہ عوام گالی گلوچ کو بہت پسند کرتے ہیں کہ یہ ان کی روزمرہ زندگی کا جزو اعظم ہے۔ متین طرز تحریر صرف خواص کو پسند ہوتا ہے۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال ۱۲ اپریل ۲۵ء

(عکس) (انوار اقبال)

اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام

لاہور ۲۰ اپریل ۲۵ء[1]

مخدومی۔ السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

آپ نے ٹھیک فرمایا ہے پیشہ ور مولویوں کا اثر سر سید احمد خاں کی تحریک سے بہت کم ہو گیا تھا مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولٹیکل فتووں کی خاطر ان کا اقتدار ہندی مسلمانوں میں پھر قائم کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو یہاں ایک جلسے میں پڑھا گیا تھا۔ انشاء اللہ شائع بھی ہو گا۔ مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا۔ بہرحال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہو گی جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ ہندوستان میں بالخصوص آج کل

---

[1] یہ خط "انوار اقبال" میں (ص ۔ ۲۱۷) بلا تاریخ ترتیب دیا گیا ہے۔ جب کہ عکس میں واضح طور پر ۲۰ اپریل ۲۵ء تحریر ہے۔

(مؤلف)

بہت سمجھ کر سوچ کر قدم اٹھانا ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (انوار اقبال)

خان بہادر عبد الرحمان چغتائی کے نام

لاہور

۲۴۔ اپریل ۲۵ء

ڈیر مسٹر عبد الرحمان! السلام علیکم

آپ کی والدہ ماجدہ کے انتقال کی خبر زمیندار میں پڑھ کر بہت رنج ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور ماسٹر عبد اللہ صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

عید کے موقع پر یہ صدمہ اور بھی دردناک ہے مگر

زمانہ جام بدست وجنازہ بردوش ست[1]

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] پورا شعر یوں ہے ؎

درمیں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است

زمانہ جام بدست وجنازہ بردوش است

ترجمہ:۔ اس باغ (دنیا) میں بہار اور خزاں ساتھ ساتھ ہیں (گویا) زمانہ کے ہاتھ میں جام اور کندھے پر جنازہ رکھا ہوا ہے۔

رحم علی خاں ایمان کے تذکرہ "منتخب اللطائف" (قلمی نسخہ (باقی اگلے صفحہ پر)

سید نصیرالدین ہاشمی کے نام[1]

لاہور۔ ۷ مئی ۲۵ء

جناب من السلام علیکم

میں نقرس کی وجہ سے صاحب فراش تھا اس واسطے اس سے پہلے آپ کے خط کا جواب نہ لکھ سکا معاف فرمائیے

"دکن میں اردو" نہایت مفید کتاب ہے خصوصاً اس کا پہلا حصہ جو میں نے نہایت غور سے پڑھا ہے اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لیے جس قدر مسالہ ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے غالباً پنجاب میں بھی کچھ پرانا مسالہ موجود ہے اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہو گئی تو مورخ اردو کے لیے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

(عکس)

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) دہلی یونیورسٹی لائبریری) میں اس شعر کو ملا نور محمد لاہوری انور کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ نیز کشن چند اخلاص کے تذکرہ ہمیشہ بہار (ص ۔ ۲۹) مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۳ء سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

(مرتب)

[1] اس خط کے کئی سال بعد مولانا محمود شیرانی نے "پنجاب میں اردو" شائع فرمائی۔ (شیخ عطاء اللہ)

صاحبزادہ آفتاب احمد خاںؒ کے نام

مائی ڈیر صاحبزادہ صاحب!

میں نے علوم اسلامیہ کے متعلق آپ کے نہایت عمدہ نوٹ کا بہت دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے اس پر بہت کچھ غور کیا ہے۔ اس مضمون پر مختلف نقطۂ نظر بالخصوص جدید دنیائے اسلام میں عالمگیر روح انسانیت (HUMANISM) کی تخلیق بلکہ بیداری کے لحاظ سے نگاہ ڈالنی چاہیے۔ بہرحال قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں میں چند منتشر خیالات جو میرے ذہن میں آئے علوم اسلامیہ کے مقاصد کے سلسلہ میں بیان کروں گا۔

۱:۔ بہتر و مسلّمہ جامعیت کے علمار فقہا وغیرہ کو تعلیم و تربیت دینا (یہ آپ کا پہلا مقصد ہے جو آپ نے اپنے مراسلہ کے صفحہ چار پر بیان فرمایا ہے اور اس سے مجھے کلی اتفاق ہے)

۲:۔ ایسے عالم پیدا کرنا جو اسلامی افکار اور ادبیات کے مختلف شعبوں میں اپنی تحقیقات سے اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیاتِ دماغی کا جو تسلسل پایا جاتا ہے، اس کی ازروئے نشو و نمو جستجو کریں۔ اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔

یورپ میں اسلام کا سیاسی زوال بدقسمتی سے کہا جاتا ہے ایسے وقت میں رونما ہوا جب مسلم حکمار کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگا تھا کہ استخراجی علوم لایعنی ہیں اور جب وہ استقرائی علوم کی تعمیر کی طرف کسی حد تک مائل ہو چکے تھے۔ دنیائے اسلام میں تحریک ذہنی عملاً اس وقت سے مسدود ہو گئی اور یورپ نے مسلم حکمار کے غور و فکر کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونا شروع کیا۔ یورپ میں جذبۂ انسانیت کی تحریک بڑی حد تک اُن قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے

---

[1] اس خط کا اردو ترجمہ 'سہیل' سے نقل کیا گیا ہے۔ شیخ عطاء اللہ

بروئے کار آئیں۔ یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں ہے کہ جدید یورپین جذبۂ انسانیت کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے، اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جاسکتا ہے۔ اس اہم حقیقت کا احساس نہ آج کل کے یورپین کو ہے اور نہ مسلمانوں کو۔ کیونکہ مسلمان حکماء کے جو کارنامے محفوظ ہیں وہ ابھی تک یورپ، ایشیا اور افریقہ کے کتب خانوں میں منتشر اور غیر مطبوعہ شکل اور حالتوں میں ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایک بڑی حد تک خود ان کے تمدن سے برآمد ہوا ہے۔ وہ اسے بالکل غیر اسلامی تصور کرتے ہیں مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ آئن اسٹائن کے نظریہ سے کسی قدر ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے سائنٹیفک حلقوں میں سنجیدگی سے بحث و مباحثہ ہوتے تھے۔ (ابوالمعالی جس کا قول ابن رشد نے نقل کیا ہے) تو آئن سٹائن کا موجودہ نظریہ اُن کو اتنا اجنبی نہ معلوم ہو۔ اس کے علاوہ جدید استقرائی منطق سے اسے جو بیگانگی ہے وہ بہت کچھ کم ہو جائے۔ اگر اس کو یہ علم ہو کہ جدید منطق کا تمام نظام رازی کے ان مشہور و معروف اعتراضات سے وجود میں آیا جو انھوں نے ارسطو کے استخراجی منطق پر عاید کئے تھے۔ اس قسم کے عالموں کا تیار کرنا ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ جدید علم کے اخذ و جذب کرنے میں صرف یہی لوگ مدد کرسکتے ہیں۔

(۳) ایسے عالموں کا تیار کرنا جو اسلامی تاریخ، آرٹ (فنون) اور علم تہذیب و تمدن کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں (یہ اصل میں آپ کا تیسرا مقصد ہے جو آپ نے اپنے مراسلہ کے صفحہ ۴ پر بیان فرمایا ہے۔ میں نے اس میں سے سائنس اور فلسفہ کو علیحدہ کر کے اسے کسی قدر محدود کر دیا ہے) آپ کا مقصد نمبر ۲ بھی اسی مد میں آجاتا ہے۔

(۴) ایسے عالموں کا پیدا کرنا جو اسلام کے قانونی لٹریچر میں تحقیق و تدقیق (ریسرچ) کے لیے موزوں ہوں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہمارا قانونی لٹریچر جس کا

کافی حصہ ابھی غیر مطبوعہ ہے، بے انتہا ہے۔ میری رائے میں اِسے علومِ اسلامیہ کی ایک علیٰحدہ شاخ قرار دینا چاہیئے۔ (قانون سے میرا مقصد صرف اُس قانون سے ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے) صرف انھیں عام اصولوں کی تحت میں ہمیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں علومِ اسلامیہ کی اسکیم مرتّب کرنا چاہیئے۔ اب میں اس مسئلہ کے عملی رخ پر غور کرتا ہوں۔

۲: مسلم دینیات کا مطالعہ

ہمارا پہلا مقصد جس کی بابت ہم دونوں متفق ہیں موزوں صفات کے علما پیدا کرنا ہے جو ملت کی روحانی ضرورتوں کو پورا کر سکیں مگر زندگی کے متعلق ملت کے زاویۂ نگاہ کے دوش بدوش ملت کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ فرد کی حیثیت اس کی دماغی نجات وآزادی اور طبیعی علوم کی غیر متناہی ترقی۔ ان چیزوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے، اس نے جدید زندگی کے اساس کو یکسر متغیر کر دیا ہے چنانچہ جس قسم کا علمِ کلام اور علمِ دین ازمنۂ متوسّطہ کے مسلمان کی تسکینِ قلب کے لئے کافی ہوتا تھا، وہ آج تسکین بخش نہیں ہے۔ اس سے مذہب کی روح کو صدمہ پہونچانا مقصود نہیں ہے۔ اجتہادی گہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرنا مقصود ہے تو فکرِ دینی کو از سرِ نو تعمیر کرنا قطعاً لازمی ہے، اور بہت سے مسئلوں کی طرح اس مسئلہ میں بھی سر سید احمد خاں کی دُوررس نگاہ کم وبیش پیشین گویانہ تھی۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے انھوں نے اس کی بنیاد زیادہ تر ایک گزرے ہوئے عہد کے فلسفیانہ معتقدات وافکار پر رکھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں آپ کے مسلم دینیات کے مجوزہ نصاب سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک قدیم طرز پر مسلم دینیات کا شعبہ قائم کرنا بالکل بے سُود ہے۔ اگر اس سے آپ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سوسائٹی کی زیادہ قدامت پسند جماعت کی تالیفِ قلب مدِّنظر ہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی اصلاحِ نو کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت

نہیں۔ آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کی ایک نئی وادی کی طرف مہمیز کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علم کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو بر سر کار لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انھیں لوگوں کے ہاتھ انجام پا سکتا ہے جن میں اس کام کی صلاحیت ہے مگر ایسے آدمی کس طور پر پیدا کیے جائیں؟

میں آپ کی اس تجویز سے پورے طور پر متفق ہوں کہ دیوبند اور لکھنؤ کے بہترین مواد کو بر سر کار لانے کی کوئی سبیل نکالی جائے. مگر سوال یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دینے کے بعد کیا کریں گے؟ کیا آپ ان کو بی۔اے اور ایم اے بنائیں گے جیسا کہ سر ٹامس آرنلڈ کی تجویز ہے۔ مجھے یقین ہے جہاں تک دینیاتی افکارِ دماغی کے مطالعہ یا ترقی کا تعلق ہے، وہ آپ کا مقصد نہیں پورا کر سکیں گے۔ دیوبند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو علمِ دینیات پر غور و فکر کرنے کا خاص ملکہ رکھتے ہوں، ان کو میرے نزدیک قبل اس کے کہ وہ آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کو عبور کرنے دیے جائیں، جس کو ان کی ضرورتوں کا خیال کر کے بہت مختصر کر دینا پڑے گا، افکارِ جدیدہ اور سائنس سے آشنا کر دیا جائے. جدید سائنس اور خیالات کی تعلیم ختم کرنے کے بعد ان کو آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کے ایسے مضامین پر لیکچر سننے کو کہا جا سکتا ہے جو اُن کے خاص مضامین سے متعلق ہوں مثلاً اسلام کے فرقہ جات اور اسلامی اخلاق اور فلسفہ مابعد الطبیعیات. اس ترتیب کے بعد انھیں مسلم دینیات. کلام اور تفسیر پر مجتہدانہ خطبہ دینے کے لیے یونیورسٹی فیلو بنایا جائے۔ صرف یہ لوگ یونیورسٹی میں دینیات کا ایک نیا اسکول قائم کر سکیں گے، اور ہمارا مقصد نمبر (۱) پورا ہو سکے گا. لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی کا قدامت پسند عنصر مطمئن ہو جائے تو آپ قدیم طرز کی دینیات کے اسکول سے ابتدا کر سکتے ہیں. جیسا کہ آپ نے اپنے مراسلہ کی دفعہ نمبر ۴ میں تجویز کیا ہے. مگر آپ کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ آپ تدریجاً اس کے بجائے ان لوگوں کی جماعت کو کارفرما بنائیں جو میری تجویز کردہ اسکیم کے مطابق خود اجتہادِ فکر پر قادر ہوں گے۔

۳: ہمارا دوسرا مقصد

دیو بند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو خالص سائنٹیفک تحقیقات کا مخصوص ذوق رکھتے ہوں اُن کو ان کے میلانات طبعی کے مطابق جدید ریاضیات، سائنس اور فلسفہ کی مکمل تعلیم دینی چاہیئے۔ جدید سائنس اور حکمت کی تعلیم پورا کرنے کے بعد ان کو اجازت دے دی جائے کہ وہ آرنلڈ کا کورس پورا کریں جس کو ان کی ضرورتوں کا لحاظ کر کے مختصر کر دیا جائے گا۔ مثلاً صرف اس شخص کو آرنلڈ کورس کا نمبر ۳ "دنیائے اسلام اور سائنس" پر لکچر سننے کی اجازت دی جائے جو صرف طبیعی سائنس پڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد اُسے آپ یونیورسٹی کا فیلو بنا سکتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنا پورا وقت خاص سائنس میں ریسرچ پر صرف کرے جس کا اُس نے مطالعہ کیا ہے۔

۴: ہمارا تیسرا مقصد

آرنلڈ کا کورس ان لوگوں کو لینے کی اجازت ہونی چاہیئے جو سائنس یا فلسفہ میں خاص دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ مسلم تمدن اور تہذیب کے اصولوں کی عام تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اسے صرف لکھنؤ اور دیوبند کے لوگوں تک محدود نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ کی اپنی یونیورسٹی کے ایسے لوگ جو عربی اچھی طرح جانتے ہیں اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ مگر اس کورس میں مسلم آرٹ اور فنِ تعمیر بھی شامل کرنا چاہتا ہوں۔

۵: مسلم قانون اور تاریخ قانون

ہمیں دیوبند اور لکھنؤ سے ایسے ذہین اور طبّاع لوگ منتخب کرنے چاہئیں جو قانون کا خاص ذوق رکھتے ہوں۔ چونکہ قانون محمدی سرتاسر تعمیری تشکیل کا محتاج ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ انھیں اصول فقہ و قانون سازی کے اصولوں کی تعلیم میں اور شاید جدید اقتصادیات اور اجتماعیات کی جامع تعلیم دینے کی بھی ضرورت پیش آئے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کو ایل ایل بی

بنائیں اور پھر آرنلڈ کا کورس پڑھنے کی اجازت دیں مگر ان کے لیے بھی کورس میں تخفیف کرنی پڑے گی مثلاً ان سے کہا جائے کہ سیاسی نظریۂ اسلامیہ اور اسلامی اصولِ فقہ کا ارتقا وغیرہ مضامین کے لکچروں میں شریک ہوں۔ بعض کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے دیا جائے۔ دوسروں کو۔ یونیورسٹی کی فیلوشپ اختیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ کچھ اپنے آپ کو قانونی ریسرچ کے لیے وقف کر دیں۔ اس ملک میں قانون محمدی جس طریقہ سے عمل میں لایا جاتا ہے وہ بغایت تأسف انگیز ہے۔ اور بعض دشواریاں ایسی ہیں جو صرف (مجلس قانون سازی) کے قیام سے دور ہو سکتی ہیں۔ مسلمان قانون داں جن کا پیشہ وکالت ہو اور جو قانون محمدی کے اصولوں پر پورے طور پر حاوی ہوں۔ وہ عدالت اور کونسل دونوں میں بے حد مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

۶: مختصر اً میری تجاویز حسب ذیل ہیں

جو نصاب سر ٹامس آرنلڈ نے تجویز کیا ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں مگر یہ پورا کورس صرف ان طالب علموں کو لینے کی اجازت ہونی چاہیے جو قانونی دینیات اور سائنس کے لیے کوئی خاص ذوق نہ رکھتے ہوں جہاں تک دینیات کی تعلیم کا تعلق ہے میں آپ کی تجویز (آپ کے خط کی دفعہ ۴) کو تسلیم کرتا ہوں مگر اسے صرف عارضی اور امتحانی حیثیت دینا چاہتا ہوں اس کی جگہ رفتہ رفتہ ان لوگوں کے لیے اور ان کے لیے جو قانون اور خاص علوم کا مطالعہ کریں گے، آرنلڈ کا کورس ان کی ضروریات کے لحاظ سے مختصر کرنا پڑے گا۔ یہ جتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ان لوگوں کے لیے جو اسلامی حکمت، ادبیات آرٹ، تاریخ نیز دینیات کا نصاب اختیار کریں گے، جرمن اور فرنچ زبانوں کا حسبِ ضرورت جاننا از بس ضروری ہے۔

مکرر...... منسلکہ خط ٹائپ کیا جا چکا تھا کہ میں پروفیسر محمد شفیع سے ملا جن کو آپ نے کہا تھا کہ مجھ سے علوم اسلامیہ کے متعلق تبادلہ خیال کریں۔ ان سے گفت و شنید کا ماحصل یہ ہے ۔

(۱) پروفیسر محمد شفیع میرے خیال میں دینیات کی نسبت زیادہ حامی نہیں ہیں۔
(۲) ان کا خیال ہے کہ اسلامی حکمت وغیرہ کی تعلیم کے لیے زیادہ تر یونیورسٹی کے گریجویٹوں میں سے انتخاب کرنا چاہیے۔ معمولی یونیورسٹی تعلیم کے بعد وہ ان لوگوں کو عربی زبان وادب کی تعلیم دینے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

مجھے اندیشہ ہے کہ میں ہر دو امور میں ان سے اتفاق نہیں کرسکتا میری رائے میں جدید اسلامی ملتوں کے لیے جدید دینیاتی افکار کی توسیع اور ترویج ضروری ہے۔ قدیم اور جدید اصولاتِ تعلیم کے مابین اور روحانی آزادی اور معبدی اقتدار کے مابین دنیاے اسلام میں ایک کشاکش شروع ہو گئی ہے۔ "یہ روحِ انسانیت کی تحریک" افغانستان جیسے ملک پر بھی اثر ڈال رہی ہے۔ آپ نے امیر افغانستان کی وہ تقریر پڑھی ہوگی جس میں انھوں نے علمار[1] کے اختیارات کے حدود متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدید دنیاے اسلام کی مختلف تحریکیں اسی نتیجہ کی طرف لے جاتی ہیں ان حالات کے ماتحت مسلم یونیورسٹی کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ دلیری سے اس وادی کی طرف قدم بڑھائیں۔ اس میں شک نہیں، محتاط رہنا لازمی ہوگا اور فکر وحکمت کی اصلاح اس طور پر عمل میں لائی ہوگی کہ معاشرتی امن وسکون میں خلل نہ آنے پائے۔

رہا پروفیسر شفیع کا دوسرا خیال۔ اس کے سلسلہ میں میری رائے ہے کہ دیوبند اور ندوہ کے لوگوں کی عربی علمیت ہماری دوسری یونیورسٹیوں کے گریجویٹ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر پروفیسر شفیع کا خیال ہے کہ قدیم طرزِ تعلیم کی وجہ سے جو دیوبند اور ندوہ میں جاری ہے ان کے طالب علموں کا ذہنی نصب العین نہایت تنگ ہو جاتا ہے۔ ان کو یہ تسلیم ہے کہ عربی زبان کی قابلیت ان کی بہتر ہوتی ہے۔ میری رائے میں جو لوگ غیر معمولی روشن دل ودماغ کے ہوتے ہیں ان کے لیے طریقۂ تعلیم کی نوعیت کچھ بہت زیادہ اہم نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا پیش نہاد کافی (لچکیلا) ہوتا ہے اور ان میں وسعت پذیر ہونے

---

[1] کذا

کی کافی صلاحیت ہوتی ہے۔ قدیم اور جدید طرزِ تعلیم کے محض بہترین ناقد اسی قدیم طریقہ تعلیم کی پیداوار ہوئے ہیں۔ مزید برآں ندوہ کے بعض افراد ایسے ہیں جو پروفیسر شفیع کے عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں۔

میں یہاں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ندوہ اور دیوبند کے لوگوں کو انٹرمیڈیٹ کے معیار تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کرنے پر مجبور کئے جائیں۔ یہاں وہ سوائے انگریزی کے کوئی دوسری زبان اختیار نہ کر سکیں گے۔ دوسرے مضامین میں وہ حسبِ ذیل مضامین سے انتخاب کر سکیں گے۔

(الف) علوم طبیعی۔ (ب) ریاضیات ۔ (ج) فلسفہ۔ (د) اقتصادیات۔

چونکہ ان کو انگریزی کی تعلیم محض کام چلانے کے مطابق حاصل کرنی ہوگی میں یونیورسٹی کے اعلیٰ امتحانات ایم۔ اے اور بی۔ اے سے انگریزی کو بالکل حذف کر دینا چاہتا ہوں۔ ان امتحانات میں ان کو صرف سائنس اور فلسفہ کے مضامین لینے کی ضرورت ہوگی۔ ابھی میں اس امر کے متعلق توجہ نہیں کر سکا ہوں کہ آیا ان کو بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانات پاس کرنا ضروری ہوں گے۔ اس امر کے متعلق دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں اگر یہ طے ہو کہ ان کو یونیورسٹی کے امتحانات بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس کرنا نہ پڑیں گے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کو بمقابلہ دیگر طلبا ء کے جن کو امتحان پاس کرنا ہے زیادہ وسیع پیمانہ پر مطالعہ کا موقع ملے گا مگر اس حالت میں ان لوگوں کی علمی کارکردگی پر یونیورسٹی کو خاص طور پر نگراں رہنا پڑے گا۔

(انگریزی سے)

محمد اقبال

لاہور ۴ جون ۱۹۲۵ء

(اقبال نامہ)

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی مل گیا تھا۔ میں نے انڈین ریویو[1] کا مضمون دیکھا ہے تصویر طالب علمی کے زمانے کی ہے مضمون میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ آپ اپنا اردو ترجمہ ابھی شائع نہ کریں۔ باقی خیریت ہے۔ بخدمت برادرم غلام محمد سلام علیکم۔

میں بھی انشاء اللہ شملہ آؤں گا مگر چند روز کے بعد۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۳ اگست ۲۵ء

(عکس) (اقبال نامہ)

صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم کے نام

پرائیویٹ لاہور ۲ ستمبر ۲۵ء

جناب من۔ السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ آج صبح مجھے ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے البتہ فرصت کے اوقات میں میں اس بات کی کوشش کیا کرتا ہوں کہ ان معلومات میں اضافہ ہو۔ یہ بات زیادہ تر ذاتی اطمینان کے لیے ہے نہ تعلیم و تعلّم کی غرض سے۔ کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک مضمون لکھا تھا مگر دورانِ تحریر میں اس کا احساس ہوا کہ یہ مضمون اس قدر آسان نہیں جیسا میں نے اُسے ابتدا میں تصور کیا تھا۔ اس پر تفصیل سے بحث

---

[1] INDIAN REVIEW

کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ صورت میں وہ مضمون اس قابل نہیں کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں کیونکہ بہت سی باتیں جن کو مفصل لکھنے کی ضرورت ہے اس مضمون میں نہایت مختصر طور پر محض اشارۃً بیان کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اُسے آج تک شائع نہیں کیا۔ اب میں انشاء اللہ اسے ایک کتاب کی صورت میں منتقل کرنے کی کوشش کروں گا۔ جس کا عنوان یہ ہو گا۔" ISLAM AS I UNDERSTAND IT "[1] اِس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون میری ذاتی رائے تصوّر کیا جائے جو ممکن ہے غلط ہو۔

اس کے علاوہ ایک اور بات (یہ) بھی ہے کہ میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے مطالعہ میں گذری ہے اور یہ نقطۂ خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطۂ نگاہ سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں اور مجھ کو بار ہا اس کا تجربہ ہوا ہے کہ اردو میں گفتگو کرتے ہوئے میں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتا۔

مذکورہ حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ مولوی[2] صاحب موصوف کو میرے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔[3] ہاں مجھ کو ان سے فائدہ پہنچنا یقینی ہے اس واسطے وہ اگر مجھ کو مستفیض کرنے کے ارادہ سے امرتسر سے لاہور

---

[1] اسلام میرے نقطۂ نظر سے

[2] مولوی صاحب سے مراد مولوی خواجہ احمد دین مرحوم ہے جن کے زیر اہتمام امرتسر سے رسالہ "البلاغ" اور "البیان" نکلتے تھے۔ مولوی صاحب کی تفسیر القرآن بھی انہی رسالوں میں بالاقساط طبع ہوتی رہی۔

(بشیر احمد ڈار)

[3] پروفیسر تبسم کا ارشاد ہے کہ: دوران گفتگو ڈاکٹر صاحب اصطلاحات جدید کا جس بے تکلفی سے استعمال کرتے تھے مولوی صاحب بھی اسی بے تکلفی سے سمجھتے تھے۔

آنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو ان کی بہت مہربانی ہے، جس کے لیے میں ان کا نہایت شکر گذار ہوں۔

مجھ کو ان کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آگاہی ہے[1]، کیا اچھا ہو کہ وہ شریعتِ محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں، جس میں عبادت و معاملات کے متعلق صرف قرآن[2] سے استدلال کیا گیا ہو۔ "معاملات" کے متعلق خاص طور پر اس قسم کی کتاب کی آج کل شدید ضرورت ہے۔ ہندوستان میں تو شاید اس کے مقبول ہونے کے لیے مدت درکار ہے۔ ہاں دوسرے اسلامی ممالک میں اس کی ضرورت کا احساس ہر روز بڑھ رہا ہے۔ شیخ علی رزاق اور دوسرے علمائے مصر کے مباحث سے مولوی صاحب آگاہ ہوں گے۔ علیٰ ہٰذالقیاس ترکی میں بھی یہی مسائل زیرِ غور ہیں۔ اس پر ایک، آدھ کتاب بھی تصنیف ہو چکی ہے، اس میں زیادہ تر زمانہ حال کے مغربی اصولِ فقہ کو ملحوظ رکھ کے فقۂ اسلامی پر بحث کی گئی ہے۔ ترکوں نے جو "چرچ[3]" اور "سٹیٹ[4]" میں امتیاز کر کے ان کو الگ الگ کر دیا ہے، اس کے نتائج نہایت دور رس ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ افتراق اقوامِ اسلامیہ کے لیے باعثِ برکت ہو گا یا شقاوت۔ غرض کہ مولوی صاحب موصوف یا ان کے رفقا کو، جو کلامِ الٰہی اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی لٹریچر پر عبور رکھتے ہیں، اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ میں اور مجھ ایسے اور لوگ صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں۔ ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے۔ رسالہ "بلاغ" امرتسر کے ہر نمبر میں اور مولوی حشمت علی صاحب کے

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان کے مذکورہ بالا جریدوں کا مطالعہ فرماتے تھے۔

[2] صرف "قرآن" کا لفظ ڈاکٹر صاحب کے معتقدات پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتا ہے۔ (عطاء اللہ)
(مولف نے نوٹ میں کہیں کہیں ترمیم کر دی ہے)

[3] CHURCH

[4] STATE

رسالہ "اشاعت القرآن" کے ہر نمبر میں اسی پر بحث ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیادت انسانی کے لیے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔ نیز جو جو قواعد عبادات یا معاملات کے متعلق (بالخصوص موخر الذکر کے متعلق) دیگر اقوام میں اس وقت مروّج ہیں، ان پر قرآنی نقطہ نگاہ سے تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوعِ انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے "جورسؔ پروڈنس" پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدّد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں، یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں (سوائے ایران و افغانستان کے) مگر ان ممالک میں بھی امروز فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا۔ جو سرے سے احکامِ قرآنی کا ہی منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا نظیر ناممکن ہے۔ غرض کہ یہ وقت عملی کام کا ہے۔ کیونکہ میری رائے ناقص میں مذہبِ اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس

ؔ JURISPRUDENCE یعنی فقہ

سے پہلے کبھی نہیں آیا۔

مخلص محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ)

(عکس نامکمل)

صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم کے نام

لاہور ۶ ستمبر ۲۵ء

جناب من السلام علیکم

میں کل شام مولوی[1] صاحب کا منتظر رہا لیکن چونکہ وہ تشریف نہ لائے اس واسطے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خط سے کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو۔ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں وقت کا تعین اس واسطے نہ کی تھی کہ اس بارے میں مولوی صاحب موصوف کی آسائش کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کی یہ عنایت کم نہیں کہ وہ محض مرے فائدہ کے لیے لاہور تشریف لانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں یہ بات قرینِ انصاف نہیں کہ ان حالات میں میں اپنی سہولت اور اوقات کو ملحوظ رکھوں۔ مجھ کو یہ بات اس خط میں واضح کر دینی چاہئے تھی کہ وہ جب چاہیں تشریف لائیں مجھ کو صرف ایک روز پہلے مطلع کر دیں تاکہ میں ان کی تشریف آوری کے وقت مکان پر ہی رہوں کہیں اِدھر اُدھر نہ چلا جاؤں باقی موضوع گفتگو کے متعلق اگر سر دست اجتہاد نہیں تو اور بہت سے امور ہیں جن کے متعلق میں ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ آپ مہربانی کر کے میری تحریر سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ مجھے ان سے فائدہ اٹھانے میں تامل ہے۔

---

[1] مولوی صاحب سے مراد مولوی احمد دین مرحوم ہیں۔

(بشیر احمد ڈار)

آپ کو گزشتہ خط لکھنے کے بعد میں نے چند باتیں نوٹ بھی کر رکھی تھیں جن پر میں مولوی صاحب کے خیالات سننے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا آرزومند ہوں۔

مخلص محمد اقبال

مولوی صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دیجیے گا۔

(عکس) (انوار اقبال)

منشی آدم علی بھائی کے نام[1]

جناب من

آپ کا خط مجھے ملا۔ افسوس ہے یہ مضمون ایک یا متعدد خطوط میں نہیں سما سکتا۔ آپ اُن صاحب کو لاہور نہ بھیج دیں۔ میں اپنے علم و فہم کے مطابق ان کی مدد کو حاضر ہوں۔ والسلام۔

محمد اقبال

۱۷ ستمبر ۱۹۲۵ء

(اقبال نامہ)

---

[1] منشی صاحب موصوف نے ایک ہندو دوست کی تشفی کے لیے جو تلاش حق کی غرض سے اسلام کا مطالعہ کر رہے تھے، ڈاکٹر صاحب مرحوم کو لکھا کہ ان کے ہندو دوست کی خاطر ایک مضمون لکھ کر بھیجیں جس سے قرآن کریم اور محمد رسول اللہ کی صداقت ثابت ہو۔

(شیخ عطاء اللہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ بہمہ وجوہ مع الخیر ہیں۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہوں۔ تعطیل لاہور ہی میں بسر کی۔

نواب صاحب کو بہ نسبت سابقہ آرام ہے۔ مگر ابھی پورے طور پر صحت بحال نہیں ہوئی۔ بہت کمزوری ہے۔ یکم اکتوبر کو شملہ سے دہلی جائیں گے اور وہیں قیام کریں گے۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام

مولانا گرامی صاحب کی خدمت میں آداب۔

مخلص

محمد اقبال

۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

شیخ عطا محمد کے نام

لاہور، ۵ اکتوبر ۲۵ء

برادر مکرم، السلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا ہے۔ جس سے بہت اطمینان ہوا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ جاوید اب بالکل تندرست ہے۔ آج پورے ایک سال کا ہو گیا ہے۔ اس کی والدہ آج قربانی دینے میں مصروف ہے۔ آپ اور والد مکرم یہ سن کر خوش ہوں گے کہ مدت کی جستجو کے بعد آج اپنے بزرگوں کا سراغ مل گیا ہے۔

حضرت بابا اولِ حج[1] کشمیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ان کا ذکر خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر[2] میں اتفاقاً مل گیا ہے۔ والد مکرم نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا تھا، وہ بحیثیت مجموعی درست ہے۔ ان کا اصلی گاؤں نوچرنہ تھا بلکہ موضع چکو پرگنہ آدون تھا۔ بارہ سال کشمیر سے باہر رہے اور ممالک کی سیر میں مصروف رہے۔ بیوی کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہ تھے اس واسطے ترکِ دنیا کر کے کشمیر سے نکل گئے۔

زالبس آنے پر اشارۂ غیبی پا کر حضرت بابا نصر الدین کے مرید ہوئے جو حضرت نورالدین ولی کے مرید تھے۔ بقیۂ عمر انھوں نے بابا نصرالدین[3] کی صحبت میں گذاری اور اپنے مرشد کے جوار میں مدفون ہیں[4]۔ اب امید ہے کہ مزید حالات معلوم ہو جائیں گے۔ خواجہ اعظم کا تذکرہ مختصر ہے مگر یہ مختصر نشان غالباً مزید انکشافات کا باعث ہو گا۔ ان حالات کے معلوم ہونے کا سبب بھی عجیب و غریب ہے۔ دہلی یونیورسٹی کے رجسٹرار الٰہ آباد یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ایک کتاب کشمیری تہذیب و تمدن پر لکھ رہے ہیں۔ میں ان کے ممتحنین میں سے ہوں۔ باقی دو ممتحن انگلستان اور آئرلینڈ کے پروفیسر ہیں۔ اتفاق سے رجسٹرار صاحب کل آئے ہوئے تھے انھوں نے کسی اپنے دوست کو ہدایت کی تھی کہ خواجہ اعظم کی 'تاریخ کشمیر' کا قلمی نسخہ میرے مکان پر پہونچا دے۔ وہ شخص قلمی نسخہ تاریخِ مذکور کا لایا۔ میں اس وقت فارغ بیٹھا تھا یہی کتاب دیکھنی شروع کر دی۔ دو چار ورق ہی الٹے تھے کہ بابا

---

[1] 'ول حج' بمعنی عاشق حج۔ آپ نے متعدد مرتبہ پیدل حج کیا۔

[2] تاریخ کشمیر اعظمی، خواجہ محمد اعظم شاہ دیدہ مری

[3] بابا نصیر الدین اور ان کے مرشد حضرت نورالدین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: "اقبال کے اجداد کا سلسلۂ عالیہ"۔ "صحیفہ" اقبال نمبر، جلد اول ص ۱-۱۲

[4] موضع چرار شریف، جو سری نگر کے جنوب مغرب میں بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

صاحب کا تذکرہ مل گیا جس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ غالبًا بابا نصیرالدین کی اولاد کشمیر میں ہو گی۔ ان سے مزید حالات معلوم ہونے کی توقع ہے اور کیا عجب کہ ان کے پاس اپنے مریدوں کا سارا سلسلہ موجود ہو۔ والسلام

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔

والدِ مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔

محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

جے۔ پی۔ تھامسن کے نام

نجی اور صیغہ راز

۳۴ میکلو روڈ

لاہور

۱۷ اکتوبر ۱۹۲۵ء

مائی ڈیر مسٹر تھامسن،

میں یہ خط آپ کو ایک ایسے معاملہ میں لکھ رہا ہوں جس کا مجھ سے خاص تعلق ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس وقت میری پوری مدد کریں گے کہ مجھے اس کی اشد ضرورت ہے۔ آپ نے لاہور ہائی کورٹ کی آسامی کے لئے سرکار کے فیصلے کے بارے میں ضرور سنا ہو گا۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں میرا نام بھی مذکور ہوا ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے اس احتجاج سے سخت نقصان پہنچے گا جو اس، بیر مسلم پریس میں کیا گیا ہے یا کیا جائے گا مجھے اطلاع ملی ہے کہ چیف جج (چیف جسٹس) کا خیال ہے کہ چند اصحاب جن میں میں بھی شامل ہوں اس ایجی ٹیشن کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ اگر چہ میرا خیال ہے کہ انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس قسم کی کسی سازش کرنے کا قطعًا اہل

نہیں ہوں جو مجھ سے منسوب کی جا رہی ہے۔
بہرکیف ان حالات میں میرے لیے بحیثیت وکیل کام کرنا دشوار ہو گا بالخصوص اس لیے کہ ماضی میں بھی مختلف طریقوں سے مجھے اعلیٰ عہدہ سے محروم رکھا گیا ہے۔ نیز دوسرے اسباب کی بنا پر جن کا ذکر اس خط میں کرنے سے قاصر ہوں۔ میں اپنے گرد و پیش کے ماحول سے سخت دل برداشتہ ہو گیا ہوں اور بے انتہا چاہتا ہوں کہ یہاں سے راہ فرار اختیار کر لوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے قلم کی ایک جنبش مجھے تمام پریشانیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ اور اس وجہ سے آپ کی اعلیٰ ظرفی اور نوازش پر اعتماد کرتے ہوئے میں آپ کی امداد کا طالب ہوں۔ کیا آپ میرے لیے کشمیر کی ریاستی مجلس میں ملازمت کے حصول میں مدد کر سکتے ہیں؟ میرے خیال میں آپ کو علم ہو گا کہ کشمیر میرے آباؤ اجداد کا وطن تھا اور میرے دل میں ہمیشہ سے اس ریاست سے دلی وابستگی رہی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نئے مہاراجہ صاحب اپنی سرکار میں کچھ تبدیلیوں کے بارہ میں غور کر رہے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو اس معاملہ میں سلسلہ جنبانی کے لیے یہ مناسب موقع ہے۔ اگر آپ مجھے ذرا سا سہارا دیں تو گویا آپ مادی اور روحانی طور پر میری بڑی مدد کریں گے۔ اور میں آپ کی کشادہ دلی اور الطاف کریمانہ کا ہمیشہ مرہون منت رہوں گا۔
میں ہز ایکسیلینسی سر مالکم ہیلی کو بھی لکھتا مگر مجھے احساس ہے کہ شاید میں ان کی توجہ کا کچھ زیادہ مستحق نہیں ہوں ماسوا اس کے کہ وہ سر ٹامس آرنلڈ کے عزیز دوست ہیں جو ہندوستان اور انگلستان میں میرے گرو تھے اور جنھوں نے ہمیشہ میرے مفاد میں دلچسپی لی ہے۔
اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے اس معاملہ میں ذاتی طور پر آپ سے ملاقات کرنا چاہیے تو میں بڑی خوشی سے حاضر ہو سکتا ہوں۔ اگرچہ اس معاملہ میں پوری طرح مجھے آپ پر بھروسہ ہے تاہم آپ کو یہ بتانا بہتر ہو گا کہ

پالن پور کے نواب صاحب سے میرے دوستانہ مراسم ہیں جو سر ہری سنگھ کے بڑے دوست ہیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

بیرسٹر ایٹ لا

(انگریزی سے)

(غیر مدون)

(سلیم الدین قریشی۔ رسالہ "ہمایوں"

اپریل ۱۹۵۳ء)

سید رحمت اللہ شاہ کے نام

لاہور

۲۰ اکتوبر ۲۵ء

ڈیر شاہ صاحب، السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت[1]۔ دیوانِ طرزی[2]، بڑی خوشی سے بھیج دیجئے گا جس کے لیے میں آپ کا شکر گذار ہوں۔

---

[1] علامہ قلم برداشتہ اور تیز لکھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ کہیں کہیں کوئی لفظ چھوٹ جاتا تھا یہاں "خیریت" کے بعد لفظ "ہے" رہ گیا ہے۔

[2] "دیوانِ طرزی" مکتوب الیہ کے ایک مرید غلام سرور مغل کا فارسی دیوان تھا جو فارسی کے علاوہ اردو اور سندھی میں بھی شعر کہتے تھے۔ وہ خان بہادر رسول بخش سابق ڈپٹی کلکٹر حکومت سندھ و نائب وزیر ریاست خیرپور کے فرزند تھے۔ ۲۴ فروری ۱۹۵۷ء کو لاڑکانہ میں فوت ہو گئے جہاں والد کی وفات کے بعد انھوں نے مستقلاً رہائش اختیار کر لی تھی۔

(رفیع الدین ہاشمی)

آپ کے دوست[1] کا خط میرے نام آیا تھا مگر وہ خط بد قسمتی سے گم ہو گیا اور پتہ مجھے یاد نہ تھا۔ اس واسطے میں ان کو خط کا جواب نہ دے سکا۔ میری طرف سے معذرت کر دیجئے گا امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(خطوط اقبال)

اے۔ آر۔ چنگیز[2] کے نام

لاہور

۱۲ اکتوبر ۱۹۲۵ء

ڈیر مسٹر چنگیز،

آپ کے خط کا شکریہ جو مجھے کل موصول ہوا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں ہنوز آپ کے خط کے نفس مضمون کے متعلق اپنی رائے یا جذبہ کے اظہار سے قاصر ہوں۔ لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ کچھ عرصہ قبل میں نے بھی اس قسم کی ایک تنظیم بعینہٖ ان ہی خطوط پر شروع کی تھی جو آپ نے تجویز کئے ہیں۔ فی الحقیقت رواداری میں میں آپ سے کبھی

---

[1] دوست سے مراد ہیں غلام سرور مغل

(رفیع الدین ہاشمی)

[2] یہ خط اے۔ آر۔ چنگیز کے نام ہے جو اس وقت مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طالب علم تھے اور بعد میں ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ برصغیر کے مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی مذہبی فرقہ پرستی سے دل گیر ہو کر چنگیز نے ایک ایسی تنظیم قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا جو اس خطرناک رجحان کا سدّباب کرے۔

(بشیر احمد ڈار)

سبقت لے گیا تھا مگر چند وجوہ کی بنا پر جن کا اس خط میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہ تنظیم محض ایک پرائیویٹ ادارہ بن کر رہ گئی۔ بہرکیف یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ اسلام کے شعور کی گہرائیوں میں مسلمانوں کے مذہبی فرقوں کے اتحاد کا مطالبہ پرورش پا رہا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اس قسم کی تنظیم اس کے لیے راہ ہموار کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے لیکن مذہبی فرقوں کو متحد کرنا واقعی کسی عظیم ہستی کا کارنامہ ہوگا نہ کہ کسی تنظیم کا۔ اب ایسی تنظیم کی صدارت کے لیے کسی شخصیت کو ابھارنا ہوگا نہ کہ صرف انتخاب کرنا۔ یہی ایک وجہ تھی کہ ہماری تنظیم محض ایک پرائیویٹ ادارہ بن کر رہ گئی۔ بہرحال میں نے اپنی کوتاہی کا اندازہ کر لیا اور وہ جوش اور ولولہ باقی نہ رہا جو شروع میں اس کے لیے میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں نفاق اور افتراق اس لیے ہے کہ وہ سچی مذہبی زندگی کے سرچشموں سے دور جا پڑے ہیں۔ فی الحال میں اپنے آپ کو اس تحریک کی قیادت کے لیے موزوں نہیں سمجھتا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس قسم کا کام بالآخر مجھے ہی سرانجام دینا پڑے۔ مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے۔ مگر میری درخواست ہے کہ کم از کم فی الحال مجھے صدارت سے معاف رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ تنظیم آپ کی ذاتی دوستی کا نتیجہ نہیں ہے (اس بے رحمانہ نفسیاتی اشارہ کے لیے معذرت) بلکہ ایک زندہ روحانی مشاہدہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ضرورت ہو تو میں ہر مشورہ کے لیے حاضر ہوں۔

آپ کا

محمد اقبال

(لیٹرز اینڈ رائٹنگز آف اقبال) (انگریزی سے)

سیّد رحمت اللہ شاہ کے نام

جناب شاہ صاحب، السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ دیوان طرزی، بھی موصول ہو گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔

غلام سرور[1] کے حالات معلوم کر کے مجھے بہت افسوس ہوا، گو تعجب نہیں ہوا، اسی اندیشے کی وجہ سے میں نے آپ کو اسے لاہور میں رکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا۔

بہر حال اب دعا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فضل و کرم کرے۔ میں انشاء اللہ اس کے لیے دعا کروں گا۔ اگر چہ میں کیا اور میری دعا کیا۔ تاہم چونکہ اس دعا میں غرض کا شائبہ نہ ہو گا۔ اس واسطے ممکن ہے درگاہِ رب العزّت میں قبول ہو جائے۔ فی الحال آپ اُسے میری طرف سے کہیے یا لکھیے کہ وہ اپنے موجودہ طرزِ زندگی کو ترک کر دے کہ اس کا انجام تباہی ہے۔ اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے خمیر میں لذتِ سرور کے تمام سامان موجود ہیں تو کبھی بیرونی لذتوں کی تلاش میں سرگرداں نہ ہو۔ مگر آہ! جوانی میں انسان کی نظر خارجی دنیا کی چیزوں پر پڑتی ہے اور وقت گذر جاتا ہے اور اکثر انسانوں کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ ایک گرانمایہ متاع کھو چکے ہیں۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

۳ نومبر ۱۹۲۵ء

(خطوط اقبال)

---

[1] غلام سرور طبعاً آرام پسند اور رئیسانہ زندگی کے عادی تھے۔ مکتوب الیہ نے ان کے مفصل حالات علامہ کو لکھ بھیجے۔ جواباً علامہ نے اظہارِ تاسف کے ساتھ غلام سرور کے لیے دعا فرمائی۔

(رفیع الدین ہاشمی)

وصل بلگرامی کے نام[1]

لاہور

۱۸ نومبر ۱۹۲۵ء

مخدومی، تسلیم

یہ ایک شعر حاضر ہے۔ معلوم نہیں سرورق کے لیے موزوں ہوگا یا نہیں۔

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشۂ دارد[2]

شگافد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است

مخلص

محمد اقبال

(انوار اقبال)

---

[1] وصل بلگرامی "مرقع" (لکھنو) کے مدیر تھے جو ۱۹۲۶ء میں شروع ہوا اور کوئی ۳ سال تک جاری رہا۔ وصل بلگرامی نے اقبال سے فرمائش کی کہ وہ رسالے کے سرورق کے لیے کوئی مناسب شعر لکھ بھیجیں۔ اس کے جواب میں اقبال نے ایک شعر تجویز کیا جو وصل بلگرامی کو پسند نہ آیا اور انھوں نے ایک اور شعر کا مطالبہ کیا۔

[2] ترجمہ:۔ عشق کے پاس سروسامان نہیں ہے مگر تیشہ تو ہے۔ وہ پہاڑوں کا سینہ چیر دیتا ہے مگر خونِ پرویز سے پاک ہے۔)

(بشیر احمد ڈار)

سید مقبول حسین وصل بلگرامی پر تفصیلی نوٹ حواشی میں ملاحظہ ہو۔

(مؤلف)

وصل بلگرامی کے نام

مخدومی، تسلیم

گفتند دلآزار کہ پر بستہ نکوتر[1]
گفتم کہ ز بند دو جہاں رستہ نکوتر
گفتند ز خلوت کدۂ خویش بروں آ
گفتم شرر جستہ ز نا جستہ نکوتر
گفتند کہ دبارۂ او چیزے دگرے گو
گفتم چو گل از باد صبا خستہ نکوتر

دانت کے درد سے اب افاقہ ہے۔ ہمدردی کا شکریہ قبول فرمایئے ٹائیٹل پیج کے لیے شاید یہ شعر موزوں ہوں۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ[2]
عشق کارے ست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

مخلص

اقبال

نوٹ:۔ اس خط میں علامہ نے دو سر اشعار ارسال فرمایا وہ وصل بلگرامی کو پسند آگیا اور "مرقع" کے ہر شمارے کے سرورق پر چھپتا رہا۔

"ماہ نو" "اقبال نمبر" ۱۹۷۷ء (ص۔ ۳۵۰) میں اس خط کا سنہ تحریر ۱۹۲۵ء بتایا گیا ہے ہمارے خیال میں یہ خط نومبر/ دسمبر ۱۹۲۵ء کو لکھا گیا۔

صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ

"مرقع" سرورق کا عکس شامل کیا جا رہا ہے جو" انوار اقبال"(ص۔۱۷۵) سے لیا گیا ہے۔

(موئف)

[1] ترجمہ:۔ انھوں نے کہا کہ پرندے کا پر بستہ رہنا گویا قید قفس میں رکھنا زیادہ بہتر ہے کہ پھر عاشق کی دل (باقی اگلے صفحہ پر)

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند
(عطیہ علامہ سر اقبال)

دار الادب لکھنؤ کا مقبول و ہمہ جہان عزیز جریدہ
۱۳ء

مرتبہ
سید مقبول حسین وصل بلگرامی

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم

والا نامہ آج صبح ملا الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ آپ کے مساعی کا سپاس گذار ہوں۔ معلوم ہوتا ہے ملک برکت علی صاحب نے دست کشی کر لی ہے۔ اس واسطے مولوی عبدالحئی بلا مقابلہ[1] ہو گئے۔ خیر یار زندہ صحبت باقی۔

فاران دگرست کوہ سینا دگرست الخ۔ اس رباعی[2] کے الفاظ عشق و مستی سے لبریز ہیں اور آخر کا مصرع:

ساحل دگرست و عین دریا دگرست

(صفحۂ گذشتہ کا بقیہ) آزاری کے اسباب کم ہوں گے۔ میں نے کہا کہ ہر دو جہاں کی قید سے آزادی زیادہ بہتر ہے۔ انھوں نے کہا کہ تنہائی کے گوشہ سے باہر نکل آؤ۔ میں نے کہا کہ دہکتا ہوا شرارہ مردہ شرارہ سے زیادہ بہتر ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس (محبوب) کے بارے میں کچھ اور کہئے۔ میں نے کہا کہ وہ پھول بہتر ہے اس سے جو باد صبا سے کھلا جائے (گویا محبوب کے بارے میں ذکر راز کا راس کے EXPOSURE کے مترادف ہوگا جو ہوا سے پھول کے کھلانے کی طرح ہے)

[2] ترجمہ:۔ میں نے اس لیے نالہ کیا ہے کہ تو جاگ جائے ورنہ عشق تو وہ کاروبار ہے کہ جسے لوگ بغیر نالہ و فریاد کے بھی کرتے ہیں۔

[1] ملک برکت علی ایڈوکیٹ لاہور اور میاں عبدالحئی ایڈوکیٹ لدھیانہ امپیریل کونسل کی رکنیت کے لیے شہری حلقے سے امیدوار تھے۔ ملک صاحب نے میاں صاحب کے حق میں دست برداری دے دی۔ اس واسطے میاں عبدالحئی بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ یہ انتخابات غالباً ۱۹۲۵ء میں ہوئے تھے، اس لیے یہ خط انہی دنوں کا ہے۔ اس کے بعد میاں عبدالحئی سر سکندر حیات خاں اور ملک خضر حیات خاں کی وزارت میں وزیر تعلیم رہے۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۶ء کو ان کا انتقال ہوا۔

[2] جس رباعی کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بالخصوص پورا مے خانہ ہے۔ میں ایک مدت سے محروم ہوں۔ بہت دن ہو گئے میں نے گذشتہ گرما کے موسم میں چند اشعار لکھے تھے[1]:

ترا ناداں امید غم گساری ہا ز افرنگ است
دل شاہیں نسوزد بہر آں مرغے کہ در چنگ است
خودی را پردہ می گوئی؟ بگو! من با تو ایں گویم
مزن ایں پردہ را چاکے کہ داماں نگہ تنگ است

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) فاراں دگرست کوہ سینا دگرست
موسیٰ دگر و مثیل موسیٰ دگرست
در موسیٰ و مصطفٰی چہ رمز یست عجیب
ساحل دگر است عین دریا دگرست

(رباعیات گرامی، صفحہ ۱۵)

ترجمہ:- (فاراں اور ہے کوہ سینا اور ہے موسیٰ اور ہے موسیٰ جیسا اور ہے۔ موسیٰ اور مصطفٰی میں کیا عجیب رمز ہے۔ ساحل اور ہے عین دریا اور ہے)

[1] جس غزل کے دو شعر اقبال نے گرامی کے ملاحظہ کے لیے خط میں لکھے ہیں، وہ زبور عجم میں چھپ چکے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔

ترجمہ:- (ناداں تجھے فرنگیوں سے غم گساری کی توقع ہے۔ شاہین کا دل اس پرندے کے لیے نہیں پسیجتا ہے۔ جو اس کے چنگل میں ہو۔ تم خودی کو پردہ کہتے ہو، کہو! مگر میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اس پردے کو چاک مت کرو دامان نگہ بہت تنگ ہے)

(محمد عبداللہ قریشی)

سجاد حیدر یلدرم کے نام

ڈیر سجاد،

جلیل احمد صاحب کا اُن دل خوش کن الفاظ کے لیے، جو انھوں نے میرے متعلق لکھے ہیں، میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ آخر کے تین شعر اگر پسند نہ ہوں یا علی گڑھ کی فضا کے لیے موزوں نہ ہوں تو کاٹ دیجیے۔ والسلام

محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

نوٹ:۔ علامہ کے اشعار "علیگڑھ میگزین" میں ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئے۔ لہٰذا سجاد حیدر یلدرم کو یہ خط ۱۹۲۵ء ہی میں تحریر کیا گیا ہوگا۔

صابر کلوروی؛ مکاتیبِ اقبال کے ماخذ

یہ اشعار زبورِ عجم میں (غزل ۳۷) موجود ہیں۔ البتہ غزل کی ترتیب میں معمولی سا فرق ہے۔ شعر ۲ زبورِ عجم میں تیسرے نمبر پر ہے جب کہ شعر ۳ زبورِ عجم میں دوسرے نمبر پر۔ علامہ اقبال کی یہ غزل "علی گڑھ میگزین" (۱۹۲۵ء) میں جوں کی توں چھپی اور اس میں سے کوئی شعر قلم زد نہیں کیا گیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

اختر شیرانی کے نام

رسالہ "انتخاب" کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ یقین ہے کہ ترقی کرے گا۔

محمدؐ اقبال

(ماہ نو۔ اقبال نمبر۔ ستمبر ۱۹۷۷ء)

نوٹ:۔ اختر شیرانی نے اکتوبر ۱۹۲۵ء میں رسالہ "انتخاب" لاہور سے شائع کیا تو اس کا پہلا شمارہ علامہ اقبال کو بھی بھیجا۔ اس کے جواب میں اقبال نے مندرجہ بالا خط لکھا جو نومبر ۱۹۲۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔

(مضمون خدنگ جستہ از رئیس مینائی مشمولہ "ماہ نو اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء ص۔ ۲۲۲)

عبدالرحمٰن چغتائی کے نام

لاہور

۸ / جنوری ۳۶ء

ڈیر مسٹر عبدالرحمٰن!

افسوس ہے کہ لدھیانے سے کوئی تصویر یا آئینہ نہیں ملا۔ اس واسطے آپ مہربانی کرکے اسی تصویر سے انلارج[1] کریں اور اگر انلارج نہ ہو سکتی ہو تو وہ تصویر ماسٹر عبداللہ صاحب کے ہمدست ارسال فرمایئے کہ لدھیانے واپس بھیجی جائے۔

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

مولانا گرامی کے نام

ڈیر مولانا گرامی، السلام علیکم!

خط مع ریوڑی موصول ہوا، شکریہ قبول فرمایئے۔ نواب سراج الدین خاں صاحب سائل کے لیے میں کوشش کر رہا ہوں، ان سے اس کے متعلق میں نے استفسار بھی کیا ہے۔ ان کی بیگم صاحبہ کا خط بھی آیا تھا۔ میں کوشش کروں گا کہ مرزا عبدالرب لاہور تبدیل ہو جائیں۔ اس طرح آپ کو لاہور آنے میں سہولت رہے گی۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال لاہور

۲۶ جنوری ۳۶ء

---

[1] ENLARGE بڑا کرنا۔

ہاں رباعیاں نہایت شیریں ہیں اور باریک ۔ آپ کے ہر حرف میں ایک جہانِ معنی آباد ہوتا ہے ۔

یہ نود سالہ جوتشی کون ہیں ؟

محمدؐ اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

سیّد شوکت حسین کے نام[1]

مخدومی ، السلام علیکم

آپ کی نظم موصول ہوگئی ہے شکریہ قبول فرمائیے ۔ اسرارِ خودی اقبال کا قال ہے ۔ مگر ممکن ہے آپ کا حال ہو ۔ اگر ایسا ہو تو میرے لیے بھی دعا فرمائیے ۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور ۷ ، فروری ۱۹۲۶ء

(خطوطِ اقبال)

(عکس)

---

[1] سیّد شوکت حسین نے باون اشعار کی ایک فارسی نظم لکھی جس کا عنوان رکھا : " خطاب بہ اقبال "۔ ۱۹۲۵ء میں اسے مولوی مسعود علی ندوی نے مطبع معارف اعظم گڑھ سے بارہ صفحات کے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا ۔ اس میں علامہ اقبال کے فلسفۂ اشک ریزی پر نئے پہلو سے روشنی ڈالی گئی ۔

نظم کی اشاعت پر مولانا گرامی اور عزیز لکھنوی نے شوکت صاحب کو ان کے کمالِ فن پر داد دی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : اوراقِ گم گشتہ ص ۱۵۵) علامہ اقبال نے اپنا ردِ عمل مندرجہ بالا خط کی صورت میں ظاہر کیا ۔

(رفیع الدین ہاشمی)

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام

لاہور

۱۷؍فروری ۱۹۲۶ء

ڈیر مسٹر جمیل،

آپ کے خط کا شکریہ۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس وقت کوئی تصویر نہیں ہے مگر جب میں تصویر کھچواؤں گا تو آپ کو بخوشی بھیجوں گا۔

آپکا

محمد اقبال

(انگریزی سے) ("شاعر" اقبال نمبر۔ ۱۹۸۸ء - جلد اول)

(غیر مدون)

پروفیسر محمد شریف کے نام

مائی ڈیر شریف!

میں آپ کے سوالات کا جواب بہم پہنچانے سے قاصر ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دنیائے اسلام بالخصوص مصر و ایران میں INTELLECTUAL ACTIVITY[1] اور فلسفہ اب بھی دینیات کے ساتھ ساتھ زیر مطالعہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مکاتب میں جواب تک پرانی روش پر قائم ہیں مغربی فلسفہ پڑھایا جاتا ہے یا نہیں۔ فلسفۂ حال کی بعض کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ مثلاً نیٹشے کی ایک تصنیف کتاب الفجر کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ کسی شخص نے میسوپوٹیمیہ میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ابتک یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ جہاں تک

---

[1] دانشوری کی سرگرمیاں

مجھے علم ہے۔ علماء نے فکرِ اسلامی کو فلسفۂ عہدِ حاضر کی روشنی میں ازسرِ نو ترتیب دینے کی کوئی کوشش نہیں فرمائی۔ لیکن دنیائے اسلام کو جو حوادث پیش آ رہے ہیں، ان کی بناء پر یقین ہوتا ہے کہ اس طرف ضرور توجہ ہو گی۔ خلافت کی تنسیخ نے مصر کے بعض مفکرّین کو مسئلہ آئین پر قرآن کریم کے مطالعہ کی طرف راغب کیا ہے۔

جب اسلام کی سیاسی بے چینی دور ہو چکے گی تو فلسفیانہ مسائل بھی زیرِ بحث آئیں گے۔ معاف فرمائیے میں نے آپ کے خط کی پشت پر ہی جواب اس خیال سے لکھ دیا ہے کہ آپ اپنے سوالات کی طرف رجوع کرنا چاہیں گے۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)　　　　(اقبالنامہ)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۸ مارچ ۲۶ء

مخدومی۔ السلام علیکم

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہِ اسلامی کی ایک

نوٹ: ۱۔ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ لیکن یہ ۱۷ فروری کے خط کے جواب میں موصول ہوا تھا۔ (شیخ عطاء اللہ)

۲۔ بی۔ اے ڈار نے اس خط کی تاریخ ۲۷ اگست ۱۹۲۲ء لکھی ہے LETTERS OF IQBAL ص ۹۴۔ حالانکہ مرتب کی پہلی کتاب LETTERS AND WRITINGS OF IQBAL میں سنہ تحریر ۱۹۲۶ ہے

(صابر کلوروی: مکاتیبِ اقبال کے ماخذ، ص ۱۹۰)

مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اس مبحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گزری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے اور جن پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلیؒ زندہ ہوتے تو میں اُن سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کریگا میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا۔ مسلمانوں پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آرہا ہے جس کی ابتدا یورپ کی تاریخ میں لوتھر[1] کے عہد سے ہوئی۔ مگر چونکہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہیں ہے اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں۔ نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھرؔ نے مسیحیت کے لیے کیا کیا نتائج پیدا کیے۔ ہندوستان کی جمعیۃ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے۔ آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہیں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجئے۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیجیے تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو، میں نے سُنا ہے کہ البانیا کے مسلمانوں نے وضو اڑا دیا[2] ہے اور ممکن ہے کہ نمازمیں بھی کوئی ترمیم کی ہو۔ ٹرکی کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے[3]۔ مصر میں یہ تحریک جاری[4] ہے اور عنقریب ایران اور افغانستان میں بھی اس کا ظہور ہوگا۔ ایران کو وہابیت سے اندیشہ ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اسمٰعیلی تحریک کہیں پھر زندہ تو نہیں ہو رہی۔

---

[1] (MARTIN) LUTHER

[2] یہ خبر غلط تھی۔

[3] ٹرکی میں نماز میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔

[4] یہ خبر بھی بے اصل ہے۔ (شیخ عطاء اللہ)

ایک قدیم اسلامی اصطلاح ہے ''صوت الحیٰ'' شاید اس کا مفہوم قبیلہ کی آواز ہے کیونکہ اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی خاص مذہبی شخصیت نہیں جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک رستہ پر لگائے غرضکہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو راہنمائی کی سخت ضرورت ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علمار اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہیں سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے ہاں دماغی اعتبار سے اُن کے لیے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔

دیگر امر دریافت طلب یہ ہے کہ کیا آیۂ توریث میں حصص بھی ازلی ابدی ہیں[1] یا قاعدۂ توریث میں جو اصول مضمر ہے صرف وہی ناقابلِ تبدیل ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے[2] ؟ آیۂ وصیت کے متعلق بھی یہی سوال ہے[3]۔ اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ جب فرصت ملے جزئیات سے بھی آگاہ فرمائیے۔ اس احسان کے لیے ہمیشہ شکرگزار رہوں گا۔ بعض خیالات زمانۂ حال کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا نتیجہ ہیں۔ ان کے ادا کرنے کے لیے قدیم فارسی اسلوبِ بیان سے مدد نہیں ملتی، بعض تاثرات کے اظہار کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آتے، اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑتی ہے جو ضرور ہے کہ اہلِ زبان کو ناگوار ہو کہ دل و دماغ اس سے مانوس نہیں ہیں۔ بعض اشعار کے لکھنے میں تو مجھے اس قدر رُوحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کاش چند روز کے لیے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

مخلص، محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

---

[1] بیشک۔ [2] کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

[3] اس خط کا عکس ہمیں نامکمل ملا ہے اور اس عبارت سے آخر تک کا عکس دستیاب نہیں ہے۔

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۷، اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں، اور یہ آخری خط بھی جونہایت معنی خیز ہے اور جس کے مضمون سے مجھے بحیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے محفوظ رہے گا۔عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیشِ نظر نہیں ہے، بلکہ مَیں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی ازلیت وابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ہاں معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں اس ضمن میں چونکہ شریعتِ احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا، اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ زمانہ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے۔یونان کا فلسفہ ایک زمانے میں انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا۔ مگر جب مسلمانوں میں تنقید کا مادّہ پیدا ہوا تو انہوں نے اسی فلسفے کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس عصر میں معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے قاعدۂ میراث کے حصص کے متعلق مَیں نے مضمون اجتہاد میں یہی طریق اختیار کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا حصّہ ملنا عین انصاف ہے۔مساوی حصّہ ملنے سے انصاف قائم نہیں رہتا ہے۔ بحث کا محرک ترکی شاعر ضیا بک کی بعض تحریریں تھیں جن میں وہ اسلامی طلاق اور میراث کا ذکر کرتا ہے۔میں نے جو حصص کے متعلق آپ سے دریافت کیا تھا اُس کا مقصد یہ نہ تھا کہ میں ان حصص میں ترمیم چاہتا ہُوں۔ بلکہ خیال یہ تھا کہ شاید ان حصص کی ازلیت وابدیت پر آپ کوئی روشنی ڈالیں گے میرے

نزدیک اقوام کی زندگی میں 'قدیم' ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ "جدید" بلکہ میرا ذاتی میلان 'قدیم' کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علومِ اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے "معنوی استیلا" کا اندیشہ ہے، جس کا سدِّ باب ضروری ہے میرا ایک مدّت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالکِ اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجب کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں 'ندوہ' علی گڑھ سے زیادہ کار آمد ثابت ہو، آپ کے خط کے آخری حصّے سے ایک اور سوال میرے دل میں پیدا ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قرآن کی کسی مقرر کردہ حد (مثلاً سرقہ کی حد) کو ترک[1] کر دے اور اس کی جگہ کوئی اور حد مقرر کر دے اور اس اختیار کی بنا کون سی آیتِ قرآنی ہے؟ حضرت عمرؓ نے طلاق کے متعلق جو مجلس[2] قائم کی ہے۔ اس کا اختیار ان کو شرعاً حاصل تھا[3]۔ میں اس اختیار کی اساس معلوم کرنا چاہتا ہوں، زمانۂ حال کی زبان

---

[1] ترک کر دے کا لفظ صحیح نہیں، ملتوی کر دے صحیح ہے۔ جیسے میدانِ جنگ میں جب اسلامی فوج دارالحرب میں یا دارالحرب سے قریب ہو حدود بمصالح ملتوی کر دیے جاتے ہیں۔

[2] میری عبارت کے سمجھنے میں یا اقبال نے خود اپنے مطلب کی تعبیر میں غلطی کی ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے ایک مجلس یعنی ایک ہی نشست میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو تین قرار دیا۔ بات یہ تھی۔

[3] حنفیہ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم کا کوئی حکم معلوم ہوتا جس کی اشاعت عہد اول میں نہیں ہو سکی تھی اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں کی۔ حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تعزیراً ایسا کیا تھا اور امام کو تعزیراً ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

(شیخ عطاء اللہ)

سے یُوں کہیئے کہ آیا اسلامی کانسٹی ٹیوشن اُن کو ایسا اختیار دیتی تھی ؟ 'امام' ایک شخص واحد ہے یا جماعت بھی 'امام' کے قائم مقام ہوسکتی ہے، ہر اسلامی ملک کے لیے اپنا امام ہو، مؤخر الذکر صُورت موجودہ فرقِ اسلامیہ کی موجودگی میں کیونکر بروئے کار آسکتی ہے ؟ مہربانی کرکے ان سوالات پر روشنی ڈالیے، لقب 'امام' سے بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہوجاتا ہے بشرطیکہ اس کو وہ اختیارات شرعاً حاصل ہوں جن کا اشارہ آپ نے کیا ہے[1]۔

ترجمہ جو آپ نے ارسال کیا ہے افسوس ہے کہ وہ معارف کے قابل نہیں ہے۔ میں نے یہ مضمون ان طلبا کے لیے لکھا تھا جو اضافیت سے کسی قدر آشنا تھے اس واسطے مختصر لکھا، مفصل لکھنے کے لیے نہ وقت تھا نہ ضرورت، غالباً ایسے ریڈر کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا جو فلسفہ کے بعض مسائل اور نظریۂ اضافیہ سے آشنا نہیں ہے۔ بہرحال مَیں نے ایک صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس کا اُردو ترجمہ معارف کے لیے کریں، وہ ترجمہ کریں گے پھر مَیں اُسے دیکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ جامعہ کا ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ قادیانیوں نے بھی ایک ترجمہ اس مضمون کا کیا تھا، مگر وہ بھی غلط تھا۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ خدا تعالیٰ آپ کو اطمینان عطا فرمائے، کہ آپ کا اطمینان اور خانگی پریشانیوں سے آزادی ہم سب کے لیے ازبس ضروری ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] میں نے ان کو لکھا تھا کہ مسائل فقہ میں ترجیح اور بعض میں التوایا اجرائے تعزیر مفتیوں کا نہیں بلکہ امام کا حق ہے۔

(شیخ عطاء اللہ)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۴ ر اپریل ۲۶ء

مخدومی - السلام علیکم -

آپ اپنے نوازش نامہ کی طوالت کے لیے عذر خواہی کرتے ہیں، مگر میرے لیے یہ طویل خط باعثِ خیر و برکت ہے - اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے - میں نے اسے کئی دفعہ پڑھا ہے اور گذشتہ رات چودھری غلام رسول مہر سے بھی پڑھوا کر سُنا اور احباب بھی اس مجلس میں شریک تھے - اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کرسکتا - فی الحال انشاء اللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا -

مضمون اجتہاد کی تکمیل کے بعد حافظ ابنِ قیم کی کتاب طرق الحکمیہ اور اس کے بعد المقابلات پر جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے لکھنے کا ارادہ ہے - شریعتِ احادیث کے متعلق جو کھٹک میرے دل میں تھی[1] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احادیث سرے سے بیکار ہیں ان میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی تمام ترقی و تعالیٰ کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی - مثلاً ملکیتِ شاملات دہ کے متعلق المراعی للہ ورسولہ[2] (بخاری) اس حدیث کا ذکر میں نے مضمون اجتہاد میں بھی کیا ہے بہرحال چند امور اور دریافت طلب ہیں اگرچہ آپ اس وقت سفر حجاز کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے تاہم مجھے یقین ہے کہ آپ ازراہِ عنایت میرے سوالات پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے[3]

---

[1] میں نے ان کو اس کا تسلی بخش جواب لکھ کر بھیجا تھا -

[2] ترجمہ : چراگاہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے -

[3] ان تمام امور کے جواب سیرۃ النبی، جلد چہارم کے مقدمہ میں مذکور ہیں - مختصراً جواب یہاں بھی حوالۂ قلم ہیں - (شیخ عطاء اللہ)

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی دو حیثیتیں ہیں نبوّت اور امامت۔ نبوت میں احکام قرآنی اور آیاتِ قرآنی سے حضور کے استنباط داخل ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور کے استنباط یا اجتہاد کی بنا محض عقلِ بشری اور تجربہ و مشاہدہ ہے یا یہ بھی وحی میں داخل ہے۔ اگر وحی میں داخل ہے تو اس پر آپ کیا دلیل قائم کرتے ہیں[1]؟ میں خود اس کے لیے دلیل رکھتا ہوں مگر میں اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ اور آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ وحی غیر متلو کی تعریف نفسیاتی اعتبار سے کیا ہے؟ کیا وحیِ متلو اور غیر متلو کے امتیاز کا پتہ رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک میں چلتا ہے یا یہ اصطلاحات بعد میں وضع کی گئیں[2]؟

۲۔ حضور نے اذان کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا۔ کیا یہ مشورہ نبوّت کے تحت میں آئے گا یا امامت کے تحت میں[3]۔

۳۔ فقہاء کے نزدیک خاوند کو جو حق اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہے وہ بیوی کو یا اُس کے کسی خویش یا کسی اور آدمی کے حوالے کیا جا سکتا ہے اس مسئلہ کی بنا

---

[1] اجتہادِ نبویؐ کی بنیاد عقلِ بشری اور تجربہ و مشاہدہ پر نہیں، بلکہ عقلِ نبوی کا نتیجہ ہے جو عقل بشری سے مافوق ہے اور جس میں عقلِ بشری و تجربہ و مشاہدہ کو دخل نہیں؛ اور نبی کی ہر غلطی کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ پس اجتہادِ نبویؐ کے نتائج بھی اگر غلط ہوتے تو اللہ تعالیٰ اصلاح فرماتا جیسا کہ چار پانچ مقام پر اصلاح فرما دیا ہے۔ پس جب بقیہ اجتہاداتِ نبویؐ کی اصلاح نہیں فرمائی تو تقریراً وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح قرار دیے گئے۔ اور اس لیے وہ واجب القبول ہیں۔

[2] اصطلاح بعد میں پیدا ہوئی۔

[3] آنحضرتؐ کو بعض روایات کے رُو سے خود بھی اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کی تعلیم دی تھی اور دوسرے صحابہ نے بھی خواب میں دیکھا تھا، البتہ اس باب میں صحابہ سے مشورہ کرنا باب امامت سے تھا نہ کہ نبوت سے کہ احکامِ نبوت میں مشورہ نہیں۔

(شیخ عطاء اللہ)

کوئی آیتِ قرآنی ہے یا حدیث[۱]؟

۴۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دو سال بعد بھی اگر بچّہ پیدا ہوا تو قیاس اس بچّہ کے ولدالحرام ہونے پر نہیں کیا جاسکتا اس مسئلہ کی اساس[۲] کیا ہے؟ کیا یہ اصول محض ایک قاعدۂ شہادت ہے یا جزوِ قانون ہے۔ اس سوال کے پُوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروجہ ایکٹ شہادت کی رُو سے تمام وہ قواعد شہادت جو اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے ملک میں مروّج تھے منسُوخ کیے گئے۔ ہندوستان کی عدالتوں نے مذکورہ بالا اصول کو قاعدۂ شہادت قرار دے کر منسُوخ کر دیا۔ نتیجہ اس کا بعض مقدمات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان بچّہ جو فقہ اسلامی کے رُو سے ولد الحلال ہے ایکٹ شہادت کی رُو سے ولدالحرام قرار دیا جاتا ہے۔ ایکٹ شہادت میں اور بھی باتیں ہیں جن کا ذکر اُس مضمون میں کرنے کا ارادہ ہے جو میں حافظ ابن قیمؒ کے فلسفۂ شہادت پر لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ اس تکلیف دہی کے لیے مجھے معاف فرمائیں گے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل پُورا مطمئن ہے یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کرے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا فرنیسی خوب بولتا تھا مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے

---

[۱] تصریح تو احادیث میں ہے مگر قرآنِ پاک سے استنباط ممکن ہے۔

[۲] اس کی اساس ایک تو حضرت عائشہؓ کا قول ہے جو دارقطنی میں ہے۔ دوسرے طبّی تجربہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اکثر مدتِ حمل چار برس ہے۔ (ہدایہ)

(شیخ عطاء اللہ)

ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔
اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمد اقبال

(عکس)
(اقبالنامہ)

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق

اودھ پنچ کا مضمون "بیمارانِ لکھنو" کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا۔ بہرحال موجودہ لٹریری مذاق کی حالت قابلِ ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک[1] کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اُردو زبان میں کر رہا ہے۔ والسلام

محمد اقبال
۵ رمئی ۱۹۲۶ء
(انوارِ اقبال)

---

[1] ذخیرۃ الملوک امیر کبیر سید علی ہمدانی کی مشہور تصنیف ہے۔ جاوید نامہ میں اقبال نے انہیں شاہ ہمدان کے نام سے پکارا ہے۔

نوٹ: اقبال کا یہ خط نظام الدین ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر پولیس جموں کے اس اشتہار پر تحریر ہے جس میں ۱۳ کتب کے قلمی نسخے (بشمول ذخیرۃ الملوک) طبع کرانے کا اعلان کیا گیا تھا۔
(بشیر احمد ڈار)

شیخ اکرام الحق سلیم کے نام

جناب من، جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے آپ کا مسوّدہ علامہ موصوف کی خدمت میں واپس بھیج دیا تھا مگر ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو۔ تلاش کروں گا اگر مل گیا تو بھیج دیا جائے گا۔ والسلام۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

۱۱ مئی [illegible]ء

(مخطوط اقبال) (عکس)

۱۔ شیخ اکرام الحق سلیم، ملتان کے رہنے والے تھے۔ عرصۂ دراز تک سول سروس میں رہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کے ایک انگریزی مضمون SELF IN THE LIGHT OF RELATIVITY (مطبوعہ کریسنٹ، اسلامیہ کالج لاہور، ۱۹۲۵ء) کا اردو ترجمہ کیا اور "معارف" کو اشاعت کے لیے ارسال کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے مضمون اقبال کو بھیج دیا تاکہ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیں۔ خاصا عرصہ گزر گیا۔ مضمون شائع نہ ہوا اور مترجم کو معلوم ہوا کہ مضمون ملاحظے کے لیے علامہ اقبال کو بھیجا گیا ہے تو انہوں نے علامہ سے استفسار کیا۔ جواباً علامہ نے مندرجہ بالا مکتوب روانہ کیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

منشی رام پرشاد کے نام[1]

جناب من، تسلیم

آپ کی کتاب دل چسپ ہے اور بہت لوگوں کی معلومات میں اضافہ کرے گی۔

محمد اقبال، لاہور

۲۸ ، جون ۱۹۲۶ء

(خطوطِ اقبال)

میاں عبدالعزیز کے نام

لاہور

۳ ، اگست ۱۹۲۶

ڈیر عبدالعزیز،

میں آپ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ رات مجھے معلوم ہوا کہ آپ کشمیر کے لیے روانہ ہوگئے ہیں۔ کیا آپ نے اپنے دوستوں سے صورتحال پر گفتگو کی؟ اگر نہیں کی تو میرا خیال ہے آپ ان کو خط لکھ دیں خصوصاً مہر اللہ دتا، میاں عمر دین اور شیخ عطاء اللہ اور دیگر حضرات کو جنہیں آپ موزوں سمجھتے ہیں۔ یقیناً ابھی کافی وقت ہے تاہم میری رائے میں جو تھوڑا بہت بن پڑتا ہے وہ ہم آپ کی

---

[1] منشی رام پرشاد بی اے، گورنمنٹ ہائی اسکول گونڈہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ انہوں نے "ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور اُن کی جغرافیائی کیفیت" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور علامہ اقبال کی خدمت میں بھیج کر اس پر رائے طلب کی۔ جواباً علامہ نے مندرجہ بالا مکتوب ارسال فرمایا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

کشمیر سے واپسی تک کر رکھیں تو بہتر ہوگا۔ غالب گمان یہ ہے کہ کوئی ہماری مخالفت کے لیے کھڑا نہیں ہوگا۔ مگر ہمیں اپنی والی احتیاط لازم ہے۔

اس اُمید کے ساتھ کہ آپ اچھے ہیں اور مسرت انگیز وادیٔ کشمیر کی پاک و شفاف ہوا کے لطف اُٹھا رہے ہیں۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

براہِ کرم میرا سلام سر محمد شفیع اور سر شاہ نواز سے کہیے۔ اگر آپ کی ان سے ملاقات ہو جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ لیڈی شفیع اب اچھی ہوں گی۔

محمد اقبال

(انگریزی سے) (نوادر)

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر صاحب۔

آپ کے پاس راغب اصفہانی کی مفردات ہو تو چند روز کے لیے بھیج دیجئے یا خود لے کر آئیے۔ لفظ "سلطان" اور "شان" جو سورۃ الرحمان میں واقع ہوئے ہیں ان کے معانی دیکھنا مطلوب ہیں۔ والسلام

محمد اقبال بیرسٹر، لاہور
۵، اگست ۱۹۲۶ء

(عکس) (اقبال نامہ)

حکیم خواجہ شمس الدین کے نام[1]

جنابِ من۔ تسلیم

آپ کا رسالہ "عربی طب" نہایت دل چسپ ہے۔

---

[1] اگلے صفحہ پر دیکھیں

ڈیر ڈاکٹر صاحب،

آپ کے پاس راغب اصفہانی کی مفردات ہو
تو چند روز کے لیے بھیجیے یا خود لے کر آئیے
لفظ سلطان اور شواظ جو سورہ الرحمن میں واقع ہوئے ہیں
ان کے معانی دیکھ کر مطلع کیجیے۔

محمد اقبال
بیرسٹر لاہور

۲۶ اگست ۳۰ء

اسلامی دنیا میں آج تک کسی نے اسلامی[۲] طب کی تاریخ کی طرف توجہ نہیں کی۔ یورپی زبانوں میں اس مضمون پر متعدد کتابیں موجود ہیں۔ انگریزی میں پروفیسر براون مرحوم کے چار لیکچر جو انھوں نے عربی طب پر دیے تھے اور جو ان کی زندگی میں ہی شائع ہو گئے تھے بہت دل چسپ ہیں۔ میرے نزدیک تحقیق طلب بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے طب اور دیگر علوم میں کہاں تک تجربہ اور مشاہدہ سے کام لیا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

لاہور ۲۲ راگست ۲۶ء

(غیر مطبوعہ)
(عکس)

مولوی احمد علی شاؔب کے نام

جناب من! تسلیم

اس خدمت سے معاف فرمائیے کہ میں بہت عدیم الفرصت ہوں

(گذشتہ سے پیوستہ)

(الف) حکیم خواجہ شمس الدین لکھنؤ کے نہ صرف ایک نامور حاذق طبیب تھے بلکہ علوم دین اور اُردو ادب کے بھی ایک قدآور شخصیت تھے۔ انہیں شفاء الملک کا خطاب بھی ملا تھا۔

(ب) یہ خط جناب وجاہت علی سندیلوی صاحب ایڈوکیٹ نے اپنے داماد جناب خواجہ انور الدین سے حاصل کر کے مرحمت فرمایا ہے۔ خواجہ انور الدین حکیم خواجہ شمس الدین کے حقیقی بھتیجہ ہیں۔

۲۔ علامہ اقبال کو اسلامی طب سے نہ صرف دلچسپی تھی بلکہ اس کے متعلق ان کی معلومات کافی وسیع تھیں۔

اس کے علاوہ دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے فرصت کے اوقات کے لیے شاعری سے بہتر مصرف تلاش کریں۔ اگر اُردو کی خدمت کا شوق ہے تو اس وقت نظم سے زیادہ نثر کی ضرورت ہے۔[1]

خادم
محمد اقبال

(اقبالنامہ)

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر صاحب ۔ السلام علیکم

اگر آپ کے پاس ہندوستانی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کا کوئی چھپا ہوا مجموعہ ہو تو ایک دو روز کے لیے مرحمت کیجئے۔ میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا کوئی مجموعہ نہ ہو تو چند مشہور تصاویر کے نام ہی سہی۔ ان کے ساتھ ان کا مضمون بھی ہونا ضروری ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی مصور بالعموم کیسے مضامین اپنے فن کی نمائش کے لیے انتخاب کرتے ہیں۔

بنگال اسکول کی تصاویر کے نام خاص کر چاہیئے۔ اس کے علاوہ نقلوں کے آرٹ پر اگر کوئی کتاب ہو تو وہ بھی ساتھ لائیے۔ والسلام

محمد اقبال
۷ ستمبر ۳۶ء
لاہور

(اقبالنامہ) (عکس)

---

[1] مکتوب الیہ نے ایک نظم ۱۳ اگست ۱۹۳۶ء کو اصلاح کے لیے ارسال فرمائی تھی۔
(شیخ عطاء اللہ)

میاں عبدالعزیز کے نام

لاہور
۲۷ ستمبر ۱۹۲۶ء

مائی ڈیر عبدالعزیز
کیا آپ مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے مل سکتے ہیں؟

آپ کا
محمد اقبال

(انگریزی سے) (نوادر)

ایڈیٹر 'زمیندار' کے نام[1]

جناب ایڈیٹر صاحب 'زمیندار'
السلام علیکم!
آج آپ کے پرچے میں یہ خبر پڑھ کر کہ ملک محمد حسین صاحب صدر بلدیہ

---

[1] نومبر ۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل (مجلس قانون ساز پنجاب) کا انتخاب ہونے والا تھا۔ علامہ اقبال طبعاً سیاسی سرگرمیوں اور ہنگاموں سے چنداں دلچسپی نہ رکھتے تھے تاہم دوستوں اور مداحوں کے اصرار پر انہیں انتخاب میں حصہ لینا پڑا۔ اُن کے مداح دوست چاہتے تھے کہ وہ بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو جائیں مگر تین حضرات (میاں عبدالعزیز، ملک محمد حسین اور خان بہادر ملک محمد دین) اُن کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ دوستوں کے سمجھانے بجھانے پر میاں عبدالعزیز نے اپنا نام واپس لے لیا، بعدازاں بلدیہ کے صدر ملک محمد حسین بھی علامہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ ان کا اعلان دستبرداری ۳ ر اکتوبر کے "زمیندار" میں شائع ہوا تو علامہ موصوف نے مندرجہ بالا مکتوب ایڈیٹر "زمیندار" کو بغرض اشاعت ارسال کیا۔

لاہور، پنجاب کونسل کی اُمیدواری سے میرے حق میں دستبردار ہو گئے ہیں، مجھے بہت مسرت ہوئی۔ میں ملک صاحب کی اس عنایت فرمائی کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں اور ان کے اس جذبے کو بے انتہا قابلِ تعریف سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں میں برادریوں کے افتراق کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے اور اتحادِ مسلمین کے مقصدِ عزیز کے لیے انتہائی ایثار سے کام لے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسی قسم کی دردمندی اور ایسے ہی ایثار کی توفیق بخشے[۱]

لاہور ۳؍ اکتوبر ۱۹۲۶ء

محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

مرزا محمد سعید کے نام[۲]

مائی ڈیر سعید[۳]

یہ ایم حمید خان کی معرفی[۴] کے لیے لکھ رہا ہوں جو جامعۂ عثمانیہ سے بی۔اے پاس کر چکے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اُن کے لیے جو کچھ بھی ممکن ہوا کریں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(خطوطِ اقبال)

۱۔ خان بہادر ملک محمد دین بیرسٹرایٹ لا آخروقت تک مقابلے پر ڈٹے رہے۔ ان کا تعلق ارائیں برادری سے تھا بعض نمایاں اصحاب مثلاً ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولوی محرم علی چشتی نے بھی اقبال کے خلاف کام کیا مگر علامہ موصوف بفضلہ تعالیٰ خان بہادر کو تین ہزار دوسَو کی اکثریت سے شکست دے کر ۲۳؍ نومبر ۱۹۲۶ء کو مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہو گئے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

۲۔ اس مکتوب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے پروفیسر حمید احمد خان لکھتے ہیں: "میں پہلی مرتبہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایڈیٹر 'زمیندار' کے نام

جن بے شمار احباب نے پنجاب کونسل کی ممبری میں میری کامیابی پر مبارکباد کے تار اور خطوط ارسال فرمائے ہیں، ان کا فرداً فرداً جواب دینا

(گذشتہ سے پیوستہ)

بطور خاص علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس حاضری کی تحریک ایک ذاتی ضرورت سے ہوئی۔ میں نے بی اے کی سند حیدر آباد دکن کی جامعۂ عثمانیہ سے لی تھی۔ اور اس کے بعد ایم اے کے لیے لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن وقت یہ تھی کہ پنجاب یونیورسٹی اس وقت عثمانیہ یونیورسٹی کی ڈگریوں کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ تاہم میں مایوس نہیں تھا .... میں نے سر اکبر حیدری سے سفارش کے دو خط لیے ایک سر محمد شفیع مرحوم کے نام اور دوسرا مسٹر عبداللہ یوسفی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے نام اور ...... لاہور آ پہنچا

"اب میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ خیال میرے دل میں کیوں آیا .... کہ اس سلسلے میں علامہ اقبال کی مدد حاصل کروں۔ بہر حال اتنا بخوبی یاد ہے کہ ..... علامہ مرحوم کی خدمت میں جا پہنچا۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد خود ہی اپنا تعارف کرایا اور اپنا مطلب گوش گزار کیا۔ انہوں نے مجھے سمجھایا کہ جو طریق کار تم نے اختیار کیا ہے وہ غلط ہے .... میں نے اپنے حق میں بہت سی تاویلیں پیش کیں .... اور اصرار کیا کہ گورنمنٹ کالج کے کسی پروفیسر کے نام مجھے تعارف کا ایک خط دے دیجئے ..... یہ درخواست انہوں نے فوراً منظور فرمائی اور میرے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہاتھ سے ایک مختصر سی چٹھی پروفیسر مرزا محمد سعید کے نام مجھے لکھ دی۔

؎ پروفیسر مرزا محمد سعید دہلوی۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے مشہور استاد اور علامہ کے ہمعصر — پیدائش ۱۸۸۶ء۔ (صابر کلوروی۔ اقبال کے ہم نشین ص ۷۵)

؎ میں نے TO INTRODUCE کا ترجمہ "معرفی" کیا ہے کیونکہ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

میرے لیے بے انتہا مشکل ہے۔ اس لیے 'زمیندار' کی وساطت سے ان سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔[1]

محمد اقبال، لاہور
(گفتارِ اقبال)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۸؍ دسمبر ۲۶ء

سرکارِ والا تبار

خوبصورت کرسمس کارڈ (کے لیے) جس سے سرکار کی ملاقات بھی ہر سال ہو جاتی ہے اقبال سراپا سپاس ہے۔ مبارک باد کا تار تو بھیجا تھا مگر مفصل عریضہ لکھنے کی نوبت نہ آئی اس کی وجہ یہ کہ اب کے میں خود بھی اہلِ لاہور کے اصرار سے پنجاب کونسل کے الیکشن میں گرفتار تھا۔ الحمدللہ کہ تین ہزار کی مجارٹی سے کامیاب ہوا۔ اور اب فرصت پا کر یہ عریضہ سرکارِ والا کی خدمت میں لکھ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ سرکارِ والا کا تقرر حیدرآباد کے لیے بے انتہا برکات کا

(گذشتہ سے پیوستہ)

لے "معرفی" کا لفظ خود حضرت علامہ نے کئی جگہ استعمال کیا ہے مثلاً:

"یہ خط شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی، لکھنوی کی معرفی کے لیے لکھتا ہوں"۔ (شادِ اقبال : ۱۵۹)

"مجھے لکھا ہے کہ مہاراجہ پٹیالہ آنے والے ہیں میری معرفی کرا دیجیے۔" (شادِ اقبال : ص ۳۰)

"مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ان کو ایک معرفی نامہ دوں"۔ (شادِ اقبال : ۶۹)

(رفیع الدین ہاشمی)

[1] ۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو علامہ اقبال کی کامیابی کا اعلان ہوا۔ مختلف لوگوں نے مبارکباد

(باقی اگلے صفحہ پر)

باعث ہوگا۔ بلکہ میں تو اس بات کا امید وار ہوں کہ سرکار کا وجود باوجود ان تمام مشکلات کے ازالے کا باعث ہوگا جو اس وقت ہندوستانی رؤسا کو درپیش ہیں۔ اگر سرکار کے اثر و رسوخ کی وجہ سے چیمبر آف پرنسس ہندوستانی رؤسا اور سرکارِ انگریزی کے تعلقات کے مسئلے کو اپنا سوال بنا لے تو حیرت انگیز نتائج کے پیدا ہونے کی توقع ہے۔ رائل کمیشن ہندوستان میں عنقریب آنے والی ہے۔ اس مسئلے کی چھان بین کے لیے بین الاقوامی قانون جاننے والوں کی ایک جماعت تیار کرنی چاہیئے۔ جو کمیشن کے سامنے شہادت دینے والوں کو اس مسئلے کے مالہٗ وما علیہ میں پورے طور پر تیار کرے۔ اگر اس مسئلے میں اقبال کی ضرورت ہو تو وہ بھی اپنی بساط کے مطابق حاضر ہے۔ انشاء اللہ سرکار والا اُسے خدمت میں قاصر نہ پائیں گے۔ مگر یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے اس کی طرف فوری توجہ ہونا چاہیئے اور اس کے حل کا طریق بھی یہی ہے جو میں نے اُوپر عرض کیا۔ برار کے متعلق جو طریق اختیار کیا گیا تھا میری رائے ناقص میں صحیح نہ تھا۔ انشاء اللہ ملاقات ہوگی تو مفصل عرض کروں گا۔ امید کہ حضور والا مع متعلقین و متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

نیاز مند دیرینہ اقبال

(شاد اقبال)

(گزشتہ سے پیوستہ)

کے خطوط اور تار بھیجے۔ ان کے جواب میں آپ نے مندرجہ بالا الفاظ میں "زمیندار" کی وساطت سے ان کا شکریہ ادا کیا۔

۱ یہ خط "زمیندار" ۲۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔

(محمد رفیق افضل)

۳ MAJORITY اکثریت

میر حسن الدین احمد کے نام[1]

لاہور ۱۱ جنوری ۲۷ء

جناب من السلام علیکم

مجھے کوئی تامل نہیں آپ بلاتکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آچکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کا اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (انوار اقبال)

---

[1] یہ خط میر حسن الدین احمد کے نام ہے جنہوں نے اقبال کی کتاب DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA کا اُردو ترجمہ (فلسفہ عجم) کیا تھا۔ جو بعد کو تصدق حسین صاحب تاج نے شائع کیا۔ اس خط میں اسی ترجمہ کا ذکر ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

نوٹ: 'اقبال نامہ' حصہ دوم میں یہ خط تصدق حسین تاج کے نام ہے لیکن مکتوب الیہ اصل میں حسن الدین احمد تھے۔ تصدق حسین تاج پبلشر تھے۔

(صابر کلوروی : مکاتیب اقبال کے مآخذ)

مولانا گرامی کے نام

۱۳ جنوری ۲۶ء

ڈیر مولانا گرامی۔

آپ کا دستی خط ملا الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

لاہور ضرور تشریف لائیے ڈاکٹر محمد حسین یہاں ہیں اُن سے مشورہ آپ کی علالت کے متعلق کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ گلشن راز جدید بھی سُناؤں گا۔ محمود شبستریؒ[1] نے جن سوالات کا جواب گلشن راز میں دیا ہے انھیں سوالات پر میں نے زمانۂ حال کے مشاہدات و تجربات کے لحاظ سے نظر ڈالی ہے۔ اُمید کہ آپ اس سے محظوظ ہوں گے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

---

[1] محمود شبستری دورۂ ایلخانی کا مشہور صوفی شاعر ہے۔ ایک صحبت میں کسی نے ان سے کچھ سوالات کیے جن کا جواب انھوں نے مثنوی 'گلشن راز' میں دیا۔ 'گلشن راز' تصوف کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اقبال نے 'زبور عجم' کے ایک حصے میں زمانۂ حال کے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں 'گلشن راز' ہی کے سوالات کے جوابات دیے ہیں اور اس حصے کا نام "گلشن راز جدید" رکھا ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

محمود شبستری کا سوانحی خاکہ حواشی میں ملاحظہ ہو۔

(مولف)

محفوظ ہوں گے — باقی خدا کے فضل [illegible] خیریت

مخلص محمد اقبال

میر غلام بھیک نیرنگ کے نام

۲۰ جنوری ۱۹۲۷ء

چند احباب کی تجویز ہے کہ آئندہ سال لاہور میں یورپین مسلمانوں کی ایک کانفرنس کی جائے۔ جس کا خرچ قریباً تیس ہزار روپیہ ہوگا۔ آپ کی جمعیت اس میں کیا مدد کر سکے گی؟[۱]

میر غلام بھیک نیرنگ کے نام

لاہور
۲۴ جنوری ۱۹۲۷ء

ڈیئر میر صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ چندہ اس کانفرنس کے لیے انشاء اللہ ہو جائے گا۔ بڑے آدمیوں کی منت نہ کرنی پڑے گی۔ فی الحال تین آدمیوں نے آٹھ ہزار روپیہ جمع کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ باقی روپیہ بھی اس غرض کے لیے عام مسلمان دینے کو تیار ہو جائیں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ رقم مطلوبہ کا بہت بڑا حصہ غالباً لاہور ہی سے جمع کر لوں گا۔ بلکہ میرا ارادہ یہ ہے کہ جب تک رقم مطلوبہ کے وعدے پرائیوٹ طور پر ہو نہ جائیں اس کانفرنس کے متعلق کوئی اعلان نہ کیا جائے۔ یورپ اور امریکہ سے کم از کم آٹھ دس آدمیوں کو دعوت دی جائے گی باقی جو مسلمان یورپین ہندوستان میں موجود ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے گی۔

---

[۱] اس خط کا پورا متن دستیاب نہیں۔ خط کا یہ اقتباس "روح مکاتیب اقبال" (ص ۳۰۴) مرتبہ محمد عبداللہ قریشی سے لیا گیا ہے۔ (مؤلف)

آپ فی الحال اس فہرست کی تیاری میں مدد دیں اور اپنے احباب کو خطوط لکھ کر اُن کے مفصل پتے دریافت کریں۔ کم از کم سو یورپین مسلمان اس کانفرنس میں جمع ہو جائیں تو خوب ہو۔ کانفرنس کے اجلاسوں کے لیے ٹکٹ لگانے کا قصد ہے۔ آپ اپنے دوست سے کہیں کہ فی الحال یہ خیال کانفیڈنشل[۱] ہے۔ مسٹر پکتھال[۲] کو میں نے حیدر آباد خط لکھا تھا اُن کو اس خیال سے نہ معلوم کیوں ہمدردی نہیں۔ میں انگلستان سے خط و کتابت کر رہا ہوں۔

مخلص
محمد اقبال

اگر کچھ کمی چندے میں رہ گئی تو والیِ بھوپال سے مدد کی التجا کرنا بہتر ہوگا۔
محمد اقبال
(اقبالنامہ)

مولانا گرامی کے نام[۳]

لاہور ۳۱ جنوری ۲۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم
کئی دن ہوئے آپ کے خط کے جواب میں خط لکھا تھا۔ نہ آپ خود تشریف لائے نہ آپ کا خط پہنچا۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب سے آپ کی علالت کا ذکر میں نے کیا تھا۔ وہ آپ کے علاج کے لیے تیار ہیں۔ ضرورت ہوئی تو کسی اور ڈاکٹر

---

۱ صیغۂ راز میں CONFIDENTIAL

۲ MOHAMMAD MARMADUKE PICKTHALL مشہور نومسلم جن کا قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مستند سمجھا جاتا ہے۔ (مؤلف)

۳ (اگلے صفحہ پر دیکھیں)

سے بھی مشورہ کیا جائے گا آپ ضرور تشریف لائیں۔ بہت سے لوگ آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ ایک صاحب لال دین قیصر نام جو پنجابی کے شاعر اور آپ کے ہم قوم ہیں اور جو اس وقت یہاں میرے پاس بیٹھے ہیں ہر روز پوچھتے ہیں کہ آپ کب تشریف لائیں گے۔ علاوہ اس کے شیخ اصغر علی صاحب بھی گذشتہ رات پوچھتے تھے کہ آپ کو یہاں لاہور آئے ہوئے بہت مدت گذر گئی ہے لہٰذا اُمید ہے کہ اپنے علاج کی خاطر اور نیز مشتاقان زیارت کے خیال سے ضرور لاہور آئیے۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، دیرینہ ہم خیالوں کی صحبت میں جو دم گذر جائے غنیمت ہے۔

اس کے علاوہ یہ عرض ہے کہ میری کتاب "زبورِ عجم" ختم ہوگئی ہے۔ ایک دو روز تک کاتب کے ہاتھ میں جائے گی اور پندرہ دن کے اندر اندر شائع ہو جائے گی۔ اس کے چار حصے ہیں پہلے حصے میں انسان کا راز و نیاز خدا کے ساتھ دوسرے حصے میں آدم کے خیالات آدم کے متعلق۔ طرز دونوں کی غزلیات کے موافق یعنی الگ الگ غزل نما کرتے ہیں۔ تیسرے حصے میں مثنوی گلشن راز (محمود شبستری) کے سوالوں کے جواب ہیں۔ اس کا نام میں نے گلشن راز جدید تجویز کیا ہے۔ چوتھے حصے میں ایک

(گزشتہ سے پیوستہ)

۳۵ مولانا گرامی کے ذخیرے کا یہ آخری خط ہے۔ اس کے بعد کا کوئی خط نہیں مل سکا۔ علامہ اقبال نے لکھا تو ضرور ہوگا مگر وہ مولانا گرامی کی علالت کے دنوں میں اِدھر اُدھر ہوگیا ہوگا۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء کو مولانا اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، خط و کتابت کا یہ سلسلہ بند ہوگیا اور علامہ اقبال یہ کہہ کر رہ گئے:

بر مزارش پست تر کن پردہ ہای ساز را
تا نہ گردد خواب او آشفتہ از شور نوای

ترجمہ: اس کے مزار پر ساز کو دھیما کردو تاکہ شور سے اس کی نیند نہ اچٹ جائے۔

(محمد عبد اللہ قریشی)

۳۶ یہاں اقبال نے سہو قلم سے "چوتھے" کی جگہ "چھوتے" لکھ دیا ہے۔

(مرتب)

مثنوی ہے جس کا نام میں نے بندگی نامہ تجویز کیا ہے۔ مثنوی کا مضمون یہ ہے کہ غلامی کا اثر فنون لطیفہ مثلاً موسیقی و مصوری وغیرہ پہ کیا ہوتا ہے۔ کل مجموعے کا نام زبور عجم ہے۔ آپ ہر حصے کا کوئی موزوں و مناسب نام تجویز کریں تو عنایت ہو۔ میں نے مختصراً ہر حصے کا مضمون لکھ دیا ہے جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مقصود کیا ہے۔ خط کا جواب جلد آئے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

یہ مطلع کیسا ہے:

تو نہ دانی کہ نگاہے سر راہے چہ کند[1]
در حضور تو دعا گفتہ بہ راہ آمدہ ایم

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام گرامی)

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

۲۴ فروری ۲۷ء

جناب ماسٹر صاحب!

آپ کے چلے جانے کے بعد اس تصویر پر غور کرتا رہا۔ جس کے متعلق ہم دیر تک بحث کرتے رہے تھے۔ میری رائے میں شاید اس تصویر میں یورپ کی تصویر انٹروڈیوس[2]

۱۔ ترجمہ: تو نہیں جانتا کہ سر راہ تیری ایک نگاہ ڈال دینا کیا کام کر جاتی ہے۔
اسی کی بدولت ہم تیرے حضور میں دعا کرتے ہوئے راہ راست پہ آگئے ہیں۔

۲۔ INTRODUCE (مرتب)

کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن پھر آئیں گے تو اُن سے مفصل گفتگو ہوگی۔

محمدؐ اقبال لاہور

(اقبال نامہ)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

حال کے فارسی شعراء کی کتب مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں اور قیمتیں بہت گراں۔ بھنڈی بازار بمبئی میں ملک التجار ایران کی مشہور دوکان ہے۔ وہاں سے شاید دستیاب ہو جائیں۔

ملک الشعراء بہار، قزوینی یا مشہدی کا دیوان چھپ گیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے حال میں ایک اور مجموعہ 'اردی بہشت' نام دیکھا ہے۔ یہ گورنمنٹ کالج کی لائبریری میں موجود ہے۔ پروفیسر براؤن[1] کی کتاب THE PRESS AND POETRY OF MODERN PERSIA[2] میں بھی بہت سے نمونے شعراء حال کے کلام کے موجود ہیں۔ مگر زمانۂ حال کے ایران کی نثر پڑھنے کے قابل ہے۔ نظم میں کچھ نہیں۔ زیادہ تر پولیٹیکل مضامین پر وہ لوگ لکھتے ہیں۔

محمدؐ اقبال

۸ر مارچ ۱۹۲۷ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

---

[1] PROF. E. G. BROWNE

[2] (الف) ایران کی صحافت اور شاعری

(ب) مکاتیب بنام خان محمد نیاز الدین خاں میں اس کتاب کا نام PRESS AND POETRY OF PERSIA درج ہے جو غلط ہے۔

(مولف)

ماسٹر محمّد عبداللہ چغتائی کے نام

جناب ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ نے کتاب ART AND THE UNCONSCIOUS[1] بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے حافظہ سے یہ بات اُتر گئی ۔ مہربانی کرکے جلد بھجوائیے ۔

محمّد اقبال

۷, اپریل ۳۷ء

(عکس) (اقبالنامہ)

ماسٹر محمّد عبداللہ چغتائی کے نام

لاہور

۲۹, اپریل ۳۷ء

مائی ڈیر ماسٹر عبداللہ صاحب

السلام علیکم ۔ میں یہ سطور آپ کی یاددہانی کے لیے تحریر کررہا ہوں ۔ آپ نے یونیورسٹی لائبریری سے MEDIEVAL[2] سائنس پر ایک کتاب نکلوا کر مجھے ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں اُس کا منتظر ہوں ۔

آپ کا محمّد اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] فنون لطیفہ اور لاشعوریت

[2] عہد وسطیٰ ۔

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

۳۰ اپریل ۲۷ء[1]

ڈیر ماسٹر صاحب! السلام علیکم

کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ مسٹر محمد یعقوب ہر روز کسی ایسے وقت جو اُن کے لیے اور میرے لیے موزوں ہو یہاں آیا کریں۔ آپ نے آج صبح بتایا تھا کہ وہ، مئی کو شملہ جانے والے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہے کہ اُن کے جانے سے پہلے جس قدر میں لکھوا سکوں، لکھالیا جائے۔ مہربانی کر کے اُن سے دریافت کر کے مجھے مطلع فرمائیے بلکہ بہتر ہو کہ ان کو ساتھ لے آئیے تاکہ زبانی گفتگو ہو جائے۔ شاید چار بجے کے بعد وہ آسکتے ہوں گے۔ میں ان سے پہلا لکچر جو دیباچے کے طور پر ہوگا لکھوانا شروع کردوں گا۔ اس طرح ممکن ہے کہ دسمبر تک سب لکچر ختم ہو جائیں۔ ان کے جانے کے بعد کسی اور شارٹ ہینڈ رائٹر کو بلالیا جائے گا۔

محمد اقبال لاہور

(اقبالنامہ)

---

[1] "اقبال نامہ" دوم (ص - ۳۳۳) میں اس خط کی تاریخ ۲۰ اپریل ۱۹۲۷ء درج ہے جو غلط ہے۔ صحیح تاریخ ۳۰ اپریل ۱۹۲۷ء ہے۔

ملاحظہ ہو:

"عبداللہ چغتائی اقبال کی صحبت میں" (۳۰۵)

(صابر کلوروی - مکاتیب اقبال کے ماخذ - ایک تحقیقی جائزہ)

میاں عبدالعزیز کے نام

لاہور

۱۱ مئی ۱۹۲۷ء

ڈیر میاں عبدالعزیز،

حال ہی میں جو افسوسناک فرقہ وارانہ فسادات لاہور میں ہوئے ہیں جن کے نتیجے میں جان و مال کا سخت نقصان ہوا ہے ان کی سب کو مذمت کرنی چاہیئے۔ گذشتہ اتوار کو کمشنر صاحب کے دفتر میں یہ تجویز منظور ہوئی تھی کہ ممتاز شہریوں پر مشتمل مصالحتی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ یہ کمیٹیاں ایسی تدابیر تجویز کریں جن سے آئندہ ایسے ناخوشگوار واقعات رونما نہ ہونے پائیں۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رائے بہادر لالہ موتی لال ساگر کے دولت کدہ پر ایک میٹنگ مورخہ ۱۳ ستمبر کو شام ساڑھے چار بجے بلائی گئی ہے۔ ہم ممنون ہوں گے اگر آپ وقت نکال کر اس میں شرکت فرمائیں۔

مخلص

موتی لال ساگر

محمد اقبال

مہتاب سنگھ

رام سرن داس

محمد شفیع

(انگریزی سے)

(نوادر)

ایڈیٹر 'انقلاب' کے نام[1]

جنابِ من، السلام علیکم

یہ چند سطور اپنے قیمتی اخبار کے کسی گوشے میں شائع کر کے ممنون فرمائیں۔

---

[1] ۱۹۲۲ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیانی عرصے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"مسلمانانِ مزنگ نے مسلم ریلیف کمیٹی کو اس سے پہلے پانچ سو روپیہ بھیجا ہے۔ آج دوسری قسط سات سو روپے کی ان کی طرف سے موصول ہوئی ہے (بذریعہ چیک) یہ ۱۲۰۰ روپیہ کی رقم خان بہادر میاں چراغ دین صاحب اور ان کے احباب کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ میں تمام مسلمانانِ شہر لاہور کی طرف سے میاں صاحب اور ان کے احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔"

محمدؐ اقبال

(خطوطِ اقبال)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کشیدگی میں اضافہ ہوگیا اور جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات ہونے لگے۔ ۳ مئی ۱۹۲۷ء کو لاہور کے ڈبی بازار میں سکھوں اور ہندوؤں کے ایک اجتماع میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں جس کے نتیجے میں مشتعل سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے گھروں پر حملہ کر دیا۔ پھر فسادات نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور معمولاتِ زندگی معطّل ہوگئے۔ علامہ اقبال اور دیگر مسلم اکابر نے فسادات کو روکنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں فسادات کی آگ آہستہ آہستہ سرد ہوتی گئی۔ ان فسادات میں مسلمانوں کو خاصا نقصان اُٹھانا پڑا مسلمان متاثرین و مظلومین کی امداد کے لیے مسلم لیگ نے علامہ اقبال کی سربراہی میں ایک ریلیف کمیٹی قائم کی۔ اقبال کی اپیل کے جواب میں مختلف علاقوں سے مسلمانوں نے اعانتِ مظلومین کے لیے رقوم روانہ کیں۔ دو خط اسی ضمن میں وصول ہونے والی رقوم کے بعد بطورِ اظہارِ تشکر کے لکھے گئے۔ دوسرا خط علامہ اقبال اور کمیٹی کے خازن شیخ عظیم اللہ کے مشترکہ دستخطوں سے روانہ کیا گیا "انقلاب" میں ان خطوط کی اشاعت سے مقصود یہ تھا کہ عام مسلمان بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ (رفیع الدین ہاشمی)

("انقلاب" ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء میں چھپنے والے اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر اندازہ ہے کہ ۱۳، ۱۴ مئی کو لکھا گیا ہوگا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

ایڈیٹر 'انقلاب' کے نام

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب 'انقلاب' السلام علیکم

مسلمانانِ لاہور کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آج ککّے زئی برادری کی طرف سے مبلغ ایک ہزار روپیہ مسلم ریلیف فنڈ کمیٹی کو عطا کیا گیا ہے۔ یہ روپیہ برادری مذکور نے خان بہادر ملک محمد حسین صاحب پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی لاہور کو سرکار کی طرف سے خطاب ملنے کے موقع پر ان کی دعوت کے لیے جمع کیا تھا۔ میں اہلِ لاہور کی طرف سے ملک صاحب موصوف اور ان کی برادری کو اس بلند ہمتی پر مبارک باد دیتا ہوں اور اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مسلمانانِ شہر کی فوری ضروریات کو مقدم سمجھا اور سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ یہ رقم خطیر اعانتِ مجروحین و مظلومین کے لیے دے دی جائے۔ اس روپیہ کو پہلی قسط تصور کرنا چاہیئے۔ ملک صاحب کے وارڈ میں الگ چندہ ہو رہا ہے جو عنقریب وصول ہوگا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء[۱]۔

شیخ عظیم اللہ (خازن)

محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

لاہور

۳۱ر مئی ۲۷ء

ڈیر ماسٹر صاحب!

میری بیوی دفعتہً بہت بیمار ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے آج میں مذاکرۂ طبیہ

نوٹ: "انقلاب" ۳۱ مئی ۱۹۲۷ء میں شائع ہونے والے مندرجہ بالا خط کے بارے میں قیاس ہے کہ ۲۹ یا ۳۰ مئی کو لکھا گیا ہوگا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

[۱] اللہ ان لوگوں کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

کے جلسے میں جو شام کو اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں میرے زیرِ صدارت ہونے والا ہے، حاضر نہیں ہو سکوں گا۔ مجھے معلوم نہیں کس کو لکھوں نہ انجمنِ طبیّہ کے سیکرٹری کا نام معلوم ہے، نہ اُن کا پتہ معلوم ہے۔ شاید وہ آپ کے اسلامیہ کالج کے طبیّہ کلاس کے پروفیسر ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو مہربانی کرکے آپ ان کو اسی وقت اطلاع دے دیں کہ میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔ اگر وہ صاحب کالج میں پروفیسر نہیں ہیں تو مہربانی کرکے ان کا نشان معلوم کرکے انہیں مطلع فرمائیے۔ جلسے کا وقت شام کا ہے اور اسی وقت ڈاکٹر صاحب آنے والے ہیں۔ کل بخار ۱۰۶ درجے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ آج دیکھئے کیا حالت رہتی ہے اس تردّد و فکر کی حالت میں جلسے میں جاکر تقریر کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں میرا یہاں ہونا ضروری ہے۔

محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ)

میاں سر فضل حسین کے نام

لاہور

۱۳؍ جون ۱۹۲۷ء

مائی ڈیر سر فضل

آپ کا خط کل مجھے ملا۔ سپاس گذار ہوں۔ میرا انٹرویو ان بیانات پر مبنی تھا جو ۱۷، ۱۸، اور ۱۹؍ مئی ۱۹۲۷ء کے "انقلاب"، "زمیندار" اور "مسلم آؤٹ لک" میں شائع ہوئے۔ ان کے ضروری تراشے ارسالِ خدمت ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ ان کا بغور مطالعہ کریں گے۔ بالخصوص وہ حصہ جن پر میں نے "اے۔ بی"[1] اور

---

[1] غالباً یہ خط اس خبر کی اشاعت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ۱۷؍ مئی ۱۹۲۷ء کے روزنامہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"بی سی" لکھ کر نشاندہی کر دی ہے نیز خط کشیدہ سطور بھی۔ اس وقت تک ان بیانات کی تردید حکومت کے کسی افسر نے نہیں کی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا خط اپنے تاثرات کے ساتھ پریس میں اشاعت کے لیے دے دوں۔

لاہور میں جو کچھ ہو رہا ہے کاش آپ یہاں ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ یہ دل شکن واقعات حکومت کی غیر جانب داری پر سے اعتقاد اٹھانے کے لیے کافی ہیں۔ میں ان واقعات کے لیے ضروری مواد جمع کر رہا ہوں تاکہ ایک دن اسے برطانیہ کے عوام کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ فی الحال ہم گورنر صاحب سے ملاقات کی تجویز پر غور کر رہے ہیں۔ تازہ واقعہ یہ ہے کہ میرے قریب ہی گوالمنڈی میں ہندوؤں کے ایک مکان سے

(گذشتہ سے پیوستہ)

"انقلاب" میں شائع ہوئی۔ اس کا لبِ لباب یہ تھا کہ حکومت نے لاہور میں فسادات کی تفتیش کے لیے جو عملہ متعین کیا تھا اس میں کثیر تعداد غیر مسلم افسران کی تھی جن سے کسی صحیح اور دیانتدارانہ رپورٹ ملنے کی امید لاحاصل تھی۔ اس شمارہ میں دو خبریں اور شائع ہوئی تھیں کہ ایک خاص مقام کے ہندوؤں نے متحدہ انتخابات کی کارکردگی کے خلاف احتجاج کیا تھا کہ یہ ان کے مفاد کے منافی ہے۔ علامہ نے جن بیانات کی نشان دہی "بی" اور "بی سی" لکھ کر کی ہے وہ غالباً یہ دو خبریں تھیں۔

(بشیر احمد ڈار)

لے خط کے دوسرے پیراگراف میں جن فرقہ وارانہ فسادات کا ذکر ہے وہ لاہور کے ایک علاقہ حویلی کابلی مل میں ہوئے۔ اس محلہ میں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے۔ یہ محلہ نزد سنہری مسجد سکھوں کی باؤلی کے قریب ہے۔ سکھوں نے جو ہندوؤں کی شرارت انگیزی پر بہت جلد مشتعل ہو گئے تھے مسلمانوں پر کرپانوں اور لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ ایک مسلمان نے سکھ لڑکی پر مجرمانہ حملہ کیا۔ مسلم اکابرین اور دیگر حضرات کی کوششوں سے حالات آہستہ آہستہ معمول پر آنے لگے۔ ان فسادات کے دوران علامہ مصالحت کرانے

(باقی اگلے صفحے پر)

خشت باری کے نتیجہ میں ایک مسلمان زخمی ہوا ہے۔ کل سہ پہر جب میں آپ کے لیے اخبارات کے تراشے تلاش کررہا تھا تین مسلمان مجھ سے ملنے آئے۔ اور تین افراد کی موجودگی میں بیان کیا کہ پولیس اسے ڈرا دھمکا کر یہ بیان حاصل کرنا چاہتی ہے کہ جس مکان سے اینٹ پھینکی گئی وہ مختلف تھا۔ شام تک ڈپٹی کمشنر صاحب خود موقع واردات پر پہونچ گئے اور مجھے اُمید ہے کہ حالات معمول پر آگئے ہوں گے۔ یہ ہندوؤں کی طرف سے مسلم کشی اور سول وار کے پروگرام کا ایک حصّہ ہے۔ صورت حالات خطرناک ہے۔ امید ہے کہ حکومت کو اس کا پورا پورا احساس ہوگا۔

شکریہ کے ساتھ

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(لیٹرز آف اقبال) (انگریزی سے)

سراج نظامی کے نام

جنابِ من، السلام علیکم

فوسٹ[۱] کا اُردو ترجمہ جہاں تک مجھے معلوم ہے، نہیں ہوا۔ البتہ ایک اور

(گذشتہ سے پیوستہ)

میں پیش پیش رہے۔ تفصیل کے لیے علامہ کا بیان ۱۲ رمئی ۱۹۲۷ء کے انگریزی روزنامہ "ٹربیون" (TRIBUNE) اور اُردو روزنامہ "انقلاب" میں ملاحظہ ہو۔ (محمد رفیق افضل ـ گفتارِ اقبال ـ ص ۲۸ ـ ۳۳)

(بشیر احمد ڈار)

[۱] گوئٹے (GOETHE) کے معروف شاہکار فاؤسٹ (FAUST) کے بارے میں سراج نظامی نے حضرت علامہ سے ایک بار استفسار کیا، جواباً علامہ نے انہیں یہ خط لکھا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

ڈراما "شیطان کا غلام" کے نام سے مشہور ہے جو اسی روایت پر غالباً مبنی ہے۔

میرا ارادہ اس کے ترجمے کا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فوسٹ کا اُردو ترجمہ آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بہت سی فرصت کی ضرورت ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ فوسٹ کے اُردو ترجمے سے عام پبلک کچھ حظ نہ اُٹھا سکے گی[1] والسلام

محمد اقبال لاہور

۱۵ جون ۲۷ء

(خطوطِ اقبال)

میاں عبدالعزیز کے نام

لاہور

۱ جولائی ۱۹۲۷ء

ڈیر عبدالعزیز،

قرار دادیں منسلک کرتا ہوں۔ براہ کرم ان کو ٹائپ کرا دیجیے اور آج ہی روانہ کر دیجیے۔ پہلے پیراگراف میں نوٹیفکیشن[2] کی تاریخ اور نمبر بھی درج کر دیجیے گا۔ مجھے بھی نوٹیفکیشن کا نمبر اور تاریخ فوراً لکھ بھیجیے کیونکہ مجھے یہ قرار دادیں آج ہی ڈاک کے سپرد کرنا ہیں۔ جوں ہی یہ خط آپ کو ملے تو براہ کرم تاریخ اور نمبر فوراً مجھے روانہ کر دیں۔

آپ کا

محمد اقبال

(انگریزی سے) (نوادر)

---

[1] حضرت علامہ کو فاؤسٹ کے ترجمے سے اس وقت نہیں بعد میں ضرور دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی ص ۲۴۱ (رفیع الدین ہاشمی)

[2] NOTIFICATION (اعلان)

مولانا راغب احسن کے نام

لاہور

۲۵ جولائی ۱۹۳۶ء

ڈیر راغب صاحب

آپ کے چند خطوط مل گئے ہیں۔ لاہور کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جلسہ کل شام یعنی سوموار کی شام کو ہونے والا ہے۔ افسوس کہ میں علالت کی وجہ سے جلسہ میں حاضر نہیں ہو سکوں گا۔ مگر میری طرف سے ایک بیان اس جلسہ میں پڑھا جائے گا جس کی ایک نقل آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے اخبار میں اس بیان کو شائع کر سکتے ہیں۔ لندن کے بعض اکابر کو بھی میں نے پرائیویٹ خطوط مسئلہ فلسطین کے متعلق لکھے ہیں۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

محمد اقبال

(اقبال جہانِ دیگر)

بیگم گرامی کے نام[1]

مخدومہ من!

السلام علیکم۔ والانامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ مولانا مرحوم کا کلام تیار ہو گیا ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے دیباچہ

---

[1] مولانا گرامی کی وفات (۲۷ مئی ۱۹۲۷ء) کے بعد ان کے جانشین مولوی عزیز الدین نظامی اور مرشد حضرت میاں علی محمد سجادہ نشین بستی نو (ہوشیارپور) نے دیوان گرامی اور رباعیات گرامی دو مجموعے مرتب کیے۔ بیگم گرامی نے ان کی طباعت و اشاعت کیلئے علامہ اقبال سے مدد چاہی درج بالا خط اسی سلسلہ میں لکھا گیا ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

لکھنے کی مطلق فرصت نہیں، البتہ میں چوہدری محمد حسین صاحب کے سپرد یہ کام کروں گا اوران کو اس کام کے متعلق ضروری ہدایات دے دوں گا۔ وہ میرے مشورے سے لکھتے جائیں گے۔ اس کے علاوہ مجھے پورا کلام بھی سنا دیں گے۔ ترتیب کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ پہلے ان کی رُباعیات اچھے اہتمام سے شائع کی جائیں، بعد میں غزلیات، بعد میں مثنوی و قطعات وغیرہ۔ قصائد اگر کوئی ہوں تو وہ سب سے پیچھے۔ کیونکہ اس زمانے میں قصائد کا مذاق نہیں رہا۔ رُباعیات کی اشاعت پر زیادہ خرچ بھی نہ ہوگا اور پڑھنے والی پبلک کی نبض شناسی بھی ہو جائے گی۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

۱۳، ستمبر ۱۹۲۷ء

مَیں آج شام ڈیرہ دون جا رہا ہوں۔ وہاں سے سیدھا شملے جانے کا قصد ہے۔

محمدؐ اقبال

(مکاتیب اقبال بنام گرامی)

عبدالمجید سالک کے نام[1]

ڈیر سالک

ٹیک چند بہار نے "ابطال ضرورت" میں رَب اَرْنِی پر مفصل بحث کی ہے۔ افسوس اس وقت ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ میرے پاس موجود نہیں۔ بہرحال یہ صحیح ہے کہ اساتذۂ عجم نے رَب اَرْنی کی رائے ثانی کو بسکون بھی استعمال کیا ہے۔ سالک لاہوری، سالک یزدی کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] یہ خط جناب عبدالمجید سالک مرحوم کے نام ہے جو روزنامہ "انقلاب" (۲۸، ستمبر ۱۹۲۷ء) سے لیا گیا ہے۔

اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۲۷ء میں اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی نے "نذر اقبال"

(باقی اگلے صفحے پر)

مرغ ارنی گوز شوق لن ترانی پر زند[1]
پیش موسیٰ خار خارِ وادی ایمن گل است

اصغر حسین صاحب کے شعر میں کوئی غلطی نہیں۔ والسلام

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

(گذشتہ سے پیوستہ)

کے عنوان سے ایک فارسی نظم لکھی تھی جو روزنامہ "انقلاب" کے ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ اس میں ایک شعر تھا۔

اے کہ سینا ذرۂ از تاب تو — نعرۂ اَرنی زنم بر باب تو

ترجمہ۔ اے وہ کہ کوہ سینا تیری تجلی کا ایک ذرہ ہے (

میں تیرے دروازے پر ارنی (اپنا جمال دکھا) کا نعرہ لگا رہا ہوں۔

مدیر 'انقلاب' نے یہ نظم شائع کرتے ہوئے یہ نوٹ لکھ دیا "اَرنی" کی را متحرک ہوتی ہے۔ خدا جانے نظیر صاحب نے ساکن کیوں باندھی۔

نظیر صاحب نے اس اعتراض کے جواب میں مدیر 'انقلاب' کو غیاث اللغات کے حوالے سے ایک شعر سند میں لکھ بھیجا جس میں اَرنی کی را ساکن باندھی گئی تھی لیکن مدیر 'انقلاب' نے ۲۸ ستمبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں لکھا۔

"۲۴ ستمبر کے 'انقلاب' میں جناب اصغر حسین خاں صاحب نظیر لدھیانوی کی ایک نظم شائع ہوئی تھی جس کے ایک شعر میں اَرنی بہ سکون را باندھا گیا تھا۔ اس پر ہم نے اظہار تعجب کیا کیونکہ ہمارے نزدیک عربی الفاظ کو محض ضرورت شعری کی وجہ سے اس طرح بگاڑنا کہ صرفی و نحوی صورت برقرار نہ رہے مستحسن نہیں۔ اس پر حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا۔ ...." (صابر کلوروی۔ اقبال کے ہم نشین۔ ص ۴۷-۴۶)

[1] ترجمہ: اَرنی کہنے والا پرندہ لن ترانی کے شوق سے پر پھڑ پھڑا رہا ہے۔
موسیٰ کے لیے وادی ایمن کا ایک ایک کانٹا پھول ہے۔

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر عبداللہ

آپ فصوص الحکم کا قلمی نسخہ جو آپ کے پاس ہے ایک دن کے لیے مرحمت فرمائیں اور اس کارڈ کے دیکھتے ہی مجھ تک پہنچا دیں۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۲ر اکتوبر ۲۷ء

(اقبالنامہ) (عکس)

ایڈیٹر 'زمیندار' کے نام

لاہور

۲۷ر اکتوبر ۱۹۲۷ء

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب 'زمیندار'

السلام علیکم۔ 'آبادان' (ایران) کے ہندی مسلمانوں نے جو رقوم[1] میری معرفت 'اندور' کے مسلمانوں کی اعانت کے لیے ارسال کی تھیں وہ ان کو پہنچ گئی ہیں اور باقاعدہ رسیدیں مسلم ریلیف کمیٹی اندور کی طرف سے موصول ہو گئی ہیں اور ساتھ ہی ایک

---

[1] ۱۹۲۷ء میں مسلمانان اندور کی اعانت کے لیے مسلم ریلیف کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ملک بھر کے مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کی۔ یہی نہیں بیرون ملک سے بھی مسلمانوں نے اندور کے مسلمانوں کے لیے رقوم بھیجیں۔ ایسی ہی دو رقوم آبادان (ایران) کے ہندی مسلمانوں نے علامہ اقبال کی معرفت ارسال کیں۔ جو انہوں نے حبیب دار خاں جائنٹ سکریٹری مسلم ریلیف کمیٹی اندور کو بھجوا دی۔ مندرجہ بالا خط روزنامہ "زمیندار" مورخہ ۶، نومبر ۱۹۲۷ء کے ص ۵ پر شائع ہوا جو علامہ اقبال نے اسی ضمن میں ایڈیٹر زمیندار کے نام ارسال فرمایا۔

(نقوش۔ ص۔ ۴۸۹)

ڈیر مائی عبداللہ

آپ فصوص الحکم کا قلمی نسخہ جو آپ کے پاس ہے
ایک یا دو دن کے لیے مرحمت فرمائیں [illegible]
دیکھنے آپ مجھ تک پہنچا دیں گے — ما

محمد اقبال لاہور

۲۷ اکتوبر ۳۲ء

خط بھی جیب دار خاں صاحب جائنٹ سکرٹری ریلیف کمیٹی کی طرف سے موصول ہوا ہے جس میں مندرجہ ذیل اقتباس اپنے اخبار کے سنڈے ایڈیشن میں چھاپ کر ممنون فرمائیں۔

" مورخہ ۴ اکتوبر و ۲۰ اکتوبر کو مبلغ تین سو اور ڈھائی سو روپیہ کی دو رجسٹریاں یکے بعد دیگرے موصول ہوئیں ..... یہ دونوں رجسٹریاں ایسے آڑے وقت پر پہنچی ہیں کہ کمیٹی کو ایک پیسہ بھی مہیا کرنا محال تھا۔ اس امداد غیبی کے پہنچنے سے جو خوشی ہوئی، وہ بیان سے باہر ہے لیکن ان تمام مسرتوں سے زائد جس شے نے دل کو قوی کیا وہ یہ تھی کہ اب بھی مسلمانوں میں اسلامی حمیت باقی ہے کہ کوسوں دور بیٹھے ہوئے اپنے مظلوم بھائیوں کی حالت زار کو فراموش نہیں کرتے۔ خداوند کریم ہمارے آباد ان کے بھائیوں کو آباد شاد رکھے اور انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔"

رسیدات منسلک ہذا ہیں۔ ہم جناب سے ملتجی ہیں کہ جناب ہماری جانب سے ایک شکریہ کا خط ان بھائیوں کے نام ضرور تحریر فرمائیں۔

مخلص دسر، محمد اقبال

(نقوش۔ اقبال نمبر۔ ستمبر ۱۹۷۷ء ص۔ ۴۸۹)

محمد علی کے نام

لاہور

۳۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر محمد علی

آپ کے تار[1] کا بہت بہت شکریہ۔ جو مجھے کل شام موصول ہوا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے لیے ۹ نومبر کو وفد میں شامل ہونا ممکن نہیں۔

---

[1] انگریزی متن میں TELEGRAMS ہے مگر سہواً لکھا گیا ہے۔ مراد TELEGRAM سے ہے۔ (مؤلف)

میں نے ۷ر سے ۹ر تک بھاولپور جانے کا پروگرام طے کر رکھا ہے۔ بہرحال آپ کے تار سے پتہ چلتا ہے کہ والیسرائے بہادر کی خدمت میں وفد ۹ر کی صبح کو حاضر ہوگا اور میں نے آج کے اخبارات میں دیکھا ہے کہ وفد کے ملنے کی تاریخ گیارہ متعیّن کی گئی ہے۔ براہِ کرم مجھے صحیح تاریخ سے مطلع کیجیے چونکہ یہ ممکن ہے کہ میں ۱۱ر کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں۔ میں ۷ر کی صبح لاہور سے بھاول پور کے لیے روانہ ہو رہا ہوں اور ۱۲ر کی صبح کو واپس ہوں گا۔ اگر وفد سے ملنے کی تاریخ گیارہ ہے تو میں نواب صاحب سے ۹ر کی شام کو دہلی جانے کی اجازت لینے کی درخواست کرسکتا ہوں۔

جہاں تک عرض داشت کے مسودہ کا سوال ہے تو آپ سے بہتر کون ڈرافٹ کرسکتا ہے؟ آپ کا والیسرائے بہادر کے نام خط نہایت عمدہ تھا۔ اس میں کچھ اضافہ کرنا محال ہے۔ ایکٹ میں بہت سی خامیاں ہیں مگر ہمارا معاملہ یہ نہیں ہے کہ ایکٹ میں کیا

خامیاں ہیں بلکہ یہ ہے کہ اس کے تحت ہر وہ فعل قابلِ تعزیر بن جاتا ہے جس کی ہمارا شخصی قانون اجازت دیتا ہے۔ یہ سرکارِ برطانیہ کے کیے ہوئے عہد و پیمان کے منافی ہے۔ بہترین صورت یہ ہوگی کہ اگر کرنا ہی ہو تو رسم رخصتانہ کو قابلِ تعزیر قرار دیا جائے نہ کہ عملِ ازدواج کو، جس کو یہ ایکٹ کالعدم قرار دیے بغیر لائق تعزیر ٹھہراتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس ملک میں محمڈن لا کے مسئلہ کو سنجیدگی سے اُٹھائیں۔ برطانوی عدالتوں نے بشمولہ ہائی کورٹ اور پریوی کونسل بتدریج اور غیر محسوس طور پر اسلام کے قانون کو اُلٹی چھری سے ذبح کرکے رکھدیا ہے۔ یہ کسی حد تک مسلمان وکلاء کی نااہلی کے سبب ہوا ہے۔ جنھوں نے کبھی اس نظامِ قانون کے اصولوں کا گہرائی سے مطالعہ نہیں کیا ہے اور اس کو قرونِ وسطیٰ کے تصورات پر مبنی سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی بات بعید از حقیقت نہیں ہوسکتی۔ میں سب تفصیلات واضح کروں گا جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ فی الحقیقت میرے ذہن میں ایک پوری اسکیم تیار ہے۔ موجودہ جمعیت العلماء کی از سرِ نو تنظیم کی جائے اور وہ خطیر رقوم اُس مقصد کے لیے جمع کرے جو میں آپ کو سمجھاؤں گا۔

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔

ہمیشہ آپ کا
محمد اقبال

پس نوشت :

پنجاب میں ہر شخص امید کرتا ہے کہ آپ کی بدولت آئندہ گول میز کانفرنس کے مندوبین کا انتخاب اور اس میں مسلمانوں کا تناسب مناسب رہے گا۔ وہاں صحیح قسم کے لوگوں کو جانا چاہیئے۔ صحیح قسم سے میری مراد وہ اصحاب ہیں جو اسلام کو قومیت سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ قومیت کا لفظ ہندوؤں کی زبان سے عجیب لگتا ہے کہ ان کی پوری تاریخ لفظ "انجذاب" میں مذکور ہے۔

محمد اقبال

(انگریزی سے)
(عکس) غیر مدوّن

ماخذ یہ خط ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں محفوظ محمد علی کاغذات سے دستیاب ہوا ہے۔ (مؤلف)

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر صاحب السلام علیکم

اگر براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا[2] کالج لائبریری میں ہو تو لیتے آیئے۔ اُس جلد کی ضرورت ہے جس میں عراقی کا تذکرہ ہے۔ غالباً دوسری جلد ہے۔

محمد اقبال

(اقبال نامہ)[1]

(عکس)

---

[1] اقبال نامہ جلد دوم (ص ۴۳۴) میں بلا تاریخ ترتیب دیا گیا ہے۔ زیادہ قرین قیاس ۱۹۲۷ء کا سال ہے کیونکہ علامہ اس سال مدراس میں دیے جانے والے لیکچروں کی تیاری میں مشغول رہے اور یہ خطوط اسی ضمن میں لکھے گئے تھے۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ)

[2] LITERARY HISTORY OF PERSIA تاریخ ادبیاتِ ایران۔

ڈیر ہاشمی صاحب

اگر براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا

کالج لائبریری میں ہو تو لیتے آئیے

اس کی جلد جو دوسری ہے جس میں عراقی کا

تذکرہ ہے — خاص کر دوسری جلد ہے

محمد اقبال

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر[1] صاحب

ڈانٹے[2] کی ڈوائن[3] کامیڈی (DIVINE COMEDY) کالج لائبریری سے لے کر ایک دو روز کے لیے بھجوایئے۔ PURGATORY[4] اور HELL[5] کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد اقبال

(اقبال نامہ) (عکس)

---

[1] اقبال نامہ جلد دوم (ص - ۳۴۹) میں بلا تاریخ ترتیب دیا گیا ہے۔ زیادہ قرینِ قیاس ۱۹۲۷ء کا سال ہے کیونکہ علامہ اس سال مدراس میں دیے جانے والے لیکچروں کی تیاری میں مشغول رہے۔ اور یہ خط اسی ضمن میں لکھے گئے تھے۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ)

[2] DANTE حواشی ملاحظہ ہوں۔

[3] 'طربیۂ خداوندی' حواشی ملاحظہ ہوں۔

[4] 'اقبال نامہ' میں یہ لفظ محذوف تھا۔ کلیسائے روم کے مطابق وہ مقام جہاں روحیں گناہ صغیرہ سے پاک کی جاتی ہیں۔ ڈانٹے کی شہرۂ آفاق تصنیف کے ایک باب میں اس کا ذکر ہے۔

[5] دوزخ۔ HELL

ڈیئر ڈاکٹر صاحب

ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی

Divina Comedy

کا دوسرا حصہ۔ اگر ایک دو روز کے لئے

بھجوائیے — Purgatory

اور Hell کا ترجمہ میرے پاس ہے

محمد اقبال

مولوی غلام رسول مہر کے نام

ڈیر چودھری صاحب ۔ السلام علیکم ۔

'الطرق الحکمیہ فی سیاسۃ الشرعیہ'[۱] (حافظ ابن قیم) اور اعلام الموقعین، مرحمت فرمائیے ۔

یہ بھی فرمائیے کہ مولوی عبدالقادر صاحب قصوری[۲] سے تشریف لائے یا نہیں ۔آج شام آئیے بھی ۔ والسلام

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

نوٹ: مطلوبہ کتب مدراس کے لیکچروں کی تیاری کے لیے مانگی تھیں لہذا یہ خط ۱۹۲۸ء ہی میں لکھا گیا ۔

(صابر کلوروی ۔ روح مکاتیبِ اقبال ۔ایک تنقیدی جائزہ)۔

[۱] 'الطرق الحکمیہ' اور 'اعلام الموقعین' دونوں حافظ ابن قیم کی تصنیفات ہیں ۔ ان کا موضوع فقہی مسائل ہیں ۔ اقبال نے مدراس میں جو لیکچر دیئے ان کی تیاری کے سلسلے میں ان کتب سے استفادہ کیا تھا ۔

[۲] مولوی عبدالقادر قصوری پُرانے قوم پرست راہنما تھے اور کانگرس کے پُرجوش حامی سیاسی اختلاف کے باوجود اقبال کے ان سے بڑے اچھے مراسم تھے ۔ اقبال ان کی اصابت رائے کے قائل تھے ۔

(بشیر احمد ڈار)

مہتمم رسالہ "نورجہاں" کے نام

جناب مکرم، السلام علیکم

میں نے رسالہ "نورجہاں"[1] کا نمبر جو آپ نے ارسال کیا ہے، ابھی دیکھا ہے۔ آپ کی ایڈیٹر صاحبہ[2] کی نظمیں میں نے دیکھی ہیں، بہت خوب ہیں۔ شعروسخن کا ملکہ خداداد ہے۔

مخلص
محمدؐ اقبال
۲۹/۱/۲۸ء

(خطوطِ اقبال)

سیّد سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۷، مارچ ۲۸ء

مخدومی السلام علیکم

شمس بازغہ یا صدرا میں جہاں زمان کی حقیقت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک قول یہ ہے کہ زمان خدا ہے۔ بخاری میں ایک حدیث بھی اسی مضمون کی ہے "لا تسبوا الدہر"[3]، کیا حکمائے اسلام میں سے

---

[1] رسالہ "نورجہاں" امرتسر کے مہتمم نے اپنا رسالہ حضرت علّامہ کی خدمت میں بھیج کر رائے طلب کی۔ جواباً علامہ نے یہ مکتوب روانہ کیا۔

[2] بیگم عنایت اللہ خاں، رسالے کی ایڈیٹر تھیں (رفیع الدین ہاشمی)

[3] حدیث کی عبارت یہ ہے: لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ اِنَّمَا أَنَا الدَّهْرُ (زمانے کو بُرا نہ کہو، میں خود ہی زمانہ ہوں) [بخاری کتاب]

کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے۔ اگر ایسا ہو تو یہ بحث کہاں ملے گی؟

قرونِ وسطیٰ کے ایک یہودی حکیم موسیٰ بن میمون نے لکھا ہے کہ خدا کے لیے کوئی مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ زمان کو لحظہ بلحظہ پیدا کرتا ہے۔ میمون قرطبہ میں پیدا ہوا اور قاہرہ میں مرا غالباً بارہویں صدی کے آخر میں۔ اُس نے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور تمام عمر مسلمانوں ہی کی ملازمت کرتا رہا۔ متکلمین کے خیالات پر اُس نے جرح قدح بھی خوب کی ہے۔ میرا گمان ہے کہ میمون کا مذکورہ بالا مذہب بھی ضرور کسی نہ کسی مسلمان حکیم کی خوشہ چینی ہے اگر آپ کے علم میں یہ بات ہو تو مہربانی کر کے مطلع فرمائیے میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان یہ ہے۔

'زمان کی حقیقت فلسفۂ اسلام کی تاریخ میں'، اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا اور اس خط کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد ملے گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(اقبالنامہ)

(عکس)

چودھری غلام رسول مہر کے نام

لاہور ۸ رمارچ ۲۸ء

ڈیر مہر صاحب السلام علیکم

۱۔ میں نے سُنا ہے امام ابن تیمیہ کی کتاب التقدیر[1] کا اُردو ترجمہ ہو کر چھپ گیا ہے۔ اگر یہ کتاب مل سکے تو اس کا ایک نسخہ بہم پہنچائیے۔

---

[1] "کتاب التقدیر" کا صحیح نام "شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل" ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ "کتاب التقدیر" کے نام سے چھپا ہے۔ حافظ ابن قیم کی تصنیف ہے، ابن تیمیہ کی نہیں۔ اقبال اپنے لیکچروں کی تیاری کے سلسلے میں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے۔

۲۔ میں نے جو تقریر کونسل میں مالگذاری والے رزولیوشن پر کی تھی اس کی نقل ارسال کرتا ہوں افسوس کہ دفتر وہ مسودہ نہیں پہنچا جو میں نے درست کرکے ان کو دیا تھا۔ بہرحال مطلب معلوم ہو جائے گا۔[1]

اگر آپ مناسب خیال کریں تو اس کا اُردو ترجمہ چھاپ دیں۔ اس کے متعلق پنجاب کے زمینداروں کے نام ایک کھُلی چِٹھی چھاپنے کا ارادہ ہے جس کے لیے آپ سے مشورہ کروں گا۔ والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(انوارِ اقبال)

(عکس)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۸ مارچ ۲۸ء

مخدومی۔ السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

ایک زحمت دیتا ہوں معاف فرمائیے گا۔ "مباحثِ شرقیہ" لاہور میں دستیاب نہیں ہو سکتی کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازیؒ کے خیالات کا خلاصہ قلمبند فرما کر مجھے ارسال فرما دیں مَیں اس کا ترجمہ نہیں چاہتا صرف خلاصہ چاہتا ہوں جس کے لکھنے میں غالباً آپ کا بہت سا وقت ضائع نہ ہوگا۔

---

[1] اس تقریر کا اُردو ترجمہ لطیف احمد شیروانی کی مرتبہ کتاب "حرفِ اقبال" (ایم ثناء اللہ، ریلوے روڈ، لاہور) بار سوم جنوری ۱۹۵۵ء کے صفحات ۹۴۔۱۰۰ میں موجود ہے۔ اس تقریر میں اقبال نے یہ موقف اختیار کیا کہ زمین کے محاصل کو انکم ٹیکس کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ تقریر پنجاب کونسل میں ۲۳ فروری ۱۹۲۸ء کو کی گئی تھی۔ (بشیر احمد ڈار)

'بزمِ اغیار' کی رونق ضروری تھی۔ اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دُور جا پڑے وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔ والسلام۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

(عکس)

مولوی غلام حسین کے نام

لاہور ۲۵ مارچ ۲۸ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولانا السلام علیکم و رحمتہ اللہ

جناب کا برقی پیغام مبارکباد کل صبح عید موصول ہوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے اور آپ کے وجود کو اہلِ بہاول پور کے لیے سراپا عید بنائے۔

اس سے پہلے جناب کا والا نامہ مل گیا تھا۔ اس کا شکریہ عرض۔ انشاء اللہ اپریل کے پہلے ہفتے میں حسب الارشاد عریضہ لکھوں گا۔ امید ہے مزاج عالی بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ عالمگیری مسجد تمام و کمال نمازیوں سے لب ریز ہوا۔ بہت سے لوگوں نے مسجد کے باہر نماز ادا کی۔ ایسا ہجوم اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔

(عکس)

(غیر مدون)

(نقوش اقبال نمبر)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم
پنجاب مسلم لیگ کی طرف سے میمورنڈا[۱] سائمن کمیشن[۲] کو بھیجا جائے گا جس میں مفصل حالات اور مسلمانوں کے مطالبات درج ہوں گے۔ انگلستان میں پروپوگنڈا کا وقت اس سال نہیں، آئندہ سال آئے گا۔ افسوس کہ مسلمان پورے طور پر بیدار نہیں اور یوں بھی مفلس ہیں۔ اُمرا، اور خیالات میں غرق ہیں۔ علما، مذہبی جھگڑوں میں مصروف ہیں۔ بعض خود غرض لوگ محض اپنی گرم بازاری کے لیے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

۳۰ مارچ، ۱۹۲۸ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

۱۔ MEMORANDA : عرضداشت

۲۔ ۸ نومبر ۱۹۲۷ء کو حکومت ہند نے سرجان سائمن SIR JOHN SIMON کی قیادت میں ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ اس بات کا جائزہ لے کر ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کس حد تک کامیاب رہی ہیں اور ہندوستان کے آئینی مسائل اور نئی اصلاحات کے بارے میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد مفصل رپورٹ پیش کرے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

دین محمد کے نام

لاہور
۱۴ ؍مئی ۱۹۲۶ء

مائی ڈیر دین محمد
میں آپ سے ایک ایسے اہم مسئلے کے بارے میں گفتگو کرنے کا خواہشمند ہوں جس کا تعلق قوم سے ہے آپ لاہور کب تشریف لا رہے ہیں۔ ازراہِ کرم اپنی آمد کے بارے میں مطلع فرمائیں۔ میں سترہ اور غالباً اٹھارہ کو بھی لاہور سے باہر رہوں گا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے) (نقوش اقبال نمبر)

خان محمد نیاز الدین خاں کے نام

مخدومی! السلام علیکم
والانامہ مل گیا ہے۔ مجھے درد گردہ کی شکایت رہی جس کا سلسلہ ایک ماہ سے اُوپر جاری رہا۔ جدید طبّی آلات کے ذریعہ گردہ کا معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ گردہ میں پتھر ہے اور کہ عمل جرّاحی کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ مگر تمام اعزا اور دوست عمل جرّاحی کرانے کے خلاف ہیں۔ درد فی الحال رک گیا ہے اور میں حکیم نابینا صاحب سے علاج کرانے کی خاطر آج شام دہلی جا رہا ہوں۔ وہاں چند روز قیام رہے گا۔ اس کے بعد تبدیلیٔ ہوا کے لیے چند روز کے لیے شملہ میں قیام کروں گا
اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس طویل علالت نے مجھے کمزور

کردیا ہے۔ البتہ درد کا افاقہ ہے۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔ والسلام آپ کی ہمدردی کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔

مخلص
محمدؐ اقبال، لاہور

۱۵ جون ۱۹۲۸ء

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

تمکین کاظمی کے نام

لاہور
۷ جولائی ۱۹۲۸ء

میر ولی اللہ خوش نویس ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہاں علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ امیر الدین مرحوم و مغفور ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے اُستاد تھے۔ ان کے والد حافظ سید محمد سعید سلطنت دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو ان کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا۔ میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمدؐ اقبال بیرسٹرایٹ لا

(انوارِ اقبال)

ایڈیٹر "انقلاب" کے نام

لاہور، ۸ ؍جولائی[1]

جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب"

السلام علیکم۔ نواب احمد یار خان صاحب[2] نے ۲۶ ؍جون کے اخبار "سیاست" کی ایک کٹنگ[3] پرسوں کی ڈاک میں مجھے ارسال فرمائی ہے۔ صاحب مدیر "سیاست" تعریضاً یہ لکھتے ہیں کہ میں سائمن کمیٹی کے انتخاب کے روز کونسل کے اجلاس سے غیر حاضر تھا۔ افسوس ہے کہ سیّد صاحب کو واقعات کی اطلاع غلط ملی یا ان کو غلط اطلاع عمداً دی گئی۔ بہرحال میں اس

نوٹ: مسلم لیگ نے مخلوط انتخاب کو قبول کیا تو پارٹی دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ جناح مسلم لیگ کے مقابلے میں سر شفیع لیگ نے مخلوط انتخاب کو ماننے سے انکار کر دیا۔ سائمن کمیشن سے تعاون کے مسئلے پر بھی دونوں لیگوں میں اختلاف تھا۔ جناح لیگ نے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا مگر شفیع لیگ نے تعاون کی حمایت کی۔ علامہ اقبال شفیع لیگ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے بائیکاٹ کے خلاف اور تعاون کی حمایت میں متعدد بیانات جاری کیے۔ (ملاحظہ ہو: "انقلاب" ۱۸ ؍نومبر ۱۹۲۷ء و ۸ ؍دسمبر ۱۹۲۷ء) مدیر "سیاست" کو شک گزرا کہ شاید علامہ اقبال اپنے مؤقف سے منحرف ہو گئے ہیں۔ یہ خط اس ضمن میں اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لیے لکھا ہے۔

[1] ۱۹۲۸ء

[2] مسلم لیگ کے معروف لیڈر اور سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ کے والد سر سکندر حیات کی وزارت میں چیف پارلیمنٹری سیکریٹری رہے۔ نواب صاحب کو شعر گوئی سے بھی شغف تھا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

[3] تراشہ

روز کونسل میں موجود تھا۔ طویل علالت کی وجہ سے میں اس سے پہلے اس امر کی تردید نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ نواب احمد یار خان صاحب نے مجھے بذریعہ تار اطلاع دی کہ انہوں نے تردید کر دی ہے۔ چونکہ اخبار "سیاست" میں تردید میری نظر سے نہیں گذری اور نیز اس خیال سے کہ شاید سیّد صاحب اپنے اخبار میں میری تردید شائع کرنا مناسب نہ تصور کریں، آپ سے التماس ہے کہ یہ چند سطور اپنے اخبار میں درج فرما کر مجھے ممنون فرمائیں۔

مخلص محمدؐ اقبال بیرسٹر لاہور

(خطوطِ اقبال)

صغریٰ ہمایوں مرزا کے نام

لاہور

۱۲ جولائی ۱۹۲۶ء

جناب محترمہ تسلیم۔

آپ کے اشعار صاف ہیں۔ افسوس کہ مَیں فنِ اصلاح سے نابلد ہوں۔ محض آپ کے تعمیلِ ارشاد کے خیال سے بعض جگہ کچھ الفاظ بدل دیے گئے۔ رسالہ نور جہاں افسر میں بھیج دیجیے۔ میری بیوی سلام عرض کرتی ہیں۔

مخلص محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

پروفیسر محمد شفیع کے نام

لاہور،

۱۴ جولائی ۱۹۲۸ء

ڈیر پروفیسر شفیع۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ۔

کہ خیریت ہے۔ میری صحت اب خدا کے فضل و کرم سے رُو بہ ترقی ہے۔ ان شاء اللہ کامل صحت کی توقع ہے۔

خان بہادر صاحب کو مَیں نے آج ہی ڈاک میں ایک خط لکھا ہے۔ اس میں ضروری باتیں لکھ دی ہیں۔ آپ اُن کی خدمت میں میری طرف سے زبانی شکریہ بھی ادا کریں۔

دیدمش مردے دریں قحط الرّجال[1]

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ باقی رہا ایبٹ آباد آنا اس کے متعلق پھر عرض کروں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔

مخلص محمدؐ اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

پروفیسر محمّد شفیع کے نام

لاہور

۲۱ر جولائی ۱۹۲۸ء

ڈیر پروفیسر شفیع۔ السّلام علیکم

. . . .

. . . .

خوشحال خان خٹک مشہور محبّ وطن پر مَیں نے ایک مختصر نوٹ لکھا ہے جو "اسلامک کلچر" حیدر آباد دکن میں شائع ہوگا۔ اس کی کاپی خان بہادر اور آپ کے پاس بھی پہنچے گی۔ مَیں نے ایڈیٹر کو آج ہی اس مضمون کا خط لکھا ہے۔

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

---

[1] ترجمہ: میں نے اس قحط الرجال کے زمانے میں اُس کو ایک مرد دیکھا ہے۔

تمکین کاظمی کے نام

جناب من! تسلیم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم آپ چند اشعار ترجمہ کر کے بھیجئے تو میں رائے دینے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس سے پہلے جو نمونے تراجم کے وصول ہوئے بہت ناقص تھے۔ میں نے خود پہلے اسرارِ خودی اُردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصّہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش میں نے کی۔ قریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۶ راگست ۶۲۸

(انوارِ اقبال) (عکس)

تمکین کاظمی کے نام

جناب من! تسلیم

میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے۔ افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے۔ میری رائے میں اس ترجمے سے اُردو لٹریچر کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مُضر ہے۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کے لیے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ اُمید ہے کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے۔

محمدؐ اقبال، لاہور

۴ ستمبر ۶۲۸

(انوارِ اقبال) (عکس)

تمکین کاظمی کے نام

جناب من:

تسلیم - نوازش نامہ مل گیا ہے۔ "زبورِ عجم" پر شوق سے مضمون لکھیے میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔ درد گردہ نے دو ماہ تک بیقرار کیا۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چند روز کے لیے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیات اسلامیہ پر لکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن[1] مدراس سے کر چکا ہوں۔ اگر فروری ۲۹ء تک یہ لکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔ اُمید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمدؐ اقبال۔ شملہ

۱۸ ستمبر ۲۸ء

(انوارِ اقبال)

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام

لاہور

۹ نومبر ۱۹۲۸ء

مائی ڈیر مسٹر منیر!

آپ نے اپنے بھائی کی وساطت سے نظموں کا جو مجموعہ ارسال فرمایا اس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے۔ میں نے اس مجموعہ کو نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے۔ آپ کا قیامِ ایران یقیناً آپ کے لیے نہایت سودمند ثابت

---

[1] MUSLIM ASSOCIATION, MADRAS

ہوا ہے۔ اس کی بدولت آپ کے کلام میں ایک سادگی، قوت اور جِلا آ گئی ہے۔ مجھے اُمید ہے ماہِ نو، جلد بدرِ کامل میں مبدّل ہو جائے گا۔

آپ کا محمد اقبال

(انگریزی) (اقبالنامہ)

میر سیّد غلام بھیک نیرنگ کے نام

لاہور

۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء

ڈیر میر صاحب۔ السلام علیکم۔

میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے جیسا کہ آج کل کے 'قوم پرستوں' کے رویّہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ بات میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربہ کے بعد۔ ہندوستان کی سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہبِ اسلام کے لیے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ میرے خیال میں شُدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا یا کم از کم یہ بھی شُدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔ بہر حال جس جانفشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے اس کا اجر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی دے سکتے ہیں۔ میں انشاء اللہ جہاں جہاں موقع ہوگا آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سُننے کو حاضر ہوں مگر آپ اور مولوی عبدالماجد بدایونی جنوبی ہندوستان کے دَورے کے لیے تیار رہیں۔

باقی رہا انجیلوں کے ترجمے کا کام، سو یہ کام ناممکن نہیں تو مشکل اور از بس

مشکل ضرور ہے۔ ان لکچروں کے مخاطب زیادہ تر وہ مسلمان ہیں۔ جو مغربی فلسفے سے متاثر ہیں اور اس بات کے خواہشمند ہیں کہ فلسفۂ اسلام کو فلسفۂ جدید کے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اور اگر پرانے تخیلات میں خامیاں ہیں تو ان کو رفع کیا جائے۔ میرا کام زیادہ تر تعمیری ہے اور اس تعمیر میں مَیں نے فلسفۂ اسلام کی بہترین روایات کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ مگر میں خیال کرتا ہُوں کہ اُردو خواں دُنیا کو شاید ان سے فائدہ نہ پہنچے کیونکہ بہت سی باتوں کا علم میں نے فرض کر لیا ہے کہ پڑھنے والے (یا سننے والے) کو پہلے سے حاصل ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ تین لکچر امسال لکھے گئے ہیں، تین آئندہ سال لکھوں گا اور مدراس ہی میں دسمبر ۲۹ء یا جنوری ۳۰ء میں دوں گا۔ حیدر آباد دکن بھی ٹھیروں گا۔ کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کا تار آیا ہے کہ لکچر وہاں بھی دیئے جائیں۔ آئندہ دسمبر تک یہ تمام لکچر تیار ہو کر چھپ جائیں گے۔ اس وقت میں آپ کی خدمت میں ایک کاپی بھیج سکوں گا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(اقبالنامہ)

حمید احمد انصاری کے نام[۱]

آپ کے تار کا شکریہ۔ امید ہے کہ میں ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ء سے قبل حیدر آباد پہنچوں گا۔ چنانچہ آپ میرے خطبات[۲] کی تاریخ ۱۵، ۱۶ اور ۱۷

---

[۱] مذکورہ بالا خط کس کے نام لکھا گیا یہ تو معلوم نہ ہو سکا البتہ شروع کارروائی سے جناب حمید احمد انصاری رجسٹرار اسمبلی جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد کا نام ان کی اور سر اکبر حیدری کی خط و کتابت میں ملتا ہے۔ چنانچہ غالب ہے کہ مندرجہ بالا خط ان ہی کے نام ہے۔ مزید برآں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جنوری رکھ سکتے ہیں۔ میں درخواست کروں گا کہ ۱۷ تاریخ کو خطبہ کے تعین میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ میرا اسی دن یعنی ۱۷ کو حیدرآباد سے واپسی کا قصد ہے۔

مخلص
محمدؐ اقبال

لاہور
۹ دسمبر ۱۹۲۸ء
(انگریزی)

(سہ ماہی جریدہ "اقبال ریویو" اقبال اکیڈمی، حیدرآباد (بھارت) اپریل — جون ۱۹۸۴ء)

(گذشتہ سے پیوستہ)

انہوں نے ہی مذکورہ بالا خط کی ایک نقل روانہ کرتے ہوئے سراکبر حیدری سے گزارش کی تھی کہ "ڈاکٹر سر محمد اقبال کو ان کے اعزاز کے لحاظ سے "سرکاری دارالاضیاف" (گیسٹ ہاؤس) میں بطور سرکاری مہمان ٹھہرانا مناسب ہوگا۔ بعد ازاں اس سلسلہ میں علامہ نے ۱۲ دسمبر ۱۹۲۸ء کو ایک اور خط لکھا جس میں توسیعی خطبات کی تفصیل درج کی۔

۲۔ مسلم ایسوسی ایشن مدراس نے علامہ اقبال کو دسمبر ۱۹۲۸ء میں اسلام پر توسیعی خطبات دینے کی دعوت دی تھی۔ جب حیدرآباد میں علامہ اقبال کے احباب اور عقیدت مندوں کو ان کی آمد مدراس کا علم ہوا تو مجلس اعلیٰ، جامعہ عثمانیہ کے اجلاس ۸۲ منعقدہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۸ء بصدارت سراکبر حیدری میں فیصلہ کیا گیا کہ علامہ کو توسیعی خطبات کے لیے حیدرآباد مدعو کیا جائے چنانچہ قرار پایا کہ "ڈاکٹر سر محمدؐ اقبال کو لکھا جائے کہ مدراس جاتے ہوئے حیدرآباد میں ٹھہر کر تین لکچر بہ معاوضہ ایک ہزار روپیہ کلدار دیں۔ لکچروں کے مضامین کا انتخاب ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے البتہ اتنا تحریر کر دیا جائے کہ بہتر ہوگا کہ انگریزی میں "تصوّف" پر دو لیکچر اور اردو میں "نظم اردو" پہ ایک لکچر ہو۔"

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حمید احمد انصاری کے نام

لاہور

۲۱ر دسمبر ۱۹۲۸ء

مندرجہ ذیل تین خطبات مدراس اور حیدر آباد میں حسب ذیل ترتیب میں دیئے جائیں گے۔

۱۔ علم اور مذہبی مشاہدات

۲۔ مذہبی مشاہدات اور فلسفیانہ معیار

۳۔ ذات الہٰیہ کا تصور اور حقیقت دعا

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی) (سہ ماہی جریدہ "اقبال ریویو" اقبال اکیڈمی حیدر آباد (بھارت) اپریل - جون ۱۹۸۴ء)

(گذشتہ سے پیوستہ)

بعد میں یہ خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHTS IN ISLAM کے عنوان سے شایع ہوئے۔

ماخذ:-

سید شکیل احمد - علامہ اقبال علیہ رحمۃ اللہ

سہ ماہی جریدہ "اقبال ریویو" اپریل - جون ۱۹۸۴ء

اقبال اکیڈمی، حیدر آباد (بھارت)

فہرست حواشی - جلد دوم

آزاد ابوالکلام (۱۸۸۸-۱۹۵۸ء)

محی الدین احمد جو مولانا آزاد کے نام سے مشہور ہوئے، مذہبی علماء کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے علم وفضل کی اعلیٰ روایات کے لیے مشہور تھا۔ وہ خود اپنی نودریافت تحریر کے مطابق مکہ مکرمہ میں ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے جہاں ان کے اسلاف ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دوران ہندوستان سے ترکِ وطن کر کے چلے گئے تھے۔ آزاد نے اپنا بچپن عرب میں گزارا اور وہاں گھر پر تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۸ء میں وہ اپنے والدین کے ساتھ ہندوستان واپس آئے اور کلکتہ میں سکونت اختیار کی۔ یہاں انھوں نے اعلیٰ اسلامی تعلیم کی تکمیل کی اور ایک جید عالم کی حیثیت سے امتیاز حاصل کیا۔

انقلابی تحریک کا آزاد کی طبیعت پر گہرا اثر پڑا اور ان کا رابطہ انقلابیوں کے ساتھ قائم ہوگیا۔ انھوں نے ۱۱ برس کی عمر سے صحافت کا پیشہ اختیار کیا اور مختلف جرائد و رسائل اور اخبارات سے وابستہ رہے۔ ۱۹۰۵ء میں مصر، شام اور ترکی کا سفر کیا جہاں ان کی نوجوان باغی ترکی رہنماؤں (YOUNG TURKS) سے ملاقات ہوئی۔

۱۹۱۲ء میں قوم پرستانہ خیالات کی اشاعت کی غرض سے انھوں نے اردو میں ہفتہ وار جریدہ "الہلال" نکالا۔ اس اخبار کے ذریعہ اپنے ہم مذہبوں کو قومی تحریک میں شامل ہونے کے لیے تیار کیا اور یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہندوستان میں تمام فرقوں کے مفادات ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مربوط ہیں کہ ان کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ 'الہلال' کی ضمانت باغیانہ مضامین کی اشاعت کرنے کی وجہ سے دو بار ضبط ہونے پر مولانا نے ۱۹۱۵ء میں اسے بند کر دیا اور ۱۹۱۶ء میں ایک اور ہفتہ وار جریدہ 'البلاغ' جاری کیا اسے بھی جلد بند کرنا پڑا۔

بعد ازاں مولانا آزاد بہار میں رانچی کے مقام پر نظر بند کر دیے گئے۔ یہاں

انھوں نے اپنی کتاب "تذکرہ" اور "ترجمان القرآن" لکھی۔ ۱۹۲۰ء میں رہا ہونے پر اُن کا گاندھی جی سے قریبی رابطہ قائم ہوا اور انھوں نے جلد ہی اُن لیڈروں میں ایک نمایاں مقام حاصل کرلیا جنھوں نے تحریکِ خلافت اور پنجاب سے متعلق مظالم کے خلاف احتجاج کے لیے گاندھی جی کی عدم تعاون کی تحریک کی حمایت کی۔ اس وقت سے لے کر حصولِ آزادی تک وہ ہر قومی تحریک میں پیش پیش رہے اور ہر بار انھیں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔

مولانا خلافت کمیٹی کے سربراہ بھی رہے۔ ۱۹۲۳ء میں وہ دہلی میں منعقد ہونے والے کانگریس کے خصوصی اجلاس کے سب سے کم عمر صدر چُنے گئے اور زیادہ تر اُن کی کوششوں سے ہی غیر تغیر پسندوں ("NO CHANGERS") اور تغیر پسندوں ("PRO-CHANGERS') کے درمیان سمجھوتے کی صورت نکل آئی۔ انھوں نے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۹ء میں جمعیتہ العلماء ہند اور نیشنلسٹ مسلم کانفرنس کے اجلاسوں کی صدارت بھی کی۔

جب کانگریس نے ۱۹۳۷ء میں اقتدار سنبھالا تو مولانا اس کے پارلیمنٹری بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس دور میں وہ کانگریس کے خصوصی ترجمان بھی رہے اور ۱۹۴۲ء میں کرپس مشن (CRIPPS MISSION) سے گفت و شنید کی۔ ان کے زیر صدارت "ہندوستان چھوڑ دو" کی تاریخی قرارداد بمبئی میں پاس ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے لیڈروں کے ساتھ گرفتار کرلیے گئے اور قلعہ احمد نگر میں نظر بند رہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے "غبارِ خاطر" لکھی جو ان کی رہائی کے بعد شائع ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں وہ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے شملہ کانفرنس میں شریک ہوئے اور کیبنٹ مشن (CABINET MISSION) کے ساتھ مذاکرات میں کانگریس کی رہنمائی کی۔

مولانا دستور ساز اسمبلی کے ممبر رہے۔ بعد میں عبوری حکومت میں وزیر تعلیم و فنون کی حیثیت سے شامل ہوگئے۔ آزاد ہندوستان میں بھی مولانا وزیر تعلیم کے

عہدہ پر فائز ہوئے اور بعد میں قدرتی وسائل اور سائنسی تحقیق کی وزارتوں کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ پہلے عام انتخاب کے بعد وہ کانگریس کے ڈپٹی لیڈر بھی منتخب ہوئے۔ وزیر تعلیم کی حیثیت سے مولانا کا دورِ وزارت چند اہم کارروائیوں کے لیے یادگار رہے گا۔ مثلاً یونیورسٹی کی تعلیم اور ثانوی تعلیم کے لیے کمیشنوں کا تقرر، آل انڈیا کونسل فار ٹکنیکل ایجوکیشن (ALL INDIA COUNCIL FOR TECHNICAL EDUCATION) کی تنظیم، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی (INDIAN INSTITUTE OF TECHNOLOGY) سائنس کی تیز رفتار ترقی، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (UNIVERSITIES GRANTS COMMISSION) کا قیام۔ کھڑک پور انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی اور ملک بھر میں سائنس کی تحقیق کے لیے تجربہ گاہوں کے ایک سلسلہ کا قیام۔

انھوں نے ساہتیہ اکیڈمی، سنگیت ناٹک اکیڈمی اور کلا اکیڈمی قائم کی۔ ان ہی کی ایما پر انڈین کونسل آف کلچرل ریلیشنز (INDIAN COUNCIL OF CULTERAL — RELATIONS) وجود میں آئی۔

مولانا ایک جید عالم، صاحبِ طرز انشا پرداز ممتاز صحافی، شعلہ بیان مقرر، بیدار مغز رہنما، دور اندیش سیاست داں اور ترقی پسند وزیر تعلیم تھے۔ ان کی ذات ہماری زندگی میں اتحاد اور سیکولرزم کے مثالی تصورات کی نمائندہ تھی۔

۲۲، فروری ۱۹۵۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ماخذ

احمد - جدید ہندوستان کے معمار - ص ۱۴۹ - ۱۵۰

آغاخاں (۱۸۷۷-۱۹۵۷ء)

سر آغا سلطان محمد شاہ جو آغاخاں ثالث کے نام سے مشہور ہیں۔ اسماعیلیہ فرقہ کے مذہبی امام گزرے ہیں۔ یہ آغا حسن علی شاہ کے نبیرہ تھے جو چھیالیسویں امام تھے اور جن کو شاہ ایران نے آغا خان کا خطاب عطا کیا تھا۔ ایران میں تخت نشینی کی خانہ جنگی میں ملوث ہونے کی وجہ سے انہیں ایران چھوڑنا پڑا۔ اور ہندوستان میں پناہ گزیں ہوئے۔ حکومت برطانیہ نے ۱۸۴۵ء میں انہیں ہز ہائی نس (HIS HIGHNESS) کا خطاب عطا کیا۔

سلطان محمد شاہ بمقام ٹیکری، کراچی ۲ نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ آغا خاں نے گھر پر انگریزی اتالیقوں سے مغربی تعلیم حاصل کی اور فارسی، عربی اور فرانسیسی زبانوں میں بھی مہارت پیدا کر لی۔

۱۸ اگست ۱۸۸۵ء کو اپنے والد آغا علی شاہ کے بعد یہ اسماعیلیہ فرقہ کے امام مقرر ہوئے۔ ان کی امامت کی "سلور جوبلی" ۱۹۱۰ء میں "گولڈن جوبلی" ۱۹۳۵ء میں اور "ڈائمنڈ جوبلی" ۱۹۴۵ء میں منائی گئی۔ یہ اپنے عہد کے بے حد مالدار اور متمدن اور با اثر شخصیت تھے۔ اور تمام دنیا میں مشہور تھے۔

آغا خاں انگلستان اور یورپ میں اعلیٰ ترین حلقوں میں مقبول تھے اور ملکہ وکٹوریہ قیصر جرمنی، ترکی کے بادشاہ سلطان عبدالحمید سب سے اُن کے دوستانہ مراسم تھے۔

۱۹۰۲ء میں یہ مرکزی مجلس قانون ساز کے رکن نامزد ہوئے۔ ان کی پبلک لائف کی دو نمایاں خصوصیات تھیں۔ اول حکومت برطانیہ سے وفاداری اور دوم مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ۔

انہوں نے جنوری ۱۹۰۳ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت

کی۔ جہاں انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لیے اپیل کی۔ ان کا مقصد ایک "مسلم آکسفورڈ" قائم کرنا تھا۔ بعد ازاں ۱۹۱۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیے ۳۰ لاکھ روپیہ کی گراں قدر رقم جمع کی۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک اس یونیورسٹی کے پرو پروائس چانسلر رہے۔

انہوں نے منٹو مارلے اصلاحات کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ایک وفد کی قیادت کی اور وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے مسلمانوں کے لیے جُداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا۔

ڈھاکہ میں دسمبر ۱۹۰۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام میں انہوں نے نہایت اہم رول ادا کیا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک وہ اس کے صدر رہے۔ جنوری ۱۹۱۰ء میں اس کے سالانہ اجلاس میں خطبۂ صدارت میں من جملہ دیگر مطالبات کے انھوں نے یہ اپیل بھی کی کہ اصلاحات قبول کرلینا چاہئیں تاکہ آئندہ مزید مراعات حاصل ہوسکیں۔

انھوں نے یکم جنوری ۱۹۱۱ء کو الہ آباد میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس منعقد کی، جس میں اس وقت کے ممتاز رہنما سر سریندر ناتھ بنرجی، پنڈت مدن موہن مالویہ، سر ابراہیم رحمت اللہ، نواب وقارالملک، حسن امام، مظہرالحق اور محمد علی جناح شریک ہوئے۔

آغا خاں مسلمانوں میں واحد لیڈر تھے جنھوں نے تقسیم بنگال کی تنسیخ کا خیر مقدم کیا۔ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے برادران وطن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے از خود گئوکشی ترک کردیں۔ ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ سے مستعفی ہو گئے مگر بحیثیت نائب صدر ۲۵ فروری ۱۹۱۴ء تک تعلق قائم رکھا۔ دسمبر ۱۹۲۷ء میں دوبارہ مسلم لیگ کے صدر بننے سے انکار کردیا۔ یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو کل جماعتی کانفرنس کی صدارت کی۔

ان کو حکومت برطانیہ کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ چنانچہ حکومت برطانیہ نے ان

کو اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر مسلم ممالک کے دورے پر بھیجا تاکہ حکومت برطانیہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔

۱۹۳۱ - ۱۹۳۲ء میں انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی گول میز کانفرنس (لندن) میں نمائندگی کی۔ ۱۹۳۲ء میں جمعیۃ اقوام میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی اور ۱۹۳۴ سے ۱۹۳۷ء تک اس کے پہلے ہندوستانی صدر نشین ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں عالمی تخفیف اسلحہ کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔

۱۹۳۶ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کی صدارت کی جس نے درجہ نوآبادیات کو اپنا سیاسی نصب العین قبول کرلیا۔

حکومت برطانیہ نے انھیں بہت سے اعزازات عطا کیے اور انھیں درجہ اول کا ریاستی حکمراں تسلیم کیا اور ۱۱ توپوں کی سلامی کا اعزاز عطا کیا۔

سیاسی اصلاحات پر ان کی کتاب INDIA IN TRANSITION (ہندوستان کا عبوری دور) ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ دوسری تصنیف میں انھوں نے اپنا منصوبہ پیش کیا تھا کہ جنوبی ایشیا کا وفاق الحاق قائم ہو اور دلّی اس کا مرکز ہو۔ ان کی خود نوشت سوانح حیات میموائرز آف آغا خان (MEMOIRS OF AGHA KHAN) لندن میں ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔

آغا خاں کھیلوں کے بڑے شائق اور دلدادہ تھے خصوصاً گولف اور گھوڑ دوڑ کے۔ انھوں نے گھوڑوں کی افزائش کے لیے بڑے بڑے اصطبل انگلستان، آئرلینڈ اور فرانس میں قائم کیے اور شہرۂ آفاق ڈربی (DERBY) دوڑ تین مرتبہ جیتی (۱۹۳۰، ۱۹۳۵ اور ۱۹۳۶)۔

۱۹۵۷ء میں ان کی وفات ہوئی۔

ماخذ: NARESH KUMAR JAIN 'MUSLIMS IN INDIA' A BIOGRAPHICAL DICTIONARY, VOL.I, P.54-56

آفتاب احمد خاں (۱۸۶۷ء-۱۹۳۰ء)

صاحب زادہ آفتاب احمد خان ۲۸ رمئی ۱۸۶۷ء کو ضلع کرنال کے ایک قصبہ کنج پورہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱ سال کی عمر میں ۲۶ جون ۱۸۷۶ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۱ء میں ولایت چلے گئے۔ نومبر ۱۸۹۳ بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور ۱۹ رجون ۱۸۹۴ء کو کیمبرج یونیورسٹی میں تاریخ میں ڈگری پائی۔ ہندوستان واپس آکر علی گڑھ میں وکالت کرنے لگے۔ (نومبر ۱۸۹۹ء)۔ اسی زمانے میں سرسید احمد خان سے ملاقات ہوئی۔ سرسید احمد خاں کی مردم شناس نگاہوں نے فوراً تاڑلیا کہ آفتاب احمد خاں ان کے مطلوبہ معیار کو پورا کر سکتے ہیں چنانچہ انھوں نے ۱۸۹۷ء میں آفتاب احمد خاں کو مدرسۃ العلوم کا ٹرسٹی مقرر کردیا۔ وہ اس عہدے پر ایک طویل عرصہ تک فائز رہے اسی دوران مسلم سیاست میں حصہ لینے لگے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کی اور دستور ساز کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے اور لیگ کے مختلف اجلاسوں میں شریک رہے۔ ۱۹۰۹ء میں یو۔پی قانون ساز کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں اسٹیٹ کونسل آف انڈیا نے ان کو رکن منتخب کیا اور وہ لندن چلے گئے۔ وہاں ابھی ان کی رکنیت کی میعاد بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ دسمبر ۱۹۲۳ء میں مسلم یونیورسٹی کونسل نے ان کو وائس چانسلر منتخب کیا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۲۴ء میں رکنیت سے مستعفی ہوکر علی گڑھ آگئے۔ ۱۹۲۵ء میں کونسل آف اسٹیٹ کے رکن کی حیثیت سے ان کا انتخاب ہوا۔

صاحبزادہ احمد خاں کو تعلیمی مسائل اور فلاحی کاموں سے بڑی دل چسپی تھی۔ انھوں نے ۱۹۱۱ء میں کلکتہ میں پراونشل مسلم ایجوکیشن کانفرنس اور ۱۹۲۵ء میں الہ آباد میں انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کی۔ وہ ایک نیا نظام تعلیم

قائم کرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے علومِ اسلامیہ کے بارے میں ایک تفصیلی نوٹ لکھا اور اس سلسلے میں مختلف اکابر کو اظہارِ خیال کی دعوت دی تھی۔ جب یہ نوٹ اقبال کی نظر سے گزرا تو وہ صاحبزادہ صاحب کے خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کو ایک تفصیلی خط لکھا اور کچھ تجاویز پیش کیں۔

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں لندن ہی سے بیمار ہو کر آئے تھے۔ بیماری کے باوجود انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے انتظامی امور پر پوری توجّہ دی۔ جنوری ۱۹۲۸ء میں ان پر فالج کا پہلا حملہ ہوا۔ اُنھوں نے تین سال اس حالت میں گزارے۔ کوئی علاج کارگر نہیں ہوا۔ بالآخر ۱۸ر جنوری ۱۹۳۰ء کو فالج کا دوبارہ حملہ ہوا جس سے وہ جاں بحق ہوگئے۔ ان کو علی گڑھ میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مآخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ۔ ص ۲۹ ۔ ۳۸ ۔

۲۔ عشرت علی قریشی ۔ علی گڑھ تحریک ۔

ISHRAT ALI QURESHI 'THE ALIGARH MOVEMENT'

البرٹ آئین اسٹائن (ALBERT EINSTEIN)

(۱۸۷۹ ۔ ۱۹۵۵ء)

آئین اسٹائین کو تاریخ انسانی میں ممتاز سائنسدانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس کے نظریۂ اضافیت نے ہمارے افکار و تصورات میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ طبیعیات میں وہ انکشافات جو آخرکار جوہری توانائی کی دریافت پر منتج ہوئے۔ آئین اسٹائن کے نظریہ کے مرہون منت ہیں۔

البرٹ آئین اسٹائن ۱۴؍مارچ ۱۸۷۹ء کو جرمنی کے ایک غیر معروف قصبہ الم (ULM) کے مقام پر پیدا ہوا۔ اگلے سال اس کا خاندان میونخ منتقل ہوگیا۔ جہاں اس نے اسکول میں تعلیم پائی لیکن تین سال میں ڈپلوما حاصل کیے بغیر اسکول چھوڑ دیا۔ اس اثنا میں اس نے پھر اپنی تعلیم سوئزرلینڈ جا کر شروع کی۔ جہاں مشہور پولی ٹکنک اکیڈمی زیورک (ZURICH) میں چار سال طبیعیات کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۰۰ء میں بی۔اے کی سند لی۔ دو ماہ ریاضی کا استاد رہا اور پھر برن (BERNE) کے پیٹنٹ آفس (PATENT OFFICE) میں ممتحن (EXAMINER) کی حیثیت سے ملازم ہوگیا۔

۱۹۰۵ء میں اس نے اپنا نظریۂ اضافیت (خاص) پیش کیا اور نیوٹن کے تصورِ کائنات کی نفی کی اور ثابت کیا کہ مادّہ، قوت اور زمان و مکاں ایک واحد حقیقت کے اجزا ہیں۔ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں اس کے چار بُعد ہیں۔ ایک بُعد زمانِ مکانی کا ہے یعنی کسی واقعہ کا وقت بہ تعلق مکان متعلق ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر زمان و مکاں ناظر کے تعلق سے اضافی ہیں۔

اب اس نے پیٹنٹ آفس کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر تعلیم و تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ پہلے سوئزرلینڈ پھر قلیل مدت کے لیے پراگ (PRAGUE) کی جرمن یونیورسٹی میں پروفیسر رہا اور ۱۹۱۲ء میں زیورک کے پولی ٹکنک میں آگیا۔ اپریل ۱۹۱۴ء سے میں وہ برلن میں پروشین اکیڈمی آف سائنس (PRUSSIAN ACADEMY OF SCIENCES)

وابستہ ہوگیا۔

۱۹۱۶ء میں اس نے اپنے دوسرے مبسوط مقالہ نظریہ اضافیت (عام) پر شائع کیا۔ نومبر ۱۹۱۹ء کو آئن اسٹائن کو عالمی شہرت حاصل ہوئی جب رایل سوسائٹی لندن نے سورج گرہن کے دوران لیے گئے فوٹو گرافوں کی بناء پر آئن اسٹائن کے نظریہ کی صداقت کی توثیق کی۔ اب اس نے نظریۂ اضافت پر خطبات دینے کے لیے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ ۱۹۲۱ء میں اس کو طبیعیات پر نوبل پرائز ملا۔

آئن اسٹائن نے UNIFIED FIELD THEORY پر کام جاری رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ کائنات کے تمام قوانین ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں یہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں مہمان پروفیسر مقرر ہوا۔ جب ۱۹۳۳ء میں ہٹلر نے برسرِ اقتدار آکر یہودیوں کو آزار پہنچانے کی پالیسی وضع کی تو آئن اسٹائن نے جرمن شہریت ترک کردی اور اکتوبر میں امریکہ کی PRINCETON UNIVERSITY کے شعبۂ ریاضیات میں پروفیسر ہوگیا اور امریکن شہریت لے لی۔

آئن اسٹائن صیہونیت کا بڑا حامی تھا۔ مزید برآں وہ تحریکِ امن کا زبردست مبلغ تھا۔ یہ زندگی کے آخری لمحہ تک تحقیق و دریافت میں مصروف رہا۔

۸راپریل ۱۹۵۵ء کو دماغ کی شریان پھٹ جانے سے اس کا انتقال ہوا۔

اقبال آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت سے بہت متاثر ہوئے انھوں نے "پیامِ مشرق" میں کئی جگہ آئن اسٹائن کا ذکر کیا ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"تہذیب و تمدن کے خاکہ سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے جس کا دھندلا سا خاکہ ہمیں آئن اسٹائن اور برگساں کی تصنیفات میں ملتا ہے۔"

انھوں نے اپنی ایک نظم میں بھی آئن اسٹائن کی فکر کو خراجِ عقیدت پیش

کیا ہے اور اس نظم کے آخری شعر میں کہتے ہیں ؎

چہ من گویم از مقام آں حکیم نکتہ سنج
کرد زردشتے زنسل موسیٰ عمراں ظہور

(میں اس عقلمند فلسفی کے مقام کے بارے میں کیا کہوں، موسیٰ ابن عمران کی نسل گویا یہودیوں میں ایک نئے زردشت یا پیغمبر کا ظہور ہوا۔)

ماخذ :

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا — جلد ششم۔ ص۔ ۵۱۰ — ۵۱۲
۲۔ عبدالرؤف عروج — رجال اقبال۔ ص۔ ۳۵۔

ابدالی احمد شاہ (۱۷۲۲-۱۷۷۳ء)

احمد شاہ ابدالی کا اصل نام احمد خاں تھا۔ یہ ملتان میں ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ زماں خاں ابدالی ہرات کا صوبہ دار تھا۔ جب نادر شاہ قندھار اور ہرات پر قابض ہو (۱۷۳۸ء) تو احمد خاں نے اس کی فوج میں ملازمت کر لی اور جلد ہی اپنی قابلیت اور فوجی خدمات سے اس کا اعتماد حاصل کر لیا۔ ہندوستان کے حملہ میں ۱۷۳۹ء وہ نادر شاہ کے ہمراہ تھا۔ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد افغانیوں نے احمد شاہ کو قندھار میں تخت نشین کر دیا۔ ۱۷۴۸ء اور ۱۷۶۹ء کے درمیان اس نے ہندوستان پر نو حملے کیے۔ جن میں سب سے اہم ۱۷۶۱ء کا حملہ تھا۔ جب اس نے مرہٹوں کو پانی پت کے مقام پر شکست دی۔

۱۷۴۸ء میں ابدالی نے پہلی بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ دریائے سندھ اور دریائے جہلم عبور کر کے لاہور اور سرہند تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا لیکن مغل لشکر نے سرہند کے قریب اسے شکست دی۔ ابدالی خاموش بیٹھنے والا نہ تھا۔ اس نے ۱۷۴۸ء میں پھر ہندوستان پر حملہ کیا۔ معین خاں گورنر پنجاب نے مقابلہ کیا۔ لیکن حکومت مغلیہ نے ۱۴ لاکھ روپے سالانہ نذرانہ دینے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ ۱۷۵۱ء میں اس نے ہندوستان پر تیسرا حملہ کیا۔ معین خاں کو مغلیہ حکومت سے کوئی کمک نہ پہنچی۔ چنانچہ اس نے لاہور اور ملتان کے علاقے سپرد کر دیئے۔ ابدالی نے اس بار کشمیر کو بھی فتح کر لیا اور ابدالی پنجاب کی حکومت معین خاں کو سونپ کر واپس چلا گیا۔ معین خاں کی وفات کے بعد پنجاب میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ چنانچہ ۱۷۵۶ء میں ابدالی ہندوستان آیا اور لاہور اور سرہند پر قبضہ کیا اور دلی تک آ پہنچا۔ اس نے مغلیہ حکومت کی دولت و عزت لوٹی۔ مال غنیمت ۲۸ ہزار خچروں اور اونٹوں پر لاد کر لے گیا۔ مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی نے کشمیر، لاہور، سرہند

اور ملتان اس کے حوالے کر دیے۔ اس کے بعد مغل شہنشاہ نے مرہٹوں سے سازباز کی اور اپریل ۱۷۵۸ء میں مرہٹوں نے سرہند، لاہور اپنے تصرّف میں کر لیا اور اپنا اقتدار اٹک تک قائم کر لیا۔ جب ابدالی کو معلوم ہوا تو اس نے اپنا آخری حملہ ہندوستان پر کیا اور جنوری ۱۹۶۱ء میں مرہٹوں کو پانی پت کی تیسری جنگ میں شکست فاش دی اور پنجاب اور سندھ کو پھر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ابدالی اپنے وطن واپس لوٹ گیا اور تقریباً دس سال بعد ۱۷۷۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔

مآخذ:

۱۔ گنڈا سنگھ ــ احمد شاہ درّانی۔ بمبئی ۱۹۵۹ء

ص: ۱۵/۱۸، ۲۴، ۳۶، ۴۰، ۷۲/ ۱۰۱، ۱۳۶، ۱۴۸، ۲۲۵، ۲۴۹، ۲۷۳/
۲۸۹/ ۳۰۸، ۳۲۴

GANDA SINGH: 'AHMAD SHAH DURRANI, BOMBAY 1959
P. 15-18, 24, 36, 40, 72, 101, 136,
148, 225, 249, 273, 289, 308 & 324

۲۔ ہری رام گپتا ــ مراٹھے اور پانی پت۔ چنڈی گڑھ ۱۹۶۱ء۔ ص ۱۹/۲۰/ ۱۲۰

HARI RAM GUPTA: 'MARATHAS AND PANIPAT, CHANDIGARH 1961
PP. 19-20, 120

(عبدالکریم بن) ابراہیم الجیلی

[۷۶۸ھ ــــــ ۱۳۶۵/۱۳۶۶ء
۸۱۱ھ تا ۸۲۰ھ ــــ ۱۴۰۸/۱۴۱۷ء]

مشہور صوفی۔ ولادت تقریباً ۷۶۸ھ/ ۱۳۶۵ء۔ ۱۳۶۶ء میں ہوئی اور وفات غالباً ۸۱۱ھ کے بعد اور ۸۲۰ھ (۱۴۰۸ء تا ۱۴۱۷ء) سے پہلے ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو بغداد کا باشندہ اور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی صاحبزادی کی اولاد سے بتاتے ہیں اور اسی نسبت سے الجیلی کہلاتے ہیں۔ وہ طریقہ قادریہ کے پیرو تھے۔ انھوں نے ہندوستان کا سفر کیا تھا اور کچھ عرصہ یمن میں بھی رہے۔ ان کی تصانیف میں سے بیس محفوظ ہیں اور اتنی ہی معدوم ہو چکی ہیں۔

الجیلی کے عقائد محی الدین ابن العربی کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جو بعض تضاد نظر آتے ہیں، وہ جیسا کہ الجیلی نے بھی لکھا ہے، نقطۂ نظر یا تاویل کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے عقیدے کا مرکزی تصور "وحدت الوجود" ہے۔

الجیلی نے دنیا کو برف سے تشبیہ دی ہے اور اللہ کو ایک حقیقت مستور کی حیثیت سے پانی کے مماثل قرار دیا ہے جس سے برف بنتی ہے۔ برف پھر پانی بن جائے گی اور اس لیے صوفی کی نظر میں جس کا دل ذات واجب کی فوری تجلی کے لیے کشادہ ہے، یہ بات پہلے ہی روشن ہے۔ اس استعارہ میں "ہمہ اوست" کا تصور موجود نہیں۔ اللہ اس طرح دنیا نہیں "بن جاتا" جیسے پانی برف کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ اپنی مظہریت کے اعتبار سے ماورائے ادراک ہے۔

ان کی کتاب "الانسان الکامل" کو جس نے مراقش سے لے کر جاوا تک تصوف پر گہرا اثر ڈالا ہے، ابن العربی کی مابعدالطبعیات اور عمومی حیثیت سے پورے تصوف کی مابعدالطبعیات کو پہلی بار باقاعدہ مرتب صورت کہا جا سکتا ہے۔ الجیلی نے اس کتاب میں منظہریتِ ذات الٰہی، صوفیانہ وجدان کے مدارج، مختلف مذاہب کی صورتوں میں تجلی، ذاتِ انسانی کی روحانی اور نفسیاتی قوتوں، کائنات کے مدارج اور حیات بعد الممات پر بحث کی ہے۔

انسان کامل (جس میں ظہور ذات کے تمام پہلو مجتمع ہیں) کا تصور اس سے پہلے ابن العربی پیش کر چکے تھے۔ تصوف کا یہ ایک بنیادی تصور ہے، اور قرآن مجید کے قصۂ تخلیق آدم سے براہِ راست ماخوذ ہے، جس میں خدا کے اپنی روح آدم میں پھونک دینے اور انھیں سب نام سکھانے کا ذکر ہے۔ لہٰذا انسان اپنی حقیقی اور بنیادی نوعیت میں اللہ کا مکمل ترین "آئینہ" اور اس کے اور دوسری مخلوقات کے درمیان "واسطہ" ہے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کہ انسان کی ذات میں تمام مخلوقات کی ترتیب کس طرح ممکن ہے، ہمیں خود وجود اور علم کی بنیادی یکسانیت پر غور کرنا چاہئے۔ عقل ہی انسان کے علم کا سرچشمہ ہے۔ اسے سب اشیاء کا علم ہے۔ اس لیے کہ وہ سب اشیاء اس کی ذات میں شامل ہیں۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد ۱۲، ص ۹۴۳ — ۹۴۵

ابن تیمیہ (۱۲۶۳ء ـ ۱۳۲۸ء)

تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ الحرّانی الحنبلی، ایک عرب عالمِ دین اور فقیہ جو دمشق کے قریب حرّان میں ۲۲ جنوری ۱۲۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ روایت ہے کہ تیمیہ کے اجداد میں سے ابوالقاسم الحضر کی ایک عالمہ و فاضلہ دادی تھیں اور تمام خاندان اسی بزرگ خاتون کے نام سے منسوب ہو گیا۔ ابن تیمیہ نے قرآن، فقہ، مناظرہ و استدلال میں سن بلوغ سے پہلے ہی مہارت حاصل کر لی تھی اور سترہ برس کی عمر میں افتاء و تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ۶۸۱ھ/۱۲۸۲ء میں اپنے باپ کی وفات پر ان کی جگہ حنبلی فقہ کے استاد مقرر ہوئے۔ انھیں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا۔ لیکن انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۶۹۹ھ/ ۱۲۹۹ء میں قاہرہ میں انھوں نے صفات باری تعالیٰ سے متعلق ایک سوال کا جواب دیا، جس سے شافعی علماء ناراض ہوئے اور رائے عامہ بھی ان کے خلاف ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں مدرس کے عہدہ سے برطرف ہونا پڑا۔ تاہم اسی سال انھیں مغلوں کے خلاف جہاد کی تلقین کا کام سپرد کیا گیا اور اس غرض سے وہ آئندہ سال قاہرہ چلے گئے۔ وہاں قاضیوں اور نامور لوگوں کی مجلس نے جنھوں نے ان پر شیعہ ہونے کا الزام عائد کر کے، ان کو پہاڑی قلعہ کے تہ خانے میں قید کی سزا دی۔ جہاں وہ ڈیڑھ سال تک رہے۔ پھر چند دن کی آزادی کے بعد انھیں اسکندریہ کے قلعہ (برج) میں آٹھ ماہ کے لیے قید رکھا گیا۔ اس کے بعد وہ قاہرہ آئے اور پھر مدرس مقرر ہوئے۔

ذی قعدہ ۷۱۲ھ/ فروری ۱۳۱۲ء میں وہ بیت المقدس ہوتے ہوئے دمشق پہنچے اور تدریس میں مشغول ہو گئے۔ انھیں شاہی حکم سے طلاق کی قسم کے متعلق فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا۔ اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کرنے پر انھیں

رجب ۷۲۰/ اگست ۱۳۲۰ء میں دمشق کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ پانچ ماہ کے بعد رہائی ملی۔ اب وہ قرآن کی تفسیر، اپنے بدنام کنندگان کے خلاف رسائل اور اپنے ان تمام مسائل پر کتابیں لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ جن کی وجہ سے وہ قید ہوئے تھے۔ لیکن جب ان کے دشمنوں کو ان کی تصانیف کا علم ہوا تو انھیں ان کی کتابوں، کاغذ اور روشنائی سے محروم کر دیا گیا۔

۲ر ذی قعدہ ۷۲۸ھ/ ۲۶۔ ۲۷ر ستمبر ۱۳۲۸ء کو انتقال کر گئے۔

ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل کے پیرو تھے۔ وہ ان کی کورانہ تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے آپ کو مجتہد فی المذہب سمجھتے تھے۔ اپنی بیشتر تصانیف میں وہ قرآن و حدیث کے احکام کی لفظی پیروی کرتے تھے۔ لیکن اختلافی مسائل پر بحث کرتے ہوئے وہ قیاس کے استعمال کو ناجائز نہیں سمجھتے۔ وہ بدعت کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے اولیاء پرستی اور مزارات کی زیارت کی شدید مذمت کی ہے۔

تحریر اور تقریر دونوں طریقوں سے انھوں نے متعدد اسلامی فرقوں سے ٹکر لی۔ بہت سے مسائل میں وہ بعض فقہاء سے اختلاف رکھتے تھے۔ بعض مسلمان علماء ابن تیمیہ کی راسخ الاعتقادی کے بارے میں متفق نہیں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ابن تیمیہ نے پانچ سو کتابیں لکھیں۔ اب کچھ باقی رہی ہیں۔ بقیہ کے صرف نام معلوم ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ رسالۃ الفرقان
۲۔ التبیان فی نزول القرآن
۳۔ الوصیۃ فی الدین والدنیا المعروف بہ وصیۃ الصغریٰ
۴۔ رسالۃ النیۃ فی العبادات
۵۔ الوصیۃ الکبریٰ (ترجمہ از ابوالکلام آزاد لاہور ۱۹۴۷ء)
۶۔ العقیدۃ الواسطیۃ (اردو ترجمہ)
۷۔ رسالہ فی الدرجات الیقین (اردو ترجمہ، لاہور، ۱۹۴۷ء)

۸۔ رسالہ فی السماع والرقص (اردو ترجمہ وجد و سماع از عبدالرزاق ملیح آبادی، لاہور، ۱۳۴۰ھ)

۹۔ مجموعۃ التوحید (اردو ترجمہ از غلام ربانی، لاہور ۱۹۳۰ء)

۱۰۔ کتاب التوسل والوسیلہ (اردو ترجمہ از عبدالرزاق ملیح آبادی، طبع دوم، لاہور ۱۹۵۱ء)

۱۱۔ فتاویٰ ابن تیمیہ

۱۲۔ مقدمہ فی امر التفسیر (اردو ترجمہ: اصول التفسیر، از عطاء اللہ، طبع لاہور ۱۳۴۳ھ)

مآخذ:

دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد اول، ص ۴۴۸ - ۴۵۹۔

نوٹ: دائرۃ المعارف جلد اوّل میں ابن تیمیہ کی ۱۰۹ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔ دیکھئے۔ ص ۴۵۵ - ۴۵۸۔

(حافظ) ابن حجر عسقلانی

(۷۷۳ھ—۸۵۲ھ)

آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں جن باکمال مشاہیر نے دنیائے علم وفضل میں نام روشن کیا، ان میں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا نام بہت نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ احمد نام، ابوالفضل کنیت اور شہاب الدین لقب تھا۔ ابن حجر کے لقب سے مشہور و معروف ہوئے۔ ایک زمانے میں عسقلان فلسطین کا خوبصورت ترین شہر تھا۔

حافظ ابن حجر شعبان ۷۷۳ہجری میں مصر کے ایک قریہ عتیقہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ باقاعدہ تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے۔ ابتدا میں شعر و سخن سے بھی شغف رکھتے تھے۔

۷۸۴ہجری میں فریضۂ حج ادا کیا۔ جب سن رشد کو پہنچے تو ان کی توجہ علم حدیث کی طرف ہوئی، جس کی بنا پر انھیں شہرت دوام حاصل ہوئی۔

تحصیل علوم کے بعد حافظ ابن حجر نے خانقاہ بیبرسیہ میں تقریباً بیس سال تک حدیث، فقہ اور قرآن کا درس دیا۔ جامعہ ازہر اور جامعہ عمرو میں خطیب کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

یوں تو جامع العلوم تھے۔ لیکن ان کے خصوصی علم حدیث، رجال اور فقہ تھے اور ان میں بھی حدیث سے ان کو زیادہ شغف تھا اور اسی میں زیادہ ناموری حاصل کی۔

حافظ ابن حجر سب سے پہلے ۸۲۷ھ میں قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور ہوئے۔ درمیان کچھ وقفوں کو چھوڑ کر ۸۲۷ھ سے ۸۵۲ھ تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ جمادی الثانی ۸۵۲ھ میں اس سے سبکدوشی حاصل کر لی اور دارالحدیث الکاملیہ میں

عزلت گزینی اختیار کر کے مستقل طور پر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

ان کی وفات ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ ہجری کو ہوئی۔

حافظ ابن حجر نے اپنی طویل علمی زندگی میں مختلف فنون کی بہ کثرت کتابیں تصنیف کیں۔ امام سخاوی نے ان کی کل تصنیفات کی تعداد ۱۵۰ سے زائد بتائی ہے۔

ان کی سب سے پہلی تصنیف "تعلیق التعلیق" (۸۰۷ھ) ہے۔ اس میں صحیح بخاری کی تعلیقات کی اسانید موصولہ کا ذکر ہے۔ ان کی چند اور مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ "فتح الباری" شرح البخاری نے حافظ ابن حجر کو تاریخ علم و فن میں زندہ جاوید کر دیا ہے۔ یہ شرح دس جلدوں میں ہے۔ ۸۴۲ھ میں اس عظیم کام سے فراغت ہوئی۔

۲۔ بلوغ المرام من أدلۃ الاحکام (۸۲۸ھ) (حدیث)

۳۔ لسان المیزان (امام ذہبی کی شہرۂ آفاق تصنیف "میزان الاعتدال فی نقد الرجال کی تلخیص)۔ چھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہوئی۔

۴۔ تہذیب التہذیب (فن رجال)

۵۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ (یہ کتاب طبقات صحابہ میں ہے)۔

ماخذ:

حافظ محمد نعیم صدیقی ندوی — حافظ ابن حجر عسقلانی — معارف جلد نمبر ۱۰۱ شمارہ مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۶۸ء

ابن حزم (۳۸۴ھ / ۹۹۴ء — ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء)

ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم ایک اندلسی عرب فاضل جسے متعدد علوم و فنون میں دسترس تھی، مشہور عالم دین، مورخ اور ممتاز شاعر۔ وہ ماہ رمضان ۳۸۴ھ کے آخر میں قرطبہ (CORDOVA) میں پیدا ہوا۔ ابن حزم نے اعلیٰ تعلیم پائی۔ سیاسی خلفشار اور باپ کی وفات کے بعد قرطبہ چھوڑ کر المریہ (ALMERIA) چلا گیا۔ امویوں کی حمایت کے شبہ میں گرفتار ہوا اور جلا وطن کر دیا گیا۔ جب عبدالرحمٰن الرابع المرتضیٰ خلیفہ ہوا تو وہ وزیر کے عہدہ پر مقرر ہوا۔ خلیفہ سات ہفتہ کے بعد قتل کر دیا گیا، ابن حزم کو ایک بار پھر قید و بند کی صعوبت جھیلنا پڑی۔ آخری عمر میں سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سارا وقت مطالعہ، تصنیف و تالیف اپنے عقائد کی تبلیغ اور تائید میں صرف کرنے لگا۔

ابن حزم کی سب سے ابتدائی تصنیف "طوق الحمامہ" (فاختہ کی گردن کا کنٹھا) ہے، جو اس نے لگ بھگ ۴۱۸ ہجری میں لکھی۔ یہ عشق کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں ہے۔

ابن حزم ایک محدث اور عالم دین بھی تھا۔ ابتدا میں وہ شافعی مسلک کا پُرجوش پیرو تھا۔ بعد میں مسلک ظاہریہ اختیار کر لیا تھا۔ اپنے رسائل "ابطال القیاس والرائے" اور "کتاب الاحکام فی اصول الاحکام" میں اس نے اپنے ظاہری نظریہ کی وضاحت کی ہے کہ فقہی مسائل کی ان جزئیات کو جن کی بنیاد قرآن اور حدیث میں نہیں ہے، رد کر دینا چاہئے۔ اپنی مشہور تصنیف "کتاب المحلیٰ بالآثار فی شرح المجلیٰ بالاختصار" میں ابن حزم نے ظاہریہ نظام فقہ کو پیش کیا ہے اور ظاہریہ اصولوں کو ذہنی تصورات پر منطبق کرنے میں ایک نیا راستہ اختیار کیا ہے۔ جس کی وضاحت اپنی سب سے زیادہ مشہور تصنیف "کتاب الفصل فی الملل والاھوا والنحل" میں کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ

عبداللہ العمادی نے تین جلدوں میں کیا جو دارالترجمہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) سے ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں اسلام کے مذہبی فرقوں بالخصوص اشاعرہ اور اُن کے خیالات پر سخت اور کڑی نکتہ چینی کی ہے۔

اس کی تصانیف کی تعداد چار سو بتائی جاتی ہے جو اسی ہزار اوراق پر پھیلی ہوئی تھیں۔ مگر سوائے چند تصانیف کے باقی سب ضائع ہو گئیں۔

جب قرطبہ کے اور دوسرے علمائے دین نے ابن حزم کے خلاف یہ فتویٰ صادر کیا کہ وہ مسلک مالکیہ کا مخالف ہے تو اس نے جزیرہ میورقہ (MAJORCA) میں پناہ لی اور وہاں ۴۳۰ ہجری سے ۴۴۰ ہجری تک رہا۔ بنوامیہ سے دلی ہمدردی کے باعث لوگ اسے خطرناک سمجھتے تھے۔ اس کی تحریریں سربازار نذر آتش کی گئیں۔

ان متواتر اور مسلسل اذیتوں سے بچنے کے لیے وہ منت لیشم (MANTA LISHAM) جاکر اپنی خاندانی جاگیر میں عزلت گزیں ہو گیا۔ اور گوشہ نشینی میں بھی لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھا۔ یہیں اس کا انتقال ۲۸ شعبان ۴۵۶ ہجری مطابق ۱۵ اگست ۱۰۶۴ء کو ہوا۔

ماخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۵ - ۴۹۴۔

۲۔ ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM VOL.III P.790-799

ابن خلکان (۶۰۸ھ / ۱۲۱۱ء - ۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء)

ابوالعباس شمس الدین احمد بن ابراہیم جو ابن خلکان کے نام سے مشہور ہے، ۱۱ ربیع الثانی ۶۰۸ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۲۱۱ء کو ملک شام میں موصل کے قریب مقام اربیلہ میں پیدا ہوا۔ اس کا سلسلۂ نسب خاندان برامکہ سے ملتا ہے۔ دو برس کا تھا تو اس کے والد کا انتقال ہو گیا جو مدرسہ مظفریہ میں مدرس تھے۔ ابتدائی تعلیم اربیلہ اور دمشق میں پائی۔ اس کے اساتذہ میں شرف الدین اربیلی ابن شداد اور ابن یعیش کے نام ملتے ہیں۔ موصل میں مورخ ابن الاثیر (ف۔ ۶۳۰ھ) اور کمال الدین ابن یونس سے دوستانہ تعلق رہا۔ ۶۳۶ھ / ۱۲۳۸ء میں قاہرہ گیا اور قاضی القضاۃ بدرالدین یوسف بن حسن کا نائب مقرر ہوا۔ مصر کے مملوک بادشاہ نے اسے دمشق کا قاضی القضاۃ بھی مقرر کیا۔ حنفی، حنبلی اور مالکی قضاۃ اس کے ماتحت تھے۔ اس عہدہ سے علیحدہ ہونے کے بعد (۶۶۹ھ) قاہرہ کے مدرسہ الفخریہ میں لگ بھگ سات سال تک مدرس رہا۔ ۶۷۶ھ / ۱۲۷۸ء میں پھر قاضی مقرر ہوا۔ قلاوون کی تخت نشینی کے بعد دمشق کے گورنر شنقر نے بغاوت کی۔ قلاوون نے اس پر قابو پا لیا (۶۷۹ھ / ۱۲۸۰ء) مگر ابن خلکان کو ایک فتوی کے جرم میں قید کر دیا، جس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ شنقر کی بغاوت کا جواز فراہم کرتا ہے۔ مگر تین ہفتہ بعد رہا ہوا اور پھر قاضی القضاۃ بنا دیا گیا۔ ۶۸۰ھ میں قلاوون دمشق آیا اور تین دن بعد ابن خلکان کو پھر معزول کر دیا گیا۔ اپنے مسلک کے اعتبار سے وہ شافعی تھا۔

فقہ کے علاوہ اس کی نظر تاریخ پر بھی بہت گہری تھی۔ وہ نہایت ذہین ذی علم اور شعر و ادب کا ذوق رکھنے والا تھا۔ منصف مزاج، ملنسار تھا۔ اس کی مشہور تصنیف

"وفیات الاعیان وانبا وابناء الزمان" عربی کی اہم کتب حوالہ میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی تالیف ۶۵۴ھ اور ۶۷۲ھ کے درمیانی عرصہ میں ہوئی۔ وفیات الاعیان کا ایک خطی نسخہ خود ابن خلکان کا لکھا ہوا برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے (رقم ۱۵۵۔ ضمیمہ رقم ۶۰۷) اور یہ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اس میں ابن خلکان نے اپنے زمانے تک کی مشہور اسلامی شخصیتوں کے حالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب ایک مستند ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ اس کی تالیف میں بعض ایسی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو اب قطعاً ناپید ہو چکی ہیں۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف وہی نام شامل ہیں جن کی تاریخِ وفات قطعی طور پر معلوم ہو چکی ہے۔

ابن خلکان نے ۲۶ رجب ۶۸۱ھ/۳۰ اکتوبر ۱۲۸۲ء کو دمشق میں وفات پائی۔

وفیات الاعیان کا تکملہ "فوات الوفیات" محمد بن شاکر الکتبی (المتوفی ۷۶۴ھ/ ۱۳۶۳ء) نے لکھا۔ وفیات کا ترجمہ فارسی اور ترکی میں بھی ہوا ہے۔ اردو میں صرف ایک حصہ ہی چھپ سکا ہے۔

ماخذ:

۱۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ (طبع لاہور) جلد اول۔ ص ۵۰۸ — ۵۱۰

۲۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ (انگریزی)، جلد سوم۔ ص ۸۳۲ — ۸۳۳

ابنِ رُشد (۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء — ۵۹۵ھ / ۱۱۹۸ء)

ابو ولید محمد بن احمد بن رُشد، جو یورپ میں AVERROES کے نام سے مشہور ہوا۔ اندلس کا سب سے بڑا عرب فلسفی گزرا ہے۔ وہ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ قرطبہ کے قاضی کے عہدہ پر فائز تھا۔ قانون اور طب کی تعلیم ابن رشد نے اپنے پیدائشی شہر میں حاصل کی۔ ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء میں وہ مراکش چلا گیا۔

۵۶۵ھ/۱۱۶۹ء میں ابن رشد اشبیلیہ کا قاضی مقرر ہوا اور اس کے دو سال بعد قرطبہ کا۔ عہدے کی گراں بار مصروفیتوں کے باوجود یہی زمانہ ہے جب ابنِ رشد نے اپنی اہم ترین تصانیف مرتب کیں۔ ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء میں ابن یوسف نے اسے اپنے طبیب کی حیثیت سے مراکش بلایا۔ لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اسے قاضی القضاۃ کا عہدہ دے کر قرطبہ واپس بھیج دیا۔

یوسف کے جانشین یعقوب المنصور نے ابن رشد کو اپنے دربار میں واپس بلا لیا۔ لیکن علمائے دین کی مخالفت کی بنا پر وہ معتوب ہو گیا اور اسے قرطبہ کے قریب لوسینا (LUCENA) میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں (تقریباً ۱۱۹۵ء) خلیفہ نے عیسائیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا تھا۔ بہر کیف مراکش پہنچ کر اس نے ابن رشد کو دوبارہ اپنے دربار میں واپس بلا لیا۔ ابن رشد اپنے جاہ و ثروت کی بحالی سے زیادہ عرصہ مستفیض نہ ہو سکا۔ کیونکہ مراکش واپس آکر تھوڑی ہی مدت بعد ۹ صفر ۵۹۵ھ/۱۰ دسمبر ۱۱۹۸ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

ابنِ رُشد کی اصل عربی تصانیف کا بڑا حصّہ ضائع ہو چکا ہے اور جو کتابیں بچ رہی ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ تہافت التہافت۔
۲۔ ارسطو کی بوطیقا (POETICS) اور ریطوریقا (RHETORIC) کی شرحیں۔
۳۔ ارسطو کی مابعد الطبیعیات کی ضخیم شرح۔
۴۔ کتاب الجوامع، جس میں مختصر شرحیں ہیں۔
۵۔ مذہب اور فلسفہ کے باہمی ربط کے بارے میں دو دلچسپ رسالے۔
(الف) کتاب الفصل المقال (ب) کشف المناہج

ابن رشد نے افلاطون کی کتاب "السیاستہ" (REPUBLIC) کی شرح، الفارابی کی منطق اور اس کی ارسطو کی شرح کی تنقید بھی لکھی تھی۔ اس نے فقہ (کتاب ہدایتہ المجتہد و نہایہ المقتصد)، ہیئت اور طب پر بھی متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

دیگر کتب خانوں میں جو مخطوطے محفوظ ہیں انھیں ملا کر اس وقت دنیا میں ابنِ رُشد کی باون تصنیفات اصل یا تراجم کی شکل میں موجود ہیں۔ ابن رشد کے عبرانی تراجم کی اشاعت کا یہ عالم ہے کہ بائیبل کے بعد انھیں کا درجہ ہے۔

ابن رشد کے فلسفہ کو ایک نیا فلسفہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ مسلمان فلسفہ کے یونان پرست دبستان کا وہی فلسفہ ہے جس کی تعلیم الکندری، الفارابی اور ابن سینا اس سے پہلے دے چکے تھے۔ ابن رشد کی شہرت کا انحصار زیادہ تر اس کے ناقدانہ تجزیے اور شرح نویسی کے فطری ملکہ پر ہے۔ جن کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہم آج کل نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے اور اس زمانے کے آہنگِ فکر، طریقِ کار اور وسائل علمی میں بہت فرق ہے۔ اسی لیے قرونِ وسطیٰ کے علماء کے نزدیک بالخصوص یہودی اور عیسائی حلقوں میں انھیں بہت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا یہاں تک اس کی شرحوں سے علمائے دین میں بھی تحسین و آفریں کی لہر دوڑ گئی۔ گو وہ اس نظامِ فلسفہ کو مذہب کے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔

فلسفۂ ابنِ رُشد کے وہ خاص معتقدات جن کی بنا پر اسے ملحد ٹھہرایا گیا ابدیت عالم، اللہ کے علم کی ماہیت، اس کے علمِ غیب، نفس اور عقل، حکمت

اور معاد کے متعلق ہیں۔ ان معتقدات میں ابن رُشد کو بآسانی ملحد قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمہ عقائد کا منکر تو نہیں تھا لیکن انھیں اس طرح پیش کرتا تھا کہ فلسفے سے ان کی تطبیق ہو جائے۔ اس کے نزدیک کوئی چیز عدم سے ایک بار ہمیشہ کے لیے پیدا نہیں ہوتی بلکہ لمحہ بہ لمحہ تجدید ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک تخلیقی قوت اس دنیا میں لگاتار کام کر رہی ہے جو اسے قائم رکھتی ہے اور حرکت دیتی ہے۔

اس نے روح، علم غیب، فلسفہ، فلکیات، ریاضی، طب، منطق، قواعد زبان عربی وغیرہ کے ادق موضوعات پر مدلل بحثیں کی ہیں۔

مآخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد سوم۔ ص ۹۰۹۔ ۹۲۰

۲۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ ص ۵۲۳

۳۔ اردو انسائیکلو پیڈیا۔ ص ۴۷

ابن عرب شاہ (۷۹۱ھ / ۱۳۹۲ء — ۸۵۴ھ / ۱۴۵۰ء)

شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن عبد اللہ الحنفی اصلاً ایرانی تھا۔ ۲۰ ذی قعدہ ۷۹۱ھ / نومبر ۱۳۹۲ء میں دمشق میں پیدا ہوا۔ ۸۰۳ ہجری میں جب تیمور نے شام پر حملہ کیا تو ابن عرب شاہ کا خانوادہ سمرقند منتقل ہو گیا۔ وہاں اس نے الجرجانی اور الجزری اور دیگر علماء سے علوم ادبیہ کی تحصیل کی۔ وہیں زبان ترکی و مغولی میں دستگاہ پیدا کی۔ ۸۱۱ ہجری (۱۴۰۸/۱۴۰۹ء) میں منگولیہ پہنچا اور وہاں علم حدیث کا درس لیا۔ پھر خوارزم اور دشت پہنچا۔ یہاں کچھ دنوں قیام رہا۔ ۸۱۴ھ کے بعد ترکی کا سفر کیا اور سلطان محمد اول کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ سلطان نے اسے اپنا کاتب مقرر کیا۔ اس دوران اس نے سلطان کے فرامین کا ترکی میں ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ متعدد عربی اور فارسی کتابوں کو ترکی کا جامہ پہنایا۔ ۸۲۴ ہجری میں حلب گیا۔ ۸۲۵ ہجری میں دمشق کا سفر کیا۔ ۸۳۲ھ میں حج کی سعادت حاصل کی۔ ۸۴۰ ہجری میں نقل وطن کر کے قاہرہ گیا اور ۵ رجب ۸۵۴ھ / مطابق ۱۴ اگست ۱۴۵۰ء کو انتقال کیا۔

اس کی اہم ترین تصانیف میں "عجائب المقدور فی نوائب تیمور" عربی میں ہے۔ اس میں تیمور کی فتوحات اور اس کے جانشینوں کے عہد کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں تیمور کو ظالم، عیاش، بدکار اور جابر پیش کیا گیا ہے لیکن آخر میں اس کی خوبیوں کو سراہا بھی گیا ہے۔ اس کی کتاب میں سمرقند اور وہاں کے علماء کے بارے میں بیش قیمت معلومات درج ہیں۔ اس کی تصنیف "فاکہتہ الخلفاء و مفاکہتہ الظرفا" دس ابواب پر

مشتمل ہے اور صفر ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء میں لکھی گئی ہے۔ بقول حاجی خلیفہ "کلیلہ و دمنہ" اور "سلوان المطاع" کی طرح ایک مراۃ الملوک ہے اور اس میں حیوانات کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کا ترجمہ ترکی کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، لاطینی زبانوں میں بھی ہوا۔ اس کے مختلف تراجم میں "جوامع الحکایات" محمد عرفی کا ترکی ترجمہ ہے۔

ماخذ:

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد سوم۔ ص ۱۱ – ۷۱۲

۲۔ لغت نامہ دہخدا – ابوسعید۔ ص ۳۲۹

(حافظ) ابن قیّم (۶۹۱ھ / ۱۲۹۳ء — ۷۵۱ھ / ۱۳۵۰ء)

شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی ۶۹۱ھ/۱۲۹۳ء میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوبکر بن ایوب دمشق کے مدرسہ الجوزیہ کے قیّم (مہتمم) تھے۔ اسی بنا پر ابتدا میں انھیں ابن قیم الجوزیہ کہا جاتا تھا بعد میں صرف ابن قیم کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک مدت تک تمیع اصناف علوم وفنون میں اپنے دور کے مشہور شیوخ سے تکمیل کی۔ ۷۱۲ھ/۱۳۱۲ء میں جب ابن تیمیہ مصر سے مراجعت کر کے دمشق میں مقیم ہوئے تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء تک جب ابن تیمیہ نے وفات پائی متواتر ان کے پاس رہے۔ اس طویل صحبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ کا رنگ ان پر غالب آگیا۔ وہ ابن تیمیہ کے صحیح جانشین اور ان کے علوم کے صحیح معنی میں حامل تھے۔ ابن تیمیہ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں کی تہذیب و ترتیب اور نشر واشاعت ان کی بدولت ہی ہوئی۔ چند مسائل میں امام ابن تیمیہ کی رائے جمہور علماء سے مختلف تھی۔ ابن قیم ان مسائل میں اپنے استاد کے ہمنوا تھے۔ علمائے وقت نے ان مسائل کی بنا پر کئی دفعہ ان کے خلاف ہنگامے کھڑے کیے گئے اور کئی دفعہ انھیں محبوس ہونا پڑا۔ سب سے آخری بار ۷۲۶ھ/۱۳۲۶ء میں ابن تیمیہ کو دمشق کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ اس قید میں ابن قیم بھی ہمراہ تھے۔ ابن تیمیہ کی وفات کے بعد انھیں قید سے رہائی نصیب ہوئی لیکن ابن تیمیہ کے مسلک کی تائید وحمایت کی وجہ سے انھیں دوبارہ پہلی سی مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں۔

ابن قیم تقلید شخصی کے سخت مخالف تھے۔ بہرحال مسائل کا ان کا میلان اپنے استاد کی طرح امام احمد بن حنبل کی طرف تھا۔ اصول و عقائد میں وہ حنبلی المذہب تھے۔

لیکن فروع میں آزاد تھے۔ اپنے استاد کی طرح وہ فلسفیوں، معتزلیوں، حشویوں اور وحدت الوجودیوں کے سخت مخالف تھے اور کلام، عقائد اور تصوّف کے مسائل میں سلف صالحین کے نقطۂ نظر کے حامی تھے۔ وہ بدعات و محدثات کو ناپسند کرتے تھے اور مسلمانوں کو ابتدائی دور کے سادہ اسلام کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے عقائد باطلہ کی تردید میں بھی انھوں نے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں۔

ابن القیمؒ نے ۶۰ برس کی عمر میں ۱۳ رجب ۷۵۱ ہجری مطابق ۱۶ اگست ۱۳۵۰ء کو دمشق میں وفات پائی۔

انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں بیشتر دستبردِ زمانہ کے باعث ضائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ۴۵ ہے اور ایک اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن القیمؒ نے ان کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھی ہیں۔ براکلمان نے اپنی "تاریخ ادبیاتِ عربی" میں ابن القیمؒ کی ۵۲ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ چند اہم مطبوعہ تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) اعلام الموقعین من رب العالمین، دہلی ۱۳۱۳ھ، اس کتاب کا اردو ترجمہ 'دینِ محمدی' کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔ (۲) اغاثۃ اللھفان فی حکم طلاق الغضبان، مصر ۱۳۲۲ھ۔ (۳) التبیان فی اقسام القرآن۔ (۴) کتاب الروح حیدرآباد۔ ۱۳۱۸ھ۔ (۵) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، کانپور ۱۲۹۸ھ۔ اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری، کراچی ۱۹۶۲ء اور اس کی تلخیص ہدی الرسول کا اردو ترجمہ "اسوۂ حسنہ" از عبدالرزاق ملیح آبادی، لاہور۔ ۱۹۳۱ء۔ (۶) الطریق الحکمہ فی سیاستہ الشرعیہ۔ (۷) الشافیہ فی الفرقۃ الناجیہ (۸) مدارج السالکین (۹) بدائع الفوائد (۱۰) الوابل الصیب۔ اردو ترجمہ "ذکر الٰہی" پاکستان۔ (۱۱) تفسیر۔ اردو ترجمہ از عبدالرحیم، لاہور ۱۹۲۸ء۔ "تفسیر القیم" کے نام سے اویس ندوی نے ابن القیمؒ کی تحریرات سے قرآن مجید کی تفسیر مرتب کی ہے (مکہ مکرمہ ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء)۔

مآخذ: دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۶۵۱ — ۶۵۳

ابوالبرکات بغدادی (۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء — ۵۶۰ھ / ۶۵-۱۱۶۴ء)

ابوالبرکات ہبتہ اللہ بن علی بن ملکان البلدی البغدادی، ایک فلسفی اور طبیب تھا۔ اسے "اوحدالزماں" یگانہ روزگار کہتے تھے۔ یہ موصل کے قریب ایک مقام "البلد" میں غالباً ۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء میں پیدا ہوا۔ لیکن کم عمری ہی میں بغداد منتقل ہو گیا۔ اپنے عہد کے مشاہیر علماء و اطبا سے فیض اٹھایا اور بغداد کے جلیل القدر علماء میں اس کا شمار ہوا۔ ابوالبرکات کا دعویٰ تھا کہ وہ ارسطو کے مقام کو پہنچ گیا ہے۔ بہر کیف فخر الدین الرازی پر اس کا اثر قطعی طور پر تھا۔

یہ پہلے یہودی تھا۔ طب کے مشہور یہودی عالم سعید بن ہبتہ اللہ بن الحسین (متوفی ۴۹۵ھ) کے تلامذۂ خاص میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ بعد میں اس نے اسلام قبول کیا۔ مشہور طبیب کی حیثیت سے بعض خلفائے بغداد اور سلجوقی سلاطین کی خدمت کرتا رہا۔

جس طرح ابوالبرکات کے سال ولادت کا تعین نہیں ہو سکا، اسی طرح اس کے سال وفات میں بھی اختلاف ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کا سال وفات ۵۴۷ھ دیا ہے۔ کچھ مورخین لکھتے ہیں کہ ۵۶۰ھ / ۶۵-۱۱۶۴ء کے بعد وفات ہوئی، اور یہی قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔

اس کی خاص تصنیف "المعتبر" ہے جس میں منطق، طبیعیات بشمول نفسیات اور مابعدالطبیعیات کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں منطق کے موضوعات ہیں۔ دوسری جلد میں ابن سینا کے نہج میں طبیعیات

کے مسائل ہیں اور تیسری جلد میں مابعدالطبیعیات کے مباحث ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی کی توجہ سے یہ نادر کتاب دائرۃ المعارف، حیدر آباد سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی۔

مختصر رسالوں میں جو ابوالبرکات سے منسوب کیے جاتے ہیں اختصار التشریح من کلام جالینوس، رسالہ فی سبب ظہور الکواکب لیلاً و خفاوہا نہاراً اور رسالہ العقل و ماہیتہ شامل ہیں۔ ان میں رسالہ فی سبب ظہور الکواکب لیلاً و خفاوہا نہاراً کا ترجمہ ڈیڈمان (E. DEIDMANN) نے ۱۹۰۹ء میں شائع کیا۔ جرمن مستشرق پائنز (S. PINES) کو ابوالبرکات اور اس کی تصانیف سے خاصی دلچسپی تھی۔ اس نے اس پر متعدد مضامین جرمن زبان میں ۱۹۳۶ء، ۱۹۳۸ء اور ۱۹۵۲ء میں لکھ کر شائع کیے۔ اس نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی دوسری اشاعت کے لیے بھی ابوالبرکات پر مضمون سپرد قلم کیا ہے۔

ماخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ (انگریزی) جلد اوّل۔ ص ۱۱۱

۲۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد اول۔ ص ۷۴۵ - ۷۵۰

۳۔ (بصد شکریہ) پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔

ابوالمعالی (پانچویں صدی ہجری/گیارھویں صدی عیسوی)

ابوالمعالی محمد بن عبیداللہ۔ ایرانی مصنف۔ وہ ناصر خسرو کے معاصر اور اس سے متعارف بھی تھے۔ ان کی ایک تصنیف ہے جس کی دو عبارتوں سے شیفر (CH. SCHEFER) نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جب انھوں نے بیان الادیان (۴۸۰ھ/۱۰۹۲ء) تصنیف کی تو وہ اس وقت سلطان مسعود غزنوی سوم کے دربار سے وابستہ تھے۔ یہ اولین کتاب ہے جو فارسی زبان میں مذہب کے بارے میں لکھی گئی۔ یہ کتاب صحت و وضاحت اور زور بیان کے اعتبار سے بھی بہت قابل تعریف ہے۔ اس کا شمار ان بہترین تصنیفات میں ہوتا ہے جو غزنوی عہد میں فارسی نثر میں لکھی گئیں۔

مآخذ:
اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۹۱۱

ابو حنیفہ (۸۰ھ/۶۹۹ء — ۱۵۰ھ/۷۶۷ء)

نعمان نام، کنیت ابو حنیفہ، امام اعظم لقب تھا۔ بانی فقہ حنفی تھے۔ کوفہ میں ۸۰ھ/ ۶۹۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ/۷۶۷ء میں حالت اسیری میں بغداد میں فوت ہوئے۔ وہ بیس سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ادب و انساب اور اس کے بعد خصوصاً علم کلام حاصل کیا۔ پھر فقیہ وقت امام حماد (م۔ ۱۲۰ھ) کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔ حماد کی وفات کے بعد وہ کوفہ میں فقہ اسلام پر سب سے ممتاز سند اور کوفی مکتب فقہ کے بڑے نمائندے ہو گئے۔ خلیفۂ وقت منصور انھیں قاضی بنانا چاہتا تھا لیکن وہ اس کام کے لیے کسی طرح اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے۔ بس پر ۱۴۶ھ میں انھیں قید کر دیا گیا۔

امام اعظم کے علم کی طرح ان کی ذہانت اور طباعی بھی ضرب المثل تھی۔ اس غیر معمولی ذہانت نے عظیم الشان ذخیرۂ علم پر تصنیف کرا کے آپ کو بانیان علوم کی صف میں لا کھڑا کیا۔ آثار اور فقہ فی الحدیث کے لیے ایک "مقیاس" صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابو حنیفہ کے نام سے منسوب رہے گا۔ اس کو بعض محدثین نے "رائے" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اس "مقیاس" اور اس "رائے" نے فقہ کے متعدد ابواب مرتب کروائے۔ امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ امام اعظم نے جس طریق سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا تھا وہ نہایت وسیع اور دشوار کام تھا۔ اس لیے انھوں نے اتنے بڑے اور اہم کام کو محض اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر نہیں کیا۔ اسی غرض سے انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور اشخاص کا انتخاب کیا

اوران کی ایک مجلس بنائی ۔ اس طرح فقہ کا گویا ایک ادارہ علمی تشکیل پذیر ہوگیا، جس نے امام ابو حنیفہ کی سرکردگی میں تیس برس تک کام کیا۔ امام اعظم کی زندگی ہی میں اس مجلس کے فتاویٰ نے حسن قبول حاصل کرلیا تھا۔ جیسے جیسے یہ فتاویٰ تیار ہوتے جاتے ساتھ ہی ساتھ تمام ممالک میں پھیلتے جاتے تھے ۔ امام ابو حنیفہ نے ایک نظریاتی منظم کام انجام دیا اور اصطلاحی فکر فقہ کو بھی ترقی دی۔ ان کا فقہی تفکر وسیع بنیادوں پر قائم ہے اور اس کا علمی انطباق مکمل طور پر کیا گیا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے بھی یہ محتاط، جامع اور منجھا ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ فقہی مسائل میں رائے اور قیاس کو اسی حد تک استعمال کرتے تھے جس حد تک کہ ان کے زمانے کے دیگر فقہی مذاہب کا دستور تھا۔

اعتقادی دینیات کا ایک مقبول عام طریقہ ان سے منسوب ہے۔ جس میں جمعیت اسلامی، اس کے اصول اتحاد یعنی سنت نبوی اور ان مسلمانوں کی اکثریت کے تصورات پر جو درمیانی راستے پر گامزن ہیں اور افراط و تفریط سے بچتے ہیں بالخصوص زور دیا گیا ہے اور جو دلائل عقلی سے زیادہ دلائل منصوصہ پر مبنی ہے۔

امام رازی (متوفی ۶۰۶ ھ) نے "مناقب الشافعی" میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔ "الفہرست" میں ابن الندیم نے آپ کی چار کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ "الفقہ الاکبر"، عثمان البستی (البتّی) کے نام خط "العالم والمتعلم" "الرد علی القدریہ"۔ مسند جو المويد محمد بن محمود الخوارزمی (متوفی ۶۶۵ھ/۱۲۷۷ء) نے مرتب کی، اس کا ذکر الفہرست میں نہیں ہے۔ حقیقت میں خود امام حنیفہ کی واحد مستند تحریر جو ہم تک پہنچی ہے، ان کا وہ خط ہے جو انھوں نے عثمان البتّی کو لکھا تھا۔ جس میں انھوں نے شائستہ طریقے سے اپنے نظریات کی مدافعت کی ہے۔

ایک اور کتاب جو ابو حنیفہ سے منسوب کی جاتی ہے "الفقہ الاکبر" ہے۔ WENSICK نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے مراد صرف "الفقہ الاکبر" کا حصّہ اوّل ہے جس کا اصل متن فقط ایک مبسوط شرح میں مندرج ہے۔ یہ حیدر آباد میں ۱۳۲۱ ھ میں

مجموعہ شروح الفقہ الاکبر کے شمارہ اوّل کے طور پر چھپی ہے۔

خلافت عباسیہ میں اگرچہ خلفاء خود مدعی اجتہاد تھے۔ تاہم ہارون رشید کے عہد میں فتاویٰ ابوحنیفہ ساری قلمرو میں قانون سلطنت کی حیثیت سے نافذ تھے۔ مغلوں کے سیلاب کے بعد جو خاندان برسر اقتدار آئے ان میں سے اکثر حنفی تھے۔

علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان (رنگین پریس۔ دہلی ص ۱۱۹) میں اس خیال کی مدلل تردید کی ہے کہ فقہ حنفی "رومن لا" سے ماخوذ ہے۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۳۷ ۔ ۸۸۷

(سلطان) ابوسعید ابوالخیر (۳۵۷ھ - ۴۴۰ھ)

ابوسعید کا نام فضل الدین ابوالخیر ہے۔ ان کا شمار قرن چہارم و پنجم کے بڑے صوفیوں میں ہوتا ہے۔ وہ خراسان کے ایک قدیم قصبہ میہنہ میں ۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی دینی تعلیم میہنہ، مرو اور سرخس میں حاصل کی پھر تصوف اور سلوک کی طرف ان کا میلان بڑھا۔ میہنہ میں خانقاہ قائم کی اور وعظ و ہدایت میں مصروف ہوئے۔ کچھ دنوں نیشاپور میں رُشد و ہدایت کا کام جاری رکھا۔

وہ ان قدیم ترین عارفوں میں ہیں، جنھوں نے اصول تصوف کی خراسان میں اشاعت کی۔ شیریں گفتار واعظ تھے۔ تصوف کی حقیقت کے بارے میں ان کا یہ قول بہت مشہور ہے:

> "دل میں جو خواہشات ہیں، انھیں نکال دو اور ہاتھ میں جو کچھ ہے، دے ڈالو۔ جو کچھ تم پر گزرے، اسے اللہ کی رضا سمجھو۔ اور حرف شکایت لب پر نہ لاؤ۔"

ان کا ایک اور قول ہے:

> "خدا اور بندے کے درمیان زمین پردہ ہے نہ آسمان، بلکہ وجود انسان پردہ ہے۔ جب اس پردہ کو ہٹا دو گے تو خدا کو پا لو گے۔"

شیخ ابوسعید، اخلاق کا ایک زندہ نمونہ تھے۔

۸۳ سال کی عمر میں میہنہ میں ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔

ان کے حالات وواقعات کے دو اہم ماخذ ہیں۔ایک اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید اور دوسری سخنان شیخ ابوسعید ابوالخیر ہے۔اوّل الذکر کے مرتّب شیخ کے پوتے محمد بن منور ہیں،جنھوں نے ۵۴۸ھ کے بعد اس کتاب کو ترتیب دیا اور غوث محمد بن سام غوری (م ۵۹۹ھ) کے نام معنون کیا۔ دوسری کتاب کے مرتّب محمد بن منور کے چچازاد بھائی جمال الدین لطف اللہ بن ابی سعید ہیں۔ یہ کتاب اسرار التوحید سے کچھ پہلے مرتّب ہوئی۔ اس کے مطالعے سے شیخ کی عالی ظرفی وسعت قلبی اور صلح کل کا پتہ چلتا ہے۔

ابوسعید شاید فارسی کے اوّلین شاعروں میں سے ہیں، جنھوں نے صوفیانہ عقائد کے اظہار کے لیے رباعیات کو ذریعہ بنایا۔ سعید نفیسی نے ۱۸۰۰ رباعیات کا ایک مجموعہ سلطان ابوسعید ابوالخیر کے نام سے چھاپا ہے۔ لیکن اس کا بیشتر حصہ الحاقی ہے۔ حالانکہ اسرار التوحید میں ان کے پوتے نے صاف صاف لکھا ہے کہ حضرت حق کی یاد میں ایسے مستغرق رہے کہ شعر کہنے کی پروا نہ تھی۔ صرف ایک بیت یا دوبیت سب کچھ وہ تھا جو اپنے بزرگوں سے یاد کر رکھا تھا۔

مآخذ:

۱۔ لغت نامۂ دہخدا ابوسعید - ابیات ۵۱۲-۵۱۳
۲۔ فرہنگِ معین۔ جلد ۵۔ص ۹۳
۳۔ ڈاکٹر محمد ریاض ۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی ۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ ص۔ ۴۴-۴۵

(جوزف) اسٹالین (JOSEPH STALIN) (۱۸۷۹ء ـ ۱۹۵۳ء)

اسٹالین کا اصل نام جوزف وسارنیووچ ذوغشولی (JOSEPH VISSARIONOVICH DZHUGASHVILI) تھا۔ وہ اصل میں جارجین GOERGIAN تھا، نہ کہ روسی۔ وہ ۲۱؍ دسمبر ۱۸۷۹ء کو کوہ قاف (CAUCASUS) کے قصبہ گوری (GORI) میں ایک غریب موچی کے گھر پیدا ہوا۔ ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۴ء تک چرچ اسکول میں ابتدائی تعلیم پائی۔ پھر طفلس (TIFLIS) کی مذہبی درس گاہ میں داخلہ لیا، جہاں سے چھپ چھپ کر کارل مارکس کو پڑھنے کے باعث نکال دیا گیا۔ دسمبر ۱۸۹۹ء میں طفلس کی صدر گاہ OBSERVATORY میں کلرک ہوگیا۔ ۱۹۰۰ء میں سیاسی خفیہ تحریک میں شامل ہوا، جو مقامی صنعتی علاقہ میں ہڑتالیں اور مظاہرے کرا رہی تھی۔ اپریل ۱۹۰۲ء سے مارچ ۱۹۱۳ء تک یہ سات بار انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی وجہ سے جیل گیا اور جلاوطن کیا گیا۔ فروری ۱۹۱۲ء میں اس کو پہلی بار سیاسی اہمیت حاصل ہوئی جب لینن (جلاوطنی کے زمانہ میں) نے اس کو بالشویک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا رکن نامزد کیا۔ اب اس نے اپنا نام اسٹالین رکھ لیا، جو روسی زبان میں (STAL) یعنی فولاد سے مشتق ہے۔ یہ بالشویک پارٹی کے نئے روزنامہ 'پراودا' (PRAVDA) کا مدیر بھی رہا۔ اس کے بعد جولائی ۱۹۱۳ء سے مارچ ۱۹۱۷ء تک جلاوطن ہوکر سائبریا بھیج دیا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں واپس آکر پھر اسی اخبار کی ادارت سنبھالی اور لینن کے اس لائحۂ عمل کا زبردست مبلغ بن گیا کہ بالشویک پارٹی فوجی طاقت کا استعمال کر کے اقتدار حاصل کرے۔ خانہ جنگی (۱۹۱۹ء ـ ۲۰) کے دوران بالشویک حکومت میں دو بار وزیر رہا۔ ۱۹۲۲ء میں مرکزی کمیٹی کے سکریٹری جنرل کے عہدہ پر مامور ہوا، جس پر وہ مرتے دم تک رہا۔

یہ عہدہ اس کی آمریت کی بنیاد تھی۔ ۱۹۲۱ء سے یہ لینن کی خواہشات کی مستقل خلاف ورزی کرتا رہا، حتّٰی کہ اپنی موت سے ایک سال قبل لینن نے اپنی وصیّت میں اس کو جنرل سکریٹری کے عہدہ سے ہٹانے کی ہدایت کی۔

۱۹۲۴ء میں لینن کی وفات کے بعد اچانک لینن ازم کا زبردست مبلّغ بن گیا۔ اور اپنی راہ استوار کرنے کی بھی سعی کرتا رہا۔ اگلے سال ایک شہر کا نام بدل کر اپنے نام پر اسٹالین گراڈ (STALINGRAD) رکھا۔ اس نے اپنے حریف ٹروٹسکی (TROTSKY) کو روس سے جلاوطن کر کے ۱۹۴۰ء میں میکسیکو (MEXICO) میں قتل کروا دیا۔ اب اس نے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ روس صرف اپنے بل بوتے پر مضبوط سیاسی نظام قائم کرے اور تمام دنیا سے حمایت کی توقّع نہ رکھے۔ یہ پالیسی پارٹی کے سربراہوں میں بہت مقبول ہوئی۔

۱۹۲۸ء میں اسٹالین نے لینن کی نیم سرمایہ دارانہ "نئی اقتصادی حکمتِ عملی" کو یک قلم ترک کر دیا اور حکومت کے زیرِ اہتمام پنج سالہ منصوبوں کے تحت صنعتی اور زراعتی ترقی کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ یہ درحقیقت ایک نیا روسی انقلاب تھا، جو ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے مقابلے میں زیادہ تباہ کن تھا۔ اس حکمتِ عملی کے تحت زراعت کے نظریہ ملکیت اجتماعی (COLLECTIVIZATION) کے نتائج نہایت ہولناک ہوئے۔ تقریباً پچیس ملین زرعی خاندانوں کی زمینیں چند سالوں میں اجتماعی یا ریاستی فارم میں مدغم کر لی گئیں۔ جن مزارعوں نے مزاحمت کی ان پر فوجی اور سیاسی خفیہ پولیس نے وہ ظلم و ستم کیے کہ ایک اندازہ کے مطابق دس ملین کسان مر کھپ گئے اور یوکرین (UKRAINE) میں ایک بڑا قحط پڑا۔ البتہ جس تیزی سے حکومت کے زیرِ اہتمام صنعتی ترقی ہوئی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک پسماندہ ملک کو اس قدر سرعت کے ساتھ ایک صنعتی طاقتور ملک بنا دینے میں اسٹالین کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔

اسٹالین نے ۱۹۳۴ء میں ایک نئے سیاسی تشدّد کی مہم چلائی۔ اس نے نہ صرف پرانے بالشویک ممبران کا بلکہ بہت سے پارٹی رہنما، فوجی لیڈران، فیکٹریوں کے منیجر

اوراعلیٰ افسروں کا صفایا کر دیا اور اس طرح سوویت کمیونسٹ پارٹی اور روسی حکمران طبقہ کو اپنا مطیع بنا لیا۔ اعلیٰ طبقہ کے تعلیمی، قانونی اور سفارتی درجات کے کثیر ممبران ناپسندیدہ عناصر کے اخراج (PURGES) کے شکار ہوئے۔ اس کا بنیادی مقصد اپنی ذاتی طاقت اور اقتدار کو بڑھانا تھا۔

دوسری جنگِ عظیم میں یہ "قائدین ثلاثہ" (چرچل، روزویلٹ اور اسٹالین) میں کامیاب ترین قائد ثابت ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں پہلے ہٹلر سے معاہدہ کیا۔ پھر مغربی طاقتوں کے ساتھ ہوگیا، اور پولینڈ پر قبضہ کر کے اپنے ملک کی سرحدوں کو محفوظ کر لیا۔ مئی ۱۹۴۰ء میں باضابطہ سربراہ مملکتِ روس بن بیٹھا۔ ۱۹۲۳ء کے بعد اس کا یہ پہلا سرکاری عہدہ تھا۔ ۲۲ جون ۱۹۴۱ء کو ہٹلر نے روس پر حملہ کیا۔ اب اسٹالین نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا تابناک مظاہرہ کیا۔ اتحادی قائدین کے اعلیٰ سطح کے اعلیٰ ترین مذاکرات (تہران ۱۹۴۳ء اور یالٹا YALTA ۱۹۴۵ء) میں اس نے چرچل اور روزویلٹ کی شاطرانہ چالوں کو مات دی۔

جنگ کے بعد اس نے روس کا قبضہ مشرقی یورپ پر قائم کیا۔ اور دس کروڑ رعایا کو اپنے زیرنگیں لے آیا۔ اب روس دنیا کی عظیم ترین دو طاقتوں میں سے ایک تھا۔ دوسرا امریکہ تھا۔

۵ مارچ ۱۹۵۳ء میں اس کا اچانک انتقال ہوگیا۔

اسٹالین کی فطرت میں سیاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں پورا کنٹرول لینے کے بعد اس کا سب سے شاندار کارنامہ روس کی محیر العقل صنعتی ترقی تھی۔ اس کی زیرِ قیادت روس نے ہٹلر کو شکست فاش دینے میں اہم رول ادا کیا۔ ۱۹۴۹ء میں روس دنیا کی دوسری عظیم جوہری طاقت بھی بن گیا۔ اسٹالین نے تاریخ میں سب سے زیادہ افراد کی زندگی پر اثر ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسٹالین سیاسی شاطرانہ چالوں میں ناقابل شکست حریف تھا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی اس کا آہنی استقلال اور بے پناہ انتظامی صلاحیت تھی۔

ماخذ : دائرۃ المعارف برطانیکا جلد سترہ۔ ص ۵۷۶ – ۵۸۰۔

لوتھروپ اسٹوڈرڈ (LOTHROP STODDARD)

(۱۸۸۳ء۔ ۱۹۵۰ء)

لوتھروپ اسٹوڈرڈ نے ہارورڈ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس سے سب سے مشہور تصنیف THE NEW WORLD OF ISLAM (جدید دنیائے اسلام) ہے جو چیپمین اینڈ ہال لمٹیڈ، لندن CHAPMAN AND HALL - LTD.) نے ۱۹۲۱ء میں شائع کی۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ مع شرح الاستاذ عجاج نوہیض نے کیا ہے اور اس پر علامہ امیر شکیب ارسلان نے حاضر العالم الاسلامی کے نام سے اپنے تعلیقات شائع کیے ہیں۔

اسٹوڈرڈ کی دیگر تصانیف درج ذیل ہیں:

1. THE RISING TIDE OF COLOUR
2. THE STAKES OF THE WAR
3. PRESENT-DAY EUROPE: ITS NATIONAL STATE OF MIND
4. THE FRENCH REVOLUTION IN SAN DOMINGO

ماخذ:

فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد۔ نئی دہلی۔

FACULTY OF ISLAMIC STUDIES,
JAMIA HAMDARD (HAMDARD UNIVERSITY),
NEW DELHI

اسد ملتانی (۱۹۰۲ - ۱۹۵۹ء)

محمد اسد خاں، جو بعد میں اسد ملتانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۳/ دسمبر ۱۹۰۲ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم چرچ مشن ہائی اسکول ملتان میں حاصل کی۔ ۱۹۲۴ء میں گورنمنٹ کالج سے بی۔ اے پاس کیا۔ اسلامیہ ہائی اسکول میں مدرس رہے اور ایک ہفت روزہ "الشمس" اور سائنسی ماہنامہ "روشنی" جاری کیا۔ ۱۹۲۶ء میں حکومتِ ہند کی سیکرٹریٹ میں ملازم ہو کر دہلی چلے گئے۔ پہلے فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ اور پھر سپرنٹنڈنٹ رہے۔ ملک تقسیم ہونے کے بعد پاکستان چلے آئے اور گیارہ برس کراچی میں رہے۔ مرکزی صدر مقام کی تبدیلی کے ساتھ راولپنڈی آئے اور نومبر ۱۹۵۹ء میں وزارت خارجہ میں ڈپٹی سیکریٹری کی حیثیت سے وہیں انتقال کیا۔

شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ جو کالج میں آ کر پروان چڑھا اور پھر عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا۔ اسد بنیادی طور پر نظم کے شاعر تھے مگر انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں، جو زیادہ تر اقبال کے رنگ میں ہیں۔ خود اعتراف کرتے ہیں:

شعر میں حضرتِ اقبال کا پیرو ہونا
ہے اگر جرم تو بیشک اسدؔ اقبال ہے

۱۹۲۱ء میں علامہ اقبال نے ان کی ایک طالب علمانہ کوشش کو مقابلے میں اول انعام کا مستحق قرار دے کر حوصلہ بڑھایا اور اپنے قلم سے بعض سست بندشوں کو، چست کر کے ذرّے کو آفتاب بنا دیا۔ اس اصلاح کی عکسی تصویر "اقبال نامہ" میں شامل ہے۔ اس کے بعد اسد نے اپنی ریاضت سے ملک گیر شہرت حاصل کی۔

اسد کا زیادہ تر کلام اردو میں ہے۔ کچھ فارسی اور کچھ سرائیکی میں بھی ملتا ہے۔ مگر ان کا مکمل مجموعۂ کلام ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ ۱۹۳۸ء میں ایک چھوٹا سا رسالہ "مرثیۂ اقبال" اور ۱۹۵۴ء میں سفرِ حج کے دوران کہی گئی نظموں کا ایک مختصر سا گلدستہ "تحفۂ حرم" کے نام سے اشاعت پذیر ہوا تھا۔ اسد کی شعری خدمات کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ حکومتِ ہند کی ملازمت کے دنوں میں وہ بزمِ اردو شملہ کے سکریٹری رہے۔ اس بزم کے مشاعروں کو ملک بھر میں خاصی شہرت حاصل تھی۔

ماخذ:

محمد عبداللہ قریشی ــ معاصرینِ اقبال کی نظر میں ــ ص ۴۷۹-۴۹۵

شیخ اعجاز احمد (ولادت ۱۸۹۹ء)

شیخ اعجاز احمد علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے بڑے بیٹے ہیں۔ یہ ۱۲ر جنوری ؟۱۸۹ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اسکاٹ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ سے میٹرک، اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کیا۔ یہیں سے ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا اور وکالت شروع کردی۔ کچھ عرصے بعد محکمہ انکم ٹیکس میں چلے گئے۔ پھر ان کی خدمات ہائی کورٹ کو منتقل ہو گئیں۔ موگا، حافظ آباد چونیان اور دہلی میں بھی سب جج رہے۔ قیام پاکستان کے وقت وہ حکومت ہند کے محکمہ خوراک میں تھے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کے دارالحکومت کراچی چلے گئے۔

جنوری ۱۹۵۴ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد چار سال تک پاکستان انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (PAKISTAN INDUSTRIAL DEVELOPMENT CORPORATION) سے وابستہ رہے۔ پھر ایف۔ اے۔ او (F.A.O.) کے نمائندہ کی حیثیت سے کام کیا۔

"مظلوم اقبال" شیخ اعجاز احمد کی مشہور تصنیف ہے۔ جو ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی (شیخ شوکت علی پرنٹرز، کراچی)۔ اس میں علامہ کے ۱۳۰ خطوط بھی شامل ہیں، جو انھوں نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۷ء کے درمیان اپنے والد، اپنے بڑے بھائی، اعجاز احمد اور دوسرے چند عزیزوں کو لکھے۔ شیخ اعجاز احمد قادیانی عقائد رکھتے تھے۔

مآخذ:

فقیر سید وحید الدین۔ روزگار فقیر۔ ص ۲۰۰-۲۰۲۔

شیخ اعجاز احمد۔ "مظلوم اقبال"۔

(خواجہ) اعظم دیدہ مری (بارھویں صدی ہجری)

خواجہ محمد اعظم شاہ دیدہ مری نے ایک کتاب "واقعات کشمیر" ۱۱۴۸ھ میں لکھی۔ جس میں اس نے بابا لول حج کو اقبال کا مورثِ اعلیٰ بتایا ہے۔ 'دیدہ مری' سری نگر کا ایک قدیم محلّہ تھا، جس کا نام اب "محلّہ خانقاہ سوختہ" ہے۔ یہ نام بھی کوئی ڈیڑھ دو سو سال پرانا ہے۔ یہاں سلاطین کے ایک پیر بابا خلیل اللہ کی خانقاہ تھی۔ وہ ایک فساد میں نذرِ آتش ہو گئی۔ پروفیسر اکبر حیدر کاشمیری صاحب کا خیال ہے کہ بابا لول کسی بھی شہادت کی بنا پر اقبال کے مورث اعلیٰ نہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ صوفی غلام محی الدین (۲۵۱-۱۹۲۲ء) دہلی یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے۔ انھوں نے اپنی تھیسس "کشیر" (KASHEER) پر لکھی اور اسے الٰہ آباد یونیورسٹی میں پیش کیا۔ اقبال اور ایک کوئی انگریز ان کے ممتحن تھے۔ صوفی صاحب اور محمد دین فوق خواجہ اعظم کی کتاب "واقعات کشمیر" کا ایک نسخہ اقبال کے پاس لے کر گئے اور ان سے کہا کہ اس تاریخ میں بابا لول حج آپ کے جدّ بزرگوار کا ذکر ہے۔ اقبال کو کیا معلوم تھا۔ بس تب سے فوق نے رٹ لگائی کہ بابا لول حج اقبال کے جد اعلیٰ تھے۔ بابا لول حج کے بارے میں "نورنامہ" (۱۰۴۶ھ) قدیم ترین ماخذ ہے۔"

ماخذ:

(بصد شکریہ: پروفیسر اکبر حیدر کاشمیری۔

(میر) افضل علی (متوفی ۱۹۳۷ء)

میر افضل علی اردو کے مشہور انشا پرداز سجاد حیدر یلدرم کے ہم زلف تھے۔ ان کے والدین نے مراد آباد سے ہجرت کی تھی اور سیالکوٹ کو اپنا وطن بنایا تھا۔ میر صاحب نے یہیں پرورش پائی اور ایک طویل عرصے تک سر ظفر اللہ خاں کے ہم جماعت رہے۔ لاہور سے ایم۔ اے کرنے کے بعد پنجاب کے پبلسٹی بورڈ میں ملازمت کی۔ پھر انکم ٹیکس آفیسر ہو گئے۔ اسی زمانے میں ان کو متین متعلم کے نام سے ایک انشائیہ نگار کی حیثیت سے شہرت ملی۔ اس پر قانع رہنے کے بجائے انھوں نے قادیانی جماعت کے عقائد کا مطالعہ شروع کیا اور قادیان آنے جانے لگے۔ بعد میں ان کو قادیانی عقائد نے اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے احمدی نقطۂ نظر سے امامت کے مسئلے پر ایک کتابچہ بھی لکھا۔ اس پر ان کی شخصیت ایک متنازعہ مسئلہ بن گئی۔ جب اقبال کو ان کے عقائد کی تبدیلی کا حال معلوم ہوا، تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ وہ اکثر اپنی مجلسوں میں اس کا ذکر بڑے افسوس کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

میر افضل کو جوانی ہی سے دق لاحق ہو گئی تھی۔ اور اسی مرض میں مئی ۱۹۳۷ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے ادبی مضامین کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے لیکن اب شاید ہی کہیں موجود ہو۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج ـ رجال اقبال ۔ ص ۸۶

شیخ اکرام الحق

شیخ اکرام الحق سلیم، ملتان کے رہنے والے تھے۔ عرصہ دراز تک سول سروس میں رہے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے ایک انگریزی مضمون "SELF IN THE LIGHT OF RELATIVITY" (خودی اضافیت کی روشنی میں) مطبوعہ کریسنٹ (CRESCENT) اسلامیہ کالج لاہور ۱۹۲۵ء کا اردو ترجمہ کیا اور "معارف" کو اشاعت کے لیے ارسال کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے مضمون اقبال کو بھیج دیا تاکہ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیں خاصا عرصہ گزر گیا۔ مضمون شائع نہ ہوا اور مترجم کو معلوم ہوا کہ مضمون ملاحظہ کے لیے علامہ اقبال کو بھیجا گیا ہے تو انھوں نے علامہ اقبال سے استفسار کیا۔ جواباً علامہ نے ۱۱ر مئی ۱۹۲۶ء کو مکتوب روانہ کیا، جو اس جلد میں شامل ہے۔

ماخذ:
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال۔ ص ۱۷۸

نکولس) اگنیدیز NICOLAS AGHANIDES (۱۸۸۳-۱۹۴۶ء)

نکولس اگنیدیز کے والدین نے استنبول میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ وہیں لگ بھگ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا۔ وہیں اس نے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ کولمبیا (COLUMBIA) یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے مقالہ "محمڈن تھیوریز آف فنانس" (MOHAMMEDON THEORIES OF FINANCE) (مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات) لکھا۔ یہ ۱۹۱۶ء میں پولیٹکل سائنس کے شعبہ کے زیرِ اہتمام نیویارک سے شائع ہوا اور اس کے کئی ایڈیشن نکلے۔ عرصہ کے بعد ۱۹۷۱ء میں پریمئر بک ہاؤس (PREMIER BOOK HOUSE) کچہری روڈ، لاہور نے اس کی دوبارہ اشاعت کی۔ اس کی تصانیف میں یہی ایک کتاب ایسی ہے جس نے اپنے اختلافی موضوع کی وجہ سے شہرت پائی۔

اگنیدیز کو اسلام کے بنیادی عقاید اور فقہی مسائل پر پوری بصیرت نہیں تھی، جس کی وجہ سے مغرب میں رہنے والے مسلمان گمراہ ہو سکتے تھے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبہ "الاجتہاد فی الاسلام" میں واضح طور پر اگنیدیز کے بیان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ:

"میرے خیال میں مصنّف (اگنیدیز نکولس) کو جو غلط فہمی ہوئی، وہ لفظ نسخ سے ہوئی، جسے فقہائے متقدمین نے استعمال کیا ہے۔ مگر جس کا مطلب جیسا کہ امام شافعی نے موافقات میں تصریح کر دی ہے، یہ ہے کہ اجماع صحابہ کے سلسلے میں اس سے مراد ہے کسی حکم قرآنی کی توسیع یا تجدید کی۔ یہ نہیں کہ ہم اس کو نظر انداز یا منسوخ کر دیں۔"

اگنیدیز نے اپنی زندگی کے آخری ایام امریکہ میں گزارے اور وہیں ۱۹۴۶ء کے اوائل میں وفات پائی۔

مآخذ: ۱۔ (بصد شکریہ) کورن۔ ایچ۔ رایڈر۔ سکریٹری۔ کولمبیا یونیورسٹی، نیویارک۔
CORIMNE. H. RIEDAR. SECRETARY. COLUMBIA UNIVERSITY. NEW YORK

۲۔ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص ۱۲۹-۱۳۰

سیف الدین) الآمدی (۵۵۱ھ / ۱۱۵۶ء — ۶۳۱ھ / ۱۲۳۳ء)

آمدی، اصولی محقّق تھے۔ ان کا پورا نام علی بن محمد بن سالم التغلبی ابوالحسن سیف الدین الآمدی ہے۔ آمد (دیار بکر) میں ۵۵۱ھ/ ۱۱۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم بغداد اور شام میں حاصل کی۔ قاہرہ میں سکونت اختیار کی اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ قاہرہ میں علماء سے اختلاف پیدا ہوئے تو حماۃ اور وہاں سے دمشق چلے گئے۔ دمشق میں ۶۳۱ھ/ ۱۲۳۳ء میں انتقال کیا۔

ان کی تقریباً بیس کتابیں ہیں۔ ان میں سے مشہور "احکام الاحکام فی اصول الاحکام" ہے۔ یہ کتاب اصول فقہ شافعی پر ہے۔ یہ چار ابواب پر مشتمل ہے:

۱۔ مفہوم اصول فقہ

۲۔ ادلۃ السیعۃ

۳۔ احکام المجتہد

۴۔ الترجیح

۶۲۵ ہجری میں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ علامہ شیرازی نے لکھا ہے کہ ابن حاجب نے اس کتاب کی تلخیص بھی کی تھی۔ ان کی دوسری تصانیف الافکار، کلام (لب الالباب) اور دمایق الحقائق وغیرہ ہیں۔

ماخذ:

۱۔ کشف الظنون۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷

۲۔ الاعلام۔ جلد چہارم۔ ص ۳۲۲

البیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء)

البیضاوی عبداللہ عمر بن محمد بن علی شیرازی کنیت ابوسعید اور ابوالخیر، عالم دین، مفسّر قرآن اور فلسفی شیروان کے ایک گاؤں بیضا میں پیدا ہوئے۔ شافعی مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور شیراز کے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ ان کی شہرت ایک بڑے عالم کی حیثیت سے ہے۔ انھوں نے تفسیر القرآن، قانون، فقہ، علم الکلام اور صرف و نحو جیسے متعدد موضوعات پر کتابیں لکھیں ہیں۔ ان کی مشہور زمانہ تصنیف تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل ہے جو خود "تفسیر بیضاوی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب ہمیشہ بےحد مقبول رہی ہے اور کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ بروکلمان نے اس کتاب کے شرحوں کی تعداد ۸۳ بتائی ہے۔

بیضاوی کی دیگر مطبوعہ/مخطوطہ شکل میں موجود تصانیف یہ ہیں۔ منہاج الرصول الی علم الاصول (فقہ) الغایہ القصوی فی درایۃ الفتوی (فقہ شافعی) لب الالباب فی علم الاعراب (صرف و نحو) مصباح الارواح اور طوالع الانوار من مطالع الانظار (علم کلام) ہیں۔ ایک کتاب نظام التواریخ (مرتبہ سید منصور مع اردو حواشی۔ حیدرآباد دکن) ۱۹۳۰ء فارسی میں لکھی ہے جو ۶۷۴ھ/۱۲۷۵ء تک تاریخ عالم سے بحث کرتی ہے۔

شیراز کے قاضی کے عہدہ کو ترک کر کے تبریز چلے گئے اور وہیں ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں انتقال کیا۔ الیافعی کے نزدیک سال وفات ۶۹۲ھ/۱۲۹۳ء ہے۔ ریوز (RIEU) ایک قول کا حوالہ دیتا ہے جس کی رو سے ان کا انتقال ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء میں ہوا۔

ماخذ:

اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ — جلد پنجم۔ ص۔ ۲۸۶۔ ۲۸۸

الدارقطنی (۳۰۶ھ/۹۱۸ء - ۳۸۵ھ/۹۹۵ء)

ابوالحسن علی بن احمد بن مہدی (الشافعی) ایک نامور محدث گزرے ہیں جنھیں "امیر المومنین فی الحدیث" کا لقب دیا گیا، ۳۰۶ھ/۹۱۸ء میں بغداد کے ایک محلے قُطن میں پیدا ہوئے اور اس کی نسبت سے الدارقطنی مشہور ہوئے۔ اپنے زمانے کے مشاہیر محدثین سے حدیث کی تعلیم کے لیے سفر کیا اور اس سلسلے میں بصرہ، کوفہ، واسط شام اور مصر تک پہنچے۔

الدارقطنی نے ادبیات کا بھی مطالعہ کیا، مثلاً دیوان الحمیری انھیں ازبر یاد تھا اور اسی وجہ سے ان پر شبہ کیا گیا ہے کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے۔

الدارقطنی ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے احادیث کے انتقادی مطالعے کو فروغ دینے میں بہت حصہ لیا۔ ان کی اکثر و بیشتر تصانیف علوم حدیث سے متعلق ہیں، مگر افسوس کہ وہ تمام تر ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔

ان کی حدیث پر مشہور کتابیں یہ ہیں۔

(۱) السنن (دہلی ۱۳۱۰ھ) کتاب السنن کی ایک مفید اور عالمانہ شرح مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے عربی زبان میں بعنوان "تعلیق المغنی" کے نام سے لکھی، جو ۱۹۱۰ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ حال ہی میں اس کی ایک عکسی جلد بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

(۲) "کتاب العلل" یا "العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ": یہ کتاب انھوں نے اپنے حافظے سے لکھوائی۔ اس کتاب کی دوسری تیسری اور پانچویں جلد ہم تک پہنچی ہے۔

(۳) "الالزامات علی الصحیح": قابل وثوق احادیث کا مجموعہ ہے، جو بخاری و مسلم کے شروط کے مطابق ہیں، لیکن ان کی کتابوں میں نہیں ہیں۔

ان کی دوسری اہم کتابیں یہ ہیں :-
(۴) الاستدراکات (۵) کتاب الاربعین (۶) کتاب الافراد (۷) کتاب الامانی (۸) کتاب المستجاد (۹) کتاب الرویاء (۱۰) کتاب التصحیف (۱۱) کتاب المدبج اور (۱۲) کتاب الاسخیا الاجواد

ماخذ :
دائرہ المعارف اسلامیہ — جلد نہم — ص — ۱۴۷ — ۱۴۹

الزبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ھ/۸۷۰ء)

ابو عبداللہ (یا ابوبکر) الزبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب ثابت بن عبداللہ بن الزبیر القرشی الاسدی المدنی الحافظ قاضی الحرمین اپنے دور کے جیّد علماء میں سے تھا۔ تاریخ، نسب، حدیث، شعر و ادب میں اسے بلند مقام حاصل تھا۔

الخطیب بغدادی اور یاقوت الحموی کے علاوہ الدارقطنی اور دیگر محدّثین نے ابن بکار کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر العسقلانی نے تہذیب التہذیب میں احمد بن علی السلیمانی کے اس قول کی کہ "ابن بکار منکر الحدیث" ہے تردید کی ہے۔ ابن بکار کے شیوخ حدیث و تاریخ کے معتمد اور مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

الخطیب بغدادی نے الزبیر بن بکار سے علم حاصل کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست دی ہے۔

ابن بکار کو خلیفہ المتوکل کے دور میں شہرت حاصل ہوئی۔ المتوکل کو سنت رسول اکرمؐ سے دل بستگی تھی اور وہ احادیث نبوی اور شعر و سخن کا دلدادہ تھا۔ حدیث کی اشاعت کے لیے اس نے محدّثین کو سامرا بلا کر بڑے بڑے انعامات دیئے۔ الزبیر بن بکار کو بھی انھی علماء میں شامل کیا جاتا ہے۔ خلیفہ نے ابن بکار کو اپنے بیٹے الموفق کا اتالیق بنایا اور بعد کو مکہ اور مدینہ کا قاضی بھی نامزد کیا۔

ابن بکار کو کئی مرتبہ بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ آخری بار ۲۵۳ھ/۸۶۷ء میں المعتز باللہ کے عہد خلافت میں گیا۔ ایک موقع پر خلیفہ نے اپنے تازہ کلام سے تین ابیات ابن بکار کو سنائے اور کہا کہ اس زمین میں اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔ اس پر ابن بکار نے برجستہ بیت کا اضافہ کیا جس کے عوض خلیفہ نے اسے ایک ہزار دینار انعام عطا کیا۔

ابن بکار کا حافظہ بہت تیز تھا۔ اسے کتابوں کا بہت شوق تھا۔ اس کی سخاوت کو بھی سراہا گیا ہے۔

الزبیر بن بکار کی وفات ۲۳ ذی قعدہ ۲۵۶ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۸۷۰ء کو مکان کی چھت گر پڑنے کے باعث واقع ہوئی۔

ابن بکار کی تینتیس (۳۳) تصانیف بتائی جاتی ہیں۔ مگر اکثر تصانیف اب ناپید ہیں۔

اس کی کتاب "انساب قریش واخبارہم" سب سے اہم تصنیف ہے۔ تاریخ قریش پر کتب قدیمہ میں یہ کتاب امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور نسب، تاریخ، شعروادب اور جغرافیہ کی گوناگوں معلومات پر مشتمل ہونے کی بنا پر خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کا آخری نصف حصہ ایک مخطوطے کی صورت میں باڈلین لائبریری اوکسفورڈ میں (بہ ذیل شمار۔ ۳۸۴) محفوظ ہے۔ باقی کا نصف حصہ کسی آفت زمانہ کا شکار ہوگیا۔

اس کی دوسری اہم تصنیف "کتاب الموفقیات" ہے جو اس نے المتوکل کے بیٹے الموفق کے لیے لکھی۔ یہ کتاب شائع ہو چکی اور تاریخی معلومات سے پُر ہے۔

ماخذ:

۱۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ۔ جلد اول۔ ص۔ ۴۳۶ - ۴۳۵
دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اول۔ ۱۹۶۴ء

الزمخشری (۴۶۷ھ/۱۰۷۵ء-۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء)

ابو القاسم محمد بن عمر بن احمد جار اللہ الزمخشری (ولادت ۴۶۷ھ/۱۰۷۵ء وفات ۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) ایک ممتاز فقیہہ اور مفسّر، لغت اور لسانیات پر گہری نظر رکھنے والے معتزلی عالم تھے۔ یہ خوارزم میں پیدا ہوئے اور جرجانیہ میں وفات پائی۔

انھوں نے تحصیل علم کے لیے بغداد کے علاوہ اس وقت کی اسلامی دنیا میں بہت سیاحت کی تھی۔ اسی علمی سفر میں ان کا ایک پاؤں برف کے اثر سے اینٹھ گیا تھا اور لکڑی کا پاؤں لگوایا تھا۔ مولانا روم نے اس کی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود[1]
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

زمخشری ایک زمانے تک مکہ معظمہ میں بھی رہے۔ اس لیے ان کا لقب "جار اللہ" ہے۔ وہ کثیر التصانیف عالم ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۷۳ بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے ۱۷ چھپ گئی ہیں ۱۸ کے قلمی نسخے ملتے ہیں اور ۳۸ قطعاً ناپید ہیں۔

چند نمایاں اور اہم تصانیف یہ ہیں۔

المفصّل، الانموذج، المفرد المؤلف، مقدمتہ الادب، الفائق فی غریب الحدیث اطواق الذہب وغیرہ

مگر زمخشری کی سب سے اہم تصنیف جس پر موافق و مخالفت میں بہت کچھ لکھا بھی

---

[1] منطقیوں کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں
اور لکڑی کے پاؤں تو بہت ہی کمزور ہوتے ہیں

گیا ہے ان کی مشہور زمانہ تفسیر الکشاف ہے جس کی طرف اقبال کے اس شعر میں اشارہ ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشّاف

حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ یہ تفسیر ۵۲۸ھ/۱۱۳۴ء میں مکمل ہوئی اور اس کا پورا نام "الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" ہے۔ مؤلف مجمل فصیحی کا بیان ہے کہ یہ ۲۳ رجب ۵۲۸ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۱۳۴ء کو مکہ میں مکمل ہوئی۔ روز اول سے اس کتاب پر سخت تنقید ہوتی رہی ہے۔ اہل سنت کا ایک گروہ تفسیر بالرائے کا سختی سے مخالف ہے اور اسے ناجائز سمجھتا ہے۔

زمخشری کو عربی زبان اس کے اشتقاق اور اصول بلاغت پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ وہ منطق و فلسفہ پر بھی حاوی تھے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں عقلی اور فلسفیانہ دلائل سے زیادہ سروکار رکھا ہے اور اس کے الفاظ کی بلاغت کا نہایت باریک بینی سے تجزیہ کیا ہے۔

اپنے عقائد میں وہ بہت سخت گیر ہیں اور کبھی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ انھوں نے تصوّف اور صوفیہ کے بارے میں بہت سخت رائے ظاہر کی ہے۔ اس لیے صوفیہ بھی زمخشری کے خلاف ہیں۔ زمخشری کی تفسیر الکشاف معتزلہ کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں پورے منطقی دلائل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

یہ خلق قرآن کے بھی قائل تھے جس عقیدے نے عباسی دور میں خاصا ہنگامہ برپا کیا۔

تفسیر کے علاوہ زمخشری ادب، لسانیات اور بلاغت فلسفہ اور منطق میں بھی نہایت بلند مقام رکھتے ہیں۔

ماخذ:

اسلامک کلچر (حیدر آباد۔ بھارت) جلد ۶۳ شمارہ ۳ جولائی ۱۹۸۹ء

(خان بہادر خواجہ اللہ بخش (۱۸۵۰ء۔۱۹۲۰ء)

خان بہادر خواجہ اللہ بخش کا تعلق پنجاب کے کشمیری خاندان سے تھا۔ وہ ۱۸۵۰ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ محکمۂ تعلیم میں گزارا پھر حکومت ہند کے محکمۂ امور خارجہ سے منسلک ہو گئے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء کو انجمن حمایت الاسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ان ہی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اقبال وہیں پہلی مرتبہ ان سے متعارف ہوئے اور پھر یہ تعارف دوستی کا پیش خیمہ بن گیا۔ خواجہ صاحب افغان باؤنڈری کمیشن کے ہمراہ افغانستان گئے۔ وہاں سے واپسی پر حکومت ہند نے ان کو مشہد میں برطانوی قونصل خانہ کا قونصل مقرر کیا۔ پھر انھوں نے اتاشی کے فرائض انجام دیئے اور پنشن لی۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ان کو جو رقم ملی تھی اس کو انھوں نے ضائع نہیں کیا۔ اس سے لاہور کے قریب کئی مربع گز وسیع اراضی خریدی اور اس پر ایک گاؤں آباد کیا جسے کوٹھ اللہ بخش خاں کہتے ہیں۔ اسی زمانے میں انھوں نے سفر نامے کی صورت میں ایران اور افغانستان کے حالات لکھے۔ یہ سفر نامہ انگریزی میں تھا۔ ابھی اس کی اشاعت بھی عمل میں نہیں آئی تھی کہ جنگ عظیم کا انعقاد ہو گیا اور کاغذ مہنگا اور نایاب ہو جانے کی وجہ سے اس کی اشاعت رک گئی۔

خان بہادر اللہ بخش کی اقبال سے اکثر ملاقات رہتی تھی وہ ادب ہو یا سیاست فلسفہ ہو یا حکمت سب موضوعات پر یکساں گفتگو کرتے تھے۔

خواجہ صاحب کو سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ وہ ۱۹۲۰ء کے شروع میں میسور جا رہے تھے کہ راستے میں نمونیہ کا حملہ ہو گیا۔ اور وہ اس سے فوت ہو گئے۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج : رجال اقبال۔ ص۔ ۱۰۲

(سیموئیل) الیگزینڈر SAMUEL ALEXANDER
(۱۸۵۹۔۱۹۳۸ء)

الیگزینڈر سیموئیل کو مابعد الطبیعاتی فلسفہ کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ وہ ۱۸۵۹ء کے لگ بھگ لندن میں پیدا ہوا تھا۔ اس کو ابتدا ہی سے زمان ومکاں کی ماہیت سے دلچسپی تھی۔ بالآخر وہ یہ دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ زمان ومکاں لازم و ملزم ہیں۔ چنانچہ اس کے فکری نظام میں یہ دونوں غیر منقسم دکھائی دیتے ہیں۔

جب انگریز اسکالروں نے اقبال کے انسان کامل کے تصور کو جرمن فلسفی نطشے کے خیالات ونظریات سے ماخوذ قرار دیا تو اقبال نے اس پر بڑی برہمی ظاہر کی اور کہا کہ وہ اپنے فلسفی الیگزینڈر کے افکار تک سے واقف نہیں۔ اقبال نے اپنے ایک خط محررہ ۱۹۲۱ء میں جو "اسرار خودی" کے انگریزی مترجم ڈاکٹر نکلسن کے نام لکھا گیا تھا تفصیل سے بحث کی ہے۔

الیگزینڈر نے ۱۹۳۸ء میں انتقال کیا اس کی تصانیف میں گلاسگو والے خطبات بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ جن سے اس کے غیر نفسی فلسفہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

ماخذ:

عبدالروف عروج ۔ رجال اقبال۔ ص۔ ۲۸۴۔۲۸۳

(نواب) امیرالدین احمد خاں
(۱۸۶۰-۱۹۳۷ء)

نواب امیرالدین احمد خاں والی ریاست لوہارو ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۴ء میں ریاست کے فرماں روا مقرر ہوئے۔ ان کی بے حد داد و دہش اور مشاغل طرب کی بدولت ریاست بہت مقروض ہو گئی تھی چنانچہ ۱۹۲۰ء میں وہ اپنے ولی عہد اور جانشین نواب اعزالدین احمد خاں کے حق میں دستبردار ہو گئے۔
امپیریل قانون ساز کونسل اور پنجاب قانون ساز کونسل کے دو دو سال تک رکن رہے۔ ۱۹۲۰ء کے اوائل میں کونسل آف اسٹیٹ کے غیر سرکاری رکن کی حیثیت سے نامزد کیے گئے۔
ریاست مالیر کوٹلہ (پنجاب) کے بارہ برس تک مشیر اور منتظم بھی رہے۔ عراق (جسے اس وقت میسوپوٹیما MESOPOTAMIA کہا جاتا تھا) میں محکمہ سیاست (پولٹیکل ڈپارٹمنٹ) سے متعلق رہے۔ ۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو اپنے بڑے صاحبزادے نواب اعزالدین احمد خاں کی وفات کے بعد اپنے پوتے نواب امین الدین احمد خاں ثانی (شہریار مرزا) کے زمانہ میں ۳۱ جنوری ۱۹۳۱ء تک قائم مقام حکمراں رہے۔
نواب امین الدین احمد خاں اردو اور فارسی کے شاعر تھے۔ ان کا انتقال ۱۹ جنوری ۱۹۳۷ء کو ہوا۔

ماخذ:

۱۔ حمیدہ سلطان احمد۔ خاندان لوہارو کے شعرا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی۔ جون ۱۹۸۱ء
۲۔ N.K. JAIN: MUSLIMS IN INDIA - VOL.I.

امیر عبدالرحمٰن (۱۸۴۴ء-۱۹۰۱ء)

امیر عبدالرحمٰن والی افغانستان کی پیدائش ۱۸۴۴ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے اس نے اپنے باپ افضل خاں، گورنر بلخ کے ساتھ اپنے چچا شیر علی کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لینا شروع کیا ۱۱سال سمرقند میں رہا۔ جب انگریزوں نے شیر علی کو دوسری افغان جنگ (۱۸۷۸ء۔ ۱۸۸۰ء) میں شکست دی تو شیر علی کو راہ فرار اختیار کرنا پڑا۔ اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کا جانشین یعقوب خاں کابل قبائل کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ جب انگریز ریزیڈنٹ کا قتل ہوگیا تو یعقوب خاں کو جلاوطن کر دیا گیا اور وہ ہندستان آگیا۔

جولائی ۱۸۸۰ء میں امیر عبدالرحمٰن تخت نشیں ہوا۔ اس کے عہد کا اہم واقعہ سرحدوں کا تعین اور ان کی از سر نو حد و دبندی تھا۔ یہ سلسلہ ۱۸۸۸ء میں ختم ہوا۔

اگرچہ عبدالرحمٰن انگریزوں کا طرف دار تھا تاہم ہندستان کے سرحدی علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ بالآخر ۱۸۹۳ء ڈورنڈ ایگریمینٹ (DURAND AGREEMENT) کے تحت ہندستان اور افغانستان کی سرحدیں متعین کی گئیں۔ اس کے باوجود ہندستان کی سرحدوں پر افغانی سازشوں کی وجہ سے ۱۸۹۰ء سے بےچینی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

امیر عبدالرحمٰن کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے خانہ جنگی کا خاتمہ کیا۔ ۱۸۹۶ء میں علاقہ کافرستان کے غیر مسلم قبائل پر تسلط قائم کیا اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کیا اور یہ قبائل حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

امیر عبدالرحمٰن کی وفات ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔

ماخذ:

دائرہ المعارف اسلامیہ (انگریزی) جلد اول ۔ ۸۷-۸۸

(سر) امین جنگ (ولادت ۱۲۸۰ھ)

نواب سر امین جنگ کا اصل نام احمد حسین تھا۔ وہ مدراس کے ایک مشہور خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ولادت ۲ صفر ۱۲۸۰ھ میں شمالی ارکاٹ کے ایک قصبہ وانمباڑی میں ہوئی۔ انھوں نے ۱۳۰۳ھ میں بی۔اے کے امتحان میں نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی پھر ۱۳۰۶ھ میں وکالت کی سند لی اور مدراس ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی۔ ۱۳۰۹ھ میں ان کو ارکاٹ کا ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر کیا گیا کچھ دنوں بعد ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور ۱۳۰۹ھ میں حیدرآباد چلے گئے۔ ۱۸۹۹ء میں نظام دکن میر محبوب علی خاں نے ان کو مددگار پیشی مقرر کیا۔ ۱۹۰۵ء میں ان کے پرائیویٹ سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں صدر المہام پیشی کا منصب دیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں نواب امین جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

نواب سر امین جنگ نے ۱۹۲۲ء میں "نوٹس آن اسلام" (NOTES ON ISLAM) کے عنوان سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں ہندستان میں مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کے رہنماؤں کا ذکر کیا تھا۔ اس کتاب میں سرسید احمد خاں، شبلی نعمانی الطاف حسین حالی اجسٹس امیر علی کے ساتھ ساتھ اقبال کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

نواب سر امین جنگ نے اس کتاب کا ایک نسخہ اقبال کو بھی بھیجا تھا۔ یہ نسخہ ان کو مارچ ۱۹۲۳ء میں کسی تاریخ کو موصول ہوا تھا۔ اقبال نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنے خط محررہ ۸ر مارچ ۱۹۲۳ء بنام گرامی میں کیا ہے۔

جب اقبال توسیعی تقریروں کے سلسلے میں حیدرآباد پہنچے تھے تو سر امین جنگ

نے اُن کا پرتپاک استقبال کیا تھا اور سرکاری طور پر ان کو مہمان ٹھہرانے کے انتظامات کیے تھے اس دوران اقبال نے سراکبر حیدری کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور یہ محسوس کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی فلاح وبہبود سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں ان کو معارف اسلامیہ کے عنوان سے ایک ادارے کے قیام کا خیال آیا تو اقبال کی نگاہ سب سے پہلے سراکبر حیدری پر پڑی کہ وہ نظام کے پرائیویٹ سکریٹری ہونے کی وجہ سے اس ادارہ کو سرکاری طور پر مالی امداد دلوا سکتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ۲۳ر فروری ۱۹۲۹ء کو سراکبر حیدری کے نام خط لکھا جس میں اس ادارے کے اغراض ومقاصد کی ایک مطبوعہ کاپی ارسال کرتے ہوئے ان سے تعاون کی درخواست کی۔ اس پر سراکبر حیدری نے دوہزار روپے کی امداد منظور کی۔

سراکبر حیدری بڑا اعلیٰ علمی وادبی ذوق رکھتے تھے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ ہندستان کے شخصی کتب خانوں میں ممتاز خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی تنخواہ اور آمدنی کا بڑا حصہ کتابوں کی خریداری میں صرف ہو جاتا تھا ان کے ادبی اور علمی مضامین ہمایوں، عالمگیر، اور نیرنگ خیال کی مختلف جلدوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

ان کے مراسم ان لوگوں سے تھے جو ادبی و علمی ذوق رکھتے تھے۔ جب رابندرناتھ ٹیگور حیدرآباد آئے تو سراکبر حیدری نے ان کو مدعو کیا۔ جب بغلگیر ہوئے تو دونوں بزرگوں کی ڈاڑھیاں مل گئیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے جو پاس ہی کھڑے تھے برجستہ شعر پڑھا۔

محفل میں ہیں آج دو صاحب ریش
دونوں دلشاد اور دونوں دلریش

حضرت امجد حیدرآبادی بھی موجود تھے۔ انھوں نے رباعی کے بقیہ دو مصرعے موزوں کیے۔

دونوں کی مختصر سی تعریف یہ ہے
درویش پرست ایک، ایک ہے درویش

ریاست حیدرآباد کے انضمام سے بہت پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔

مآخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص۔ ۱۱۸۔ ۱۱۷

۲۔ (بصد شکریہ) جناب میر عابد علی خاں صاحب۔
(مدیر اعلیٰ، "روزنامہ سیاست" حیدرآباد)

انصاری، ڈاکٹر مختار احمد (۱۸۸۰-۱۹۳۶ء)

مختار احمد انصاری یو پی کے ضلع غازی پور کے زمینداروں کے خاندان میں موضع یوسف پور میں ۲۵ دسمبر ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ گھر پر مذہبی تعلیم حاصل کی پھر حیدر آباد میں اعلیٰ تعلیم کے لیے گئے۔ مدراس میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کا امتحان کامیاب کر کے انگلستان گئے۔ جہاں ۱۹۰۳ء میں ایم۔آر۔سی۔پی (M.R.C.P.) کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۵ء میں سرجری کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی اور امتحان میں اوّل آئے۔ انھوں نے کچھ عرصہ لندن کے CHARING CROSS HOSPITAL ہسپتال میں بھی ملازمت کی۔

۱۹۱۰ء میں ہندستان واپس آکر انھوں نے دہلی میں نہایت کامیاب ڈاکٹری پریکٹس شروع کی۔ غریبوں کا علاج خاص توجہ سے کرتے تھے۔ گاندھی ان کو "غریبوں کا مسیحا" کہا کرتے تھے۔

وہ اپنی پیشہ وارانہ مصروفیتوں کے باوجود جلد ہی ملک کی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ ۱۹۱۲ء میں ترکی کے لیے ایک میڈیکل مشن کی تنظیم کی اور بعد میں "ہوم رول تحریک" کے ایک اہم لیڈر کی حیثیت سے امتیاز حاصل کیا۔ ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کے دہلی اجلاس کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین بنے اور ان کے خطبہ کو حکومت نے خلاف قانون قرار دے کر ضبط کر لیا۔ وہ ۱۹۲۰ء میں مسلم لیگ اور ۱۹۲۲ء میں خلافت کمیٹی کے صدر ہوئے اور عدم تعاون کی تحریک میں بھی عملی حصہ لیا۔ وہ ایک ممتاز "غیر تغیر پسند" (NO CHANGER) بھی تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں مدراس کے مقام پر کانگرس کے اجلاس کی صدارت کی جس میں یہ طے پایا تھا کہ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا جائے۔ انھوں نے ۱۹۲۸ء میں "آل پارٹیز کانفرنس" اور "کنونشن" کی صدارت کی جس میں "نہرو دستور" کی توثیق کی گئی۔

حکیم اجمل خاں کے انتقال کے بعد وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے امیر جامعہ (چانسلر) ہوئے اور اس کو موجودہ مستقل مقام پر منتقل کرنے کا منصوبہ تیار کرکے پورا کیا۔

ڈاکٹر انصاری ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء کے درمیان قومی جدوجہد میں جنگ آزادی کے اہم مورچوں پر مصروف کار رہے اور انھیں کئی بار قید و بند کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ وہ کانگریس پارلیمانی پارٹی کے پہلے صدر تھے اور انھیں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۳۴ء میں کانگریس نے پارلیمانی پروگرام قبول کرلیا۔

مئی ۱۹۳۶ء میں اچانک ان کا انتقال ہوگیا اور ملک ایک ممتاز سیاستداں اور مدبّر کی خدمات سے محروم ہوگیا۔

ماخذ:

۱۔ احمد۔ جدید ہندستان کے معمار ص ۷۶ — ۷۷
ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۷۹ء

۲۔ پی۔ این۔ چوپڑہ۔ رول آف انڈین مسلمز ان دی اسٹرگل فور فری ڈم
P.N. CHOPRA: ROLE OF INDIAN MUSLIMS IN THE STRUGGLE FOR FREEDOM

(غازی) انور پاشا (۱۸۸۱ء، ۱۹۲۲ء)

ترکی کا مشہور قائد اور سیاست داں جس نے مملکت ترکیہ کے ایک نازک دور میں خارجی و داخلی خطروں کا جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوا۔ فوجی تربیت پانے کے بعد ترکی فوج میں بھرتی ہوا۔ ۱۹۱۴ء میں جب سعید حلیم پاشا نے نئی وزارت بنائی تو انور پاشا کو وزیر جنگ کا عہدہ ملا۔ انور پاشا نے بحیثیت وزیر جنگ اعلیٰ کارکردگی اور تدبر کا ثبوت دیا۔ ۱۹۱۸ء میں جب استنبول پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ انور پاشا اپنے چند ساتھیوں کو لے کر برلن چلا گیا۔ ایک فوجی عدالت نے استنبول میں انور پاشا اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ان کی غیر حاضری میں موت کی سزا سنائی۔ اسی دوران اس نے روس کا کئی بار دورہ کیا۔ اس نے ترکی کی آزادی کے لیے روس کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔

انور پاشا نے ایک لڑائی میں ۱۹۲۲ء میں شہادت پائی۔

مآخذ:
(بصد شکریہ ، پروفیسر عبدالرحمٰن مومن ، بمبئی یونیورسٹی)

(مولانا سید) انور شاہ کشمیری

مولانا سید انور شاہ کشمیری وادیِ لولاب کے ایک قصبہ ودھورا میں ۲۶ نومبر ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے، مذہبی تعلیم اپنے والد محمد شاہ سے حاصل کی۔ پھر تحصیلِ علم کے لیے کشمیر سے ہزارہ پہنچے کچھ دنوں کاکول میں مولانا فضل الدین سے اکتساب کیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ جہاں ۱۹۱۶ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہو کر ان کے خلیفہ مجاز ہو گئے۔ ۱۸۹۷ء میں درس و تدریس کو اپنایا۔ کچھ دنوں مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس رہے ۱۹۰۲ء میں اپنے بھائی کے انتقال پر وطن لوٹے۔ ۱۹۰۵ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ اور مصر و شام کے محدثوں سے روایتِ حدیث کی اجازت لی۔ ۱۹۰۹ء میں کشمیر آ کر بارہ مولا کے مقام پر مدرسہ فیضِ عام کی بنیاد رکھی۔ اس کے ایک سال بعد شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے دیوبند بلا کر اُن سے کہا کہ درس و تدریس کا فریضہ انجام دیں۔ وہ اپنے استاد کی بات نہیں ٹال سکے۔ انھوں نے بارہ مولا سے دیوبند پہنچ کر وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس کے چند سال بعد جمعیت علما ہند کے زیرِ اہتمام مولانا عبد القادر قصوری نے لاہور میں ایک جلسۂ عام کا اہتمام کیا۔ اس میں جہاں ملک کے ممتاز علما شریک ہوئے وہاں مولانا کشمیری نے بھی شرکت فرمائی اس جلسہ کے اختتام پر بانیانِ جلسہ نے اقبال اور مولانا کو آپس میں متعارف کرایا۔ جب مارچ ۱۹۲۵ء میں مولانا کشمیری انجمن خدام الدین کے جلسہ میں شرکت کے لیے لاہور آئے تو اقبال نے اُن کو کھانے پر مدعو کیا۔ (ملاحظہ ہو مکتوب محررہ ۱۴ / مارچ ۱۹۲۵ء)

۱۹۲۶ء میں مولانا کشمیری کا دیوبند والوں سے اختلاف ہوگیا انھوں نے درس وتدریس کی خدمت ترک کردی۔ اقبال کو جب علم ہوا تو انھوں نے ان کو لاہور بلانے کی کوشش شروع کردی۔ اقبال کے نزدیک اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید ترین تدوین تھی جس میں زندگی کے ان سینکڑوں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو جو سیاسی سماجی اور بین الاقوامی سطح پر رونما ہو رہے ہیں، اِس کے لیے اقبال کے ذہن میں مولانا کشمیری ہی کا نام آتا تھا، چنانچہ انھوں نے ایک تار کے ذریعہ اُن سے درخواست کی کہ وہ لاہور مستقل قیام کی غرض سے تشریف لائیں لیکن اس سے پہلے اُن کو اقبال کا تار ملتا، ڈابھیل والوں نے ان کی خدمات حاصل کرلیں۔ جس پر انھوں نے اقبال سے معذرت کا اظہار کر دیا، اس کے باوجود اقبال ان سے بعض مذہبی معاملات میں برابر استفادہ کرتے رہے۔ چنانچہ جب انھوں نے اقبال کی درخواست پر اپنا رسالہ "ضرب الخاتم علی المحدوث العالم" بھیجا تو اقبال اس کو پڑھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

ان کا کہنا تھا کہ قال اللہ وقال رسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی مولانا کو اس درجہ درک اور بصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوثِ عالم پر اس رسالہ میں انھوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔

مولانا کشمیری کو ۱۹۳۲ء میں ایک مقدمے کی گواہی کے سلسلے میں بھاول پور بلا یا گیا وہ ان دنوں شدید بیمار تھے انھوں نے ڈابھیل سے لاہور اور پھر وہاں سے بھاول پور تک بیماری کی حالت میں سفر کیا اور مقدمہ میں گواہی دی اس کے بعد ان کی بیماری بتدریج بڑھتی ہی گئی۔ بالآخر وہ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگئے۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج : رجال اقبال ص ۱۳۵/۱۳۶

لُڈوگ اوہلینڈ (LUDWIG UHLAND)
(۱۷۸۷-۱۸۶۲ء)

یہ ٹوبن گین (TUBINGEN) میں ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوا۔ گرامر اسکول میں تعلیم پاکر چودہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کرلیا اور یونیورسٹی کے شعبۂ قانون میں داخلہ لیا۔ ۱۸۰۹ء میں کورس مکمل کرلیا۔ ۱۱-۱۸۱۰ء میں پیرس گیا یہاں فرانسیسی قانون (نیپولین کی کوڈ) کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۱۲ء میں محکمہ قانون میں ملازم ہوگیا۔ لیکن ۱۸۱۴ء میں استعفیٰ دیدیا۔ ۱۸۱۹ء میں ٹوبن گین کے حلقہ سے پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا۔ اپنی سرگرم حریّت پسندی (LIBERALISM) کے باعث سرکاری حلقوں میں اس کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا تاہم دوبارہ پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا گو اس دفعہ سٹوٹ گارڈ (STUTTGART) حلقہ کا نمائندہ تھا۔ ۱۸۲۹ء میں اس کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی جب وہ اپنی مادر درسگاہ ٹوبن گین یونیورسٹی میں جرمن زبان و ادب کا پروفیسر مقرر ہوا۔ تین سال بعد اس عہدہ سے مستعفی ہوگیا۔ کیونکہ سرکار نے پارلیمنٹ سے متعلق فرائض کی انجام دہی کے لیے اس کی رخصت منظور نہیں کی۔ ۱۸۳۹ء میں پارلیمنٹ کو خیرباد کہہ کر اس نے اپنی زندگی علمی مشاغل کے لیے وقف کردی۔ لیکن ۱۸۴۸ء میں نئی جرمن پارلیمنٹ کا لبرل ممبر منتخب ہوا۔ ۱۸۴۹ء میں پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد ادبی اور لسانی تحقیق میں مشغول ہوگیا۔

اوہلنڈ اپنی رزمیہ نظموں BALLADS اور لوک گیتوں سے پیوستہ رومانی شاعری کی وجہ سے مشہور ہے۔ اور رومانی تحریک کے شعرا میں دبستان سوابین (SWABIAN) کا ممتاز پیش رو کہا جاتا ہے۔ ۱۸۱۵ء میں اس کا عہدِ شباب کا کلام بعنوان گیدختے (GEDISCHTE) شائع ہوا۔ ۱۸۲۹ء اور ۱۸۳۴ء کی چند اور رزمیہ نظمیں بھی مشہور ہیں۔ اس نے سیاسی

نظمیں بھی لکھی ہیں اور دو منظوم المیہ ڈرامے بھی ۱۸۱۸ء اور ۱۸۱۹ء میں لکھے۔

اسے قرونِ وسطیٰ کے ادب سے گہری دلچسپی تھی اس کا شمار جرمن زبان و ادب میں اپنی لسانی اور ادبی تحقیقات کے موسس کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

اس نے ۱۸۶۲ء میں وفات پائی۔

اقبال نے اپنے خط محررہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں اس کا ذکر اس سلسلہ میں کیا ہے کہ خود ان کی طرح جرمنی کے دو شاعر گوئٹے (GOETHE) اور اوہلنڈ (UHLAND) پیشہ کے اعتبار سے وکیل تھے۔

ماخذ:

جرمنی ادبیات کے آکسفورڈ ساتھی — ص — ۹۱۱

THE OXFORD COMPANION TO GERMAN LITERATURE

اویس قرنی (متوفی ۲۲ھ/ ۳۷ھ)

سید التابعین اویس بن عامر (ایک روایت میں عمرو) اہل یمن سے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب قبیلہ قرن بن ردمان بن ناجیہ بن مراد سے جا ملتا ہے۔ تاریخ میں ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عہد رسالت میں موجود تھے اور غائبانہ اسلام قبول کیا۔ مگر آنحضرت سے ملاقات ثابت نہیں۔ یمن کی امدادی فوج میں (یعنی ۱۷ ہجری کے بعد) مدینہ منورہ آئے اور یہیں خلیفہ وقت حضرت عمر سے پہلی ملاقات ہوئی۔ پھر وہ کوفے چلے گئے جہاں وہ گوشۂ عزلت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ زہد و عبادت کے پیکر تھے۔ آذر بائیجان کے معرکے (۲۰ھ تا ۲۲ھ) سے لوٹتے ہوئے راستے میں اچانک بیمار ہوکر وفات پا گئے (حلیۃ الاولیاء - ۲: ۹۰) اس بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ مثلاً جنگ صفّین (۳۷ھ/ ۶۵۷ء) میں حضرت علی کی طرف سے حصہ لیا اور تقریباً چالیس زخم کھاکر شہید ہوئے اور بقول بعض دمشق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے یا انھوں نے مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔

ماخذ:

اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ـ جلد سوم ـ ص ـ ۷۱ - ۷۵

جیمس باسویل (JAMES BOSWELL)

(۱۷۴۰ - ۱۷۹۵ء)

جیمس باسویل ایڈنبرا میں ۲۹ اکتوبر ۱۷۴۰ء کو پیدا ہوا۔ اس کا باپ وکیل تھا اور بعد میں ہائی کورٹ کے درجہ کا جج ہوا اور لارڈ آکن لیک (AUCHIN LEEK) کا خطاب پایا۔

باسویل نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر ایڈنبرا یونیورسٹی (۱۷۵۳ء) میں اعلیٰ تعلیم پائی۔ ۱۷۵۸ء میں قانون کی ڈگری حاصل کرنے ایڈنبرا یونیورسٹی میں پھر داخلہ لیا لیکن تھیٹر کا چسکا پڑ جانے کی وجہ سے باپ نے اس کو گلاسکو یونیورسٹی بھیج دیا۔ ۱۷۶۰ء میں یہ لندن فرار ہو گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا تاکہ لندن میں برابر قیام کر سکے۔ باپ اس کو واپس گھر لایا اور قانون کی تعلیم دی۔ اس نے بالآخر دیوانی قانون کا امتحان کامیاب کر لیا (جولائی ۱۷۶۲ء)

اب پھر لندن آیا (نومبر ۱۷۶۲ء۔ اگست ۱۷۶۳ء) ۱۶ مئی کو ڈاکٹر سیموئل جانسن (DR. SAMUEL JOHNSON) (۱۷۰۹۔ ۱۷۸۳ء) سے ملاقات ہوئی۔ یہ اس کی دوستی کا آغاز تھا جو دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس وقت جانسن کی عمر ۵۳ سال تھی اور باسویل کی ۲۲ سال۔

باسویل بیرونی ممالک کے سفر پر نکلا۔ پہلے ہالینڈ گیا۔ یہاں سے برلن کا رخ کیا۔ سویزرلینڈ میں روسو[۱] (ROUSSEAU) اور والٹیر[۲] (VOLTAIRE) سے ملاقات کی۔ وہ نو ماہ اٹلی میں بھی رہا۔ اس کے بعد جزیرہ کارسیکا (CORSICA) [جو نپولین (۱۷۶۹۔ ۱۷۷۸ء) کا مولد تھا]

۱؎ جان جاک روسیو JEAN JACQUE ROUSSEAU مشہور مفکر (۱۷۱۲ - ۱۷۷۸ء)

۲؎ مشہور فرانسیسی ادیب و طنز نگار والٹیر (۱۶۹۴ء ۱۷۷۸ء)

کا سفر بھی کیا۔ ۱۷۶۵ء میں واپس آ کر ایڈنبرا میں وکالت شروع کی (۲۶ جولائی ۱۷۶۶ء) اور ستر ہ سال تک پریکٹس کی۔ اسی دوران جانسن کے ساتھ ہبرنی ڈیز (HEBRIDGES) جزیرہ کا سفر کیا جس میں مستقل ایک سو ایک دن جانسن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے کا موقع ملا۔

۱۷۸۶ء میں اس نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور لندن مع خاندان منتقل ہو گیا لیکن اس کے بعد وکالت نہ کی۔ اب اس کا مشغلہ صرف جانسن کی سوانح حیات لکھنا تھا وہ عورتوں کا رسیا تھا اور شراب میں غرق رہتا تھا۔ اس کا آخری زمانہ بُرا گزرا لیکن اس کے بچے اور چند دوست اس سے بہت محبت کرتے تھے۔

باسویل سوانح نگار کی حیثیت سے لافانی شہرت رکھتا ہے، اس کی سیموئل جانسن کی سوانح حیات (THE LIFE OF SAMUEL JOHNSON LTD.) ۱۶ مئی ۱۷۹۱ء کو شائع ہوئی۔ فوراً تصنیف کو ستائش و تحسین اور مصنف کو تضحیک و تزلیل نصیب ہوئی۔ اس کتاب کا دوسرا اڈیشن اس کی زندگی میں شائع ہوا (جولائی ۱۷۹۳ء) تیسرے ایڈیشن پر کام کر رہا تھا کہ پیام اجل آ گیا۔

"جانسن کی سوانح حیات" باسویل کا عظیم ترین کارنامہ ہے اور قبولیت عام اور شہرت دوام کے دربار میں اس کی جگہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔ اس کی دوسری ممتاز تصنیف اس کا روزنامچہ (JOURNAL) ہے۔ باسویل کا شمار دنیا کے عظیم ترین روزنامچہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

ماخذ:

دائرہ المعارف برطانیکا— جلد سوم — ص — ۶۱—۶۳

(سلطان زین العابدین المعروف بہ) بڈشاہ

(متوفی ۱۴۷۰ء)

سلطان زین العابدین المعروف بہ بڈشاہ (کشمیری میں بادشاہ اعظم) ۱۴۲۰ء میں تخت نشیں ہوا۔ ۵۰ سال حکومت کی۔ اس کا عہد حکومت کشمیر کی تاریخ میں ایک "زرّیں عہد" کے طور پر آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

زین العابدین نے گھر پر ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس نے ۷ سال سمرقند میں تیمور کے دربار میں گزارے۔

تخت نشیں ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے اپنے باپ جسے سکندر بُت شکن" کہا جاتا تھا کی حکمت عملی کو ترک کیا اور رواداری اور روشن خیالی کا رویّہ اختیار کیا۔ اس کے عہد حکومت میں کشمیری پنڈت جو کشمیر چھوڑ کر ہندستان کے دور دراز علاقوں میں چلے گئے تھے واپس آئے۔ وہ خود بہت مذہبی آدمی تھا لیکن وہ کشمیری تہواروں میں شریک ہوتا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے مشہور مقدس مقام امرناتھ کی یاترا بھی کی۔ اس نے مذہبی رواداری کی مثال قائم کی اور اس زمانہ میں جب مذہبی تشدد عام تھا۔ گئو کشی کو جرم قرار دیا۔ اس کو بجا طور پر کشمیر کا "اکبر اعظم" کہا جاتا ہے۔

بڈشاہ نے انتظامی اصلاحات نافذ کیں اور کشمیری پنڈتوں اور ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ وہ عادل اور رحم دل بادشاہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کا منتظم و مدبر ہونے کے علاوہ وہ جلیل القدر عسکری صلاحیت کا بھی مالک تھا۔ اپنی سلطنت کی حدود بڑھائیں اور مضبوط کیں۔ اس نے اپنے سفیر ترکستان، مصر اور دہلی کے دربار میں بھیجے۔

اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے کشمیر میں وہ تمام دستکاریاں شروع کیں جن کی وجہ سے کشمیر آج بھی مشہور ہے۔ اس نے سمرقند سے کاریگروں اور دستکاروں کو بلایا

اور دست کاری اور کاریگری اور صنعت وحرفت کو فروغ دیا۔ شیشہ گری، قالین سازی، بے نظیر لکڑی کا کام، چاندی کا کام اور اسی نوع کی دیگر متعدد گھریلو صنعتوں کو ترقی دی۔

بڈشاہ ایک بڑا معمار بھی تھا۔ متعدد گاؤں اور شہر اس کے نام سے باقی ہیں۔ اس نے مشہور و معروف "زین گیر نہر" اور "شاہ نہر" شمالی اور جنوبی کشمیر میں تعمیر کرائیں۔ ان کی وجہ سے خشک مگر زرخیز زمین کو آبپاشی کی سہولتیں حاصل ہوئیں۔ اس نے نہایت خوبصورت اور فن کارانہ عمارات تعمیر کرائیں۔ ایک بارہ منزلہ لکڑی کا محل "زین داب" کے نام سے زین گیر نہر میں بنوایا۔ جس کو مرزا حیدر صاحب "تاریخ رشیدی" نے اس وقت کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔

وادی کشمیر میں لکڑی کے پل سمرقند اور بخارا کے طرز پر بنوائے۔ بہت سے رفاہ عامہ کے کام کیے۔ حفظان صحت کے خیراتی ادارے قائم کیے۔ اس کے آخری زمانے میں سخت قحط پڑا۔ اس نے قحط زدہ لوگوں کو سرکاری گوداموں سے مفت غلہ تقسیم کرایا۔ غریبوں کے قرضے معاف کر دیئے۔ اس کے دو سال بعد خطرناک سیلاب آیا۔ لوگ خوف سے ہری پربت پر چڑھ گئے۔ چنانچہ اس نے وہاں ایک نیا شہر "نوشہر" کے نام سے آباد کیا۔

بڈشاہ علم وفن کا دلدادہ تھا۔ اس نے اسکول، کالج اور اقامتی یونیورسٹی قائم کی۔ بیرون ممالک سے علماء و فضلاء کو دعوت دی۔ وہ رقص و موسیقی اور فنون لطیفہ کا بھی شائق تھا۔ کشمیری کلاسیکل موسیقی کا آغاز اس کے زمانے میں ہوا۔ اس نے کشمیر میں کرناٹک موسیقی کا پہلا جلسۂ نغمہ وسرور منعقد کیا۔ اسے شعروادب سے بھی شغف تھا۔ مؤرخین، شاعر، ڈرامہ نویس، خطاط اور دوسرے فنکار اس کے دربار کی زینت تھے۔ خصوصی کشمیری ثقافت وتمدن کی نشوونما اسی کے زمانے میں ہوئی۔ وہ خود شاعر تھا۔ اس نے ہندو شاستر اور مہابھارت کا بھی فارسی میں ترجمہ کرایا۔

وہ عارفانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ مذہب کا پابند تھا۔ فقیروں، سادھوؤں اور صوفیوں کی تکریم واحترام کرتا تھا۔ بدقسمتی سے اس کی زندگی کا آخری دور بیٹوں کی آپسی خانہ جنگی کی

وجہ سے پریشانیوں میں گزرا۔

اس نے ۱۲ مئی ۱۴۷۰ء کو انتقال کیا۔ اس کا مقبرہ سری نگر میں مزار سلاطین میں ہے اور آثار قدیمہ میں شمار ہوتا ہے۔

ماخذ:

پرتھوی ناتھ کول بمزئی تاریخ کشمیر ص ۲۹۱، ۳۱۰، ۲۹۹، ۵۱۵، ۵۲۳، ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۳۵، ۵۸۱، ۵۹۷

PRITHIVI NATH KAUL BAMZAI: A HISTORY OF KASHMIR,
PP. 291, 299-310, 515, 523,
530, 532, 535, 581, 597

سر رچرڈ برٹن (SIR RICHARD BURTON) (۱۸۲۱ء - ۱۸۹۰ء)

انیسویں صدی کا ایک عظیم برطانوی اسکالر۔ وہ اُن یورپین سیاحوں میں سے تھا جو مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچے۔ اسی نے جھیل ٹانگانیکا کا بھی سراغ لگایا۔ وہ ایک سیاسی شاعر، مختلف علوم کا ماہر مثلاً نباتات، ارضیات، علم انسان وغیرہ اور لسانیات میں طاق تھا، اور ایک ممتاز مترجم بھی تھا۔ آخر عمر میں مشرقی زبانوں، ان کے لوک گیتوں اور جنسی شعر و ادب کا دلدادہ ہوگیا تھا۔ اس کا الف لیلہ کا غیر مختصر ترجمہ مشہور ہے۔

رچرڈ برٹن، ٹورکی ڈیون شایر (TORQUAY, DEVONSHIRE) میں ۱۹ر مارچ ۱۸۲۱ء کو پیدا ہوا۔ فرانس اور اٹلی میں تعلیم پائی۔ وہاں زبانیں سیکھنے کا حیرت انگیز شوق پیدا ہوا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی (۱۸۴۰ء) میں میٹرک پاس کرنے سے پیشتر فرانسیسی اور اطالوی مقامی بولیاں اور یونانی اور لاطینی زبانیں روانی سے بولنے لگا تھا۔ ۱۸۴۲ء میں کسی معمولی سی قانونی خلاف ورزی کی بنا پر آکسفورڈ سے نکال دیا گیا تو بمبئی میں فوج (BOMBAY NATIVE INFANTRY) میں معمولی درجہ کا افسر ہوگیا۔ ہندستان میں آٹھ سالہ دورانِ قیام میں اس نے عربی اور ہندی میں قدرت پیدا کی۔ مراٹھی، سندھی، پنجابی، پشتو، ملتانی اور تیلگو میں مہارت حاصل کی۔ بعد میں دنیا کی سیر و سیاحت میں اس نے پچیس زبانیں اور پندرہ مقامی بولیاں سیکھیں۔

۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۴ء تک فرانس میں بولون (BOLOGNE) میں قیام کیا اور ہندوستان پر چار کتابیں مشمولہ سندھ اور وادیٔ سندھ کی باشندہ قومیں۔ (SINDH AND THE RACES THAT INHABIT THE VALLEY OF THE INDUS - 1851) تصنیف کیں۔ یہ علم الانسان کے باقاعدہ وجود میں آنے سے پیشتر اس میدان میں ایک نمایاں کارنامہ تھا

۱۸۵۳ء میں ایک افغانی مسلمان کا بھیس بدل کر قاہرہ سویز ہوتا ہوا مدینہ منورہ گیا اور وہاں سے مکہ معظمہ پہنچا۔ وہاں کعبہ شریف کی پیمائش کی۔ یہ پہلا غیر مسلم تو نہ تھا جو اُمّ البلاد میں داخل ہوا لیکن ان میں سب سے زیادہ اس کے بیان کردہ حالات مستند ہیں۔

اب یہ دریائے نیل کے منبع کی تلاش میں نکلا۔ لیکن قبائلیوں کے حملہ میں زخمی ہوگیا (۱۸۵۵ء) یہاں سے روس کے خلاف جنگِ کریمیا (CRIMEAN WAR) میں رضاکارانہ طور پر فوج میں بھرتی ہوا۔ جنگ کے خاتمہ پر پھر دریائے نیل کے منبع کی سراغ رسانی کی جانب رجوع ہوا اور زنزیبار (ZANZIBAR) کی جانب سے مہم لے کر چلا۔ ٹانگانیہ کا جھیل تک پہنچتے پہنچتے ملیریا میں مبتلا ہوگیا اور واپس آگیا۔

۱۸۶۰ء میں امریکہ کے سفر پر اچانک نکل پڑا۔ وہاں فرقۂ مارمن (MORMON) کا مطالعہ کرنے سالٹ لیک سٹی پہنچا۔ واپسی پر برطانوی دفتر خارجہ میں ملازم ہوگیا اور بحیثیت قونصل فرینڈوپو (FERNANDO PO) اسپین کے ساحل کے قریب ایک جزیرہ) میں تین سال کے لیے مامور کیا گیا۔ پھر چار سال برازیل میں رہ کر اس کا دمشق تبادلہ ہوگیا۔ جہاں ابتدا میں کامیاب رہا۔ بعد میں مقامی سازشوں اور بیوی کے جوشِ تبلیغ عیسائیت کا شکار ہوا اور ملازمت سے برطرف کر دیا گیا (اگست ۱۸۷۱ء)۔ ۱۸۷۲ء میں تریست (TRIESTE) قونصل کا عہدہ جبراً قبول کیا لیکن یہاں کے حالات راس آئے اور مرتے دم تک یہیں رہا۔ یہاں اس نے حیرت انگیز حد تک مختلف مضامین اور موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں اور مشرقی جنسی ادبیات کے تراجم بھی کیے۔ جن میں "وتسایین کے کام سترا" KAMA SUTRA OF VATSAYAN (۱۵۵۳ء) اور آننگا رنگا (ANANGA RANGA) (۱۸۸۵ء) شامل ہیں۔ سب سے مشہور سولہ جلدوں پر مشتمل "الف الیلہ" کا کامل ترجمہ (۱۸۸۵ء-۱۸۸۸) ہے۔

فروری ۱۸۸۶ء میں اسے "سر" کا خطاب ملا۔ ۲۰ ر اکتوبر ۱۸۹۰ء میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کی بیوی نے اس کا اعلیٰ کردار ثابت کرنے کے لیے اس کے ۴۰ سال

کے روزنامچے اور جریدے نذر آتش کر دیئے۔ یہ تاریخ اور علم الانسان کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔

اس کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں :

1. PILGRIMAGE TO EL-MEDINA & MECCA (1855-1856)
2. LAKE REGIONS OF CENTRAL AFRICA 91860)
3. CITY OF THE SAINTS (1861)
4. TALES OF HINDU DEVILRY (1870)
5. THE KASIDAH (1880)
6. BOOK OF THE SWORD (1884)

ماخذ :

دائرۂ معارف برطانیکا۔ جلد سوم۔ ص ۵۲۶۔ ۵۲۷

برکت علی ملک (۱۸۸۵ء - ۱۹۴۶ء)

ملک برکت علی ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ ایف۔ ایس۔ سی کالج میں تعلیم پائی۔ اسلامیہ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کے بعد اسسٹنٹ ایکسٹرا کمشنر اور مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ اس میں جی نہیں لگا تو آبزرور (OBSERVER) لاہور کی ادارت شروع کر دی۔ اس سے اُکتائے تو خلافت کمیٹی کے نائب صدر اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سکریٹری ہو گئے۔ پنجاب پروونشل مسلم لیگ کے صدر ہونے کے بعد ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ آگیا۔

ملک برکت علی کی سیاسی زندگی کا آغاز 1919ء میں ہوا۔ اس زمانے میں انھوں نے مسلم لیگ اور کانگریس کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بہت کوشش کی۔

۱۹۳۵ء میں امپیریل کونسل کی رکنیت کے لیے انتخابات ہوئے تو ملک صاحب نے میاں عبدالحئی ایڈوکیٹ کے حق میں دستبرداری اختیار کر لی۔

اقبال سے ان کے دیرینہ مراسم تھے۔ ۱۹۳۶ء میں ملک صاحب مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔ جب اقبال کو اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ادھر ملک صاحب نے کامیابی کی اطلاع دینے کے لیے اقبال کے دولت کدہ پر حاضری دی، اقبال نے شدید علالت کے باوجود ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد ملک صاحب کی صاحبزادی بیمار ہو گئی اور کسی دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ملک صاحب کو سیاسی سرگرمیوں سے اتنی بھی فرصت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی صاحبزادی کی خبر گیری کر سکیں۔ اس صورتِ حال

کے پیشِ نظر اقبال نے ان کی صاجزادی کا علاج اپنی نگرانی میں کرایا۔ یہی نہیں بلکہ دہلی میں حکیم نابینا کو بھی لکھا کہ وہ کوئی دوا تجویز کریں۔ ملک صاحب کی صاجزادی کی صحت یابی کے چند ماہ بعد اقبال کا انتقال ہو گیا تو ملک صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔

ستمبر ۱۹۴۵ء میں شملہ سے واپسی میں عارضۂ قلب کا حملہ ہوا۔ وہ اپنی زندگی ملک اور قوم کے لیے وقف کر چکے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹروں کے مشورہ پر عمل کرنے کے بجائے کام کو ترجیح دی۔ چنانچہ ۵ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو اسپیشل ٹریبیونل کے سامنے ایک گواہ پر جرح کر رہے تھے کہ ان پر دوبارہ عارضۂ قلب کا حملہ ہوا اور وہ فوری جاں بحق ہو گئے۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج ـ رجال اقبال۔ ص ۱۴۰۔ ۱۴۱

ہنری لوئی برگساں (HENRI LOUIS BERGSON)
(۱۸۵۹ـ ۱۹۴۱ء)

ہنری لوئی برگساں فرانس کا بیسویں صدی کا ممتاز فلسفی تھا جس نے پہلے پہل استمراری فلسفہ کی وضاحت کی۔ اس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ وقت پانی کے بہاؤ کی طرح ہے۔ اس نے فلسفۂ قطعیت اور سائنسی وضاحت حقیقت پر کڑی تنقید کی اور انسانی اور روحانی اقدار کی حمایت کی۔ اس معنی میں وہ عقل و خرد کے خلاف بغاوت کا علمبردار تھا۔

برگساں پیرس میں ۱۸ر اکتوبر ۱۸۵۹ء کو ایک متمول یہودی خاندان میں پیدا ہوا۔ ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۱ء تک ایک اعلیٰ درس گاہ ای کول نارمل سپیریر (ECOLE NORMAL SUPERIERE) میں تعلیم پائی۔ گھر پر یونانی اور لاطینی کلاسیکی ادبیات پڑھیں۔ بعد ازاں ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۸ء تک معلم کی حیثیت سے مختلف مقامات پر کام کیا۔ ۱۸۸۹ء میں پیرس آگیا اور وہاں پڑھاتا رہا۔ ۱۸۹۷ء میں وہ اسی درس گاہ میں پروفیسر ہوگیا جہاں وہ کبھی طالب علم تھا۔ ۱۹۰۰ء میں فرانس کے نہایت باوقار علمی ادارہ کالج دی فرانس (COLLEGE DE FRANCE) نے اسے خطبات دینے کی دعوت دی۔ اس وقت سے اوّل جنگ عظیم تک اس کے فلسفہ کا بڑا زور رہا۔

۱۹۱۴ء میں برگساں نے کالج سے کنارہ کشی کرلی۔ گو باضابطہ طور پر ۱۹۲۱ء میں سبکدوش ہوا۔ اس دوران اس کو متعدد بار سفارتی مشن پر مامور کیا گیا اور ایک مشن پر امریکہ بھی گیا۔ جمعیۃ الاقوام کے قیام کے بعد یہ اس کی دانشورانہ اتحاد باہمی کمیشن (COMMISION FOR INTELLECTUAL COOPERATION) کا پہلا صدر بنا۔ اس کو بہت سے

اعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۹۱۵ء سے فرانسیسی اکیڈمی کے لازوال شہرت کے مالک ممبران میں شامل ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں اس کو نوبل پرائز برائے ادب ملا۔ عام فلاسفہ کے برعکس اس کا اسلوب بیان ادبی تھا، جو وضاحت اور لطافت میں ممتاز تھا۔

فرانس چھوڑنے کے بعد اس کی صحت خراب رہنے لگی اور اس نے جنوری ۱۹۴۱ء کو پیرس میں وفات پائی۔

اس کی پہلی تصنیف TIME AND FREE WILL (زمان و اختیار) ۱۸۸۹ء ہے۔ جس میں اسے ڈاکٹریٹ ملی۔ اس میں اس نے ایک نیا تصور زماں پیش کیا کہ وقت ایک ارتقائی اور امتدادی یا استمراری کیفیت کا نام ہے۔ اس کے برعکس سائنس کا نظریۂ زماں مکانیت پر مبنی ہے۔ سائنس مدت کو توسیع، تواتر کو ہم وقتی اور کیفیت کو کمیت پر محمول کرتی ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ انسانی آزادی کو سائنسی تجربہ کے نام پر موردِ الزام قرار دینا بے بنیاد سی بات ہے۔ اس کے خیال میں مکان کی طرح زمان بھی ایک بنیادی حقیقت ہے۔ دراصل زماں جوہر حیات ہے بلکہ ہر حقیقت کا جزو لاینفک ہے۔ برگساں کے الفاظ میں امتداد یا استمرار ماضی کا مسلسل ارتقاء ہے جو مستقبل میں جاکر ضم ہوتا ہے اور ماضی کلی طور پر بڑھتے بڑھتے حال میں صورت پذیر ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر امتداد یا استمرار کا مطلب یہ ہے کہ ماضی کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ تاہم مستقبل کبھی ماضی کی طرح نہیں ہوسکتا۔ چونکہ بقول برگساں "ہر آنے والا لمحہ صرف ایک نئی چیز ہی نہیں ہے بلکہ اس کی پہلے سے پیش بینی بھی ناممکن ہے۔ تغیر ایک ایسا فطری اور بنیادی عمل ہے کہ شاید پوری طرح تصور میں بھی نہ آسکے۔

اسی اثنا میں اس نے ذہن اور جسم کے رابطہ کا مطالعہ کیا۔ اس وقت مروجہ نظریہ نفسیاتی اور طبیعیاتی متوازیت کا تھا۔ گویا ہر نفسیاتی کیفیت کی طبیعیاتی حقیقت بھی ہوتی ہے۔ اس نے اس دلیل کو باطل ثابت کرکے دکھایا۔ اور اس باب میں اس کی پانچ سالہ تحقیق و جستجو کا ثمرہ اس کی تصنیف MATTER AND MEMORY (مادّہ اور حافظہ)

(۱۸۹۶ء) تھا۔ یہ نہایت ادق اور چند نقادوں کی رائے میں ایک مکمل اور پختہ تصنیف ہے۔اس میں اس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ حافظہ اور ذہن یا روح قائم بالذات ہے اور جسم سے قطعاً آزاد اور علیحدہ ہے۔

۱۹۰۷ء میں اس کی شہرۂ آفاق تصنیف CREATIVE EVOLUTION (تخلیقی ارتقا) منصۂ شہود پر آئی۔ اس کا خیال ہے کہ ارتقا میکانکی نہیں بلکہ تخلیقی عمل ہے جو ہر لحظہ بدلتی اور ترقی پذیر جوہر حیات یا قوت کا تخلیقی اظہار ہے۔ اس کے خیال میں عقل حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی اسی لیے سائنس حقیقت کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کے خیال میں عقل جزو کو سمجھنے پر تو قادر ہے لیکن کُل کے ادراک سے قاصر ہے۔ چنانچہ حقیقت کو سمجھنے کے لیے عقل کے ساتھ وجدان بھی ضروری ہے۔

پچیس سال کے بعد اس کی ایک اہم تصنیف۔ TWO SOURCES OF MORA-LITY AND RELIGIONS۔ (اخلاق و مذہب کے دو سرچشمے) (۱۹۳۵ء) ہے۔ یہ دو سرچشمے ہیں عقل اور وجدان۔ اور ان کی ہی مدد سے آدمی حقیقت کی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ وجدان کے اظہار کے وسیلے نہ صرف فنون لطیفہ اور فلسفہ ہیں بلکہ صوفیوں کے عارفانہ مشاہدات و تجربات بھی ہیں۔

برگساں نے کوئی دبستانِ فکر قائم نہیں کیا۔ البتہ اس کے نظامِ فکر نے امریکہ، فرانس اور انگلستان کے مفکروں پر گہرا اثر چھوڑا۔ علامہ اقبال بھی مغربی مفکرین میں سب سے زیادہ برگساں سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے اپنے محبوب موضوع تصوّر زماں کی تشکیل میں برگساں کے نظریات سے کافی استفادہ کیا۔ فرق یہ ہے کہ جہاں برگساں نے ہر لحظہ، تغیر پذیر زماں کو حقیقت کہا ہے اور اسی کو ہستی قائم بالذات مانا ہے۔ وہاں اقبال ذات مطلق کو حقیقت مانتے ہیں۔ وہ زندگی کو زمان اور زمان کو زندگی کہتے ہیں لیکن زمان کو واجب الوجود نہیں مانتے۔ بلکہ واجب الوجود صرف خدا کو مانتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ برگساں کے نظریہ کے خلاف استمرارِ زماں کو بامقصد قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اگر ارتقا کی کوئی منزل نہ ہو تو ارتقا قطعاً

بے معنی ہو گا۔ انھوں نے اپنے خطبات میں کہا ہے کہ :

"برگساں کے نزدیک شعوری تجربات محض ماضی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ماضی جو کہ حال کے ساتھ چل کر انجام کار حال ہی میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ وہ اس بات کو نظر انداز کر جاتا ہے کہ شعور کی وحدت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مستقبل کو رواں رکھتا ہے۔ زندگی خیال کے عملی صورت میں آنے کا نام ہے اور بغیر کسی مقصد کے خیال کا عملی صورت میں آنا خواہ یہ عمل شعوری ہو یا غیر شعوری، ناقابل توضیح ہے۔"

ماخذ :

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد ۲۔ ص ۴۸۴۔ ۴۸۳

۲۔ جگن ناتھ آزاد ۔ اقبال اور مغربی مفکرین

(میاں) بشیر احمد (۱۸۹۳ء - ۱۹۷۱ء)

میاں بشیر احمد ۲۹ مارچ ۱۸۹۳ء کو باغبانپورہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ مزید تعلیم کے لیے آکسفورڈ چلے گئے۔ وہاں سے تاریخ میں بی اے آنرز کی ڈگری لی اور اسلامیہ کالج لاہور میں اعزازی پروفیسر ہو گئے۔ اسی زمانے میں نثر اور نظم لکھنے لگے۔ شاعری میں ان کا تخلص زورؔ تھا۔

جب ۱۹۱۸ء میں ان کے والد جسٹس شاہ دین ہمایوں کا انتقال ہوا تو انھوں نے ان کی یاد میں ایک ادبی رسالہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اسے وہ ۱۹۲۲ء سے پہلے جاری نہیں کر سکے۔ اسے جاری کرنے سے کچھ پہلے انھوں نے اقبال سے ایک نظم کے سلسلے میں ملاقات کی۔ اقبال نے قدرے خفگی ظاہر کی اور کہا کہ وہ رسالہ نکالنے کے بجائے گارساں دتاسی کی تصانیف کو اردو میں منتقل کریں۔ چونکہ میاں صاحب کے ذہن میں رسالہ کا شوق سمایا ہوا تھا۔ انھوں نے اقبال کا مشورہ قبول نہیں کیا۔ بہرکیف اقبال نے ان کے والد جسٹس شاہ دین ہمایوں پر ایک نظم لکھ کر دے دی۔

میاں بشیر کا اقبال سے یہ پہلا ارتباط تھا۔ اس کے بعد وہ اکثر ان سے ملاقات کرتے اور مختلف معاملات میں مشورہ کرتے رہے۔ جب "ہمایوں" کو ملک کے ممتاز رسالوں میں شمار کیا جانے لگا اور اس میں اچھا لکھنے والوں کی کثرت ہو گئی تو اقبال کو اعتراف کرنا پڑا کہ "ہمایوں" اردو کے رسالوں میں بہترین رسالہ ہے۔

میاں بشیر احمد کو ادب اور شاعری کے علاوہ سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ وہ مسلم لیگ کے زبردست حامی اور اتحاد پارٹی کے سخت نکتہ چیں تھے۔ ۱۹۳۷ء میں

مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں شرکت کی اور لیگ کی حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں حصّہ لینا شروع کیا۔

میاں بشیر احمد کی شخصیت بڑی پہلودار اور متنوع تھی۔ وہ پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کو پنجاب اسمبلی کا رکن بنایا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں وہ ترکی سفیر برائے پاکستان بنا کر بھیجے گئے۔ ترکی میں ان کا قیام ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک رہا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد ایک بار پھر "ہمایوں" نکالنے کی کوشش کی لیکن حالات اس قدر بدل چکے تھے اور پڑھنے والوں کے مزاج میں اتنی تبدیلی پیدا ہوگئی تھی کہ اس کا چلنا مشکل تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے بند کیے جانے کا اعلان کرتے ہوئے آخری شمارہ نکالا جو خاصا ضخیم تھا۔

انھوں نے ۳ر مارچ ۱۹۷۱ء کو وفات پائی۔ ان کی تمام تر تحریریں "مخزن" اور "ہمایوں" میں بکھری پڑی ہیں۔ کسی نے بھی ان کو جمع کر کے شائع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ۔ ص ۱۴۳ ۔ ۱۴۴

(ملک الشعرا) بہار مشہدی (متوفی ۱۹۵۱ء)

ملک الشعرا محمد تقی بہار، جملہ اصناف سخن میں دورِ حاضر کے بے نظیر شاعر، فارسی نظم ونثر کے ناقد، صحافی اور محقق۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد کاظم صبوری تھا۔ صبوری اور بہار یکے بعد دیگرے مشہد شریف میں حضرت امام رضا کے روضہ کے ملک الشعرا رہے ہیں۔
بہار نے راہ سیاست میں کافی مشکلات برداشت کیں لیکن ان کے قدم نہ ڈگمگائے۔ انھوں نے "نو بہار" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا اور جب اسے حکومت نے بند کر دیا تو دوسرا اخبار "تازہ بہار" نکالا۔ بعد میں انھوں نے "دانش کدہ" کے نام سے ایک ادبی اور سیاسی مجلہ جاری کیا۔ یہ اخبارات اور مجلہ آزادی کے نقیب رہے ہیں۔
بہار نے ناچاری دور میں اپنی زندگی کا کافی عرصہ قید میں بسر کیا۔ ایک سیاسی ہنگامے میں ان کا بازو ٹوٹ گیا تھا۔ پہلوی دور کے آغاز میں ان کی غیر معمولی بیباکی یک سالہ قید و بند تہران سے اصفہان بدر ہونے کا موجب بنی۔ آخر انھوں نے رضا شاہ پہلوی سے بالمشافہ گفتگو کی اور اپنی پوزیشن واضح کی۔ اس سے ان کا دور ابتلا ختم ہوا۔ بہار نے چند سال تک تہران یونیورسٹی میں تدریس کی اور بعد میں وزیر تعلیم رہے۔
یہ ایران کی ادبی اور علمی محافل کے روح رواں تھے اور ان کا علمی پایہ اتنا بلند تھا کہ اب ایرانی اساتذہ ان کے بیان فرمودہ بعض مطالب کی توضیح میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ تاریخ ادب کے بھی ماہر تھے۔ ان کی ممتاز نثری تصانیف "مقالات آقای بہار" (تہران ۱۳۱۶ھ) "سبک شناسی" (تین جلدوں میں) ہیں۔

شاعری میں بہار نے جدید تجربات بھی کیے، جو کامیاب رہے۔ طرزِ قصیدہ کے استاد تھے۔ علامہ اقبال کی توصیف میں انھوں نے محبت آمیز قصائد لکھے ہیں۔ اتفاق دیکھیے کہ دن اور مہینے کے لحاظ سے ان کا اور اقبال کا یوم وفات ایک ہی ہے (۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء)۔

ماخذ:

ڈاکٹر محمد صدیق شبلی — فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ ص ۱۵۴۔۱۵۵

ڈاکٹر محمد ریاض۔

(فریڈرک کارل کرسٹین لُڈوِگ) بوخنر

(FRIEDRICH CARL CHRISTIAN LUDWIG BUCHNER)

(ولادت-۱۸۲۴ء)

ممتاز فلسفی گزرا ہے۔ اس نے فلسفۂ مادّیت میں نام پیدا کیا۔ جب ۱۸۵۵ء میں اس نے مادّیت پر اپنے خیالات کا اظہار اپنی کتاب FORCE AND MATTER (طاقت و مادّہ) میں کیا تو سارے یورپ میں فلسفۂ مادّیت میں ایک نئی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اس کی متعدد فلسفیانہ تصانیف ہیں۔ ان میں اپنے عہد کے مشہور نظریات کو عام فہم انداز میں بیان کیا ہے۔ جن میں ڈارون کا نظریۂ ارتقا (DARWIN'S THEORY OF EVOLUTION) اہم ہے۔

ماخذ:

UNIVERSAL ENCYCLOPAEDIA OF THE MOST EMINENT MEN AND WOMEN,
DEEP AND DEEP PUBLICATIONS, NEW DELHI 1988
P. 168

الگزینڈر بین (ALEXANDER BAIN)

(ولادت ۱۸۱۸ء)

کثیر التصانیف مصنّف ہے۔ اس نے علم الاخلاق، فلسفہ منطق اور نفسیات پر بے شمار تصنیفات چھوڑی ہیں۔ یہ گلاسگو اور لندن یونیورسٹیوں میں پروفیسر رہا۔ اور ابرڈین (ABERDEEN) یونیورسٹی کا شیخ الجامعہ منتخب ہوا۔

اس نے متعدد معیاری نصابی کتابیں تصنیف کیں اور مرتب بھی کیں۔ اس کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ "احساسات و خرد" (THE SENSES AND THE INTELLECT)

۲۔ جذبات، وقوت ارادی" (THE EMOTIONS AND THE WILL)

ماخذ:

UNIVERSAL ENCYCLOPAEDIA OF THE MOST EMINENT MEN AND WOMEN, DEEP AND DEEP PUBLICATIONS, NEW DELHI. 1988 P. 89-90

پالن پور (سر طالع محمد خاں نواب آف)

(ولادت ۱۸۸۳ء)

پالن پور کے نواب سر طالع محمد خاں ۷ر جولائی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں برٹش سرکار سے کے۔سی۔آئی۔ای (K. C. I. E) کا خطاب عطا ہوا۔

آخذ:
سرکار ہند کی مرتب کردہ مطبوعات۔ میمورنڈم اون انڈین اسٹیٹس ۱۹۳۲ء کلکتہ ۱۹۳۳ء۔ ص ۲۰۲

MEMORANDA ON INDIAN STATES 1932,
CALCUTTA 1933, P.202
(Government of India Publication)

پرتاب سنگھ (مہاراجہ)

(۱۸۵۰-۱۹۲۵ء)

مہاراجہ پرتاب سنگھ والئ ریاستِ جموّں وکشمیر ریاسی (RIASI) کے مقام پر ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا۔ ڈوگری، سنسکرت، فارسی اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔ ۱۸۸۵ء میں تخت نشین ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد وائسرائے ہند نے مہاراجہ کو انتظامیہ میں اصلاحات کرنے اور انگریز ریسیڈینٹ کے تقرر پر زور دیا تو مہاراجہ نے اس کی مزاحمت کی۔ اس بنا پر مارچ ۱۸۸۹ء میں مہاراجہ کو کونسل آف ریجنسی (COUNCIL OF REGENCY) کے حق میں دستبردار ہونا پڑا۔ ۱۸۹۱ء میں انگریزی حکومت نے اسے کچھ اختیارات واپس دے دیے اور یہ کونسل کا صدر نشین مقرر ہوا۔ لیکن دراصل مہاراجہ انگریزوں کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پُتلی تھا۔ جب ۱۹۰۵ء میں کونسل منسوخ کی گئی تو اسے کُلی اختیارات حاصل ہوئے۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کے عہدِ حکومت میں انتظامیہ میں اصلاحات ہوئیں۔ ریاست بھر میں جمع بندی ہوئی۔ بیگار ختم کی گئی، نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ خاص طور پر اُس نے ۱۹۰۵ء میں بانیہال کے راستہ سری نگر سے جموّں تک سڑک بنوائی۔ اسی زمانے سے وادئ کشمیر میں سیاحوں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ ڈل لیک میں "ہاؤس بوٹ" (گھر نما کشتیاں) تیار کر کے ڈالی گئیں۔ سیلاب سے حفاظت کے انتظامات کیے گئے۔ ریشم سازی اور دوسری دستکاریوں کو فروغ حاصل ہوا۔ باغبانی میں ترقی ہوئی، تعلیم کا رواج بھی بڑھا۔

یہ بڑا مذہبی آدمی تھا، اگرچہ برطانوی حکومت کی وفاداری کا دَم بھرتا تھا، تاہم سات سمندر پار جانے کی بندش کی وجہ سے کبھی ولایت نہ گیا بلکہ اندرونِ ملک بھی شاذونادر ہی سفر کیا۔ البتہ یہ بڑا خدا ترس اور فراخ دل فرماں روا تھا۔ شراب سے عمر بھر پرہیز کیا گو افیون کا عادی تھا۔

یہ کرکٹ کے کھیل کا دلدادہ تھا اور خود بھی کھیلتا تھا۔

پرتاب سنگھ نے ۲۳ر ستمبر ۱۹۲۵ء کو سری نگر میں انتقال کیا۔

مآخذ:

۱۔ پرتھوی ناتھ کول بمزئی ـــ تاریخ کشمیر۔ ص ۶۲۳۔ ۶۴۶

1. PRITHIVI NATH KAUL BAMZAI: A HISTORY OF KASHMIR
METROPOLITAN BOOK CO.(P) LTD. DELHI - 1962 PP. 623-646

۲۔ ہُوز ہو ـــ ۱۹۰۰ ـــ ۱۹۸۰ ـــ دُرگا داس پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی۔

2. WHO'S WHO, 1900-1980,
DURGA DASS PRIVATE LTD., NEW DELHI

پرنس آف ویلز (PRINCE OF WALES)

(۱۸۹۴-۱۹۷۲ء)

شہزادہ ایڈورڈ جارج ششم کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ اس کا پورا نام ایڈورڈ برٹ کرسچین جارج اینڈ ریو پیٹرک ڈیوڈ (EDWARD ALBERT CHRISTIAN GEORGE ANDREW - PATRICK DAVID) تھا۔ یہ ۲۳ جون ۱۸۹۴ء کو بمقام رچمنڈ (RICHMOND) سرے (SURREY) انگلستان میں پیدا ہوا۔ برطانیہ کی بحریہ میں ٹریننگ حاصل کی۔ پہلی جنگِ عظیم میں فوجی افسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۱ء میں پرنس آف ویلز یعنی ولی عہد مقرر ہوا۔ جنگ کے اختتام پر مختلف ممالک بشمول کناڈا اور امریکہ (۱۹۲۴ء) کی سیاحت پر گیا۔ باپ کی وفات پر جنوری ۱۹۳۶ء میں ایڈورڈ ہشتم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ لیکن دو بار مطلقہ امریکی خاتون مسز والس وارفیلڈ سمپسن (MRS. WALLIS WARFIELD SIMPSON) سے شادی کرنے کے اصرار پر ۱۰ دسمبر ۱۹۳۶ء کو تخت و تاج سے دستبردار ہوگیا۔

۳ جون ۱۹۳۷ء کو شادی کر کے یہ دونوں فرانس میں رہنے لگے (۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک اور پھر ۱۹۴۵ء کے بعد)۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں اس نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران بہاماس (BAHAMAS) کی گورنری قبول کر لی تھی۔ ۲۸ مئی ۱۹۷۲ء کو پیرس میں انتقال ہوا۔

۱۹۵۱ء میں اس کی سرگذشتِ حیات بعنوان A KING'S STORY (بادشاہ کی کہانی) شائع ہوئی جبکہ اس کی بیوی کی خود نوشت سوانحِ حیات بعنوان THE HEART HAS - ITS REASONS (دل کے تقاضے) ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد ۱۰۔ ص ۷۰۳

پکتھال (محمد مار ماڈیوک)

(MARMADUKE PICKTHALL)

(۱۸۷۵۔ ۱۹۳۶ء)

مار ماڈیوک پکتھال ۱۸۷۵ء میں لندن میں پیدا ہوئے۔ معروف پبلک اسکول ہیرو (HARROW) میں ابتدائی تعلیم پائی۔ پھر فوج میں ملازم ہو گئے۔ ۱۸۹۴ء میں انھیں شام، فلسطین اور مصر میں زندگی گزارنے اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں انھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۲۰ء میں وہ بمبئی آئے۔ ۱۹۲۴ء میں وہ نظام حیدر آباد کے محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ وہاں سے انھوں نے ایک رسالہ "اسلامک کلچر" کا ۱۹۲۷ء میں اجرا کیا۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں فرماں روائے دکن نے پکتھال کو دو برس کی رخصت دی تاکہ وہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کر سکیں۔ یہ ترجمہ ۱۹۳۰ء میں لندن اور نیویارک سے شائع ہوا۔ اور اپنی صحت اور سلاست کے اعتبار سے قرآن کے بہترین انگریزی ترجموں میں شمار ہوتا ہے۔

۱۹ مئی ۱۹۳۶ء کو انگلستان میں انتقال کیا اور بروک وڈ (BROOKWOOD) کے مسلم قبرستان میں دفن کیا گیا۔

ماخذ:

۱۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد پنجم۔ ص ۶۴

۲۔ اسلامک کلچر، جلد دہم، جولائی ۱۹۳۶ء

تاثیر (ڈاکٹر) محمد دین

(۱۹۰۲ — ۱۹۵۰ء)

محمد دین تاثیر ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ جب وہ ایف سی کالج لاہور میں انٹرمیڈیٹ میں پڑھتے تھے، اقبال سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ روزانہ شام کو اقبال کے گھر جاتے اور ان سے شعر و ادب کے مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ جب انھوں نے تعلیم مکمل کر لی تو عبداللہ یوسف علی نے ان کو اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی کے لیکچرر کی حیثیت سے لے لیا۔ کچھ مدت کے بعد اقبال نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان جائیں۔ چنانچہ انھوں نے کیمبرج (انگلستان) جا کر انگریزی ادب میں ڈاکٹریٹ کی۔ واپس آ کر تاثیر، ایم۔ اے۔ او کالج امرتسر کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

پاکستان کے قیام کے بعد تاثیر نے "پاکستان مبارک" کے نام سے 'پاکستان ٹائمز' میں ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا، جو بہت پسند کیا گیا۔ اسی زمانے میں وہ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل بنائے گئے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں انتقال ہو گیا۔ وہ ایک ناول کے مصنف بھی ہیں۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص ۱۵۶

تاج تصدّق حسین

(۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء ــ ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء)

تصدق حسین تاج ایک علمی خاندان میں ۱۴/ستمبر ۱۹۰۴ء/۳/رجب المرجب ۱۳۲۲ھ کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مفید الانام اسکول میں پائی۔ ان کے والد کی کتابوں کی دکان اور اقبال پرنٹنگ پریس تھا۔ تصدّق حسین دکان پر ادیبوں شاعروں اور دانشوروں کی صحبت سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اس علمی اور ادبی ماحول میں علمی اور ادبی کاموں کا شوق پیدا ہوا۔ ان کے کتب خانہ میں علمی، ادبی، مذہبی اور نصابی ہر زبان کی کتابیں دستیاب ہوتی تھیں۔ شہر حیدرآباد کا واحد بڑی کتابوں کا مرکز تھا۔ یہاں چوٹی کے اہلِ قلم حضرات اور اہم شخصیتوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ان کے پریس سے ملک کے ممتاز ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کی کتابیں شائع ہوتی تھیں۔ انھوں نے نصابی کتابوں کے معیار کو بلند کرنے میں ذاتی دلچسپی اور محنت سے کام لیا۔ علمی، ادبی اور مذہبی کتابوں پر خاص توجہ کرتے تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد اپنی کتابوں اور دعوت ناموں کی طباعت کا کام تاج صاحب کو سپرد کرتے تھے۔

تصدّق حسین تاج کو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے سروجنی نائیڈو کی انگریزی نظموں کے ترجموں کی کتاب "دُرِّ ثمین" فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ مرتب کر کے ایک اہم خدمتِ ادب سرانجام دی ہے۔

سر اکبر حیدری کے زمانہ میں اقبال شناسی، اور اقبال کو حیدر آباد مدعو کرنے کے پس منظر میں تصدّق حسین تاج رہے۔ وہی علاّمہ اقبال کو گورستانِ شاہی گولکنڈہ دکھانے لے گئے۔ اقبال کے مضامین اور خطبات پر مشتمل دو کتابیں "مضامین اقبال" اور "تبرکاتِ اقبال" تالیف کیں، جن کو ہند و پاک کے ادبی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت حاصل ہوئی۔ انھوں نے اردو شاعری میں عشق و محبت پر نظموں کا ایک مجموعہ شائع کیا۔

۸۵ سال کی عمر میں ۲۵ جولائی ۱۹۸۸ء / ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ کو انتقال کیا۔

ماخذ:

(بصد شکریہ) جناب الطاف حسین تاج پسر تصدّق حسین تاج، حیدر آباد دکن۔

تاج الدین ناگپوری (بابا)

(۱۸۶۲ — ۱۹۲۵ء)

حضرت بابا تاج الدین کی ولادت بمقام کامٹی (نزد ناگپور، مہاراشٹر، بھارت) ۲۷ جنوری ۱۸۶۲ء کو ہوئی۔ ۱۸۸۱ء میں انیس (۱۹) سال کی عمر میں فوج میں ملازمت کی اور تین سال کامٹی میں رہے۔ ۱۸۸۴ء میں ساگر کو تبادلہ ہو گیا، وہاں بھی تین سال رہے۔ یہاں حضرت سید داؤد مکی حسینی صابری کی درگاہ پر مجاہدہ کر کے روحانی تربیت حاصل کی۔ بظاہر نہ کسی سے بیعت فرمائی اور نہ کسی بزرگ سے مستفید ہوئے اسی طرح کسی کو اپنا مرید بھی نہیں بنایا اور نہ خلیفہ مقرر کیا۔ کامٹی واپس آ کر ۱۸۸۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور عالم جذب میں رہنے لگے۔ دو سال گزرے تھے کہ ایک روز یورپین لیڈیز کلب کے سامنے برہنہ جا کر کھڑے ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر ان کو ۲۶ اگست ۱۹۸۲ء کو پاگل خانہ میں داخل کر دیا گیا[۱]۔ مہاراجہ رگھوجی راؤ بھونسلے جو اس زمانہ میں مشرقی ممالک متوسط میں خود مختار راجہ تھے بابا صاحب کو ماہ ستمبر ۱۹۰۸ء میں سولہ (۱۶) برس کے بعد پاگل خانہ سے رہا کرا کے[۲] اپنے محل شکر درہ لے آئے۔ حضرت یہاں چند دن مقیم رہے اور پھر کاشی ناتھ راؤ پٹیل کے ایما پر

۱؎ آپ کے ایک سوانح نگار حسام الدین نے اس واقعہ کو ۱۸۸۹ء کا لکھا ہے۔

۲؎ حسام الدین نے رہائی کی تاریخ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء دی ہے۔

واکی تشریف لے گئے۔ یہاں ایک شفاخانہ اور مدرسہ قائم کیا۔ وہاں پانچ سال رہ کر ۱۹۱۳ء میں پھر شکر درہ تشریف لے آئے۔ تقریباً ایک سال رہ کر پھر بتاریخ ۲۰ر جون ۱۹۱۴ء میں واکی واپس تشریف لے گئے اور یہاں تین سال قیام کر کے پھر ۲۹ر جولائی ۱۹۱۷ء کو شکر درہ تشریف لاکر یہیں رونق افروز رہے۔

حضرت، رحمدل اور غربا پرور تھے۔ ہر فرقہ کے لوگوں پر انتہا درجہ کی شفقت رکھتے تھے۔ ان کے معتقدین میں نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ہندو، پارسی اور عیسائی بھی شامل تھے۔ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی اور حاجت روائی کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کی ریاضت اور کرامات کے بہت سے قصّے مشہور ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جب ناگپور میں ہندو مسلم فساد برپا ہوگیا تو یہ ناگپور آئے اور ان کے آتے ہی فساد امن میں بدل گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

"خلق خدا پیار محبت سے رہیں، خصوصاً انسان اشرف المخلوقات ہے، آپس میں نہ لڑیں۔"

اس زمانہ میں ان کی اتنی شہرت تھی کہ اقبال نے بھی ان کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی تاکہ مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ مہاراجہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے صاحبزادے عثمان پرشاد اس درجہ بیمار تھے کہ زیست کی اُمید نہ تھی۔ مہاراجہ کی دوسری حاضری غالباً ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء میں ہوئی تھی۔

بعض تنگ نظر اور حاسد لوگوں نے مہاراجہ بھونسلے کے خلاف ایک مقدمہ ۱۹۲۵ء میں کھڑا کر دیا۔ اس مقدمہ کی غرض و غایت صرف یہ تھی کہ کسی طرح باباصاحب کو مہاراجہ کے یہاں نہ رہنے دیا جائے اور ان کو یہاں سے لے جاکر اپنی منفعت کے لیے استعمال کیا جائے۔ لیکن باباصاحب نے اپنے سچّے خدمت گزار کو یہ کہہ کر تسلّی دی کہ مجھے یہاں سے کون نکال سکتا ہے۔ میرا بستر تیرے گھر سے لاکھوں برس نہیں اُٹھ سکتا۔

اسی اثناء میں ۱۳۴۳ھ میں ان کی طبیعت قدرے خراب ہوئی۔ ان کے معتقدین نے ایک نہایت ہی پُررونق اور پُرفضا مقام کا انتخاب کیا۔ اس کا نام "تاج آباد" رکھا گیا۔ یہ شکردرہ سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں حضرت کے لیے ایک جھونپڑی بنا دی۔ ایک پھونس کی مسجد بھی قائم کر دی۔

دوشنبہ ۲۶ محرم ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۲۵ء کو بابا صاحب کا وصال ہو گیا۔

ماخذ:

۱۔ محمد حسام الدین (ہمشیرزادہ بابا تاج الدین ناگپوری) "تذکرہ تاج الاولیاء— سکندر آباد— ۱۹۴۱ء

۲۔ فریدالدین تاجی عرف کریم بابا صاحب— تاج مراری، ناشر میر حافظ علی تاجی، ادارہ علمیہ، ۳۲۱، اعظم پورہ حیدرآباد (دکن) مکتبہ ابراہیمیہ کنگڈی۔ قدیم اسٹیشن روڈ نامپلی، حیدرآباد۔ ۱۹۴۹ء۔

تبسم (صوفی) غلام مصطفیٰ

(۱۸۹۹ — ۱۹۷۸ء)

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم ۴ اگست ۱۸۹۹ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے، جہاں اُن کے بزرگ کشمیر سے آکر آباد ہو گئے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم حکیم غلام رسول کے مطب میں پائی۔ اس کے بعد چرچ مشن ہائی اسکول امرتسر، خالصہ کالج امرتسر اور ایف سی کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ ایم۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد آرمی کے میڈیکل کور میں ملازم ہو گئے۔ اس ملازمت میں دل نہیں لگا۔ طبیعت کا میلان تدریس کی طرف تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں بی ٹی کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول امرتسر میں سینئر ٹیچر ہو گئے۔ اس کے بعد انسپکٹر آف اسکولز کے عہدہ پر ترقی کی۔ ۱۹۲۷ء میں لاہور آکر سنٹرل ٹریننگ کالج میں السنہ الشرقیہ کے لیکچرار ہوئے۔ یہ ملازمت ۱۹۳۱ء تک چلی۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں ان کا تقرر ہوا۔

۱۹۴۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں صدر شعبۂ فارسی ہو گئے۔ اس کالج سے ۱۹۵۴ء تک وابستہ رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد انھوں نے خانۂ فرہنگ ایران میں ڈائرکٹر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی۔ جب ۱۹۶۲ء میں حکومت نے پروگریسیو پیپرز لمٹیڈ کے اخباروں اور رسالوں کو اپنی تحویل میں لیا تو صوفی صاحب اس کے اُردو ہفت روزہ "لیل و نہار" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں ہی ان کو تمغۂ کارکردگی اور ۱۹۶۷ء میں "نشانِ امتیاز" عطا کیا گیا۔ ایران نے بھی ان کو "نشانِ سپاس" سے نوازا۔

وہ ۱۹۷۵ء میں آرٹس کونسل لاہور کے چیئرمین اور ۱۹۷۶ء میں اقبال اکیڈمی کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ ۷؍فروری ۱۹۷۸ء کو انتقال کیا۔ ان کی کتابوں کی تعداد ۲۵ سے زائد ہے، جن میں مجموعہ کلام، بچوں کا ادب اور تراجم شامل ہیں۔ یہ پنجابی اور اُردو کے نامور شاعروں اور ادیبوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے اقبال کے کلام کے ایک بڑے حصے کو پنجابی میں منتقل کر کے اقبال شناسوں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے یہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔

مآخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال۔ ص ۱۶۰ ۔ ۱۶۲
۲۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔ فیروز سنس لاہور۔ ص ۴۴۸

تھامسن (جے۔پی) (J.P. THOMPSON)

(۱۸۷۸–۱۹۳۵ء)

جے۔پی تھامسن ۸ر مارچ ۱۸۷۸ء کو پیدا ہوا۔ لیڈز گرامر اسکول (LEED'S GRAMMER SCHOOL) ٹرینٹی کالج (TRINITY COLLEGE) کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔

۱۸۹۶ء میں انڈین سول سروس میں منتخب ہوا۔

تھامسن سات سال تک مجلس قانون ہند کا ممبر رہا۔ (۱۹۱۳۔ ۱۹۲۰ء)۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک پنجاب کے چیف سکریٹری کے عہدہ پر فائز رہا۔ پھر سرکارِ ہند میں (۱۹۲۱۔ ۱۹۲۷ء) پولیٹکل سکریٹری مقرر ہوا۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۲ء تک دلّی کا چیف کمشنر رہا۔ ۱۹۳۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوا۔ یہ رائل سینٹرل ایشیاٹک سوسائٹی کا نائب صدر بھی رہا۔

۸ر اگست ۱۹۳۵ء کو انتقال ہوا۔

ماخذ :

ہوازہو۔ ۱۹۲۹۔ ۱۹۴۰، لندن، ۱۹۴۱ء۔ ص ۱۳۴۲

WHO IS WHO 1929-1940
LONDON 1941, P.1342

ٹیپو سلطان

(۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء - ۱۷۹۹ء)

حیدر علی خاں بانئ سلطنت میسور کا فرزندِ اکبر، ٹیپو سلطان ۱۰ر نومبر ۱۷۵۰ء مطابق ۲۰ر ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ بمقام دیون ہلّی (کولار)، (بنگلور سے بیس میل شمال میں) پیدا ہوا۔ اس کا نام حضرت ٹیپو سلطان اولیاء کے نام پر رکھا گیا تھا، اصلی نام فتح علی خاں تھا۔ اس نے متداول تعلیم کے علاوہ فنونِ سپہ گری میں مہارت حاصل کی۔ ۷ر ستمبر ۱۷۸۲ء کو حیدر علی کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔

انگریزوں نیز مملکتِ میسور کے دشمنوں کو گمان تھا کہ حیدر علی کی وفات کے بعد افراتفری پھیل گئی اور مختلف علاقے بآسانی ہاتھ آجائیں گے۔ چنانچہ مشرقی محاذ پر انگریز جنرل نے نقل و حرکت کی تو سلطان خود فوج لے کر مقابلہ کے لیے پہنچ گیا۔ انگریز جنرل پسپا ہوگیا۔ اب مغربی محاذ پر انگریزوں نے مالابار پر از سرِ نو حملہ کیا تو سلطان طوفان کی طرح مالابار پہنچا، مختلف قلعوں پر قبضہ کیا اور سمندر سے انگریزی فوج کا سلسلہ کاٹ دیا۔ اس اثنا میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان صلح ہوگئی، چنانچہ فرانسیسی سلطان سے الگ ہوگئے۔ مجبوراً ۱۲ر اگست ۱۷۸۳ء کو انگریزوں کے ساتھ مصالحت کی گئی۔ سلطان مالابار میں مصروف تھا تو انگریزوں نے میسور پر حملہ کیا۔ سرنگاپٹم میں راجہ کو گدی پر بٹھانے کے لیے سازش کی گئی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی آخر ۱۸ر مارچ ۱۷۸۴ء کو انگریزوں سے جنگ ختم ہوئی، ادھر مرہٹوں نے میسور پر حملے

کے لیے نظام دکن سے ساز باز شروع کر دی، سلطان نے دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن سب بے سود ثابت ہوئی۔ نظام اور مرہٹوں کے درمیان اتفاق ہو گیا کہ حیدر علی خاں کے تصرفات سے پیشتر جتنا علاقہ میسور کا تھا، اسے چھوڑ کر باقی سب کو فتح کر کے برابر تقسیم کر لیا جائے۔ چنانچہ مجبوراً سلطان نے دھارواڑ میں مرہٹوں پر چھاپے مارے۔ فروری ۱۷۸۷ء میں معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ دونوں ہمسائے انگریزوں کے مقابلے میں ساتھ دے سکیں یا کم از کم وہ انگریزوں کا ساتھ نہ دیں۔ اس وقت انگریزوں کا گورنر جنرل لارڈ کارنوالس (CORNWALLIS) سلطان کے خلاف سیاسی توڑ جوڑ اور جنگی تیاریاں شروع کر چکا تھا۔

اسی زمانے میں سلطان نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ ۱۷۸۴ء میں ایک سفیر قسطنطنیہ بھیجا تھا، لیکن سلطنت عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے یہ سفارت واپس آگئی۔ سلطان نے حاکم ایران، فرماں روائے افغانستان اور شاہ فرانس کے پاس بھی سفارتیں بھیجیں۔ وہاں سے امید افزا جواب آیا۔ اسی دوران لارڈ کارنوالس نے مرہٹوں کو اور نظام کو یہ یقین دلایا کہ اگر فرانسیسیوں نے سلطان کو کسی قسم کی مدد دی تو انگریز حق اعانت ادا کریں گے۔ سلطان نے بھی مرہٹوں اور نظام سے رابطہ استوار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی زمانہ میں ٹراونکور کے راجا نے انگریزوں سے دوستی کا معاہدہ کر کے سلطنت میسور کے خلاف سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ٹراونکور کی فوج نے دو مرتبہ میسور کے علاقہ پر حملے کیے، دونوں بار شکست کھائی۔

یہ واقعہ تیسری جنگ میسور کا سبب بنا۔ یقیناً یہ جنگ ٹراونکور کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقے کی توسیع کے لیے ہوئی تھی۔ فروری ۱۷۹۲ء میں انگریزوں نے دوبارہ سرنگاپٹنم کا محاصرہ کر لیا۔ آخر مصالحت ہو گئی۔ معاہدہ کے چھ سال بعد مارکوئیس آف ویلزلی (MARQUIS OF WELLESLEY) گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس نے اچانک میسور پر حملہ کر دیا، مرہٹے الگ تھلگ رہے۔ نظام نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اپریل ۱۷۹۹ء میں انگریزی فوج میر صادق کی غداری کی بدولت قلعہ سرنگاپٹنم میں

داخل ہوگئی اور ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان لڑتے ہوئے شہید ہوگیا۔

ٹیپو سلطان ایک غیور، بیدار مغز اور شجاع فرماں روا تھا۔ اس کا یہ قول مشہور ہے کہ شیر کی حیاتِ یک روزہ، گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ اقبال نے "جاوید نامہ" میں ٹیپو سلطان کی سیاسی بصیرت کی تعریف کی ہے۔

ماخذ:

۱۔ اردو دائرۂ المعارف اسلامیہ۔ جلد ششم، ص ۹۷۸۔ ۹۹۷

۲۔ مورلینڈ۔ تاریخ ہندوستان (انگریزی) (MORELAND: HISTORY OF INDIA)

۳۔ محمود خاں محمود بنگلوری۔ سلطنتِ خداداد میسور، بنگلور۔ ۱۹۳۴ء

۴۔ ڈاکٹر بی۔ شیخ علی۔ ٹیپو سلطان، نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی۔ ۱۹۷۲ء

DR. B. SHEIKH ALI, TIPU SULTAN, NATIONAL BOOK TRUST, NEW DELHI, 1972

جانسن سیموئل (SAMUEL JOHNSON)

(۱۷۰۹ — ۱۷۸۴ء)

انگریزی زبان کا ممتاز شاعر، نقاد، سوانح نگار، انشا پرداز، لغت نویس تھا۔ انگریزی ادب میں شیکسپیئر کے بعد جانسن کا نام زبان زد خاص و عام ہے اور اس کے اقوال جا بجا منقول ہوتے ہیں۔

سیموئل جانسن بمقام لیچ فیلڈ (LICHFIELD) سٹیفورڈ شائر (STAFFORDSHIRE) ۱۸ ستمبر ۱۷۰۹ء کو پیدا ہوا۔ ۱۷۱۷ء میں گرامر اسکول میں داخلہ لیا۔ ۱۷۲۸ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ تنگ دستی کی وجہ سے دسمبر ۱۷۲۹ء میں کالج کی تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ ۱۷۳۲ء میں ایک اسکول میں نائب مدرس ہو گیا۔ ۱۷۳۵ء میں اپنا اسکول قائم کیا، جو دو سال کے بعد بند کرنا پڑا۔ اب قسمت آزمائی کے لیے لندن آیا (مارچ ۱۷۳۷ء) اور ایک جریدہ "جینٹل مینز میگزین" (GENTLEMEN'S MAGAZINE) میں اپنے تبصرے، مختصر سوانح حیات، اقوال، نظمیں بغرض اشاعت بھیجنے لگا۔ ۱۷۳۷ء میں ایک المیہ ڈرامہ "ایرین" (IRENE) مکمل کیا جو ۱۷۴۹ء میں اسٹیج کیا گیا۔ ۱۷۳۸ء میں اس کی پہلی مشہور نظم "لندن" شائع ہوئی، اس کی بڑی پذیرائی ہوئی اور تین ایڈیشن شائع ہوئے۔

اسی دوران اس کی رچرڈ سیویج (RICHARD SAVAGE) سے دوستی ہو گئی، جو اپنے زمانہ کا معروف اداکار، ڈرامہ نویس اور شاعر تھا۔ اس کی موت پر جانسن نے رچرڈ سیویج کے حالات زندگی (ACCOUNT OF THE LIFE OF MR. RICHARD SAVAGE) پر ایک

کتاب لکھی، جو اس کی پہلی نثر کی مقبول عام تصنیف تھی۔

۱۷۵۰ء میں اس نے ایک سہ روزہ اخبار "ریمبلر" (RAMBLER) جاری کیا، جو دو سال تک شائع ہونے کے بعد بند ہوگیا۔ اس میں اپنے مضامین میں اس نے یہ ادبی موقف پیش کیا کہ ادیب کا فرض دنیا کو بہتر بنانا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے اس کے مضامین اپنے عہد کے سماجی اور ادبی حالات کی عکاسی کرتے تھے۔

۱۷۴۵ء سے ۱۷۵۹ء تک جانسن نے انگریزی زبان کی ایک جامع اور مستند لغت (THE DICTIONARY) مرتب کی۔ اس لغت کی ادبی حلقوں میں بڑی تعریف و توصیف ہوئی۔ اسی زمانہ میں "دی آئیڈلر" (THE IDLER) (آوارہ) کے عنوان سے ایک ہفتہ وار سلسلہ مضامین شروع کیا، جس کی بڑی شہرت ہوئی۔

۱۷۵۹ء میں اس نے ایک ناول "رسیلاس" (RASSELAS) لکھا۔ یہ اس کی روحانی سوانح حیات ہے۔ اس کتاب کو یورپ میں بھی شہرت نصیب ہوئی۔

۱۶ رمئی ۱۷۶۳ء کو اس کی ملاقات جیمز باسویل سے ہوئی، جو اس کا ہمزاد ثابت ہوا۔ اس نے جانسن کی سوانح عمری میں اس کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ دی ہے۔ جسے شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔

۱۷۶۵ء میں جانسن نے آٹھ جلدوں پر مشتمل شیکسپیئر کے ڈراموں کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔ اس کا مقصد متن کی صحت، ابہام عبارت کی شرح اور ڈراموں کے مآخذ کا سراغ لگانا تھا۔

اسی سال جانسن کو ٹرینٹی کالج ڈبلن نے ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ خود اس کی یونیورسٹی نے یہ اعزاز اس کو دس سال کے بعد دیا۔

۱۷۸۱ء میں اس نے اپنی مشہور تصنیف LIVES (شعرا کی سوانح حیات) لکھی۔ جانسن شاعر کی ذات اور اس کی شاعری کے درمیان حدِ فاصل کھینچنے کا قائل نہ تھا۔ چنانچہ اگر وہ کسی شاعر کو بحیثیت انسان ناپسند کرتا تھا تو اس کی شاعری کو بھی ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی کتاب کی اشاعت کے بعد ایک طوفان بپا ہوگیا۔ لیکن جانسن پر اس کا کوئی

اثر نہ ہوا، اور اس کی یہ کتاب آج تک مقبول عام ہے۔

۱۳ دسمبر ۱۷۸۴ء کو اس کا لندن میں انتقال ہوگیا۔

اپنے عہد میں اس کو ممتاز مصنف اور مفکر تسلیم کیا جاتا تھا، اس کی شہرت آج بھی باقی ہے۔ وہ ادب میں اخلاق کا زبردست مبلّغ تھا۔

تنقید ادب میں وہ ٹکے بندھے اصولوں کی ہمیشہ پابندی کرتا تھا۔ اور ہر تصنیف کو اس کی خوبیوں اور خامیوں کی بنا پر پرکھنے پر اصرار کرتا تھا۔ اسی لیے جانسن کو بیسویں صدی میں بھی نئی تنقید کا پیشرو شمار کیا جاتا ہے۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برٹانیکا، جلد دوم، ص ۲۴۴۔ ۲۵۲

جوشؔ ملیح آبادی

(۱۸۹۴—۱۹۸۲ء)

شبیر حسین خاں جوشؔ ملیح آبادی دورِ حاضر کے مشہور اور ممتاز شاعر گزرے ہیں۔ وہ فقیر محمد خاں گویا کے پڑپوتے تھے جنھوں نے سب سے پہلے "انوارِ سہیلی" کا اُردو میں ترجمہ "دبستانِ حکمت" کے نام سے کیا۔

جوشؔ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ کسی باقاعدہ درس گاہ میں عرصہ تک تعلیم نہ پائی۔ ذاتی مطالعہ سے علمی معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔ فنِ شعر میں عزیز لکھنوی سے اصلاح لی۔ ۱۹۲۴ء میں حیدر آباد کا رُخ کیا۔ اس سلسلہ میں اقبال نے ان کا تعارف کراتے ہوئے مہاراجہ کشن پرشاد کو خط (مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۲۴ء) لکھا جو اِس جلد میں شامل ہے۔ جوشؔ نے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۴ء تک، دس سال حیدر آباد کے دارالترجمہ میں ناظرِ ادبی کی حیثیت سے کام کیا۔ تقسیمِ ہند سے پہلے دہلی سے رسالہ "کلیم" جاری کیا۔ اس کے بعد سرکاری رسالہ "آجکل" کے مدیرِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں کراچی چلے گئے۔ کچھ عرصہ کراچی کے ترقیِ اردو بورڈ سے بھی منسلک رہے۔

اسلام آباد میں ۲۲ر فروری ۱۹۸۲ء کو انتقال کیا۔

ان کے کلام میں طرزِ بیان میں ندرت وجدت اور فارسی تراکیب کے استعمال میں لطافت اور مجموعی طور پر ایک دلکشی ہے جو قبولِ عام کا شرف بخشتی ہے۔ جوشؔ الفاظ کے بادشاہ ہیں۔ ان کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جوش کا دریا موجزن ہے۔

جوش کی رومانی نظموں میں حسن وعشق کے جذبات و واردات ہیں۔ خمریات میں بھی جوش کا اندازِ بیان نرالا ہے۔ ان کو مناظرِ قدرت کی تصویر کشی میں بھی کمال حاصل تھا۔

وہ آزادئ وطن کے نقیب تھے۔ اردو میں انقلابی اور اشتراکی شاعری کے علمبردار رہے اسی لیے "شاعرِ انقلاب" کہلاتے ہیں۔ برصغیر میں ترقی پسند تحریک کے بھی بلند آہنگ قائد تھے۔

جوش کے کلام کے بہت سے مجموعے شائع ہو چکے ہیں، ان میں "روحِ ادب"، "اوراقِ سحر"۔ "مقالاتِ زریں"، "جذباتِ فطرت"۔ اور "آوازِ حق" ان کی ابتدائی کتابیں ہیں۔ بعد کی تخلیقات یہ ہیں:

(۱) شعلہ وشبنم (۲) حرف وحکایت (۳) جنون وحکمت (۴) فکر ونشاط (۵) حسن اور انقلاب (۶) شاعر کی راتیں (۷) آیات ونغمات (۸) نقش ونگار (۹) سنبل وسلاسل (۱۰) حرفِ آخر (۱۱) سیف وسبو (۱۲) پیغمبر اسلام (۱۳) اشارات (۱۴) الہام وافکار (۱۵) نجوم وجواہر۔ وغیرہ۔

تقسیم ہند کے بعد جوش کے کلام کے دو اور مجموعے شائع ہوئے، وہ ہیں: "عرش وفرش" اور "سموم وصبا"۔ اس کے علاوہ "یادوں کی برات" ان کی آپ بیتی ہے جو نثر میں ہے۔

ماخذ:

۱۔ ڈاکٹر اعجاز حسین ۔ مختصر تاریخ ادب اردو۔ ص ۲۰۶۔ ۲۱۰
۲۔ محمد عبد اللہ قریشی ۔ معاصرین اقبال کی نظر میں ۔ ص ۶۰۳۔ ۶۰۵

چغتائی عبدالرحمٰن

(۱۸۹۹ — ۱۹۷۵ء)

پاکستان کے شہرۂ آفاق مصور عبدالرحمن چغتائی لاہور میں پیدا ہوئے۔ شاہ جہاں کے معمار اعلیٰ اور جامع مسجد دہلی، لال قلعہ دہلی اور تاج محل آگرہ کے تعمیراتی خاکے تیار کرنے والے استاد ان کے پرکھوں میں سے تھے۔ ان کے باپ میاں کریم بخش نے اسکول میں ان کی تاریخ پیدایش ۲۱ ستمبر ۱۸۹۹ء درج کرائی ہے۔ بعض لوگ سنہ ولادت ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۷ء بتاتے ہیں۔

۱۹۱۶ء میں اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے ایک عزیز آرٹسٹ بابا میراں بخش سے مصوری کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ لاہور میو اسکول آف آرٹس (MAYO SCHOOL OF ARTS) میں بھی تعلیم پائی۔ لیکن درحقیقت اپنے استاد آپ تھے۔ انھوں نے مصوری میں اپنا ایک الگ اسلوب تخلیق کیا، جو بعد ازاں چغتائی آرٹ کے نام سے مشہور ہوا۔

دوبار ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۶ء میں یورپ کا دورہ کیا اور مشہور و معروف مصوروں اور فنِ مصوری کے نقادوں سے ملاقات کی۔ ۱۹۳۱ء میں جرمنی کے دورے کے دوران ہٹلر سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا۔

۲۹ سال کی عمر میں (۱۹۲۸ء) میں انھوں نے "مرقع چغتائی" شائع کیا۔ جس میں غالب کے کلام کی مصورانہ تشریح کی گئی ہے۔ ۱۹۳۴ء میں "نقش چغتائی"۔ ۱۹۳۶ء میں "چغتائیز پینٹنگز" (CHUGHTAI'S PAINTINGS) ۱۹۵۲ء میں "چغتائی انڈین پینٹنگز" (CHUGHTAI - INDIAN PAINTINGS)

۱۹۶۸ء میں "عمل چغتائی" (کلامِ اقبال کا مصور ایڈیشن) اور ۱۹۷۲ء میں "دی ہاؤس آف تیمور" (THE HOUSE OF TIMUR) شائع ہوا۔ یہ مزید سات مرقعوں پر کام کر رہے تھے جس میں عمر خیام کا مصور ایڈیشن بھی شامل تھا۔ ان کی تصاویر کی خصوصیات میں نقش و نگار کی نفاست و باریکی، رنگ آفرینی، لطافت و زیبائی اور حسنِ کمال شامل ہیں۔ ان کی تصویروں کی نمائش یورپ کے تمام ملکوں میں ہو چکی ہے۔ یہ مصوری کے بالغ نظر نقاد بھی تھے۔ ادب سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ ان کے افسانوں کے دو مجموعے "لگان" اور "کاجل" شائع ہو چکے ہیں۔

۱۹۳۴ء میں حکومتِ ہند نے انہیں "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ ۱۹۶۰ء میں حکومتِ پاکستان کی جانب سے "ہلال امتیاز" کا اعزاز ملا۔ ۱۹۶۴ء میں حکومت جرمنی نے ان کو سونے کا خصوصی تمغہ عطا کیا۔

۱۷ جنوری ۱۹۷۵ء کو انتقال ہوا۔

ماخذ:

۱۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔ ص ۶۷۹
۲۔ مرقع چغتائی ۔ زین پرنٹنگ پریس، بل روڈ، لاہور
۳۔ چغتائی ـ مصورِ مشرق، چغتائی میوزیم۔ ۴۔ گارڈن ٹاؤن، لاہور
۴۔ چغتائی کی ہندوستانی مصوری ـ دھومی مل دھرم داس۔ کناٹ پیلس، نئی دہلی۔

چغتائی (ڈاکٹر) محمد عبداللہ

(ولادت ۱۸۹۶)

ممتاز پاکستانی محقق، مشہور مصور عبدالرحمٰن چغتائی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۸۹۶ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد ماہرِ تعمیر تھے، یہ ذوق ورثے میں ملا۔ ۱۹۰۳ء میں ٹیکنیکل اسکول لاہور میں داخل ہوئے اور مختلف فنون میں ڈپلومے لیے۔ پھر نجی طور پر فرانسیسی زبان سیکھی۔ ۱۹۳۶ء میں پیرس یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۸ء میں فرانسیسی میں تاج محل پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری حاصل کی۔ پہلے دکن کالج پونا میں ریڈر مقرر ہوئے پھر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں بمبئی یونیورسٹی میں اسلامیات، آرٹس اور تاریخ کا درس دینے لگے۔ بعد ازاں پاکستان آ گئے اور اردو بازار لاہور میں اسٹیشنری کی دکان کھولی۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۶ء تک انجینئرنگ یونیورسٹی میں تعمیرات پر لیکچر دیے۔ مصوری، خطاطی، آثارِ قدیمہ، اسلامی تاریخ و تہذیب اور اقبالیات پر ۷۷ کتابیں تصنیف کیں۔

ماخذ:

۱۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔ ص ۹۰۸

چینگیز اے۔ آر (سر محمد عبدالرحمن چینگیز)

(۱۸۸۸ — ۱۹۶۲ء)

ان کا نام عبدالرحمن تھا۔ ۵ راکتوبر ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی سے ۱۹۰۷ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی کے لا کالج سے ۱۹۱۰ء میں ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان کامیاب کیا اور ۱۹۳۴ء میں ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۱۰ء میں انھوں نے لاہور ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی اور جلد ہی نام پیدا کر لیا اور دہلی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۸ء تک دتی میونسپل کمیٹی کے وائس چیئرمین رہے۔ دہلی یونیورسٹی کی فیکلٹی آف لا کے ڈین (DEAN) بھی رہے (۱۹۲۷ء۔ ۱۹۳۴ء)۔ اس کے بعد دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے (۱۹۳۴۔ ۱۹۳۰ء) اور قدیم وایسر یگل لاج کو یونیورسٹی کے لیے حاصل کیا (۱۹۳۳ء)۔ ۱۹۳۷ء میں انھوں نے پہلی بار فیڈرل یونیورسٹی کا تصور پیش کیا۔

۱۹۳۷ء سے جنوری ۱۹۴۳ء تک مدراس ہائی کورٹ کے جج رہے۔ ۱۹۴۳ء میں پنجاب ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء تک پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔

فلسطین پر یو۔ این کمیٹی کے ہندوستانی مندوب مقرر ہوئے اور اکثریت کی سفارش سے انحراف کرتے ہوئے تقسیم فلسطین کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا۔

پاکستان بننے کے بعد پنجاب ہائی کورٹ کے جج رہے اور ۱۹۵۰ء میں پاکستان فیڈرل کورٹ کے جج کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

۱۹۳۴ء میں "سر" کا خطاب ملا اور ۱۹۶۲ء میں انتقال ہوا۔

مآخذ:

۱۔ انڈین ایئر بک ۱۹۴۷ء، پاکستان سول لسٹ اپریل۔جون۔۱۹۵۱ء

IYB-1947 THE PAKISTAN CIVIL LIST, APRIL-JUNE, 1951

حاذق حکیم گیلانی

(متوفی ۱۰۶۸ھ)

مولانا عبدالرزاق گیلانی کے چار بیٹوں میں حکیم ہمام (متوفی ۱۰۰۴ھ) اور حکیم ابوالفتح گیلانی (متوفی ۹۹۷ھ) نے ہندوستان کی تاریخ میں شہرت حاصل کی۔ ۹۸۳ھ میں دربار اکبری میں داخل ہوئے۔

حاذق گیلانی، حکیم ہمام کا بیٹا تھا۔ جس کی ولادت فتح پور سیکری میں عہد اکبری میں ہوئی۔ وہ ابھی کم عمر ہی تھا کہ باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گیا۔ وہ خان خاناں عبدالرحیم کے مقربین اور شہزادہ پرویز کے متوسلین میں تھا۔ سلطنت جہانگیر کے عہد میں اسے امتیازی منصب حاصل تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں ۹۸۳ھ میں اسے دیوان عرض کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور منصب سہ ہزاری ملا۔ اس سے پہلے اسے شاہجہاں نے ازبک شہزادہ امام قلی خاں کے پاس توران میں عہدۂ سفارت پر مامور کیا تھا۔ بعد کو کسی وجہ سے اس کا منصب تو باقی نہ رہا لیکن بیس ہزار روپے کی سالانہ پنشن اسے ملتی رہی جو ۱۸ ویں سال جلوس شاہجہانی میں دو چند یعنی چالیس ہزار کر دی گئی۔ (آئین اکبری ص ۵۴)۔

زندگی کے آخری دور میں وہ آگرہ میں گوشہ نشین ہو گیا تھا اور وہیں اس نے ۱۰۶۸ھ اور بقول بعض ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی۔

حکیم حاذق اپنے عہد کا ممتاز شاعر تھا، اسے مؤرخین نے طرز نو کا آغاز کرنے والا لکھا ہے۔ وہ صرف شاعر ہی نہیں تھا، تنقیدی نظر بھی رکھتا تھا۔ عرفی اپنے قصائد

کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے، لیکن حکیم حاذق کی رائے یہ تھی کہ عرفی کی غزلیں اس کے قصائد سے کہیں بہتر ہیں۔ بہرحال یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اس کے لئے "شعر العجم" مولفہ علامہ شبلی نعمانی (۳/۳-۷) اور "آثار سبک عرفی شیرازی" دیکھی جائے۔

افسوس ہے کہ ایسے قادر الکلام شاعر کا دیوان اب تک شائع نہیں ہوا، نہ ہندوستان سے، نہ ایران سے۔

شیخ فرید بھکری نے ذخیرۃ الخوانین میں اس کی ایک تصنیف "بادشاہ نامہ" کا ذکر کیا ہے (۲/۳-۳۰) لیکن اس کے نسخے مفقود ہیں۔

مآخذ:

ابوالفضل : آئین اکبری

حبیب (سیّد) (۱۸۹۱ - ۱۹۵۱ء)

سیّد حبیب ۱۸۹۱ء میں بمقام جلال پور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ پنجاب کی سیاست اور صحافت میں ان کا نام مدتوں نہایت نمایاں حیثیت سے مشہور رہا۔ اپنے حریفوں اور ہم عصروں سے ان کی قلمی جنگ بڑے زور کی رہا کرتی تھی۔ روزنامہ "سیاست" ۱۹۰۹ء میں لاہور سے جاری کیا اور اسے مدتوں تک چلاتے رہے۔ کئی مرتبہ قید و بند کی تکلیفیں بھی برداشت کیں۔ اعلیٰ درجہ کے اخبار نویس، بہت اچھے مقرر اور اسلامی تاریخ سے خوب واقف تھے۔ شعر و شاعری سے بھی بہت لگاؤ تھا۔ چنانچہ "بھگوت گیتا" کا منظوم ترجمہ ان کی یادگار ہے۔ آخری عمر بہت افلاس اور بے کسی میں گزری۔

فروری ۱۹۵۱ء میں لاہور میں وفات پائی۔

ماخذ:
نقوش لاہور نمبر۔ ص ۱۲۶

حسن الدین میر (ولادت ۱۹۰۳ء)

میر حسن الدین ۲ دسمبر ۱۹۰۳ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔اے پاس کیا۔ ان کا اختیاری مضمون فلسفہ تھا۔ پھر ایل۔ایل۔بی کا امتحان کامیاب کیا۔ اس کے بعد چند برس تک وکالت کی۔ طبعاً وکالت کا پیشہ انھیں پسند نہیں تھا۔ ۱۹۴۰ء میں ہفتہ وار "مملکت" جاری کیا اور ریاست حیدر آباد کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لینے لگے۔ "مملکت" اپنے سیاسی مضامین اور اداریوں کی وجہ سے ہر سیاسی حلقے میں پڑھا جاتا تھا۔ اس کا طنز و مزاح کا کالم 'نمک پارے' بھی خصوصیت کا حامل تھا۔ یہ مزاحیہ کالم خود حسن الدین لکھا کرتے تھے۔ علامہ اقبال کے کئی مضامین کا ترجمہ کیا اور ان کے مضامین کو "مملکت" میں شائع کیا۔ نواب علی یاور جنگ اور ایم نرسنگ راؤ مدیر "رعیت" کے ساتھ اور تحریکات میں عملی حصہ لینے لگے۔ اخبار "مملکت" ریاست حیدر آباد کے ہندوستان کی یونین میں انضمام کے بعد بھی ۱۹۵۰ء تک نکلتا رہا۔

۱۹۲۷ء میں میر حسن الدین نے اقبال کی پی۔ایچ۔ڈی کی تھیسس ——— THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA کا ترجمہ کیا جو "فلسفۂ عجم" کے نام سے ۱۹۳۶ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کے بعد چھ ایڈیشن شائع ہوئے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں کراچی سے شائع ہوا۔

ماخذ:

(بصد تشکر) میر عابد علی خاں صاحب، مدیر خصوصی، روزنامہ "سیاست" حیدر آباد، دکن۔

حسن امام سیّد (۱۸۷۱۔۱۹۳۳ء)

اُردو کے مشہور انشا پرداز اور محقق نواب سید امداد امام کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت ۳۱راگست ۱۸۷۱ء کو پٹنہ میں ہوئی۔ ۱۸۹۲ء میں انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت شروع کی اور جلد ہی ملک کے ممتاز قانون دانوں میں ان کا شمار ہونے لگا۔ وکالت کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ انھوں نے قومی اور ملکی سیاست میں بھی دلچسپی لی۔ کچھ عرصہ کانگریس کے صدر بھی رہے۔ جب اس نے عملی سرگرمیوں میں حصّہ لینا شروع کیا، اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ۱۹۱۲ء میں ان کو کلکتہ ہائی کورٹ کا جج بنایا گیا۔ ۱۹۱۶ء میں جب پٹنہ میں ہائی کورٹ قائم ہوا تو انھوں نے جج کے عہدہ سے مستعفی ہو کر دوبارہ وکالت شروع کر دی۔ معاملات خلافت کے سلسلہ میں پہلا وفد ہندوستان سے لندن کی حکومت کی طلبی پر لندن بھیجا گیا تھا، اس کی قیادت حسن امام ہی نے کی۔ انھوں نے لندن میں مسلمانوں کے مسائل کو انتہائی تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

سید حسن امام کو انگریزوں سے شدید نفرت تھی، وہ ان کے وجود کو ہندوستان کی اقتصادیات پر زبردست بوجھ جانتے تھے۔ تحریکِ خلافت کے ہنگامہ خیز زمانے میں بہت سے لیڈروں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، چونکہ حسن امام عملی سیاستداں نہیں تھے، وہ بھی عام منظر سے اوجھل ہو گئے۔

حسن امام کی وکالت کی ہندوستان بھر میں دھوم تھی۔ وہ جس طرح مقدمے کی پیروی

کرنے کے لیے کہیں جاتے تھے تو ان کو دیکھنے اور سننے کے لیے لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ ایک مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں لاہور پہنچے تو اقبال سے بھی کچہری میں ان کی ملاقات ہوگئی۔

سید حسن امام کو اپنے بڑے بھائی سید علی امام سے بڑی محبت تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو سید حسن امام کو بہت صدمہ ہوا۔ بالآخر وہ اسی صدمے کے باعث بیمار ہو گئے اور ۶ ماہ بعد ۱۹/اپریل ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸ء

حمید احمد خاں (پروفیسر) (۱۹۰۳-۱۹۷۴ء)

پروفیسر حمید احمد خاں نے اردو کو قومی زبان بنانے کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ نومبر ۱۹۰۳ء میں بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبہ وزیر آباد میں پائی۔ بعد میں تحریک خلافت سے متاثر ہو کر حیدر آباد دکن چلے گئے، جہاں ان کے بھائی مولانا ظفر علی خاں کا قیام تھا۔ حمید احمد خاں نے وہاں بھی اپنی تعلیم جاری رکھی۔ ۱۹۲۶ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔اے کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۲۹ء میں ایم۔اے کیا۔ بعد میں ۱۹۵۴ء میں لندن سے ایم۔لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

جب گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک لیکچرار کی آسامی خالی تھی تو پہلے انھوں نے خود کوشش کی۔ جب کوئی کام نہ بنا تو انھوں نے اقبال سے سفارش کی درخواست کی۔ اقبال نے ایک مختصر خط پروفیسر مرزا محمد سعید (ان کے حالات علیحدہ ملاحظہ ہوں) کے نام لکھ کر دے دیا۔ یہ اکتوبر ۱۹۲۶ء کی بات ہے۔ یہ خط اس جلد میں شامل ہے۔

پروفیسر حمید احمد خاں ۱۹۳۴ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں اسی کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۹ء تک پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۴ء تک مجلس ترقی ادب لاہور کے ناظم مقرر ہوئے۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔ اردو اور انگریزی میں ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں "اقبال کی شخصیت اور شاعری" قابل ذکر ہے۔

ماخذ :

۱۔ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ۔ ص ۲۰۹ - ۲۱۰
۲۔ رفیع الدین ہاشمی ۔ خطوطِ اقبال ۔ ص ۱۸۱ - ۱۸۳

(امیر) حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان

(۱۸۷۲ ـ ۱۹۱۹ء)

امیر عبدالرحمٰن کا بیٹا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں سمرقند میں پیدا ہوا۔ یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء کو باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور ۱۹۱۹ء تک فرماں روا رہا۔

خارجی معاملات میں اس نے برطانیہ کے موافق حکمت عملی اختیار کی جسے اس کے ہندوستان کے بکثرت دوروں سے تقویت ملی۔ بایں ہمہ اس نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران افغانستان کے غیر جانبدار ہونے کا اعلان ۲۴ اگست ۱۹۱۴ء کو کیا۔ اسی زمانے میں کابل میں "عبوری ہندوستانی انقلابی حکومت" قائم ہوئی جسے اس نے تسلیم کیا۔

داخلی حکمت عملی کے تحت بحالیٔ امن کے لیے اس نے ایک پروگرام شروع کیا جو فیاضانہ اقدامات پر مبنی تھا۔ اس نے ملک کی تشویشناک معاشی صورتِ حال کے پیش نظر مالی حکمت عملی کے تحت بعض اقدامات کیے جن کی رو سے ہندوستان سے تجارت میں اضافے کی اجازت دی گئی۔ کچھ رفاہ عام کے کام بھی ہوئے۔ اس نے افغانستان میں مغربی ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جس کی ابتدا اس کے باپ نے کی تھی۔ مغربی خیالات اور اطوار و طریقے شاہی خاندان میں عام ہوئے۔ اسی زمانے میں افغانستان میں ڈاکٹری علاج شروع ہوا۔ پن بجلی کا رخانہ قائم ہوا۔ لیکن زیادہ ترقی صرف تعلیم کے میدان میں ہوئی۔ ۱۹۰۳ء میں حبیبیہ ہائی اسکول قائم کیا۔ یہ اسکول اینگلو انڈین کالجوں کی طرز پر تھا۔ ایک موزوں "دارالتالیف" تھا جو اسکول سے ملحق تھا، نصابی کتابوں کی

نگرانی کرتا تھا، جن میں سے اکثر ہندوستان میں بذریعہ چھاپ سنگی طبع ہوتی تھیں۔ کابل میں چھاپ سنگی کا پرنٹنگ پریس (عنایت پریس) قائم کیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں متواتر آٹھ سال تک سائنسی، ادبی اور سیاسی پندرہ روزہ جریدہ "سراج الاخبار الافغانیہ" نکلتا رہا۔ اس کا مدیر "بابائے نثر جدید" محمود بن غلام محمد طرزی (ولادت کابل میں ۱۲۸۵ ہجری / ۱۸۶۸ء اور وفات استنبول ۱۳۵۳ ہجری / ۱۹۳۴ - ۱۹۳۵ء میں) تھا۔ گویا اسکول اور جرائد افغان ثقافتی زندگی کے اولین دو حقیقی جدید مظاہر تھے اور اس طرح ملک کے جدید قومی تقاضوں کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔

اس کو ۲ فروری ۱۹۱۹ء کو قتل کر دیا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ برطانیہ سے دوستی کے مخالفین کا کام تھا۔ اس کے تیسرے بیٹے امیر امان اللہ خاں نے تخت پر قبضہ کر لیا۔

ماخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۵
۲ دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد ہفتم۔ ص ۸۸۶ - ۸۸۸
۳۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔ ص ۵۹۰

خالد بن ولید (۲۱ھ مطابق ۶۴۲ء)

خلافت راشدہ کے زمانے کے مشہور سپہ سالار۔ پورا نام خالد بن ولید بن المغیرہ المخزومی جنگ احد میں کفار کی سپاہ کی کمان انہی کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے ہی مسلمانوں کی فتح کو شکست میں بدل دیا تھا۔ ۶ ہجری / ۶۲۷ء یا ۸ ہجری / ۶۲۹ء میں اسلام قبول کیا اور اسی سال (۸ ہجری) موتہ کی مہم اور فتح مکہ میں حصہ لیا۔ ۹ ہجری / ۶۳۰ء میں آنحضرتؐ نے ان کو تبوک سے دومۃ الجندل بھیجا۔ جہاں کے فرماں روا الاکیدر کو انھوں نے قید کیا اور مدینہ منورہ بھیج دیا۔ ۱۰ھ / ۶۳۱ء میں ان کو یمن کے حاکم الحارث کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے کر بھیجا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے یمامہ میں مسیلمہ کے خلاف معرکہ کی کمان ان کو دی۔ ۱۲ھ / ۶۳۳ء میں انھیں عراق کے محاذ پر اسلامی فوج کی قیادت پر مامور کیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے عراق فتح کیا اور صحرا کو پار کرتے ہوئے شام میں اسلامی فوجوں کی امداد کے لیے جا پہنچے۔ ۱۱ھ / ۶۳۴ء میں حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب نے انھیں اپنے عہدے سے معزول کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا کہ میں ڈرتا تھا کہ لوگ ان فتوحات کو تم سے منسوب کر کے خدا کی طاقت و قدرت سے غافل نہ ہو جائیں۔

انھوں نے ایران اور ترکی کے بیشتر محاذوں پر معرکہ آرائی کی اور اپنی جرأت و شجاعت کے جوہر دکھائے۔ انھوں نے بہت سے معرکوں میں کانٹے کی تول لڑائی لڑی اور فتح پائی۔ نبی اکرمؐ نے آپ کو موتہ کے مقام پر رومی فوجیوں کے خلاف جنگ کے موقع پر "سیف اللہ"

کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کا کوئی معرکہ خالد بن ولید کے نمایاں تذکروں سے خالی نہیں۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آغاز اسلام میں خالد بن ولید سے بڑھ کر اسلامی سپہ سالار میں نہ ایسا بے پناہ عسکری تدبر تھا، نہ ایسی بے مثال شجاعت تھی۔

خالد بن ولید نے ۲۱ھ/ ۶۴۲ء میں مدینہ کے مقام پر انتقال کیا۔

ماخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ (انگریزی) جلد چہارم۔ ص ۸۲۸-۸۲۹

۲۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔ ص ۶۱۹

خانخاناں (عبدالرحیم) (۹۶۴ھ/۱۶۲۶ء)

مرزا عبدالرحیم خانخاناں بیرم خاں کا بیٹا تھا۔ وہ لاہور میں ۱۴ صفر ۹۶۴ھ کو پیدا ہوا۔ جب چند افغانیوں نے اس کے باپ کو ٹپن کے مقام پر قتل کر دیا تھا۔ اکبر نے اس کی پرورش کی۔ مرزا کا خطاب عطا کیا۔

۱۵۷۵ء میں عبدالرحیم کو گجرات کا گورنر تعینات کیا گیا۔ ۱۵۸۱ء میں میر عرض کے منصب پر فائز ہوا تین سال بعد شہزادہ سلیم کا اتالیق مقرر ہوا۔ ۱۵۸۳ء میں اکبر نے شاہ مظفر کے خلاف مہم پر گجرات بھیجا جو تخت کا دعویدار تھا اور جس نے احمد آباد پر قبضہ کر لیا تھا۔ اوائل جنوری ۱۵۸۴ء میں عبدالرحیم نے بڑے لشکر کے ساتھ مظفر کو شکست دی۔ اس کے صلہ میں اکبر نے پنج ہزاری کا منصب بخشا اور اس کے باپ کا خطاب "خانخاناں" عطا کیا۔ فتح گجرات کے بعد اس نے اپنی تمام جائداد اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دی۔ حتیٰ کہ اپنا قلمدان بھی ایک سپاہی کو دے دیا جو آخر میں آیا تھا اور شکایت کی تھی کہ اسے کچھ نہیں ملا۔

دسمبر ۱۵۸۹ء میں اسے وکیل کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور تھوڑے عرصہ بعد اسے فوج کی کمان دے کر قندھار کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اسے یقین تھا کہ جب تک مرزا جانی بیگ کو سندھ میں شکست نہیں دی جاتی اس وقت تک قندہار کی مہم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ۱۵۹۳ء میں اس نے سندھ فتح کیا۔ ۱۵۹۴ء میں اسے ایک اور مشکل ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ شہزادہ مراد کی دکن کی فتح میں مدد کرے۔ مگر اسے کوچ کرنے میں تاخیر ہو گئی جس کی وجہ سے شہزادہ برہم ہو گیا۔ احمد آباد سے شہزادہ مراد کی روانگی کے بعد

خانخاناں نے صرف ایک موقع پر اس لڑائی میں حصّہ لیا، جب سہیل خاں والئ بیجاپور نے شہزادہ مراد کی مزاحمت کی۔ خانخاناں نے سہیل کو ایک غیر معمولی سخت مورچہ میں شکست دی (۱۵۹۶ء)۔ اس شاندار فتح کے بعد اس نے ۷۵ لاکھ روپے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کیے۔ ۱۵۹۷ء میں شہزادہ مراد کے ایما پر دکن سے بلالیا گیا۔

جہانگیر کے دور میں خانخاناں نے کوئی خاص کارِ نمایاں انجام نہ دیا اور نہ ہی اسے وہ اکرام وتعظیم حاصل ہوئی جو اکبر کے زمانے میں نصیب تھی، گوکہ اس کا منصب برقرار رہا۔ شہزادہ خرم نے خانخاناں کو خاندیس، برار اور احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اسی دوران اسے ملک عنبر سے دوستی کی بنا پر مشکوک سمجھا گیا۔ ۱۶۲۲ء میں اس نے باغی شہزادہ خرم کی حمایت کی۔ بعد میں جب شہزادہ پرویز اور مہابت خاں کو شہزادہ خرم کو دکن میں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا گیا تو یہ ان سے مل گیا اور شہزادہ خرم کو دھوکا دیا۔ مہابت خاں نے اس پر بھروسہ نہ کیا اور نظر بند کر دیا۔ ۱۶۲۶ء میں جہانگیر نے مہابت خاں کو حکم دیا کہ خانخاناں کو دربار میں پیش کیا جائے، جہاں اس کے تمام اعزازات اور منصب بحال کر دیے گئے۔ مہابت خاں ناکام ہو کر دکن کی طرف بھاگا۔ نور جہاں نے خانخاناں کو مہابت خاں کے تعاقب میں بھیجا لیکن اسی دوران خانخاناں لاہور میں بیمار ہو گیا اور دہلی آ کر ۷۵ سال کی عمر میں ۱۶۲۶ء میں انتقال کیا۔

عبدالرحیم خانخاناں اپنی سخاوت اور دریا دلی کی وجہ سے مشہور رہے۔ "مآثر رحیمی" میں اس کی سخاوت اور فراخ دلی کے قصّے بیان کیے گئے ہیں۔ وہ فارسی اور ہندی کا مشہور شاعر بھی تھا۔ وہ شعروادب کا بڑا دلدادہ اور سرپرست تھا۔ اس نے 'تزک بابری' کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا۔ (۱۵۸۹ء)۔

مآخذ:

۱۔ ابو الفضل ـ آئین اکبری۔ جلد اوّل۔ ص ۳۵۴ ـ ۳۶۰

۲۔ شاہ نواز خاں۔ مآثر الامراء۔ کلکتہ ۱۹۴۴ء جلد اوّل۔ ص ۵۰ ـ ۵۶

خوشحال خاں خٹک

(۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء ۔۔ ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء)

خوشحال خاں خٹک بن شہباز خاں بن یحییٰ خاں بن ملک اکوڑی پشتو کا عظیم شاعر، سپہ سالار اور پٹھانوں کے مشہور قبیلے خٹک کا سردار تھا۔ یہ ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء میں سرائے کوڑہ موسوم بہ ملک اکوڑی کے مقام پر پیدا ہوا۔

۱۰۵۰ھ کو اٹھائیس برس کی عمر میں خوشحال خاں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ شاہجہاں اس کی وفاداری، علم و فضل اور تدبّر و سیاست کے باعث اس کی قدر کرتا تھا۔ ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء تک وہ زیادہ تر ہندوستان میں مقیم رہا۔

۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے تخت سنبھالا تو خوشحال خاں کو دربارِ شاہی میں پہلا اثر و رسوخ حاصل نہ ہو سکا۔ خوشحال خاں مغلوں کا وفادار منصب دار رہنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ بھی تمنّا تھی کہ پٹھانوں کی خود مختاری پر آنچ نہ آنے پائے۔

ظاہر ہے کہ شہنشاہ کے لیے یہ روش قابلِ قبول نہ تھی۔ چنانچہ ایسے افسوسناک حالات پیدا ہو گئے کہ مغل حکومت اور پٹھان ایک دوسرے کو کمزور کرنے کے درپے ہو گئے۔

خوشحال خاں کوئی ڈھائی سال تک رمضان ۱۰۷۱ھ/اپریل ۱۶۶۱ء تک قلعہ رنتھمبور میں محبوس رہا۔ اس نے "حبس نامہ" کے عنوان سے دو سو اشعار کی ایک نظم لکھی جس میں وطن اور یارانِ وطن سے فریاد کی ہے۔ ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء میں خوشحال خاں خٹک وطن لوٹ آیا۔ ۱۶۷۲ء میں درۂ خیبر کے قبائل نے عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا اور آفریدی سردار

اکمل خاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے مغلوں کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔
اب خوشحال خاں خٹک بھی اکمل خاں کے ساتھ آملا۔ اور اس کی سیف و قلم نے پٹھانوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ مغلوں اور پٹھانوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ بالآخر عالمگیر کو خود آنا پڑا۔ ۶ جولائی ۱۶۷۴ء کو افغانوں کو شکست ہوئی ۔ ۱۶۷۷ء میں امیر خاں کابل کا صوبہ دار مقرر کیا گیا جو اپنی وفات (۱۶۹۸ء) تک اس علاقے میں نظم و نسق چلاتا رہا۔ بایں ہمہ خوشحال خاں کا ولولہ سرد نہ ہوا اور اس نے پٹھانوں کی خود مختاری کی جنگ جاری رکھی۔ آخر پیرانہ سالی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

۲۸ ربیع الآخر ۱۱۰۰ھ / ۱۹ فروری ۱۶۸۹ء کو اٹھتر برس کی عمر میں وفات پائی۔

اس کی آخری وصیت یہ تھی کہ مجھے ایسی جگہ دفن کرنا جہاں مغل سواروں کے گھوڑوں کی گرد نہ پہنچ سکے۔ خوشحال خاں ایک دلاور جنگجو تھا وہ تلوار کا دھنی بھی تھا اور قلم کا بھی۔ وہ ایک ممتاز عالم، شاعر اور صاحبِ تصنیف و تالیف بھی تھا۔ اسے "بابائے پشتو" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے پشتو اور فارسی میں پینتالیس ہزار اشعار کہے ہیں جن میں غزلیں، قصیدے، رباعیاں، قطعے، مسدس، مخمس، ترکیب بند وغیرہ عروضِ پشتو کے مطابق شامل ہیں۔ فارسی میں بھی اس کی متعدد غزلیں ہیں جن میں اس نے "روحی" اور "کوہی" تخلص کیا ہے۔ اس کی کتابوں کی تعداد دو سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان میں مشہور اور موجود کتابیں حسبِ ذیل ہیں :

(۱) دیوان یا کلیات (۲) باز نامہ (۳) فضل نامہ (۴) فرخ نامہ (۵) فراق نامہ (۶) دستار نامہ (نثر میں) (۷) ریاض الحقیقت۔

اس کے تمام اشعار میں عشق، اخلاق، تصوف اور اجتماعی مسائل کے مضامین ہیں۔ وطن دوستی اور رزمیہ اشعار بھی کافی ہیں۔ خوشحال خاں سے علامہ اقبال کو جو عقیدت ہے اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خوشحال خاں بھی عقل پر عشق کا تفوق تسلیم کرتا ہے۔

ماخذ : ۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد سوم۔ ص ۴۹ ۔ ۵۳
۲۔ سید عابد علی عابد۔ تلمیحاتِ اقبال۔ ص ۴۵۷ ۔ ۴۸۹

خضر حیات خاں ٹوانہ (سر، ملک)

(ولادت ۱۹۰۰ء وفات ۱۹۷۵ء)

خضر حیات خاں پنجاب کے ایک معروف خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے گاؤں ٹوانہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ ۷ اگست ۱۹۰۰ء میں ضلع شاہ آباد میں پیدا ہوئے۔ یہ میجر جنرل سر عمر حیات خاں کے اکلوتے بیٹے تھے۔ خضر حیات خاں کا شاندار تعلیمی ریکارڈ تھا۔ انھوں نے ایچی سن کالج (AITCHISEN COLLEGE) لاہور میں تعلیم پائی جہاں وہ امتحان میں اوّل آئے اور چار میڈل حاصل کیے۔ ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا مگر دوسرے سال ہی فوج میں کمیشن مل گیا۔

اپنی زندگی میں خضر حیات خاں نے اپنے باپ کی شاندار روایات قائم رکھیں اور بہت سے اعزازات اور خطابات حاصل کیے۔ تھار میں راحت کاری میں قابل تحسین کام کیا۔ ۱۹۱۹ء میں پنجاب میں فسادات اور تحریکِ ترکِ موالات (۱۹۲۰ء) کے زمانے میں امن و امان قائم رکھنے میں گراں بہا خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۶ء میں جھنگ، اور شاہ پور کے اضلاع کے اعزازی ریکروٹنگ افسر کی حیثیت سے کام کیا۔ اپنی خدمات کے صلہ میں تیسری جنگ افغانستان کے دوران جنرل بے نون (BEYNON) کے اے۔ ڈی۔ سی (A.D.C.) مقرر ہوئے اور افغان میڈل حاصل کیا۔ ۱۹۳۱ء میں او۔ بی۔ ای املٹری (O.B.E. MILITARY) کا خطاب ملا۔ جارج پنجم کی سلور جوبلی کی تقریبات میں شرکت کی اور اعزاز حاصل کیا (۱۹۳۵ء) اور ۱۹۴۶ء میں پیرس میں امن کانفرنس میں بحیثیت خصوصی ہندوستانی مندوب شرکت کی۔ اور سارے یورپ کا سفر کیا اور اسی سال کے۔ سی۔ آئی۔ ای (K.C.I.E.) کا خطاب ملا۔

ان کا سب سے نمایاں کارنامہ سیاست کے میدان میں ہے، جہاں یہ ۱۹۳۷ء میں

اتحاد پارٹی کے رکن کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی حکومت کی تشکیل ہوئی، یہ سر سکندر حیات کی قیادت میں کابینہ کے رکن ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں سر سکندر حیات خاں کی وفات پر ان کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ انھوں نے محمد علی جناح کی یہ تجویز رد کر دی کہ اتحاد پارٹی کا نام بدل کر ملی جلی پارٹی (COALITION PARTY) کر دیا جائے۔ ۱۹۴۴ء میں ان کو مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں مسلم لیگ نے ۷۵ اسیٹوں میں سے ۷۵ سیٹیں جیتیں جبکہ اتحاد پارٹی نے ۲۰ سیٹیں حاصل کیں جن میں تیرہ مسلمان تھے۔ تاہم خضر حیات نے کانگریس اور اکالی پارٹیوں کے تعاون سے وزارت بنالی۔ لیکن مسلم لیگ کی مستقل مخالفت اور برطانوی حکومت کے فروری ۱۹۴۷ء میں تبادلۂ اقتدار کے اعلان کے بعد ان کو وزارت سنبھالنا مشکل ہو گیا اور بالآخر مارچ ۱۹۴۷ء میں ان کی وزارت نے استعفٰی دے دیا۔

آزادی کے بعد خضر حیات خاں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اگرچہ سرگودھا اور گرد و نواح کے اضلاع میں مقامی مسائل پر اُن کی رائے وقیع سمجھی جاتی تھی۔ ۱۹۷۵ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ :

ایس۔ پی۔ سین۔ ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافیز۔ جلد دوم۔ ص ۳۴۴۔ ۳۴۵

خلیل خالد بے (۱۸۷۰-۱۹۳۴ء)

خلیل خالد بے ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ انقرہ کے شمال میں واقع ایک قصبہ چیرکیش CHERKESH میں پیدا ہوئے۔ استنبول میں قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں ایک اخبار سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۸۹۴ء میں غالباً سلطان محمد ثانی کے آمرانہ نظام حکومت کے ظلم وستم سے محفوظ رہنے کی خاطر انگلستان آئے جیسے کہ چنداور ترک نوجوان بھی اس وقت آئے تھے۔

یہاں ترکی کے سیاسی اور سماجی حالات پر انگریزی اخباروں میں مضامین لکھنے لگے۔ اس دوران انھوں نے پروفیسر ای۔ جے۔ ڈبلو۔ گب (PROF. E. J. W. GIBB) کی شہرہ آفاق کتاب "اے ہسٹری آف آٹومن پوئٹری" (A HISTORY OF OTTOMAN POETRY) کے لکھنے میں مدد کی۔ جو چھ جلدوں میں شائع ہوئی۔ غالباً اسی کے نتیجہ میں ۱۹۰۲ء میں پیمبروک کالج، کیمبرج (PEMBROKE COLLEGE, CAMBRIDGE) نے انھیں ایم۔اے کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ اس کالج کے مشہور ماہر ادبیات فارسی، پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن (PROF. E.G. BROWNE) ان کے دوست تھے۔

کیمبرج میں خلیل خالد انڈین سول سروس پروگرام کے تحت جس میں متعدد مشرقی زبانیں پڑھائی جاتی تھیں ترکی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں انھوں نے الجزائر کی سیاحت کی۔ کیمبرج یونیورسٹی کے کیلنڈر میں ان کا ذکر ۱۳-۱۹۱۲ء تک ملتا ہے۔ اس کے بعد اپنے وطن چلے گئے جب یورپ میں حالات بگڑنے لگے اور حکومت برطانیہ اور سلطنت عثمانیہ پہلی جنگ عظیم میں ایک دوسرے کے خلاف طاقتوں کے ساتھ صف آرا ہوگئے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے اپنے والد کے نام ایک خط محررہ ۲ ستمبر ۱۲ ۱۹ء میں استنبول سے لکھا ہے:

"میں خلیل خالد بے اور علی حیدر مدحت بے مشہور مصنفین سے چند بار ملا"

(باقیات بجنوری۔ ص ۱۴۵)

خلیل خالد کی پہلی تصنیف "دی ڈائری آف اے ٹرک" (THE DIARY OF A TURK) ۱۹۰۳ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ یہ ان کی ابتدائی زندگی کی یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ انھوں نے انگلستان، مصر اور استنبول سے متعدد کتابیں اور رسالے مغرب اور اسلامی مشرق کے ثقافتی تعلقات پر شائع کیے۔ جن میں ترکوں کے خلاف بالخصوص اور مسلمانوں کے خلاف بالعموم یورپ والوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی آخری تصنیف غالباً ۱۹۲۴ء میں استنبول سے شائع ہوئی۔

انھوں نے ۱۹۳۴ء میں استنبول میں وفات پائی۔

ماخذ

۱۔ بصد شکریہ۔ ڈاکٹر آئی۔ میٹن کنٹ، فیلوان ٹرکش ہسٹری، فیکلٹی آف اورینٹل اسٹڈیز، کیمبرج یونیورسٹی (مکتوب محررہ ۴ فروری ۱۹۹۱ء)

DR. I. METIN KUNT. FELLOW IN TURKISH HISTORY, FACULTY OF ORIENTAL STUDIES, CAMBRIDGE UNIVERSITY. (LETTER DATED FEBRUARY 4 1991)

۲۔ بصد شکریہ۔ ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو، ڈائرکٹر جنرل ریسرچ سینٹر فور اسلامک ہسٹری، آرٹ اینڈ کلچر استنبول (مکتوب محررہ ۱۳ مئی ۱۹۹۱ء)

PROF. DR. EKMELEDDIN IHSANOGLU, DIRECTOR GENERAL, RESEARCH CENTRE FOR ISLAMIC HISTORY, ART AND CULTURE, ISTANBUL. (LETTER DATED MAY 13, 1991)

سی۔آر۔داس (C.R. DAS) (۱۸۷۰ - ۱۹۲۵ء)

چترنجن داس ۵ نومبر ۱۸۷۰ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ پریسیڈنسی کالج کلکتہ سے بی۔اے پاس کیا اور آئی۔سی۔ایس کے مقابلہ کے امتحان میں شریک ہونے کے لیے انگلستان بھیجے گئے لیکن وہ اس میں ناکام رہے۔ ۱۸۹۴ء میں بیرسٹری پاس کی۔ ہندوستان واپس آئے اور کلکتہ ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۹۰۷ء میں دو وطن پرست لیکن تشدد پسند مجرموں برہما نندا پادھیائے اور بھوپندر ناتھ دت کے خلاف مقدمۂ بغاوت میں وکیل دفاع کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں علی پور بم مقدمہ میں اروبندو گھوش کی جانب سے وکالت کی اور مقدمہ جیت لیا۔ اروبندو گھوش کو رہا کرایا۔ اس مقدمہ کی شاندار کامیابی ان کو پبلک لائف میں صفِ اوّل میں لانے میں معاون ثابت ہوئی۔ لیکن انھوں نے سیاست میں ۱۹۱۷ء سے باقاعدہ حصّہ لینا شروع کیا۔ آٹھ سال (۱۹۱۷ء۔ ۱۹۲۵ء) کی قلیل مدّت میں انھوں نے اپنی پُرجوش حُبّ الوطنی، بے پناہ اخلاص اور عدیم المثال خطابت کی وجہ سے ملک بھر میں شہرت حاصل کر لی۔ ۱۹۲۲ء میں جنگِ آزادی کے دوران گرفتار ہوئے۔ آل انڈیا کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور اس کے سالانہ اجلاس منعقدہ گیا کی صدارت کی۔ اب یہ عوام کے دیے ہوئے خطاب "دیش بندھو" سے آج تک مشہور ہیں۔

افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور ۱۶ جون ۱۹۲۵ء کو ان کی دارجلنگ (مغربی بنگال، بھارت) کے مقام پر وفات ہوگئی۔

ماخذ: ہُوز ہُو ۔ ۱۹۰۰ ۔ ۱۹۸۰ء درگا داس پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی۔

WHO'S WHO 1900-1980
DURGA DASS PRIVATE LTD., NEW DELHI

دولتانہ احمد یار خاں (۱۸۹۳ - ۱۹۳۸ء)

احمد یار خاں دولتانہ ۱۳ اپریل ۱۸۹۳ء کو ملتان کے ایک قصبہ لڈن میں پیدا ہوئے جو اُن کے بزرگوں کی جاگیر تھی۔ دولتانہ کو برطانیہ نوازی ورثے میں ملی تھی۔ اس لیے سیاست میں دلچسپی رکھنے کے باوجود کسی ایسی تحریک میں حصّہ لینے سے ڈرتے تھے جو انگریزوں کے خلاف چل رہی ہو۔ جب اُن کو یقین ہو گیا کہ اتحاد پارٹی کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے تو انھوں نے اُس میں اپنی شمولیت کا اعلان کر دیا اور اس کے جنرل سکریٹری ہو گئے۔

۱۹۳۶ء کے انتخابات میں اتحاد پارٹی کو زبردست کامیابی ملی۔ اس کے بعد بھی اس کے ارکان کو اندیشہ تھا کہ وہ مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر زیادہ عرصہ تک اقتدار برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ اس لیے انھوں نے مسلم لیگ سے مصالحت کی کوششیں تیز کر دیں۔ وہ جانتے تھے کہ پنجاب کے مسلمانوں پر اقبال کا زیادہ اثر ہے اس لیے انھوں نے اقبال کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے دولتانہ کو درمیان میں ڈالا۔ انھوں نے ۲۴ جون ۱۹۳۶ء کو اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر مفاہمت کا فارمولا پیش کیا۔ اقبال نے دولتانہ کے اس فارمولے کو قائداعظم کی خدمت میں روانہ کیا اور اپنی جانب سے اس سلسلے میں کسی قسم کی یقین دہانی نہیں کرائی۔ اس طرح جب فروری ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ لیگ کا اجتماع لاہور میں ہوگا، تو اتحاد پارٹی کے رہنماؤں کو حرارت لاحق ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں دولتانہ ہی کو اقبال کی خدمت میں بھیجا۔ دولتانہ ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو بظاہر عیادت کے لیے اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ ان کا اصل مدعا کچھ اور تھا۔ باتوں باتوں میں لیگ کے اجتماع کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شورش کا احتمال

ہے، آپ جناح کو اطلاع دیدیجیے۔ اقبال نے ان کی نیت بھانپ لی اور کہا کہ قائد اعظم دھمکی سے مرعوب نہیں ہوں گے۔ اس کے علاوہ خود میرا بھی یہی خیال ہے کہ لیگ کا اجتماع لاہور میں ہونا چاہیئے۔ اس جواب سے دولتانہ کو بڑی مایوسی ہوئی اور ان کی پارٹی کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

جب سر سکندر حیات خاں برسر اقتدار آئے تو دولتانہ نے بڑی شد و مد کے ساتھ اُن کا اور اُن کی پارٹی کا پروپگنڈہ کیا۔ سر سکندر حیات خاں نے اُن کو وزیر بنائے جانے کی پیش کش کی لیکن انھوں نے اسے قبول نہیں کیا اور خواہش ظاہر کی کہ ان کی جگہ ملک خضر حیات خاں کو وزیر بنایا جائے کیونکہ ان کو زمینداروں کی ایک بڑی تعداد کی حمایت حاصل ہے۔ چنانچہ بعد میں سر سکندر حیات خاں نے دولتانہ کو اپنا پارلیمانی سکریٹری (پولیٹیکل) مقرر کیا۔ دولتانہ کو پارلیمانی سکریٹری بنے ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ان کو کئی عوارض نے گھیر لیا اور وہ ان میں مبتلا ہو کر اکتوبر ۱۹۳۸ء میں انتقال کر گئے۔

وہ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے غزلیں اور نظمیں بھی لکھی ہیں۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج ۔ رجالِ اقبال ۔ ص ۲۳۱ ۔ ۲۳۲

دیکارت (رینے) (RENE DESCARTES)

(۱۵۹۶ - ۱۶۵۰ء)

مشہور فرانسیسی ریاضی داں اور فلسفی رینے دیکارت کو فلسفیانہ افکار کو روایتی متکلمانہ طرزِ فکر کی اندھی تقلید سے آزاد کرانے کا شرفِ اوّلیت حاصل ہے۔ ہیگل اور دوسرے متعدد حکماء اسے جدید فلسفہ کا امام قرار دیتے ہیں۔ یہ نظریۂ ثنویت کا زبردست مبلّغ تھا۔ اس کا مشہور قول ہے "چونکہ میں سوچتا ہوں، اِس لیے میرا وجود ہے"۔

دیکارت ۳۱ مارچ ۱۵۹۶ء کو موضع لا ہے (LA HAYE) صوبہ تورین (TOURAINE) میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ وکیل تھا، بعد کو جج ہوگیا۔ یہ لڑکپن میں اشیاء کے اسباب جاننے کے لیے سوالات کرتا رہتا تھا۔ اس لیے اسے "ننّا فلسفی" کہنے لگے۔ ۱۶۰۴ء میں اس کا داخلہ جیزوِٹس (JESUITS) (عیسائیوں کا ایک فرقہ) کے رائل کالج میں ہوگیا۔ یہاں اس نے دس سال تک مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی۔ جس میں فلسفہ، طبیعیات، ریاضی اور فلکیات شامل تھے۔

دو سال کی تعلیم کے بعد ۱۶۱۶ء میں پوائے ٹرز (POITERS) یونیورسٹی سے اس نے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس نے وکالت کا خاندانی پیشہ اختیار کیا۔

۱۶۱۸ء میں ہالینڈ کی فوج میں بھرتی ہوگیا۔ پھر باویریا (BAVARIA) اور بعد میں ہنگری کی فوج میں ملازم ہوگیا۔ اسی دوران مختلف ممالک کی سیر و سیاحت بھی کرتا رہا۔ ۱۶۲۸ء سے ۱۶۴۹ء تک ہالینڈ میں رہا۔ درمیان میں ۴۸ - ۱۶۴۷ء میں پیرس گیا۔ لیکن وہاں بھی چند ماہ سے زیادہ قیام نہ کیا۔ ۱۶۴۹ء میں سویڈن کی ۲۳ سالہ ملکہ نے اُسے مدعو کیا اور اس کی بڑی قدر و منزلت کی اور ملکہ کو فلسفہ کی تعلیم دینے کی خدمت تفویض ہوئی۔ بدقسمتی سے

پڑھائی کا وقت فجر کے پانچ بجے کا مقرر ہوا۔ جب بقول دیکارت "اس ملک میں جاڑے کے موسم میں انسان کے خیالات منجمد ہو جاتے ہیں"۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی صحت پر مضر اثر ہوا۔ بالآخر ۱۱ فروری ۱۶۵۰ء کو نمونیہ کے مرض میں انتقال کر گیا۔ ۱۶۶۷ء میں اس کے جسدِ خاکی کو پیرس لایا گیا اور انقلابِ فرانس کے دوران مشہور فرانسیسی مفکّروں کے درمیان ایک گرجا گھر میں دفن کیا گیا۔

۱۶۲۸ء میں اس کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا لیکن ساتھ ساتھ مطالعہ اور غور و فکر بھی جاری رہا۔ پہلے پہل دیکارت کی شہرت جابر بد تجربانی جومیٹری کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھا جس میں جومیٹری کے سوالات کو الجبرے کی مدد سے حل کیا گیا ہے۔ ۳۰-۱۶۲۹ء میں RULES FOR DIRECTION OF MIND (قوانین برائے رہنمائی ذہن) لکھا۔ ۱۹۳۰ء سے چار برس تک وہ مختلف سائنسی علوم کے مطالعہ میں منہمک رہا۔ اس کے تحقیق و مطالعہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا اور بصریات، روشنی کی نوعیت، قوانین انعطاف، علم موسمیات، ریاضیات بالخصوص جومیٹری، علم عضویات، تمام علوم کو محیط تھا۔

۱۶۳۷ء میں اس کی شہرۂ آفاق تصنیف DISCOURSE ON METHOD (طریقۂ تحقیق پر بحث) شائع ہوئی۔ اس کا دیباچہ بہت مشہور ہے۔ متکلّمین کے برخلاف دیکارت کا نظریہ وحدتِ علوم کا تھا اور طریقۂ استدلال تجربانی تھا۔ دیکارت کے فلسفہ یا کارتیسیت (CARTESIAN) نے علم طبیعیات اور فلسفہ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ یہ ریاضیاتی قاعدوں پر مبنی تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ دیکارت نے جدید فلسفیانہ فکر کے انداز اور نہج کو بنیادی طور پر متاثر کیا ہے۔

۱۶۳۳ء میں اس نے ایک مبسوط تصنیف بنام "THE WORLD" (کائنات) لکھنے کا منصوبہ بنایا جس میں آفاقی وحدتِ علوم کا نظریہ واضح کیا جائے۔ لیکن جب اُس نے گلیلو[1] (GALILEO) کا حشر سُنا تو وضع احتیاط کے باعث اس کا مسودہ تک کسی کو نہ دکھایا۔

---

[1] مشہور اطالوی سائنسداں (۱۵۶۴ – ۱۶۴۲ء) جس کا انجام نہایت دردناک ہوا کہ اس نے کوپرنیکس (COPERNICUS) (۱۴۷۳ – ۱۵۴۳ء) کے اس نظریہ کی تائید کی تھی کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔

۱۶۴۱ء میں اس کی ایک اور تصنیف MEDITATIONS (مراقبات) شائع ہوئی۔ یہ اُس کے فلسفیانہ نظریات کی اہم نقد و تشریح ہے۔ اس سے بحیثیت فلسفی تو اس کی شہرت میں اضافہ ہوا لیکن مذہبی حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی۔

۱۶۴۰ء میں ایک اور کتاب PRINCIPLES OF PHILOSOPHY (اصول فلسفہ) شائع ہوئی۔ ۱۶۴۹ء میں اس نے ایک رسالہ TREATISE ON PASSION (رسالہ بر جذبات) لکھا۔ اس میں اخلاقیات پر مبنی خیالات کا اظہار ہے۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد پنجم۔ ص ۵۹۷-۶۰۷

دینا ناتھ (لالہ) (ولادت ۱۸۷۶ء)

ضلع گوجرانوالہ کے ایک موضع چیپہ سندھواں میں ۱۸۷۶ء میں لالہ دینا ناتھ پیدا ہوئے انھوں نے پہلے حافظ آباد میں مڈل کا امتحان پاس کیا جس میں اول درجہ حاصل کیا۔ پھر گوجرانوالا کے مشن ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ وہاں تعلیم کے ساتھ اخبارات کے لیے مضامین لکھنے لگے اور "بھارت سیوک" جالندھر میں ان کے مضامین چھپنے لگے۔ ان کے ہیڈ ماسٹر ان کے مضامین لکھنے پر ناراضگی کا اظہار کرتے تھے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا ہیڈ ماسٹر نے سختی کے ساتھ منع کیا تو انھوں نے اسکول چھوڑ دیا اور وزیر آباد کے مشن ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا اور انٹرنس کے امتحان میں تمام اسکول میں اول رہے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ لیکن چند مہینوں کے بعد تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ کالج کو چھوڑنے کے بعد نو دس مہینوں میں چھ سات جگہ ملازمت کی اور کسی جگہ ڈیڑھ مہینہ سے زیادہ ملازمت نہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ملازمت کے لیے موزوں ہی نہ تھے۔ ان کی طبیعت تو صحافت کی طرف مائل تھی۔ چنانچہ ان کو جتنی ملازمتیں ملیں وہ سب ان کی طبیعت کے خلاف تھیں۔

جنوری ۱۹۰۰ء میں مولوی محبوب عالم ایڈیٹر "پیسہ اخبار" سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے "انتخاب لاجواب" کی ادارت ان کے سپرد کی۔ اس زمانہ میں "انتخاب" کی اشاعت تین چار سو سے زیادہ نہ تھی۔ مولوی محبوب عالم کی صحبت میں لالہ دینا ناتھ نے کافی تجربہ حاصل کر لیا۔ مولوی صاحب ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے اور اس کا اظہار تنخواہ میں اضافے کر کے کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انھوں نے کئی کتابوں کا ترجمہ کیا

اور کئی کتابیں تالیف کیں۔

آخر جون ۱۹۰۴ء میں "انتخاب لاجواب" سے قطع تعلق کر لیا اور ۲۶ راگست ۱۹۰۴ء کو اپنا اخبار "ہندوستان" جاری کیا۔ "پیسہ اخبار" کی دیکھا دیکھی لالہ دینا ناتھ نے ایک رسالہ "انتخاب لاجواب" کے طور پر رسالہ "دلچسپ" نکالا۔ لیکن وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ پھر ایک سیاسی سماجی اور ادبی رسالہ "ہمالہ" شائع کیا، لیکن وہ بھی جاری نہ رہ سکا۔

جون ۱۹۰۷ء میں لالہ دینا ناتھ گوجرانوالہ کے اخبار "ہندوستان" کو اپنے پریس میں چھاپنے کے جرم میں ماخوذ کیے گئے اور دو سال کی سزا پائی۔ ۸ رفروری ۱۹۰۸ء کو رہا ہوئے۔ رہا ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد ۲۲ راکتوبر ۱۹۰۹ء کو "ہندوستان کی ایڈیٹری کا چارج لیا اخبار "ہندوستان" نے لاہور میں، عام طور پر اخباروں کی خریداری کا شوق اور رواج پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

ماخذ:

امداد صابری۔ تاریخ صحافت اردو۔ جلد چہارم ۴۸۹-۴۹۳

جسٹس شیخ دین محمد (ولادت ۱۸۷۷ء)

جسٹس شیخ دین محمد ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۱۰ء میں وکالت کے امتحانات پاس کیے۔ کچھ عرصہ راولپنڈی میں گزارا۔ پھر اپنے آبائی وطن گوجرانوالہ میں وکالت کرنے لگے۔ ۱۹۲۴ء میں ان کو بلدیہ گوجرانوالہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ انھوں نے صوبائی مجلس قانون ساز کا رکن ہونے کے بعد لاہور میں رہایش اختیار کی۔ اسی زمانہ میں اقبال سے ان کا تعارف ہوا اور پھر بتدریج دوستی ہوگئی۔

شیخ دین محمد کو ۱۹۳۱ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۹۳۴ء میں ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج اور بعد میں مستقل جج بنائے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ریاست بھاولپور کے چیف جج ہوئے۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں باؤنڈری کمیشن (BOUNDARY COMMISSION) کے ممبر نامزد ہوئے۔

جسٹس شیخ دین محمد ۱۹۴۸ء میں صوبہ سندھ کے گورنر مقرر کیے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں گورنری سے استعفیٰ دے کر گوجرانوالہ میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں انتقال کیا۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجالِ اقبال۔ ص ۲۲۶-۲۲۸

ڈارلنگ (مالکم لایل) (MALCOLM LYALL DARLING)

(۱۸۸۰ ۔ ۱۹۶۲ء)

مالکم لایل ڈارلنگ اسکاٹ لینڈ کے ایک خاندان میں ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوا۔ اس نے مشہور پبلک اسکول ایٹن (ETON) میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز کالج "کنگ کالج" میں تاریخ کے مطالعہ کے لیے داخل ہوا۔ اس کے بعد آئی سی۔ ایس کے امتحان میں کامیاب ہو کر ۱۹۰۴ء میں ہندوستان آیا۔ صوبہ پنجاب میں اہم عہدوں پر فائز رہا اور فنانشیل کمشنر کی حیثیت سے ۱۹۳۹ء میں ریٹائر ہوا۔ آزادی ملک کے بعد حکومت ہند نے اس کی خدمات ہندوستان میں امداد باہمی کی تحریک پر کتاب لکھنے کے لیے حاصل کیں۔

بحیثیت عہدہ دار وہ برطانوی حکومت کی کارکردگی سے غیر مطمئن رہا۔ اس کے خیال میں حکومت کا فرض ہے کہ ترقی اور بہبودی کے لیے حالیہ کارگزاری کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اقدامات کرے۔ پنجاب میں اس نے دیہی تعمیر و ترقی کا کام شروع کیا اس مقصد کے پیش نظر اس نے امداد باہمی سوسائٹیاں قائم کیں۔ تاکہ پنجاب کے کسانوں کی اقتصادی اور سماجی حالات بہتر ہوں۔ ان سوسائٹیوں نے کسانوں کو مہاجنوں کے چنگل سے آزاد کرایا جو کسانوں کو قرضے دے کر اُن کا خون چوستے تھے۔

ڈارلنگ مشہور انگریزی ناول نویس ای۔ ایم۔ فارسٹر (E.M. FORSTER 1879-1970) کا گہرا دوست تھا۔ جس کا ناول A PASSAGE TO INDIA بہت مشہور تھا۔ کیمبرج میں مشہور ماہر اقتصادیات کینز (KEYNES 1883-1946) نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔

ڈارلنگ نے پنجاب کے مسائل پر چند رپورٹیں مرتب کیں:

۱۔ بینکوں کی کارگزاری پر تحقیقاتی رپورٹ (۱۹۳۰ء)— 1. PUNJAB BANKING ENQUIRY COMMITTEE (1930)

۲۔ پنجاب میں مالگزاری کی رپورٹ (۱۹۳۸ء)— 2. PUNJAB LAND REVENUE COMMITTEE (1938)

وہ متعدد کتابوں کا مصنف بھی تھا۔ چند مشہور تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ (پنجاب کے کسانوں کی خوشحالی اور قرضداری) (۱۹۲۵ء)

1. THE PUNJAB PEASANTRY IN PROSPERITY AND DEBT (1925)

۲۔ (دیہی حالات کا ناٹک و ہدایت کار) (۱۹۳۰ء)

2. RUSTICUS LOQUITURS (1930)

۳۔ پنجاب کے موضع میں دانائی اور اسراف) (۱۹۳۴ء)

3. WISDOM AND WASTE IN PUNJAB VILLAGE (1934)

۴۔ (آزادی کے دروازے پر) (۱۹۴۹ء) 4. AT FREEDOM'S DOOR (1949)

۵۔ (طاقت کے کھیل میں نوآموز) 5. APPRENTICE TO POWER (1961) (AN AUTOBIOGRAPHICAL ACCOUNT)

یہ اس کی سوانح حیات تھی جو ۱۹۶۶ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔
۱۹۶۱ء میں اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ:
(بصد شکریہ) پروفیسر وی۔ این دتا۔ پروفیسر ایمیرٹس
کورکشیتر یونیورسٹی۔ کورکشیتر (ہریانہ/بھارت)

ڈکنسن (ایرک چارلس) (ERIC CHARLES DICKINSON)

(۱۸۹۲ء۔۱۹۵۱ء)

ایرک چارلس ڈکنسن ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوا۔ EXETER COLLEGE آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ۱۹۲۱ء میں ہندوستان آیا اور علی گڑھ میں انگریزی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں استعفیٰ دیدیا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی ادبیات کا پروفیسر ہوگیا۔ یہ علی گڑھ اور لاہور میں بہت مقبول رہا۔ ہندوستانیوں سے اس کا خاصا ربط وضبط تھا اور اس میں قومی تحریکوں سے کچھ ہمدردی کا میلان بھی تھا۔ یہ خواجہ منظور حسین، صدر شعبہ انگریزی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور خواجہ غلام السیدین کا استاد بھی تھا۔ اس کے جانے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں احمد شاہ بخاری پطرس صدر شعبہ ہوئے۔ غالباً اسی زمانے میں اقبال سے ملاقات ہوئی ہوگی۔ چونکہ آکسفورڈ میں تعلیم پائی تھی اور ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے معروف تھا اس لیے نکلسن سے خط وکتابت رہی ہوگی۔ اس کی اہم تصنیفات درج ذیل ہیں:

POETRY:

THE ILEX GROVE, 1920
SONNETS, 1921
LAOLUS AND OTHER POEMS, 1924

ANTHOLOGIES:

NEW PATHS IN ENGLISH POETRY, 1930
A RECESSION OF ENGLISH POETRY, 1931
A PAGEANT OF ENGLISH POETRY, 1938

FICTION:

A FLORENTINE NIGHT, 1931

اسے ہندوستانی مصوری کے شاہکار اور مجسمے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔

۱۷ استمبر ۱۹۵۱ء کو اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ۔ بصد شکریہ: (۱) پروفیسر آل احمد سرور۔
(۲) پروفیسر مسعود الحسن، شعبہ انگریزی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

راغب احسن (۱۹۰۶-۱۹۷۵ء)

راغب احسن ۱۲ر جنوری ۱۹۰۶ء کو ضلع گیا (بہار) کے ایک قصبہ نیو دیہہ میں پیدا ہوئے۔ کلکتہ میں تعلیم پائی۔ طالب علم رہنما کی حیثیت سے خلافت کمیٹی میں شامل ہوئے۔ بعض تقریروں کی وجہ سے ۱۹۲۱ء میں جیل جانا پڑا۔ مولانا راغب احسن نے کلکتہ یونیورسٹی سے معاشیات، عمرانیات اور سوشل سائنس میں ایم۔اے کیا۔ اس کے بعد اسلامی تاریخ اور دینی علوم کے مطالعے پر توجہ دی۔

اقبال نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں اپنا خطبۂ صدارت پیش کیا۔ اس میں مسلمانوں کے لیے جو لائحہ عمل پیش کیا گیا تھا، اس سے مولانا راغب احسن بے حد متاثر ہوئے اور اسی خطبہ کے زیر اثر ۱۳ر اپریل ۱۹۳۱ء کو آل انڈیا مسلم یوتھ لیگ کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۳۵ء میں اس کا انضمام مسلم لیگ میں ہو گیا۔

اس کے بعد انھوں نے جنوبی ایشیا کا دورہ کیا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۸ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے وابستہ رہے۔ ۱۹۴۵ء میں کل ہند جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد ڈالی۔ وہ ہندوستان کی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا راغب احسن کلکتہ میں رہ کر وہاں کے مسلمانوں کو سیاسی اور سماجی طور پر بیدار رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کو یہ بات صاف دکھائی دے رہی تھی کہ وہ گرفتار کر لیے جائیں گے۔ لیکن وہ گرفتاری سے پہلے ہی پاکستان چلے آئے اور ڈھاکہ میں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ سے کراچی آ گئے۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش میں تبدیل ہونے وقت وہ ڈھاکہ میں تھے اس وقت جو ہولناک سانحہ پیش آیا، اس کا صدمہ برداشت نہیں کر سکے اور ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ مارچ ۱۹۷۴ء میں کراچی آ گئے اور ۲۸ر نومبر ۱۹۷۵ء کو انتقال کر گئے۔

وہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ وہ بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں برصغیر کی مسلم سیاست میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں "اصول معاشیات" اور "اسلام اور ہندوستان میں مسلمان قوم کی تاریخ تعمیر" قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی انھوں نے کئی کتابچے اور کئی خطبے یادگار چھوڑے ہیں۔

مولانا راغب احسن کو علامہ اقبال سے گہری عقیدت تھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ۱۹۳۲ء میں اقبال اکیڈمی کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔ جب تک علامہ زندہ رہے دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال۔ ص ۲۴۱-۲۴۴۔
فرید الحق ۔ جہانِ دیگر ۔ گردیزی پبلیشرز، کراچی۔ ۱۹۸۲ء۔ ص ۷-۲۱/ ۱۲۹- ۱۴۰

راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۰ھ)

راغب اصفہانی کا پورا نام شیخ ابوالقاسم حسین بن محمد بن مفضل راغب اصفہانی ہے۔ وہ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کے حالات زیادہ نہیں ملتے لیکن ان کی کتابوں کے بارے میں کافی اطلاع پائی جاتی ہے۔ ان کی وفات ۵۰۰ھ کے حدود میں ہوئی۔ ان کی تصانیف کی حسب ذیل فہرست حاجی خلیفہ کے یہاں ملتی ہے:

احتجاج القراء۔ افانین البلاغہ۔ تحقیق البیان فی التاویل القرآن۔ تفسیر الراغب۔ تفصیل النشأتین وتحصیل السعادتین۔ درۃ التاویل فی متشابہ التنزیل۔ الذریعہ الی مکارم الشریعۃ۔ رسالہ فی فوائد القرآن۔ صیقل الفہم۔ محاضرات الادباء ومحاورات الشعراء والبلغاء۔ مفردات الفاظ القرآن

طاشکبری زادہ نے مفتاح السعادہ میں ان کی ایک اور تصنیف: فنون المحاضرہ کا ذکر کیا ہے جو المحاضرات سے الگ ہے، اس لیے مصنف مذکور نے فنون المحاضرہ کے ساتھ المحاضرات کا الگ ذکر کیا ہے۔

سیوطی نے ان کی تین کتابوں: مفردات القرآن، افانین البلاغۃ اور المحاضرات کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ میرا گمان تھا کہ راغب معتزلی تھے، لیکن بدرالدین زرکشی کی ایک تحریر دیکھ کر تصدیق ہوگئی کہ امام السنتہ تھے۔

راغب اصفہانی کی مفردات کا عنوان دو طرح پر آیا ہے: مفردات القرآن اور مفردات الفاظ القرآن۔

راغب کے حالات کے حسب ذیل اہم مآخذ علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے درج

کیے ہیں؛ ان کے علاوہ بعض کتابوں میں ان کا ذکر ضمناً آیا ہے جیسے تتمہ صوان الحکمۃ وغیرہ۔
(۱) بغیۃ سیوطی (۲) مفتاح السعادہ طاشکبری زادہ (۳) کشف الظنون حاجی خلیفہ
(۴) فہرست سنج عربی و فارسی ونزکی دبنہ، خلوگل۔

ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست ص ۱۰۵-۱۰۶ میں ذریعہ الی مکارم الشریعۃ کے فارسی ترجمے کے ایک نسخے کا تعارف کرایا ہے اور یودیاں کے دوسرے نسخے کا ذکر کیا ہے۔ یہ فارسی ترجمہ شاہ شجاع (۷۶۰-۷۸۶) کے زمانے میں عمل میں آیا۔

حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ امام غزالی راغب کی کتاب الذریعہ کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔

علامہ قزوینی نے راغب کی تاریخ وفات پر مبسوط گفتگو کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کی وفات ۵۰۰ھ میں ہوئی۔

(یادداشتہای قزوینی۔ جلد پنجم۔ ص۔ ۳-۱۵)

ماخذ:

بصد شکریہ۔ پروفیسر نذیر احمد، علی گڑھ۔

رام پرشاد منشی

منشی رام پرشاد بی۔ اے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول گونڈہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ انھوں نے "ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور علامہ اقبال کی خدمت میں بھیج کر اس پر رائے طلب کی۔ جواباً علامہ نے ۲۸ جون ۱۹۲۶ء کو مکتوب ارسال فرمایا۔ جو اس جلد میں شامل ہے۔

ماخذ:
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ خطوطِ اقبال۔ ص ۱۷۹

رائج (شیخ) محمد علی (متوفی ۱۱۵۰ھ)

سروِ آزاد کے بقول میر محمد علی رائج سیالکوٹ کے باشندے تھے۔ وہ آزاد مشرب اور خوش خلق تھے اور قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ شعر و شاعری ان کا خاص مشغلہ تھا۔ انھوں نے لمبی عمر پائی۔ تذکرہ عبدالغنی (ص ۵۶) میں وفات کا حسب ذیل مصرعہ درج ہے:

رفت رائج بعالم باقی ۱۱۵۰ھ

(رائج عالم باقی کو سدھارا)

آزاد بلگرامی ۱۱۴۷ھ میں سفر سندھ سے لوٹ رہے تھے تو لاہور سے ان کا گزر ہوا انھی تاریخوں میں ایک صاحب سیالکوٹ سے لوٹے تھے۔ وہ آزاد بلگرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ اشعار لائے جو میر رائج نے آزاد بلگرامی کے لیے سوغات میں بھیجے تھے۔ ان میں سے چند اشعار سروِ آزاد میں نقل ہوئے ہیں۔

ماخذ:

آزاد بلگرامی۔ سروِ آزاد

رحمت اللہ شاہ (پیر زادہ) (۱۸۹۶ - ۱۹۶۵ء)

پیرزادہ سید رحمت اللہ شاہ کے والد عراق میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے سجادہ نشین خاندان سے تھے۔ ایک بار تبلیغی مشن پر بلوچستان آئے اور پھر لاہور پہنچ کر مقیم ہو گئے۔ سید رحمت اللہ شاہ ۱۸۹۶ء میں یہیں پیدا ہوئے۔ میٹرک اور حکیم حاذق کے امتحانات پنجاب سے پاس کیے۔ ۱۹۲۴ء میں امریکن ہومیوپیتھک کالج سے ایچ۔ ایل۔ ایم۔ ایس کا امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ تکمیل طب کے بعد مطب کرنے لگے۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں انھوں نے مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور معاشی اصلاح و تنظیم کے لیے THE COMRADES کے نام کی ایک انجمن قائم کی، جو کئی برس تک کامیابی سے کام کرتی رہی۔ محمد امین (نومسلم)، بیرسٹر ایٹ لا، اس کے صدر اور سید صاحب جنرل سکریٹری تھے۔ ۱۹۳۴ء میں انجمن طبیہ پنجاب کے زیر اہتمام یونانی طبیہ کالج قائم ہوا، اس میں کچھ عرصہ تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

سید رحمت اللہ شاہ ایک قابل طبیب، سرگرم سماجی کارکن اور صاحب علم و فضل انسان تھے۔ علامہ اقبال، خلیفہ شجاع الدین اور دیگر اکابر علم و فن سے ان کے خصوصی مراسم تھے۔ علامہ اقبال اور ان کے تعلقات کا اندازہ ان خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جو دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ سکے۔

وفات ۲۰ر جون ۱۹۶۵ء کو لاہور میں ہوئی۔

ماخذ :

رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال۔ ص ۱۴۷

جان رسکن (JOHN RUSKIN)

(۱۸۱۹ء - ۱۹۰۰ء)

بحیثیت ادیب نقادِ فن اور فنکار رسکن نے سب سے زیادہ عہدِ وکٹوریہ کے انگلستان میں عام فنکارانہ ذوق کو سنوارا اور معاشیات اور تجارت میں حکومت کی عدم مداخلت کے نظریہ کی مخالفت کرنے میں کارنمایاں کیا۔

جان رسکن ۸ر فروری ۱۸۱۹ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک مالدار تاجرِ شراب تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مصوّری سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ چنانچہ رسکن نے اپنے باپ کے ہمراہ مختلف آرٹ گیلریاں دیکھیں۔ ۱۴ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ یورپ کا سفر کیا۔ ۱۸۳۶ء میں کرائسٹ چرچ کالج آکسفورڈ میں داخلہ لیا۔ ۱۸۴۰ء میں اچانک بیماری کی وجہ سے والدین اس کو موسم سرما گزارنے کے لیے اٹلی لے گئے۔ ۱۸۴۲ء کے موسم بہار میں آکسفورڈ واپس آگیا۔ اس کی پہلی تصنیف "مصوّرانِ جدید" (MODERN PAINTERS) مئی ۱۸۴۳ء میں شائع ہوئی جب وہ صرف ۲۴ برس کا تھا۔ اس کی کتاب کی کافی پذیرائی ہوئی۔

اپریل ۱۸۴۵ء میں رسکن نے پھر ایک بار اٹلی کا دورہ کیا اور اپریل ۱۸۴۶ء میں "مصورانِ جدید" کی دوسری جلد منظرِ عام پر آئی۔ اگست ۱۸۴۸ء میں گوتھک طرزِ تعمیر کے مطالعہ کے لیے اس نے شمالی فرانس کا دورہ کیا اور اپریل ۱۸۴۹ء میں اس موضوع پر اس کی مشہور کتاب "طرزِ تعمیر کے سات چراغ" (THE SEVEN LAMPS OF ARCHITECTURE) شائع ہوئی جو بڑی کامیاب ہوئی۔ اسی سال وینس کا سفر کیا اور اس کے نتیجے میں اس کی تصنیف "وینس کی سنگ تراشی" (THE STONES OF VENICE) ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی۔

۱۸۵۴ء میں ورکنگ مینز کالج (THE WORKING MEN'S COLLEGE) میں پڑھانا

شروع کیا۔ اس زمانہ میں "مصورانِ جدید" کی تیسری اور چوتھی جلد منظرِ عام پر آئی۔ اب اس کا خاص کارنامہ آکسفورڈ میں نیچرل ہسٹری کے عجائب خانہ کا قیام تھا۔ ۱۸۵۷ء کا پورا سال اسی کام میں گزر گیا۔ اس سال اس نے معاشیات پر ایک کتاب لکھی، جس کا عنوان ہے "فن کی سیاسی معاشیات" (THE POLITICAL ECONOMY OF ART) تھا اور بعد کو "مسرت دائمی" (A JOY FOR EVER) رکھا۔ ۱۸۵۸ء میں اس نے پھر لگ بھگ چھ ہفتے ٹورن (اٹلی) میں گزارے اور نشاۃ ثانیہ کی مصوری کی جادوگری کو "مصورانِ جدید" کی پانچویں جلد (۱۸۶۰ء) میں پیش کیا۔

اس دورِ حیات کی اہم ترین تصنیف اس کے مضامین ہیں، جو دولت کی نوعیت سماجی انصاف اور تجارت میں حکومت کی عدمِ مداخلت کے نظریہ کی مخالفت میں لکھے گئے اور جو بالآخر "تا دمِ آخر" (UNTO THIS LAST) (۱۸۶۲ء) کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ یہ اس کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔

اب اس کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ ۱۸۶۹ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں پہلا سلیڈ (SLADE) پروفیسر شعبۂ فنونِ لطیفہ منتخب ہوا۔ اس کے لیکچر نہایت مقبول ہوتے تھے۔ ۱۸۷۸ء میں جنون کے آثار نمودار ہوئے۔ چند مجبوریوں کی وجہ سے ۱۸۷۹ء میں پروفیسری سے سبکدوش ہو گیا۔ اب اس کی علمی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں اس نے اپنی سوانح حیات "پرے ٹے ریٹا" (PRAETERITA) لکھنا شروع کی لیکن یہ مکمل نہ ہو پائی۔

۲۰ر جنوری ۱۹۰۰ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

رسکن نے انگلستان میں فنون لطیفہ کی قدر شناسی میں کلیدی رول ادا کیا۔ اس نے بالخصوص گوتھک طرز تعمیر کی اہمیت اور افادیت پر بڑا زور دیا۔ فنون لطیفہ کی خالص تنقید کا بیشتر حصہ وہ ۳۵ سال کی عمر سے قبل ہی تحریر کر چکا تھا۔ وہ فنون لطیفہ کی دنیا میں لافانی رہے گا۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد شش دہم ص ۳۲-۳۴

امام رازی (۱۱۴۹ء-۱۲۰۹ء)

ابو عبداللہ فخر الدین رازی ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۹ء (یا شاید ۵۴۴ھ) میں ایران میں بمقام رے پیدا ہوئے۔ ادب اور علوم دینی کی تعلیم سے فراغت کے بعد امام رازی خوارزم گئے۔ جہاں معتزلہ کے خلاف مناظروں کی وجہ سے ملک چھوڑنا پڑا۔ ماوراء النہر پہنچے تو وہاں بھی ایسی ہی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ رے واپس آکر شہاب الدین غوری سلطان غزنہ سے تعلقات استوار کیے جس نے ان پر اعزازات اور دولت کی بارش کر دی۔ بعد ازاں علاء الدین خوارزم شاہ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ ؟ اس کے ساتھ وہ کچھ عرصے خراسان میں رہے۔ پھر بخارا کا سفر کیا، وہاں حسبِ توقع سرپرستی نہ ملی تو ہرات چلے گئے۔ جہاں غزنہ کے غوری سلطان غیاث الدین نے انھیں شاہی محل میں عوام کے لیے ایک مدرسہ کھولنے کی اجازت دے دی۔

سمرقند اور ہندوستان (یہاں شاید وہ کسی خاص کام سے بھیجے گئے تھے) اور دیگر متعدد مقامات کی سیاحت کے بعد وہ ہرات میں اقامت گزیں ہو گئے اور عمر کا بڑا حصہ وہیں گزارا۔ ہرات میں وہ شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں ان کی شان و شوکت عروج پر تھی۔ چنانچہ جہاں جاتے تھے ان کے تین سو سے زیادہ شاگرد اور متبعین ان کے ہم رکاب ہوتے تھے۔

ان کی ذکاوت، درّاک عقل، زبردست حافظے، ضابطے پسند ذہن اور سلامتِ فکر نے انھیں ایک ایسا معلّم بنا دیا تھا، جسے سارے وسط ایشیا میں شہرت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک بہترین خطیب بھی تھے۔ فلسفے میں گہری مہارت اور مناظراتی مشغلے کے باوجود وہ حد درجہ متدیّن تھے۔ آخر عمر میں

خود کو فلسفہ وکلام میں اس قدر منہمک رکھنے پر ملامت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ علوم یقینی حقیقت تک پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسا کہ آخر میں انھوں نے اپنی وصیت میں لکھا:

”میں نے کلام کے تمام طریقوں اور فلسفے کی تمام راہوں کو آزمایا لیکن نہ میں نے ان میں اطمینان پایا نہ مجھے ان سے سکونِ قلب حاصل ہوا یہ دولت مجھے تلاوتِ قرآن میں ملی۔“

مسلکِ اہل سنّت کے دفاع میں امام رازی نے غیر معمولی انہماک دکھایا۔ جس کی وجہ سے اُن کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے۔ امام رازی نے ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء میں وفات پائی۔ بعض سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ انھیں زہر دیا گیا، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

امام رازی اپنے زمانے کے ائمّہ حکماء، متکلّمین، فقہا اور علوم اسلامی کے بلند پایہ بزرگوں اور عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔

یوں تو امام رازی کی تصنیفات کی تعداد بہت ہے اور وہ ایک دائرۃ المعارف کی وسعت رکھتی ہیں۔ لیکن اُن کی اکثر تصانیف کلام، فلسفہ یا تفسیر سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں اہم ترین اور مشہور تصنیف قرآن کی تفسیر مفاتیح الغیب یا کتاب التفسیر الکبیر ہے۔ اس میں انھوں نے اپنا سارا علم اور فلسفہ نچوڑ دیا ہے۔ ایک جدید مصنّف نے لکھا ہے کہ ”جہاں تک قرآنی افکار کا تعلق ہے امام رازی لاثانی ہیں“۔ امام رازی کی ایک اور معرکتہ الآراء تصنیف ”المباحث المشرقیہ“ تصوف پر ہے۔ ان کی دیگر اہم تصانیف میں ”محصّل افکار المتقدمین والمتاخرین من العلماء والحکماء المتکلمین“ کلام اور حکمت پر ہے اور ”شرح اشارات“ بوعلی سینا کی کتاب الاشارات والتنبیہات کے حصہ طبیعیات والٰہیات کی شرح ہے۔

علامہ اقبال امام رازی کے بڑے مدّاح تھے۔ ان کا مشہور شعر ہے:

اسی کش مکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی

مآخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد — ص ۱۹۴ - ۲۰۰

۲۔ دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد دہم۔ ص ۱۴۴۔ ۱۴۵

۳۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران۔ ۳۱۴

رشید احمد صدیقی (۱۸۹۶ء-۱۹۷۷ء)

رشید احمد صدیقی نے اردو کو شگفتہ نگاری کا ایک نیا اسلوب دیا۔ ان کی تحریریں خوانِ مسرّت ہی نہیں سامانِ بصیرت بھی ہوتی ہیں۔ وہ ۱۸۹۶ء میں جون پور کے ایک قصبہ مُریاہو میں پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول کے بعد علی گڑھ آ کر کلرکی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ سلسلۂ تعلیم بھی جاری رکھا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ طلبہ یونین کے سکریٹری کی حیثیت سے بہت شہرت ہوئی۔ ساتھ ہی مزاحیہ مضامین کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ جس نے تمام لکھنے والوں کی توجّہ اپنی جانب کھینچ لی۔ رشید صاحب کو علی گڑھ کا ماحول اس قدر پسند آیا کہ اُنھوں نے تعلیم سے فراغت پانے کے بعد اپنے لیے وہیں رہنا پسند کیا۔ ۱۹۲۲ء میں ان کو مسلم یونیورسٹی نے اردو کا لیکچرار مقرر کیا۔ وہ ۱۳ سال تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۳۵ء میں اُن کو اقبال کی سفارش پر ریڈر بنایا گیا۔ اس طرح ان میں اور اقبال میں باقاعدہ خط و کتابت شروع ہوگئی اور بتدریج اقبال کے بہت قریب آگئے۔ بعد میں رشید صاحب پروفیسر اور صدر شعبہ ہوگئے۔

جب اقبال کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اقبال کو جاوید اور منیرہ کی نگہداشت کے لیے ایک خاتون کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے اس سلسلہ میں کئی لوگوں سے خط و کتابت کی اور ان پر زور دیا کہ وہ کسی موزوں خاتون کا انتخاب کر کے مطلع کریں۔ اس سلسلے میں انھوں نے رشید صاحب کو بھی خط لکھا۔ رشید صاحب نے ایک جرمن خاتون کا انتظام کر دیا۔

رشید صاحب کو اقبال سے دلی عقیدت تھی۔ جب اقبال کی زندگی میں ہندوستان

کے کئی شہروں میں ان کا جشن منایا جا رہا تھا اور اس سلسلے میں انتظامات بھی کیے جا رہے تھے تو رشید صاحب کی سعئ جمیلہ سے بدایوں میں جشن اقبال انتہائی شاندار طریقہ پر منایا گیا۔

رشید صاحب نے اپنی تمام زندگی علی گڑھ میں گزار دی اور یونیورسٹی کی خدمات سے سبکدوش ہو کر پوری طرح تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ ۱۲؍جنوری ۱۹۷۷ء کو انتقال کیا۔

ان کی تصنیف میں مضامین رشید۔ خنداں، گنج ہائے گراں مایہ (۱۹۴۳ء)، طنزیات و مضحکات، غالب پر توسیعی تقاریر کا مجموعہ اور ہم نفسانِ رفتہ بہت مشہور ہیں۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص ۲۵۰۔ ۲۵۱

روحی اصغر علی (۱۸۶۷-۱۹۵۴ء)

اصغر علی روحی علوم دینی کے استاد کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ وہ گجرات کے ایک قصبہ کھٹالہ میں، ۱۸۶۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ انھوں نے لاہور ہی میں اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے عربی اور فارسی کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸۹۲ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں علوم دینی کے استاد مقرر ہوئے۔

جب اقبال کی نظمیں "مخزن" میں شائع ہونے لگیں اور وہ باقاعدہ طور پر انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسوں میں اپنی نظمیں سنانے لگے تو مولانا روحی نے پہلی مرتبہ ان کے شاندار مستقبل کی پیش گوئی کی۔ پھر بتدریج ان میں اور اقبال میں دوستانہ رابطہ پیدا ہوگیا جب ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کی تحریک زور وشور سے شروع ہوئی، اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے سکریٹری کی حیثیت سے اس پر غور وخوض کرنے کے لیے ایک اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں جہاں مختلف علماء کے فتوے زیر غور آئے وہیں مولانا روحی کے فتوے پر بھی غور کیا گیا۔ مولانا روحی کو ترک موالات کی تحریک سے اتفاق نہیں تھا۔ انھوں نے اپنے فتویٰ میں عدم تعاون کی تائید کی تھی لیکن اسکولوں اور کالجوں کے متعلق لکھا تھا کہ جب تک اپنا کوئی انتظام نہ ہوجائے لڑکوں کو ان مدارس سے اٹھانا درست نہیں۔ جب اس فتوے کے بارے میں اقبال کی رائے پوچھی گئی تو انھوں نے بتایا:

> "میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی

نقطۂ نگاہ سے بالکل تباہ ہو جائے گی۔"

اس واقعے کے بعد مولانا روحی اور اقبال کے تعلقات میں کشیدگی آگئی اور مولانا روحی ہر جگہ اور ہر مقام پر اقبال کی رائے سے اختلاف کرنے لگے۔ اس کے باوجود اقبال نے ان کی کسی بھی تنقید یا اعتراض کا بُرا نہیں مانا۔ اور ہر ممکن طریقے پر دوستی نباہنے کی کوشش کی۔ انجمن حمایت اسلام نے مولانا روحی کی بڑی قدر کی اور ان کی مذہبی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں ان کا چار سو روپے وظیفہ مقرر کیا، جو ان کو آخری وقت تک ملتا رہا۔ مولانا روحی نے انتہائی پیرانہ سالی میں ۱۹۵۴ء میں انتقال کیا۔ ان کی اردو اور فارسی کی تصانیف کی تعداد بلا مبالغہ پچاس سے زائد ہو گی۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ۔ ص ۲۵۴ - ۲۵۵

رٹیگن (سر ہینری) (SIR HENRY RATTIGEN)

سر ہنری رٹیگن ۱۹۱۹ء میں پنجاب ہائی کورٹ کا پہلا چیف جسٹس مقرر ہوا۔ یہ ممتاز ماہر قانون داں تھا۔ اس کا رواجی قانون کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اصولِ قانون (JURISPRUDENCE) پر اس کی کتاب ایک زمانہ میں قانون کے طلبا میں کافی مقبول تھی۔

ماخذ:

V. N. DUTTA: IDEOLOGY OF POLITICAL ELITE IN PUNJAB (1900-1920)
SITA RAM KOHLI MEMORIAL LECTURES, 1977,
IN PUNJABI UNIVERSITY, PATIALA, P.10-11

(لارڈ) ریڈنگ (LORD READING)

(۱۸۶۰ — ۱۹۳۵ء)

لارڈ روفس ڈینیل آئی زکس ریڈنگ (LORD RUFUS DANIEL ISAACS READING)
۱۰ اکتوبر ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوا۔ یونیورسٹی کالج اسکول لندن میں تعلیم حاصل کی۔ پھر ایک بحری جہاز میں ملازم ہو گیا۔ جو دریائے ہگلی کلکتہ میں بھی لنگر انداز ہوا۔ حسن اتفاق دیکھیے کہ چوالیس سال بعد وہ ہگلی بحیثیت وائسرائے ہند آیا۔ وہ جہاز کے ایک ادنیٰ ملازم کے درجہ سے ترقی کر کے اسٹاک ایکسچینج (STOCK EXCHANGE) کا ممبر بنا۔ بالآخر قانون کی تعلیم حاصل کی اور انگلستان کے لارڈ جسٹس (LORD JUSTICE) کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوا۔ بعد ازاں ایک اینگلو فرنچ مشن پر امریکہ گیا اور ۱۹۱۶ء میں وہاں ملک کے باضابطہ نمائندہ کی حیثیت سے مامور ہوا۔ ۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو امریکہ میں انگلستان کا سفیر مقرر ہوا۔

وہ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۶ء تک ہندوستان کا وائسرائے اور گورنر جنرل رہا۔ اس نے ہندو مسلم نا اتفاقی کا فائدہ اٹھایا، گاندھی جی کو گرفتار کرایا۔ ترک موالات کو کچلنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے لیکن ہندوستان کے دستوری مسئلے کو سلجھانے میں کوئی مثبت پیش رفت نہ کی۔

۱۹۳۵ء میں اُس کی وفات ہوئی۔

ماخذ:

ایس بھٹاچاریہ۔ اے ڈکشنری آف انڈین ہسٹری، نیویارک۔ ۱۹۶۷ء۔ ص ۶۲۶

S. BHATTACHARYA: A DICTIONARY OF INDIAN HISTORY, NEW YORK, 1967 P.626

رینان ارنسٹ (ERNEST RENAN)

(۱۸۲۳ - ۱۸۹۲ء)

رینان انیسویں صدی کا ایک وقیع فرانسیسی مفکّر اور عالم دین تھا۔
یہ ۲۸ فروری ۱۸۲۳ء کو بمقام ترے گور (TREGUIER) (فرانس) میں پیدا ہوا۔ اپنے مولد کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی۔ پھر سین سولپک (SAINTSULPICE) کی دانش گاہ میں داخلہ لیا۔ وہاں سخت تشکیک میں مبتلا ہوا۔ جس کے نتیجہ میں بالآخر ۱۸۴۵ء میں رومن کیتھولک چرچ سے قطع تعلق کر لیا۔
رینان کبھی مذہب کا پُرجوش حامی اور کبھی سخت نقّاد تھا۔ اس کی تصنیف THE FUTURE OF SCIENCE (سائنس کا مستقبل) (۱۸۹۱ء) اس کے اندازِ فکر کی آئینہ دار ہے۔ اس کتاب کا مرکزی موضوع مبداء مذہب کی تاریخ کی اہمیت ہے جس کو وہ سائنس کے ہم پلّہ قرار دیتا ہے۔ اس سے قبل وہ کسی حد تک پادری شاہی کا مخالف تھا۔ جب فرانسیسی حکومت نے اس کو ۱۸۴۹ء میں ان تمام مخطوطات کی فہرست مرتّب کرنے کے لیے اٹلی بھیجا جو فرانسیسی عالموں کی دسترس سے باہر تھیں، تو اس میں ایک زبردست ذہنی انقلاب پیدا ہوا اور وہ عالمِ خشک سے ایک فنکار بن گیا جو مذہب کی مقبولیت کی گوناں گوں کرشمہ سازیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
رینان ۱۸۵۰ء میں پیرس واپس آیا۔ ۱۸۵۲ء میں ڈاکٹریٹ کے مقالہ AVERROES AND AVERROISM (ابن رشد اور رشدیت) کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی اب پھر وہ تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوا اور اپنے مضامین کے دو مجموعے

شائع کیے۔ (۱) STUDIES OF RELIGIOUS HISTORY (مذہبی تاریخ کا مطالعہ) ۱۸۶۴ء۔ اور (۲) MORAL AND CRITICAL ESSAYS (اخلاقی اور تنقیدی مضامین) ۱۸۵۹ء۔ ان مضامین میں مادّیت اور تعصّب کی اعلانیہ مذمّت کی گئی ہے۔ اکتوبر ۱۸۶۰ء میں ریناں لبنان میں آثارِ قدیمہ کا ایک مشن لے کر گیا اور فنیقیہ عہد کے کتبے دریافت کیے جو "مہم فنیقیہ" (PHOENICIAN EXPEDITION) (۱۸۶۴-۱۸۷۴ء) کے عنوان سے اپریل ۱۸۶۱ء میں شائع کیے۔ ارضِ مقدس کی زیارت سے حضرت عیسیٰؑ کی سوانح حیات لکھنے کی تحریک ہوئی۔ اسی دوران وہ کالج دی فرانس میں عبرانی کا پروفیسر مقرر ہوگیا تھا لیکن اس نے اپنے لیکچروں میں حضرت عیسیٰ کو ایک عدیم المثال 'شخصیت' کہدیا۔ اس پر پادریوں نے شدید احتجاج کیا اور اس کو معزول کر دیا گیا۔ اب اس نے تصنیف و تالیف کو ہی ذریعہ معاش بنانے کا فیصلہ کیا لیکن ۱۸۷۰ء میں اس کو اپنے عہدہ پر بحال کر دیا گیا۔ اب وہ چرچ کا سخت مخالف بن گیا۔ بالآخر جب ریناں کی LIFE OF JESUS (حیاتِ مسیح) ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی تو چرچ کے حلقوں میں اس کی شدّت سے مذمّت کی گئی۔

۶۵- ۱۹۶۴ء میں ایشیائے کوچک کے سفر کے بعد اس نے چند اور تصانیف شائع کیں۔ THE APOSTLES (حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواری) (۱۸۶۶ء) اور SAINT PAUL (سینٹ پال) (۱۸۶۹ء)، اور THE HISTORY OF THE ORIGINS OF CHRISTIANITY (آغازِ مسیحیت کی تاریخ)۔ اس کے بعد ریناں نے سیاست میں بھی حصّہ لیا۔ پارلیمنٹ کے الیکشن میں ناکام رہا، دستوری ملوکیت کی حمایت کی۔ ۱۸۷۰-۷۱ء میں جرمنی اور فرانس کے درمیان جنگ بند کرانے کی ناکام کوشش کی۔ وہ ایک روشن خیال، غیر متشدّد لبرل تھا۔ لیکن اصل میں وہ ایک ادیب اور دانشور تھا۔

اس کی آخری زمانے کی تصانیف میں THE ANTICHRIST (دجّال) ۱۸۹۶ء مشہور ہے۔ جس میں اپنے تماشائے کائنات کے ذاتی مشاہدات کو تمثیلی پیرایہ میں پیش کرتے ہوئے قیامت کی سی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہ اس کی تاریخی کتابوں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ PHILOSOPHICAL — FESTIVAL OF THE UNIVERSE (تماشائے کائنات) کا اختتام

DIALOGUES AND FRAGMENTS (۱۸۹۹ء) پر ہوتا ہے۔ اس میں خدا کے وجود کے بارے میں تشکیک کا اظہار ہے۔ اس نے چند فلسفیانہ ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ CALIBAN (شیطان)، THE WATER OF YOUTH (شباب کا آبِ حیات) وغیرہ۔

اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ فلسفۂ ابیقوریت یا لذّتیت سے قریب تر ہو گیا۔ اس کا اظہار اس کی دیگر کتابوں میں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً THE CHRISTIAN CHURCH یا (مسیحیّت) اور روم کے شہنشاہ مارکس اوریلس کی سوانح حیات۔ مارکس اوریلس (MARCUS AURELIUS) (۱۹۰۴ء)۔ اس کا اپنا سوانحی خاکہ بھی موت کے خوف سے عبارت ہے۔ ۱۸۷۶ء میں رینان اپنی یادداشتیں لکھنے میں لگ گیا تھا۔ (شباب کی یادیں) RECOLLECTIONS OF MY YOUTH (۱۸۸۳ء) میں اس نے جہاں اپنی جوانی کا نقشہ کھینچا ہے، وہیں اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ سخت تشکیک کے باوصف اُن دیکھے خدا پر ایمان اس کے لیے مسرت و شادمانی کا سرچشمہ ثابت ہوا۔ اس کے فلسفۂ اخلاق کا مرکزی نقطہ اس کے مشہور ڈرامہ THE PRIEST OF NEMI (نیمی کے پجاری ۱۸۸۵ء) اور HISTORY OF PEOPLE OF ISRAEL (تاریخ اقوام اسرائیل) (۱۸۸۷ء۔ ۱۸۹۳ء) میں ملتا ہے۔ یہ اس اخلاقی عقیدہ کا ... ہے کہ مشکلات کے باوجود انسان اپنے ایمان کو قائم رکھ سکتا ہے۔

۲ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد ۱۵ ص ۱۷۱۔ ۶۷۳ ۶

(سیموئیل میری نس) زویمیر (SAMUEL MARINUS ZWEMER)

(۱۸۶۷ — ۱۹۵۲ء)

یہ ورائس لینڈ (VRIESLAND MICHIGEN) میں ۱۲/اپریل ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوا اور نیویارک میں ۲/اپریل ۱۹۵۲ء کو فوت ہوا۔ یہ ایک نامور عالم دینِ عیسائیت گزرا ہے۔ یہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۲ء تک مغربی ایشیا میں مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا۔ ۱۹۱۱ء میں ایک جریدہ 'دی مسلم ورلڈ' (THE MUSLIM WORLD) کے نام سے قاہرہ سے نکالا، جو ۱۹۲۹ء تک شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۸ء تک یہ امریکا کی پرنسٹن تھیولوجیکل سیمیناری (PRINCETON THEOLOGICAL SEMINARY) میں تاریخ ادیان کا پروفیسر ہو گیا۔

اس نے ۱۹۵۲ء میں انتقال کیا۔

اس کی اہم تصنیفات درجِ ذیل ہیں:

1. THE UNOCCUPIED MISSION FIELDS OF AFRICA AND ASIA (1911 : IN GERMAN : MISSIONLOSE LANDER, 1912)
2. THE MUSLIM CHRIST (1911 : IN GERMAN : DIE CHRISTOLOGIE des ISLAM, 1921)
3. THE LAW OF APOSTASY IN ISLAM (1924 : IN GERMAN : DAS GES. WIDER den ABFALL von ISLAM, 1926)
4. CROSS ABOVE CRESCENT (1941)
5. INTO ALL THE WORLD (1945)

'دی مسلم ورلڈ' میں انھوں نے جو مضامین لکھے ان میں حسبِ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

اسلام دنیا میں (۱۹۱۱-۱۹۱۳ء)، قرآن کے تراجم (۱۹۱۵ء)، اسلام جنوبی امریکہ میں (۱۹۱۶ء)، چین میں مسلمان (۱۹۱۸ء)، حدیثِ قدسی (۱۹۲۳ء)، اسلام ہندوستان میں (۱۹۲۵ء)، اسلام افریقہ میں (۱۹۲۵ء)، اسلام جنوبی یورپ میں (۱۹۲۷ء)، اکرام آدم اور ملائکہ (۱۹۳۷ء)، اسلام (۱۹۲۸ء)، اسلام صحرائے عرب میں (۱۹۴۳ء)، اسلام مدگاسکر میں (۱۹۴۵ء)

ماخذ: نوٹ محررہ ۷/جولائی ۱۹۹۰ء از اسلام۔ آرکائیوز۔ ڈیوش لینڈ، برلن۔

سالک عبدالمجید (۱۸۹۳ - ۱۹۵۹ء)

یہ لاہور کے مشہور ادیب، اعلیٰ پایہ کے شاعر اور بہت بڑے اخبار نویس تھے۔ ۱۲ر دسمبر ۱۸۹۳ء کو بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ انھوں نے مولانا حالی کی خدمت میں تلمّذ کے لیے لکھا۔ انھوں نے اپنی ضعیفی کا عذر پیش کر کے علامہ اقبال کا نام پیش کیا، پھر اقبال سے تلمّذ کے لیے درخواست کی۔ انھوں نے جواب میں لکھا: "شاعری ایک بے پیر افن ہے، اگر آپ شاگردی پر مصر ہی ہیں تو داغ کے شاگردوں میں سید محمد احسن مارہروی اور منشی حیات بخش رسا سے رجوع کیجیے۔"

۱۹۱۲ء میں سالک لاہور آ گئے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ، انیس برس کی تھی اس وقت سے اقبال سے شناسائی حاصل ہوئی۔ ۱۹۱۴ء میں انھیں لاہور چھوڑنا پڑا تو انھوں نے پٹھانکوٹ جاکر رسالہ "فانوس خیال" جاری کیا۔ ڈیڑھ سال بعد ۱۹۱۵ء میں پھر لاہور آ گئے۔

۱۹۲۰ء میں یہ "زمیندار" کے ایڈیٹر ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں سال بھر کے لیے قید ہو گئے انھوں نے اپریل ۱۹۲۷ء میں "انقلاب" جاری کیا اور اس کے مدیر ہو گئے۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔

انھوں نے بیسیوں کتابیں تصنیف و ترجمہ کی ہیں اور اپنی خود نوشت سوانح حیات "سرگزشتِ سالک" لکھی۔ اقبال کی سوانحِ حیات "ذکرِ اقبال" کے نام سے لکھی۔

ماخذ:

نقوش لاہور نمبر۔ ص ۹۲۹

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں۔ ص ۴۹۵ - ۵۰۴

سالک یزدی (گیارھوی صدی ہجری)

آزاد بلگرامی نے "سرو آزاد" میں لکھا ہے کہ سالک یزدی شروع میں شیراز میں زندگی بسر کرتا تھا۔ پھر اصفہان چلا گیا۔ وہاں سے دکن آیا اور قطب شاہ والئ حیدر آباد کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ جب مغل فوج نے حملہ کیا تو ان کے ہمراہ دہلی آ گیا اور پھر ۱۰۶۶ھ میں شاہ جہاں کی خدمت میں باریاب ہوا۔ "مرآۃ العالم" میں ہے کہ شاہ جہاں کے جلوس کے تیسرے سال شاہ جہان آباد آیا۔ بظاہر یہ درست نہیں۔ البتہ بخوبی ممکن ہے کہ ۱۰۶۶ھ سے قبل آیا ہو اور کچھ دنوں بعد ۱۰۶۶ ہجری میں بادشاہ کے دربار میں رسائی ہوئی ہو۔

نازک خیالی اور سادگی اس کی شاعری کے وصف ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے "کلمات الشعراء" طبع لاہور۔ ص ۴۵۔ سالک یزدی اور اس کے معاصر سالک قزوینی کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔ سالک یزدی کا ذکر "مجمع النفائس"، "تذکرہ حسینی"، "تذکرہ نصر آبادی"، "نشتر عشق" وغیرہ تذکروں میں موجود ہے۔

مآخذ:

۱۔ سرو آزاد۔ ص ۱۱۰

۲۔ مرآۃ العالم۔ جلد دوم۔ ص ۹۷

۳۔ نواب صدیق حسن۔ تذکرہ شمع انجمن، مطبع شاہ جہانی بھوپال، ۱۲۹۲ ہجری۔ ص ۲۰۷

سراج نظامی

سراج نظامی لاہور کے باشندے تھے۔ تعلیم بی۔ اے تک تھی۔ طویل عرصے تک الکشن کمشنر کے دفتر میں ملازم رہے۔ بہت اچھا گلا پایا تھا۔ ریڈیو سے کلامِ اقبال نشر کیا کرتے تھے۔ یہ پروگرام بہت مقبول تھا۔ ایک بار انھوں نے حضرت علامہ کے سامنے ان کی اردو اور فارسی غزلیں ترنم سے پڑھ کر سنائیں، جسے آپ نے بیحد پسند کیا۔ انھوں نے ریڈیو ڈراموں میں بطور مصنف بھی حصہ لیا اور بطور صداکار بھی۔ سراج نظامی نے علامہ اقبال سے اپنے تعلقات اور ملاقاتوں کی یادداشتوں پر مشتمل ایک مضمون "سیارہ ڈائجسٹ" اپریل ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا۔ وہ آخری برسوں میں "سیارہ ڈائجسٹ" کے مدیر بھی رہے۔

ماخذ:
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ خطوطِ اقبال۔ ص ۱۸۰

سکندر حیات خاں (سر) (۱۸۹۲ - ۱۹۴۳ء)

سر سکندر حیات خاں کو عوام میں جو قبولِ عام حاصل رہا ہے، اس کی مثال پنجاب کی سیاسی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ وہ ۱۸۹۲ء میں ملتان میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد نواب محمد حیات خاں کا قیام تھا۔ انھوں نے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں پڑھا۔ وہ مزید تعلیم کے لیے لندن گئے جہاں سے واپسی پر کچھ دنوں فوج میں ریکروٹنگ افسر ہو گئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد ۶۷ پنجاب رجمنٹ میں کمیشن ملا۔ افغانستان کی چوتھی جنگ میں شرکت کی۔ واپس آنے کے بعد سیاست میں قدم رکھا۔ ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے بعد جب پنجاب میں صوبائی کونسل قائم ہوئی تو اپنے ضلع کیمبل پور (اٹک) سے اس کے رکن منتخب ہو گئے۔ اسی زمانے میں گورنر نے ان کو بہاول پور میں وزارت کی پیش کش کی۔ کچھ دنوں وزیر بہاول پور کی حیثیت سے کام کیا۔ بعد میں اس سے الگ ہو کر لاہور چلے آئے۔

جب ۱۹۳۰ء میں میاں فضل حسین وائسرائے کی انتظامی کونسل کے رکن بن کر دہلی چلے گئے تو صوبائی کابینہ میں ان کی جگہ سر سکندر حیات خاں نے سنبھالی اور اس عہدہ کے دوران ایک مرتبہ ایک ماہ اور دوسری مرتبہ ۴ ماہ کے لیے قائم مقام گورنر بنے۔ میاں فضل حسین ان کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء میں میاں فضل حسین نے ان کو ریزرو بینک آف انڈیا کی ڈپٹی گورنری دلوا دی۔ سر سکندر حیات خاں کلکتہ چلے گئے۔ اس واقعے کے دو ڈھائی سال بعد ۱۹۳۶ء میں میاں فضل حسین کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ سکندر حیات خاں ان کی جگہ اتحاد پارٹی کے لیڈر منتخب ہو گئے۔ ان کو ۳۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو ریزرو بینک کی ملازمت سے مستعفی ہو کر لاہور آنا پڑا۔

۱۹۳۷ء میں سر سکندر حیات خاں نے پنجاب میں اتحاد پارٹی کی حکومت قائم کی۔ مسلم لیگ کا اجلاس اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں ہوا۔ اس اجلاس میں سر سکندر حیات خاں نے اتحاد پارٹی کے لیڈر ہونے کے باوجود، شرکت کی اور اعلان کیا کہ میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا ہوں اور اتحاد پارٹی کے تمام مسلمان رکن بھی مسلم لیگ کے ممبر بن جائیں گے۔ چنانچہ اس موقع پر ایک تحریر بھی لکھی گئی جس کو بعد میں سکندر، جناح پیکٹ کا نام دیا گیا۔

اقبال اس معاہدے سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس معاہدہ میں اتحاد پارٹی کو بالادستی حاصل ہو گئی ہے اور مسلم لیگ کو ثانوی حیثیت ملی ہے۔ بالآخر وہی ہوا جس کا اقبال کو خدشہ تھا۔ سر سکندر حیات خاں نے لکھنؤ سے واپس آتے ہی اخباروں کو اس قسم کے بیانات دینا شروع کر دیے جن سے یہ تاثر ملتا تھا کہ لکھنؤ کی بات لکھنؤ میں ختم ہو گئی ہے۔ سر سکندر حیات خاں نے اپنے بیان میں صاف طور پر کہا کہ "جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے سابقہ صورت حال برقرار رہے گی۔"

اقبال نے سر سکندر کے اس بیان پر بڑے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ اور مختلف بیانوں کے ذریعے سر سکندر کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ یہ صورت حال سر سکندر کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ انھوں نے ۲۱ اکتوبر کو اس سلسلے میں اقبال سے پہلی ملاقات کی اور لیگ اور اتحاد پارٹی کے اختلافات پر تبادلہ خیال کیا۔ کچھ تجاویز پیش کیں۔ ۱۰ نومبر کو اقبال نے محمد علی جناح کو لکھا:

"سر سکندر کی تمام تجاویز کا مقصد یہ ہے کہ لیگ پر قابض ہو کر اس کو ختم کر دیا جائے۔

انھوں نے ابھی تک لیگ کے فارم رکنیت پر دستخط نہیں کیے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ دستخط نہیں کریں گے۔"

مسلم لیگ نے ۵ فروری ۱۹۴۰ء کو دہلی میں اعلان کیا کہ وہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ایک اجلاس منعقد کرے گی جس میں مسلمانوں کی الگ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا جائے گا۔ سر سکندر کے لیے یہ صورت حال بڑی فیصلہ کن تھی۔ انھوں نے اس معاملے

میں پیش قدمی کی اور اس اجلاس میں پیش کرنے کے لیے ایک قرارداد کا مسودہ مرتب کیا اور محمد علی جناح کی منظوری کے لیے دہلی بھیج دیا۔ محمد علی جناح نے اسے سب جیکٹس کمیٹی کے سپرد کر دیا، تاکہ اس پر غور و خوض کیا جائے۔ سب جیکٹس کمیٹی نے اس میں بہت کچھ تبدیلیاں کیں اور اسے قرارداد لاہور، کا نام دیا۔ یہ مسودہ ۲۳ مارچ کے اجلاس میں منظور ہو گیا۔ سر سکندر نے ۱۱ مارچ کو پنجاب اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ "قرارداد لاہور کا مسودہ انھوں نے ہی مرتب کیا تھا، لیکن اس میں اسقدر تبدیلیاں کی گئیں کہ وہ ان کی تصنیف نہیں رہا۔"

سر سکندر حیات کا ۱۹۴۳ء میں، لاہور میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا۔

ماخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص ۲۸۸۔ ۲۸۵

۲۔ لاجپت رائے نایر۔ سکندر حیات خاں، دی سولجر۔ اسٹیٹسمین آف دی پنجاب۔ انسٹی ٹیوٹ آف کرنٹ افیرز۔ لاہور۔ غالباً ۱۹۴۳

LAJPAT RAI NAIR: SIKANDER HAYAT KHAN,
THE SOLDIER-STATESMAN OF THE PUNJAB,
INSTITUTE OF CURRENT AFFAIRS, LAHORE

شیر شاہ سوری (۱۴۸۶ - ۱۵۴۵ء)

شیر شاہ سوری افغان تھا۔ یہ نارنول (ریاست ہریانہ، بھارت) میں ۱۴۸۶ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ حسن سور جونپور کے سہسرام پرگنہ کا جاگیر دار تھا۔ شیر شاہ بہادر اور جری اور بے مثال منتظم تھا۔ اس نے جلد ایک لشکر جمع کیا۔ جب ہمایوں گجرات میں فوج کشی کر رہا تھا تو شیر شاہ نے بہار کا صوبہ فتح کر لیا اور بنگال کی طرف کوچ کیا۔ ۱۵۳۹ء میں بکسر کے مقام پر ہمایوں کو شکست دے کر دلّی کے تخت پر بیٹھا۔ اب اس نے اپنے انتظام و انصرام کے جوہر دکھائے۔ اس نے ایک مضبوط نظام حکومت قائم کیا۔ جس کی ہندوستان کو سلطان فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ - ۱۳۸۹ء) کے زمانے سے ضرورت تھی۔ امن و امان و خوشحالی کے دور کا آغاز ہوا۔

شیر شاہ نے ۱۵۴۲ء میں مالوہ فتح کیا۔ ۱۵۴۵ء میں مارواڑ پر حملہ کیا اور اس کے مہاراجہ مال دیو کو شکست دی۔ شیر شاہ نے قریباً چھ سال حکومت کی اور ۱۵۴۵ء میں بندیل کھنڈ میں کالنجر کے قلعہ پر حملہ کرتے ہوئے مارا گیا۔

شیر شاہ کی شہرت اس کے حسنِ انتظام و انصرام کی وجہ سے ہے۔ اس نے دیوانی نظام میں اصلاحات کیں۔ اراضی کی پیمائش، مالگذاری کی وصولیابی، زمین سے متعلق معلومات کی فراہمی، کاشتکاروں کو زمین کے پٹے دینے اور عام معاشی حالت کی بہبود کی طرف توجہ دی۔ اس نے سڑکوں کا جال بچھا دیا اور چار بڑے شاہراہ بنائے۔ ان میں سے ایک سونیر گاؤں (موجودہ ڈھاکہ کے قریب) سے آگرہ، دہلی، لاہور ہوتا ہوا دریائے سندھ تک جاتا، دوسرا آگرہ اور مانڈو، جودھپور اور چتوڑ اور ملتان اور لاہور کو ملاتا تھا۔ شاہراہوں کے دونوں جانب پھلدار درخت لگائے گئے اور تھوڑے تھوڑے

فاصلے پر سرائیں تعمیر کرائی گئیں۔ شیر شاہ مذہبی آدمی تھا۔ لیکن اس کے نظام حکومت میں ہندوؤں کو ملازمتیں اور اعلیٰ عہدے دیے گئے۔ اس میں ٹوڈرمل، جس نے اکبر اعظم کے زمانے میں شہرت پائی، پہلے شیر شاہ کی ملازمت میں تھا۔ اس کا ایک بہترین جنرل برہم جیت سنگھ تھا، جس کو اس نے ہمایوں کے تعاقب میں بھیجا تھا۔

ماخذ:

کالی کرنجن قانون گو۔ شیر شاہ اور اس کا عہد۔ کلکتہ۔ ۱۹۶۵ء

ص ۱۔۹۔۴۴۔۱۶۷۔۲۱۹۔۳۰۳۔۳۲۴۔۳۴۵۔۳۷۸۔۴۵۰-۴۵۱

KALAKARANJAN QANUNGO: SHER SHAH AND HIS TIMES, CALCUTTA, 1965
PP. 1-9, 44, 167, 219, 303, 324, 345, 378, 450-51

رماشنکر اوستھی۔ مغل شہنشاہ ہمایوں۔ الہ آباد۔ ۱۹۶۷ء

RAMA SHANKER AVASTHY: THE MUGHAL EMPEROR HUMAYUN, ALLAHABAD, 1967
PP. 88, 100-105, 144, 230, 247-86, 338, 361-69, 416-422

شیخ الاشراق (سہروردی شہاب الدین مقتول)

(۵۴۹ھ - ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء)

شہاب الدین یحییٰ بن حبش بن امیرک سہروردی جو شیخ اشراق کے نام سے مشہور ہیں سہرورد کے رہنے والے تھے۔ سہرورد علاقہ زنجان کا ایک شہر ہے۔ شیخ سہروردی ۵۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء میں بمقام حلب صلاح الدین ایوبی کے بیٹے ملک الظاہر (۵۸۲ - ۶۱۳ھ) کے حکم پر حکمت سے شغف رکھنے کے جرم میں قتل کر دیے گئے۔

شیخ کی مشہور کتاب "حکمت الاشراق" ہے۔ یہ کتاب تصوف عرفان اور اشراق (NEOPLATONISM) کے رنگ میں فلسفیانہ مسائل کی شرح ہے۔

وہ فلسفی اور صوفی کی حیثیت سے اصفہان اور بغداد میں مشہور ہوئے۔ ان کے عقائد راسخ العقیدہ علماے اسلام کے عقائد سے متضاد تھے۔ وہ یونانی اور نوافلاطونی نظریات سے متاثر تھے۔

ماخذ:
ڈاکٹر رضا زادہ شفق ۔ تاریخ ادبیات ایران۔ ص ۳۱۴

شادی لال (سر) (۱۸۷۴ء۔۱۹۴۵ء)

سر شادی لال کی پیدائش ۲ مئی ۱۸۷۴ء کو ریواڑی (ہریانہ) میں ہوئی۔ ۱۸۹۰ء میں پنجاب سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اور ۱۸۹۶ء میں ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ آکسفورڈ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے پنجاب گورنمنٹ نے اسکالرشپ عطا کیا، جہاں انھوں نے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۹۹ء میں آپ ایک عالم سنسکرت بنے اور ۱۸۹۹ء ہی میں کونسل آف لیگل ایجوکیشن کے اعزازی ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں بیرسٹری پاس کر کے لندن میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۱۳ء میں پنجاب ہائی کورٹ کے جج کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں اس عہدے سے ریٹائر ہوئے اور پھر ۱۹۳۸ء تک پریوی کونسل کے ممبر رہے لیکن انگلستان کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو لوٹ آئے اور دہلی میں توطّن اختیار کیا اور یہیں ۱۹۴۵ء میں انتقال کیا۔

۱۹۲۵ء میں جب ایک مسلمان جج کے تقرر کا مسئلہ درپیش ہوا اور پنجاب کی اسلامی انجمنوں، وکیلوں، اخباروں اور عام تعلیم یافتہ طبقہ نے مطالبہ کیا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لا کو ان کی قابلیت اور خدمات کے پیش نظر عدالتِ عالیہ کا جج بنایا جائے تو سر شادی لال نے اس مطالبے کی پوری شدّت سے مزاحمت کی اور ان کی تقرری کی فائل پر لکھدیا "ہم اقبال کو شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں، قانون داں کی حیثیت سے نہیں۔"[1] ان کے اس ریمارک کے نتیجے میں اقبال جج نہیں ہو سکے۔

ماخذ: (۱) عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ۔ ص ۲۹۶

شریف حسین والیِ حجاز (۱۸۵۴ - ۱۹۳۱ء)

شریف حسین سادات کے ایک مقتدر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ۱۸۵۴ء میں استنبول میں پیدا ہوا۔ ۱۳۳۶ھ میں والیِ مکّہ مقرر ہوا۔ ترکوں کے خلاف بغاوت کو اس نے فرو کیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران شریف حسین نے حجاز کی آزادی کا خواب دیکھا۔ برطانیہ کے ساتھ اس نے یہ معاہدہ کیا کہ وہ ترکوں کے خلاف اتحادیوں کا ساتھ دے گا تو اس کو حجاز کا حکمراں تسلیم کر لیا جائے گا۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں اس نے حجاز کی ترکی سے علیحدگی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۱۸ء میں خلافتِ عثمانیہ حجاز سے بے دخل ہو گئی اور شریف حسین کو برطانیہ نے حجاز کا حکمراں تسلیم کر لیا۔

جنگ کے بعد اتحادیوں نے عربوں سے آنکھیں پھیر لیں۔ شریف حسین کے لڑکے امیر فیصل کو فرانسیسیوں نے دمشق سے باہر نکال دیا۔ انگریزوں نے عراق اور فلسطین پر قبضہ کر لیا اور فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں نے شریف حسین کے بیٹے امیر عبداللہ کو بہلا پھسلا کر اردن کا حکمراں بنا دیا۔

شریف حسین جاہ پسند اور طالبِ اقتدار تھا۔ اس کی جاہ طلبی کی وجہ سے مملکتِ عربیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اسرائیل وجود میں آیا۔

سلطان عبدالعزیز بن سعود والیِ نجد اور شریف حسین کے درمیان سیاسی چپقلش عرصہ سے جاری تھی۔ جب شریف حسین نے اہلِ نجد کو حج سے روک دیا تو سلطان عبدالعزیز نے مکّہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اشرافِ مکّہ نے شریف حسین کو تاج و تخت سے دستبردار ہونے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ یہ اپنے بڑے لڑکے کے حق میں دستبردار ہو کر جدہ چلا گیا۔ وہاں انگریزوں سے مداخلت کی درخواست کی۔ لیکن انھوں نے غیر جانبداری کا عذر پیش کیا۔ وہاں سے بصد حسرت و یاس پہلے عمان اور بعد میں انگریزوں کی ہدایت پر جولائی ۱۹۲۵ء کو قبرص منتقل ہو گیا۔ یہیں ۱۹۳۱ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ ——— ماخذ: دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۱۹، ۲۱۔

شمس الدین (حاجی) میر (۱۸۶۲-۱۹۳۳ء)

۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد جمال میر کشمیر سے آ کر لاہور میں آباد ہوئے تھے۔ ۱۸۸۴ء میں انھوں نے شہر کے دوسرے ہمدرد بزرگوں کے ساتھ مل کر "انجمن حمایت اسلام" کی بنیاد ڈالی۔ اس کے سالانہ اجلاس میں ہی علامہ اقبال کی شاعری کو شہرت حاصل ہوئی۔ حاجی شمس الدین ۴۰ سال تک بڑے خلوص اور تندہی کے ساتھ انجمن مذکورہ کی خدمت کرتے رہے اور وہ اس کے تاحیات صدر رہے۔ اُن کی اَن تھک اور پُر خلوص کوشش اور کاوش سے انجمن نے بڑی ترقی کی۔

یہ لاہور کے نہایت مقدس محترم بزرگ اور مسلمانوں کے دلی خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ مسلمانوں کی تعلیمی، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی فلاح و بہبود کی ترقی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

۱۵ر فروری ۱۹۳۳ء کو ان کا انتقال ہوا۔ (تاریخ اقوام کشمیر۔ ص ۴۶۷)۔

ماخذ:
نقوش "لاہور نمبر" ص ۹۳۳-۹۳۴۔

شمیم (پنڈت) شیونرائن (ولادت: ۱۸۵۹ء)

لاہور کے مشہور وکیل، بہت سی کتابوں کے مصنّف، بڑے ادیب اور اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ ان کی نظمیں اکثر اس زمانے کے رسائل میں بڑے طمطراق سے چھپا کرتی تھیں ۱۸۵۹ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۱ء میں لاہور ہی میں وکالت کی سند حاصل کی۔ اور پنجاب کے بڑے قابل وکیلوں میں سے ہوئے۔ حکومت نے رائے بہادر کا خطاب دیا۔ ۱۹۰۵ء تک جالندھر میں وکالت کرتے رہے۔ پھر لاہور چلے آئے۔ وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے بھی بڑا شوق رکھتے تھے۔ تاریخ سے بھی ان کو بڑی دلچسپی تھی۔ اسی ذوق اور شوق کے باعث یہ پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ انھوں نے ہندو مذہب کو چھوڑ کر بدھ مت اختیار کر لیا اور پنجاب میں اس مذہب کے زبردست مبلغ رہے۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں یہ حیات تھے۔ اس کے بعد کسی تاریخ میں وفات پائی۔

ان کی تصنیفات میں سے بعض یہ ہیں:
"کشمیری پنڈت" (کشمیری پنڈتوں کی سوشل اصلاح کے متعلق) "تحفہ شمیم" (اصلاحی حکایات کا مجموعہ)۔ "بدھ مت" (بدھ کے حالات اور تعلیمات) وغیرہ۔ ۱۹۰۱ء میں انھوں نے "شمیم ہند" کے نام سے ایک اخبار جالندھر سے جاری کیا تھا جو ڈیڑھ سال بعد بند ہو گیا۔ یہ ہندو مسلمان کے جھگڑوں سے نہایت نفرت کا اظہار کرتے تھے اور دونوں کو ہمیشہ اتفاق اور اتحاد کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔

ماخذ:
نقوش "لاہور نمبر"۔ ص ۹۳۴

شوق محمد عبد العلی سندیلوی (۱۸۹۴-۱۹۵۷ء)

محمد عبد العلی، سندیلہ کے شرفا میں سے تھے۔ شوقؔ تخلص تھا۔ تعلیم انٹرنس تک پائی۔ یہ پہلے سندیلہ کے بنک گھر میں، پھر میونسپل کمیٹی میں ملازم رہے۔ وہاں سے مستعفی ہو کر ایک مدرسے میں معلّمِ اعلیٰ ہوئے۔

شوق سندیلوی نے ادب کی خدمت کرنے اور فنِ غزل گوئی کو ترقی یافتہ صورت میں دیکھنے کا ایک عجیب منصوبہ تیار کیا کہ اپنے عصر کے تمام صاحبِ کمال شعرائے اُردو کی شاگردی اختیار کر کے سب سے اصلاح لی جائے۔ چنانچہ انھوں نے مختلف اوقات میں اپنی پسندیدہ سولہ غزلیں اس زمانے کے پینتیس نامور اور مستند شعرا کی خدمت میں بغرضِ اصلاح بھیجیں۔ کچھ عرصہ تو یہ کاروبار چلتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ اس ہرجائی پن کا راز فاش ہو گیا اور بعض اساتذہ نے اصلاح سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس طرح یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر شوق سندیلوی نے غضب یہ کیا کہ نہ صرف ان سب اصلاحوں کو ۱۹۲۶ء میں یکجا کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کر دیا بلکہ اس سلسلے میں حضرات اساتذہ کے جو نجی خطوط آئے تھے وہ بھی شائع کر دیے۔ کتاب چھپنے کے بعد عرصے تک ان اصلاحوں پر نقد و نظر ہوتا رہا اور بعض خطوط کا مذاق اڑایا جاتا رہا کیونکہ ان میں طرح طرح کی فرمائشیں اور مطالبات تھے۔

اس کتاب کا نام "اصلاحِ سخن" ہے۔ شروع میں نیاز فتحپوری کی تقریظ "مولوی عبد الحلیم شرر کا" دیباچہ" سلطان حیدر جوش کا "مقدمہ" اور شوق کی اپنی "التماس" شامل ہے۔ پھر سولہ غزلیں اور ان پر اساتذہ کی اصلاحیں ہیں۔ مشاہیر شعرا میں احسن مارہروی، آرزو لکھنوی، علامہ اقبال، حضرت اکبر الٰہ آبادی، بیخود دہلوی، سائل دہلوی، ثاقب لکھنوی، جلیل مانک پوری، ریاض خیر آبادی، شاد عظیم آبادی، صفی لکھنوی، عزیز لکھنوی،

فانی بدایونی، مضطر خیرآبادی، نظم طباطبائی، وحشت کلکتوی اور دیگر کئی اہم نام نظر آتے ہیں۔ ہر شعر کی اصلاح متعدد ناقدانِ سخن کے قلم سے پہلو بہ پہلو اور جداگانہ دکھائی دیتی ہے۔ اور مصلحینِ سخن کے متعلق ایک لطیف موازنہ و مقابلہ بھی پیش کرتی ہے۔ اس موازنے اور مقابلے سے اگر کوئی دامن کشاں نکل گیا ہے، تو وہ حضرت اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال ہیں، جو کسی کو شاگرد بنانے کے روادار ہی نہ تھے۔ پھر بھی چلتے چلتے انھوں نے کوئی نہ کوئی مفید مشورہ دے دیا ہے۔ اصلاح کا یہ سلسلہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۲ء تک جاری رہا۔

جب شوق نے دیکھا کہ اقبال شاید ان کی اردو غزلوں پر اصلاح دینے سے پہلوتہی کرتے ہیں تو آخری حربے کے طور پر ایک اور ترکیب لڑائی اور فارسی کی ایک نعتیہ غزل اصلاح کے لیے ان کی خدمت میں روانہ کی۔ تیر نشانے پر بیٹھا، اقبال نے توجّہ سے غزل دیکھی۔ اگرچہ یہ ان کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی، پھر بھی انھوں نے مروّت سے دو مصرعوں میں ذرا سی تبدیلی کی۔ ایک شعر کو قلم زد کرنے کا مشورہ دیا اور غزل واپس کرتے ہوئے نہایت صاف بیانی سے لکھا:

"حسن اعتقاد کی داد دیتا ہوں، زبان غزل میں فارسیت کی شان نہیں ہے۔

همه غیر محدود در ملک باطن
بظاهر به قیدِ تعیّن اسیرے[1]

خوب شعر ہے۔"

اس کے بعد یہ سلسلہ بالکل بند ہو گیا۔

ماخذ:

محمد عبداللہ قریشی: معاصرین اقبال کی نظر میں۔ ص ۶۶۱ ۔ ۶۶۹

---

[1] (ترجمہ) باطن کی دنیا میں سب غیر محدود ہیں اور عالم ظاہر میں سب تعینات کی قید میں [illegible]

شوکانی قاضی محمد بن علی (بن محمد بن عبداللہ)

(۱۱۷۲ - ۱۲۵۰ھ)

قاضی محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی کا شمار یمن کے بڑے علماء اور ممتاز فقہاء مجتہدین میں ہوتا ہے۔ شوکان میں پیدا ہوئے۔ صنعا (یمن) میں پرورش پائی اور اپنے والد اور دیگر علماء و فقہاء اور محدثین سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۲۹ ہجری میں صنعا کے قاضی ہوئے اسی منصب پر رہتے ہوئے ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

شوکانی نے تقریباً ۱۱۴ کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے درج ذیل بہت مشہور ہیں:
(۱) انتخاب الاکابر باسناد الدفاتر، (۲) ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول (فقہ)، (۳) التحف فی مذاہب السلف، (۴) التعقیبات علی الموضوعات، (۵) الدار النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید، (۶) نیل الاوطار من اسرار منتقی الاخبار (آٹھ جلدوں میں)، (۷) الدرر البہیۃ فی المسائل الفقہیہ (صدیق حسین خاں نے "الروض الندیۃ" کے نام سے اس کتاب کی شرح بھی لکھی ہے)۔ (۸) الفوائد المجموعۃ فی بیان الاحادیث الموضوعۃ، (۹) النکت البدیعات علی الموضوعات، (۱۰) البدر الطالع بمحاسن من بعد القرآن السابع (دو جلدیں)، (۱۱) فتح القدیر (تفسیر) (پانچ جلدوں میں)۔

ماخذ:
۱۔ معجم المطبوعات۔ ۱۱۶۰ھ۔ مطبوعہ مصر ۱۹۲۸ء
۲۔ الاعلام۔ جلد ۶۔ ص ۲۹۸

شوکت حسین (۱۸۹۹ - ۱۹۴۹ء)

سید شوکت حسین ۲ مارچ ۱۸۹۹ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۹ء کے بعد پھر علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں ان کا شعری ذوق بیدار ہوا۔ اور مولانا محمد علی جوہر کی صحبتیں بھی میسر آئیں۔ جن کی سب سے پہلی سوانح عمری انھوں نے ۱۹۲۶ء میں لکھی۔

علی گڑھ سے واپس آنے کے بعد شوکت حسین نے روزنامہ "سیاست" (لاہور) میں نائب مدیر کی حیثیت سے کام شروع کیا اور تحریکِ خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ مگر جب یہ جوش سرد پڑ گیا تو صحافتی زندگی ترک کر دی اور گورنمنٹ ہائی اسکول کمالیہ میں بطور مدرس ملازمت کر لی۔ یہیں ان کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا ہوا اور یہ چشتی سلسلے کے ایک بزرگ خواجہ حبیب اللہ سے بیعت کر کے صاحبِ حال ہو گئے۔

اس کے بعد ان کی بقیہ زندگی ریاضت و مجاہدات اور ارشاد و ہدایت میں گزری۔ وہ اقبال کے بیحد عقیدت مند تھے ان کا خیال تھا کہ اقبال "فقیر صاحبِ افضال" ہیں۔ کوئی ان کے کلام پر غلط تنقید کرتا تو انھیں سخت ناگوار گزرتی تھی۔ لکھنؤ کے ہفتہ وار مزاحیہ اخبار "اودھ پنچ" میں اقبال کے کلام کا اکثر مذاق اُڑایا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۷ء سے چل رہا تھا (ملاحظہ ہو اقبال کا خط بنام محمد دین فوق، محرّرہ ۶ مارچ ۱۹۱۷ء مشمولہ کلیات مکاتیب اقبال حصّہ اوّل)۔ شوکت حسین نے "اودھ پنچ" کا تراشہ علامہ کی خدمت میں بھیج کر ان کی رائے دریافت کی تاکہ ان کے ارشادات کی روشنی میں "اودھ پنچ" کے اعتراضات کا جواب دیا جا سکے۔ علامہ نے اس کے جواب میں ان کو ۳ جنوری ۱۹۱۹ء کو وہ خط لکھا، جو اس جلد میں شامل ہے۔

ماخذ:

محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں۔ ص ۳۷۲ - ۳۸۹

صدرا (مُلّا) (۹۷۹/۹۸۰ھ ـ ۱۰۵۰/۱۶۴۶ء)

ملّا صدرالدین محمد بن ابراہیم شیرازی معروف بہ ملا صدرا ایران کے آخری دور کے سب سے مشہور فلسفی ہیں۔ وہ ۹۷۹/۹۸۰ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اصفہان گئے ا[illegible]یر باقر داماد سے حکمت و فلسفہ کا درس لیا اور شرعی علوم شیخ بہاء الدین آملی سے حاصل کیے۔ ساتھ ہی ریاضی میں بھی مہارت پیدا کی۔ ایک عرصہ تک قم میں علوم کی تحصیلات اور ریاضتوں میں مشغول رہے۔ شاہ عباس کے حکم سے شیراز واپس آگئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ سات بار حج بیت اللہ کیا۔ آخری بار پیادہ سفر کے موقع پر ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۶ء میں بصرہ میں وفات پائی۔

ملا صدرا کی تمام تصانیف ان کی زندگی کے تیسرے مرحلے میں لکھی گئیں، جب وہ شیراز میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ دور اول میں استدلالی علوم اور دور ثانی میں تزکیۂ نفس اور ریاضت کی بدولت حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اثبات حقیقت کے لیے استدلال کے ساتھ اشراق کی بھی آمیزش ہو۔ ان کی تمام کتابیں اس نظریہ کی توضیح کرتی ہیں۔ ملّا صدرا کی حکمت کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے فلسفہ اور مذہب کی باہمی تطبیق کی کوشش کی۔

وہ کثیر التصانیف تھے۔ انھوں نے کوئی بیس کتابیں تصنیف کیں، جن میں علوم عقلیہ میں ان کی کتاب "الاسفار الاربعہ" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ حکمت اسلامی کی وقیع ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مناظر احسن گیلانی نے کیا جو جامعہ عثمانیہ سے شائع ہوا۔ اس کتاب کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ باقی مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:

الشواہد الربوبیہ، کتاب المبدا والمعاد، شرح الہدایۃ الاثیر، حاشیہ بر الٰہیات شفا از

بوعلی سینا، تعلیقہ بر حکمت الاشراق (سہروردی)، شرح اصول کافی (شیخ کلینی کی کتاب کے ایک حصہ پر)، شرح اشارات از نصیر الدین طوسی، شرح منظومہ از ملا ہادی سبزواری۔

ملا صدرا کی تمام کتابیں عربی میں ہیں سوائے ایک رسالہ "سہ اصل"، اشعار اور چند خطوط کے جو فارسی میں ہیں۔ برٹش میوزیم لندن میں ایک رسالہ "طعن بر مجتہدین" بھی موجود ہے۔

ملا صدرا کے فلسفیانہ افکار عمیق اور دقیق ہیں اور ایک مقام اور مشرب کے حامل ہیں۔ انھوں نے اپنے پیشرو فلاسفہ اور حکماء کی کتب سامنے رکھیں مگر ان کے افکار و نتائج مجتہدانہ ہیں۔ انھوں نے اسلامی حکمت میں اپنا ایک الگ دبستان قائم کیا جو آج تک باقی ہے۔ ان کا اثر تین صدیوں تک برابر قائم رہا۔ بعض مشہور حکماء جیسے ملا ہادی سبزواری نے ملا صدرا کے خیالات کی اشاعت اور وضاحت کی۔ آج تک ایرانی فلسفہ داں ملا صدرا کے فلسفہ کی تفہیم و تشریح میں کوشاں ہیں۔

مآخذ:۔

(۱) فرہنگ معین۔ جلد پنجم۔ ص ۵۱۸-۵۱۹

(۲) دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص ۷۹ - ۸۳

(۳) ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران ص ۵۷-۵۸

(۴) دکتر زہرا خانلری۔ فرہنگ ادبیات فارسی دری ص ۳۱۶

صغرا ہمایوں مرزا (ولادت ۱۸۸۲ء)

بیگم صغرا ہمایوں مرزا ۱۸۸۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ تعلیم کا بڑا شوق تھا چنانچہ اپنے زمانے کی مشہور اور بیشتر مستورات سے زیادہ تعلیم یافتہ تھیں۔ ۱۹۰۱ء میں سید ہمایوں مرزا سے شادی ہوئی جو بیرسٹر تھے اور شاعر بھی تھے۔

صغرا ہمایوں مرزا ادیب تھیں، ۱۹۳۰ء سے رسائل و اخبارات میں مضامین لکھنا شروع کیے بعدازاں ایک ماہانہ رسالہ النسواں "مشیر نسواں" کی مدیرہ ہو گئیں اور ایک اور رسالہ "زیب النسا" کی بھی ادارت کی۔

یہ بڑی روشن خیال خاتون تھیں۔ ان کے زمانہ میں خواتین میں سخت پردہ کا رواج تھا۔ صغرا ہمایوں مرزا نے مستورات سے پردہ ترک کرنے کی پُرزور اپیل کی۔ یہ حیدرآباد کی پہلی اور شاید ہندستان کی پہلی مسلم خاتون تھیں جو پردہ سے باہر آئیں اور رسم پردہ کی مخالفت کی۔ انھوں نے عورتوں کی آزادی کے لیے بھی کام کرنا شروع کیا اگرچہ ان کو کٹر دیندار طبقہ کے افراد کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب ان کا خواب کچھ شرمندۂ تعبیر تو ہوا ہے کہ بعض مسلمان عورتوں نے پردہ چھوڑ دیا۔ وہ بڑی فیاض اور درد مند دل رکھنے والی خاتون تھیں اور انسان دوستی اور خدمت خلق کے کاموں میں مشغول رہتی تھیں۔ ۱۹۳۸ء میں انھوں نے اس بستی میں جس کا نام اپنے مرحوم شوہر کی یاد میں ہمایوں نگر رکھا تھا صفدریہ گرلز اسکول قائم کیا۔ خود اپنی ایک عالیشان عمارت اس اسکول کے لیے عطیہ کے طور پر دی جس میں وسیع اور کھلی زمین تھی۔ یہ اب ہائی اسکول ہے۔ ۱۹۸۸ء میں اس کی گولڈن جوبلی منائی گئی اور اس موقع پر نئی عمارت کا افتتاح ہوا۔ جولائی ۱۹۸۸ء میں صغرا ہمایوں ووکیشنل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا۔ اب اس میں تقریباً ہزار طالبات کو بلا تفریق مذہب و ملت نہ صرف تعلیم دی جاتی ہے بلکہ اسکول کا لباس اور کتابیں بھی فراہم کی جاتی ہیں انھوں نے ہمایوں نگر میں اپنی اراضیات غریبوں میں تقسیم کردی تھی۔ انھوں نے صغرا ہمایوں

مرزا وقف بھی قائم کیا جو وقف ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے۔ انھوں نے عابد روڈ پر اپنی ساری جائداد مشمولہ تین عمارات وقف کر دی اور اس سے غریب اور مستحق بچوں کو وظائف دیے جاتے ہیں اور رفاہِ عام کے اداروں کو امداد دی جاتی ہے۔

۱۹۱۷ء میں انھوں نے انجمن خواتین دکن قائم کی جو بیواؤں کو وظیفے اور نادار بچوں کی شادی کے لیے مالی امداد دیتی ہے۔ ان کی تمام کارگزاری پسماندہ طبقے کی بہبودی کے لیے تھی۔ انھوں نے بچپن کی شادی، جہیز کے دستور اور کثرت ازدواج جیسی فرسودہ رسموں کے خلاف جدوجہد کی۔ ان کی زندگی کا مسلک خود ان کا شعر تھا ؎

مطلب نہ زندگی سے نہ آرام سے غرض
مجھ کو فقط ہے فائدۂ عام سے غرض

وہ ایک ممتاز شاعرہ بھی تھیں اور ان کا تخلص صبا تھا۔ یہ متعدد کتابوں کی مصنف بھی تھیں اور عمدہ مقرر تھیں۔ ان کی تصنیفات اور تقاریر کے موضوعات ہندو مسلم اتحاد، ہندستانی عورتوں کی آزادی، پردہ کی لعنت، سودیشی اشیاء کے استعمال کی تحریک، گئوکشی کی مخالفت، قومی یونیورسٹیوں کی اور ان میں ہندستانی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم اختیار کرنے کی ضرورت تھے۔ وہ گاندھی جی سے بھی اس وقت ملیں جب وہ برت رکھے ہوئے تھے۔ گاندھی جی نے ان کی آٹوگراف کتاب میں لکھا "اللہ تیرا بھلا کرے" جب ۱۹۳۳ء میں رابندر ناتھ ٹیگور حیدرآباد آئے تو بیگم صغرا ہمایوں مرزا نے ان کو ہمایوں نگر آنے کی دعوت دی جہاں انھوں نے ان کے زنانہ ادارے کی خواتین کو خطاب کیا۔

ماخذ:-

(بصد شکریہ) جناب میر عابد علی خاں صاحب
مدیر اعلیٰ روزنامہ سیاست، حیدرآباد، دکن

ضیا، گوک آلپ (۱۸۷۵ - ۱۹۲۴ء)

ضیا گوک آلپ جدید ترکی کا مشہور مفکر، عالم اور شاعر ہونے کے علاوہ ترکوں کا ممتاز سیاسی رہنما اور قومی مصلح بھی تھا۔ اس کا اصل نام محمد ضیا تھا اور گوک آلپ جس کے معنی "آسمانی ہیرو" کے ہیں تصنیفی نام اور تخلص تھا۔ وہ ۱۸۷۵ء یا مارچ ۱۸۷۶ء کو مشرقی ترکی میں دیار بکر نامی شہر میں پیدا ہوا۔

مقامی اسکول میں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۹۶ء میں دبستان بیطاری میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے استنبول آیا اور جلد ہی ترکی انجمن اتحاد و ترقی سے وابستہ ہو گیا۔ ۱۸۹۷ء میں گرفتار ہوا اور ایک سال قید رہا۔ ۱۹۰۸ء میں انقلاب ترکی کے بعد یہ ممتاز آزاد خیال ادیب بن گیا۔ ۱۹۰۹ء میں انجمن اتحاد و ترقی کی مرکزی کمیٹی کا رکن منتخب ہوا۔

۱۹۱۵ء میں استنبول یونیورسٹی میں عمرانیات کا پروفیسر ہو گیا اور فرانسیسی سوشیالوجسٹ امیل درخیم (EMIL DURKHEIM) کے فلسفہ کا مستند ترجمان ہونے کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی۔

۱۹۱۹ء میں دیگر متعدد سیاسی رہنماؤں اور دانشوروں کے ساتھ برطانوی حکومت کے حکم سے مالٹا میں جلا وطن کر دیا گیا۔ ۱۹۲۱ء میں رہائی کے بعد مصطفیٰ کمال کی قومی تحریک میں شامل ہوا۔ وہ ترکوں کی قومیت و ثقافت کا علمبردار تھا۔ اس نے "اتحاد تورانیان" (ایشیائی ترکی اقوام کا اتحاد) کی جانب بھی اپنی تحریروں میں مختصر التفات کیا تھا۔

۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو استنبول میں وفات پائی جب وہ قومی قانون ساز مجلس عظمیٰ کا رکن تھا۔

ضیا گوک آلپ شاعر تھا لیکن بنیادی طور پر انشا پرداز اور انشائیہ نگار تھا۔ وہ کثیر التصانیف تھا۔ اس کی تمام تصانیف کی فہرست سید سبط حسن نے مرتب کی ہے۔

ضیا گوک آلپ پر عظیم ترکی شاعر کمال محمد نامق کا گہرا اثر تھا۔ ضیا گوک آلپ کا پہلا مجموعہ کلام "کزل الما" کے نام سے ۱۹۱۴ء میں (استنبول) سے شائع ہوا تھا۔ دوسرا مجموعہ "یئی حیات" کے نام سے ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔

اس کی حیات اور کارناموں پر مندرجہ ذیل کتب سے مواد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۱- N.A. AYYUBI: SOME ASPECT OF ISLAMIC TURKISH

۲- S. SHIPE HASAN: LIFE AND WORKS OF ZIYA GOKALP

۳- HEYD, HEYD: FOUNDATIONS OF TURKISH NATIONALISM:

THE LIFE AND TEACHING OF ZIYA GOKALP (1950)

گوک آلپ کی ترکی نظموں کا المانی زبان میں ترجمہ ترکیات کے ماہر جرمن عالم اور پروفیسر ہنس اوگسٹ فیشر (HANS-AUGUST FISHER) نے کیا جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ اغلب ہے کہ اقبال اس ترجمہ کے ذریعہ اس کے افکار و خیالات سے متعارف ہوئے۔ اقبال نے اپنے خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" (شائع شدہ ۱۹۵۸ء) کے چھٹے خطبہ میں ضیا گوک آلپ کی چار نظموں کی تلخیص کی ہے جو پروفیسر فیشر کے المانی زبان کے ترجمے ہی پر مبنی ہے۔ اس خطبہ میں سب سے پہلے اقبال نے گوک آلپ کی ایک نظم کے تین بند کا خلاصہ کیا ہے جس کا ترکی عنوان "اسلام اتحاد" یعنی "اتحاد اسلام" ہے۔ یہ اس کے "یئی حیات" نامی مجموعہ کے طبع اول (۱۹۱۶ء) میں شامل ہے لیکن طبع دوم (۱۹۴۱ء) سے خارج ہے۔

اقبال نے ضیا گوک آلپ کی ایک اور نظم "دین الی علم" جس کے معنی "دین اور علم" [illegible] کا اصل مدعا بھی پیش کیا ہے۔ یہ نظم "یئی حیات" کے مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ضیا گوک آلپ کی ایک نظم بعنوان "عائلہ" یعنی خاندان یا کنبہ ہے۔ یہ بھی اس کے مجموعہ "یئی حیات" میں شامل ہے۔ اس نظم میں ضیا گوک آلپ نے مرد و زن کی مساوات پر زور دیا ہے۔ اقبال نے اپنے چھٹے خطبہ میں جہاں مساوات مرد و زن کا ذکر کیا ہے اس نظم کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے باوجود اقبال اور ضیا گوک آلپ کے خیالات میں مماثلت نہیں پائی جاتی۔ اقبال کا خیال تھا کہ مذہب اسلام ایک پہلو سے کلیسا ہے اور دوسرے سے ریاست، یہ بھی

ضیاگوک آلپ کا کہنا تھا کہ کلیسا اور ریاست دونوں الگ الگ ہیں۔اسی طرح مساوات مرد وزن پر دونوں کے خیالات جُدا ہیں۔

ماخذ:۔

۱۔ پروفیسر اکمل ایوبی۔ترکی کے عظیم مفکر ضیا گوک آلپ، مجلہ "علوم اسلامیہ" جلد ۱۳، شمارہ ۲، علی گڑھ ص ۲۳-۳۵

۲۔ McGRAWHILL: ENCYCLOPAEDIA OF WORLD BIOGRAPHY (ARTICLE ON GOKALP BY C.E. BOSWORTH)

۳۔ TURKISH NATIONALISM AND WESTERN CIVILIZATION; SELECTED ESSAYS OF ZIYA GOKALP

۴۔ ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM, NEW EDITION, VOL.2 LEIDEN, BRILL, 1965 PP.1117-1118

طرفہ بن عبد البکری (چھٹی صدی عیسوی)

طرفہ بن عبد البکری کا شمار دورِ جاہلیت کے شعرا میں ہوتا ہے ۔ وہ ان قدیم ترین شعرا میں سے ہے جن کا کلام محفوظ ہے ۔ وہ قبائل کی شاخ بکر سے تھا ۔ عبد غالباً کسی ایسے نام کا اسلامی مخفف ہے جو کسی دیوتا کی طرف منسوب ہے ۔ مثلاً عبد مناۃ ۔ عرب مصنفین نے اس کے جو حالات لکھے ہیں وہ بے حد غیر تسلی بخش ہیں اور ان میں عام طور پر اس کے اشعار ہی سے سوانحی نتائج نکالنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

طرفہ چھوٹی عمر ہی سے غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا اور اس کی ایک نظم کا حوالہ دے کر یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد اس وقت نظم لکھی جب یہ محض کم عمر لڑکا تھا ۔

شاہانِ الحیرہ کا عمرو بن ہند جب اپنے باپ کا جانشین ہوا (۵۵۴ء ۔ ۵۶۸ء) تو اس نے اپنے بھائیوں کو بعض علاقوں کی حکمرانی دے دی لیکن اپنے سوتیلے بھائی عمرو بن امامہ کی تحقیر کی تو وہ طرفہ کو ساتھ لے کر امداد حاصل کرنے کے لیے یمن چلا گیا ، جہاں وہ چند سال رہا ۔ اور پھر یمامہ کی فتح پر گیا جس میں طرفہ اس کے ساتھ تھا ۔

طرفہ کچھ اونٹ جو اس کی ملکیت تھے یا جو اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملے تھے اس علاقے میں چھوڑ گیا تھا جہاں بادشاہ کے بھائی قابوس کی حکومت تھی ۔ اس نے ایک نظم میں ان ضبط شدہ اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ۔ جب اس نظم سے خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو اس نے بادشاہ کی سخت ہجو لکھی ۔

یہ روایت مشتبہ ہے کہ طرفہ عین عنفوانِ شباب میں فوت ہو گیا ۔ وہ عمرو کے تخت نشین ہونے سے پہلے غالباً اپنے قبیلے کے ایک ممتاز فرد کی حیثیت سے الحیرہ آیا تھا اور کئی سال تک

جنوبی عرب میں مقیم رہا۔ اپنے عقائد میں وہ قدری (یعنی تقدیر کا قائل) معلوم ہوتا ہے۔

طرفہ اپنے طویل قصیدہ کی وجہ سے جو "معلقات سبع" میں شامل ہے مشہور ہے۔ شعرائے جاہلی کے ناقدوں میں کچھ اسے سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں۔ بہرکیف اس کی استادانہ عظمت کو سب نے تسلیم کیا ہے۔

اُس کے کلام کا بڑا حصہ باقی ہے جس پر نحویوں نے شرحیں لکھی ہیں۔ اور ایک حد تک انہیں صحت کے ساتھ محفوظ بھی کر لیا ہے۔

مشہور مستشرق ایف کرینکو (F. KRENKOW) نے لکھا ہے کہ اس کے مرتب کردہ اشاریہ کے مطابق "لسان العرب" میں ان کا حوالہ ۲۶۴ مرتبہ دیا گیا ہے۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف الاسلامیہ - جلد ۱۲ - ص ۴۵۲ تا ۴۵۶

(۴۴ ۱۹۴۴ء وفات کے بعد) اور (۴۸) مقالات (۱۹۴۷ء)

انقرہ میں قیام کے زمانے میں اسے علامہ اقبال کا کوئی کتابچہ ہاتھ آیا اور وہ علامہ کے نام اور کلام سے متعارف ہوا۔ قیام مصر کے دوران اسے "پیام مشرق" پڑھنے کا موقع ملا۔ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس (لندن) سے واپسی پر اقبال ۵ روز قاہرہ میں ٹھہرے۔ محمد عاکف کا قیام بھی ان دنوں قاہرہ ہی میں تھا۔ مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ اقبال اور عاکف کی شاعری میں فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

۱۔ محمد عاکف۔ علی نہاد تارلان (اردو ترجمہ) لاہور ۱۹۷۰ء

۲۔ اقبال اور عاکف۔ ثروت صولت "فکر و نظر" اسلام آباد، اگست ۱۹۷۵ء

ماخذ

نوٹ از سفارت خانہ ہند، انقرہ

(مفتی) عالم جان بارودی (۱۸۵۶ - ۱۹۲۲ء)

۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ بخارا میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد قازان واپس آکر وہاں انھوں نے جدید طرز پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ نے بہت جلد ترقی کی یہاں تک کہ ۱۸۸۰ء میں وہ قازان کی اسلامی یونیورسٹی کے درجہ کو پہنچ گیا۔ اس درس گاہ نے روسی مسلمانوں کے انقلاب و ترقی پر نمایاں اثر ڈالا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس مذہبی یونیورسٹی کے ساتھ ایک سائنس کالج کا اضافہ کیا گیا۔ جس میں انھوں نے تمام ان جدید تعلیم یافتہ روسی مسلمانوں کو دعوت دی جنھوں نے ماسکو، سینٹ پیٹرسبرگ اور یورپ کی دوسری یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس جواں مردانہ اور فیاضانہ طرزِ عمل نے بخارا کی قدیم درس گاہ مدرسہ کلیہ عالیہ کے طرفداروں میں ایک ہیجان و اضطراب برپا کر دیا۔ لیکن مفتی عالم جان کے خلوص اور حسن نیت نے بہت جلد ان مشکلات کا خاتمہ کر دیا۔ روس، آذر بائیجان، ترکستان، قازان کے دولت مند سوداگروں نے ان کی خاطر خواہ مالی اعانت کی۔ الغرض مفتی کی کوششوں اور روسی مسلمانوں کی مالی اعانتوں نے قازان کو مدارس، زنانہ مکاتب، مطالعہ اور دیگر علمی و عملی ترقیوں کا مرکز بنا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک یورپین مدبّر نے یہ شہادت دی کہ پادری پرست روسی عیسائیوں سے روسی مسلمان زیادہ بہتر یورپین ہیں۔

مفتی صاحب کی سرکردگی میں قازان کے مسلمانوں کے اس علمی و عملی جدّ و جہد اور سرگرمی نے زار کی حکومت کو چونکا دیا اور اس نے بغیر کسی ضابطہ اور قانون کے مفتی صاحب کو قید کر کے شمالی روس کے ایک شہر میں بھیج دیا۔ حکومت کی اس ظالمانہ کارروائی نے روس کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر پیدا کر دی۔ حکومت روس نے اس کی سخت اور غیر معمولی احتیاط کی کہ اس واقعہ کی خبر دوسرے اسلامی ملکوں میں نہ پہنچے۔ مفتی صاحب کی قید کی خبر جب سلطان عبد الحمید خاں کو پہنچی تو اُنھوں نے اس بارے میں فوری کارروائیاں کیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ زار نے اُنھیں ترکی میں منتقل کر دیا۔

جہاں وہ ۱۹۱۱ء تک مقیم رہے اور یہیں سے انھوں نے روسی مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی تحریکیں جاری کیں اور ان کے اختلافات باہمی کو دور کیا تاکہ دوما (روسی پارلیمنٹ) میں روسی مسلمانوں کے حقوق کی متفقہ کوشش سے حفاظت ہو سکے۔

۱۹۱۱ء کے بعد جب وہ روس لوٹ کر آئے تو تعلیمی تحریکوں کو چھوڑ کر انھوں نے سیاسی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا اور ایک ڈیموکریٹک پارٹی قائم کی اور اس کی ترقی و اشاعت میں بڑی کوششیں کیں اور اس کا اثر یہ ہوا کہ تاتاری مسلمانوں میں جمہوری خیالات نے مقبولیت حاصل کی اور ایک آل رشیا مسلم ڈیموکریٹک پارٹی قائم ہو گئی۔ ۱۹۱۷ء میں جب روس میں انقلاب ہوا اور بالشویزم کا ظہور ہوا تو مفتی صاحب بھی روسی مسلمانوں کو لے کر آگے بڑھے اور اس انقلاب کا خیر مقدم کیا۔ مسلمانوں نے انھیں روسی حکومت میں مفتی اعظم کے عہدہ کے لیے منتخب کیا اور حکومت نے اسے قبول کیا اور اس کے بعد اسلامی روسی مجلس کے وہ صدر قرار پائے۔ بالآخر ان کے روز افزوں اثر کو دیکھ کر بالشویکوں نے ان کو قید کر دیا اور تھوڑے دنوں بعد ہی آزاد کر دیا۔ وہ ماسکو جا رہے تھے کہ مسلمانوں کی امداد و اعانت کی تدبیریں اختیار کریں مگر حقیقت میں وہ سفر آخرت کا پیش خیمہ تھا۔ چنانچہ اس سفر میں ماسکو میں انھوں نے ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔

ماخذ

سید سلیمان ندوی، مقالات [illegible] مضمون روس، معارف نمبر [illegible]

جلد نمبر [illegible]

(مولانا) عبدالباری فرنگی محلی (۱۸۷۸ء — ۱۹۲۶ء)

مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محل کے علما کے ایک خانوادہ میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا عبدالوہاب جید عالم تھے اور مولانا حسرت موہانی ان کے مرید تھے۔ مولانا عبدالباری نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ بعدازاں فرنگی محل کے مشہور اساتذہ کی زیر ہدایت تعلیم مکمل کی اور وہیں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

۱۹۱۲ء میں میدان سیاست میں آئے جب جنگ بلقان شروع ہوئی۔ کانپور کی مسجد کے حادثہ کے بعد ان کی شہرت بحیثیت ایک مذہبی اور سیاسی رہنما ملک میں پھیل گئی۔

جنگ بلقان کے سلسلہ میں مولانا باری کا موقف یہ تھا کہ تمام مسلم علما حرمین شریفین کے تحفظ کی بھرپور کوشش کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مسلمان رہنماؤں کا ایک عظیم اجتماع دسمبر ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ میں ہوا۔ جس میں مولانا نے شرکت کی۔

مولانا باری نے علی برادران اور شیخ مشیر حسین [illegible] کے بعد "انجمن خدام کعبہ" قائم کی تو وہ اس کے صدر اور شیخ مشیر حسین [illegible] اس کے معتمد تھے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن [illegible] کو انگریزوں کے خلاف ابھارنا تھا۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم کے دوران جب علی برادران [illegible] اور شیخ مشیر حسین قدوائی ۱۹۱۶ء میں یورپ چلے گئے تو اس انجمن کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اس دوران گاندھی جی ۱۹۱۴ء میں ہندوستان آئے۔ شیخ مشیر حسین قدوائی نے مولانا باری کو انگلستان سے لکھا کہ گاندھی جی سے گفتگو کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ وہ خلافت تحریک کے حامی ہیں۔ چنانچہ مولانا باری نے ۱۹۱۸ء میں دہلی میں گاندھی جی سے ملاقات کی۔

۱۹۱۸ء میں ڈاکٹر مختار الدین احمد انصاری آل انڈیا لیگ کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے۔

انھوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے بجائے کسی دوسری تنظیم قائم کرنے کے لیگ کا پلیٹ فارم استعمال کریں۔ اس پر مولانا رضامند ہوگئے۔ چنانچہ ان کی قیادت میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نے لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔

ستمبر ۱۹۱۹ء میں لکھنؤ میں مسلمانوں کا ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں خلافت کمیٹی وجود میں آئی۔ اس میں بھی مولانا عبد الباری کی سعی و کوشش کو دخل تھا۔

مولانا نے مسلمانوں کے مسائل حل کرنے اور انھیں بیدار کرنے کی کوششیں تیز کردیں تاکہ وسیع پیمانے پر عوامی حمایت حاصل کرسکیں۔

۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کا اجلاس فضل الحق کی صدارت میں دہلی میں ہوا۔ اس میں مولانا نے "جمعیۃ العلماء ہند" کے قیام کی تجویز کی۔ چنانچہ یہ جماعت جلد قائم ہوگئی اور مولانا نے اس کے پہلے اجلاس کی صدارت کی۔ مولانا باری نے مہاتما گاندھی کی تحریک کی بھی بھرپور حمایت کی جو انھوں نے پنجاب میں انگریزی ظلم و ستم کے خلاف چلائی تھی۔

۱۹۲۰ء میں جب مسلمانوں کا ایک وفد مولانا محمد علی کی زیر قیادت تحریک خلافت کے سلسلے میں برطانوی حکومت سے گفتگو کرنے لندن گیا تو مولانا باری کو بھی اس وفد میں شامل کیا گیا تھا، مگر انھوں نے سید سلیمان ندوی کو بھیجدیا۔

۱۹۲۱ء میں مدرسہ نظامیہ نے مولانا باری کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمات کے اعتراف میں اعزازی ڈگری عطا کی۔

جنوری ۱۹۲۶ء میں مولانا باری کا مختصر علالت کے بعد، ۴۸ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

ماخذ:

P.N. CHOPRA: ROLE OF INDIAN MUSLIMS IN THE STRUGGLE FOR FREEDOM PP. 91-95

عبدالجمیل بنگلوری محمد (۱۸۹۷ – ۱۹۴۸ء)

محمد عبدالجمیل کی پیدائش ۲۱ رمئی ۱۸۹۷ء کو بنگلور کے ایک معزز اور متموّل گھرانے میں ہوئی۔ ان کے جدّ امجد حضرت محمد معروف بنگلور معسکر کی مشہور و معروف مسجد جامع معروف بہ لال مسجد کے بانی تھے اور انھوں نے اپنے ذاتی خرچ سے ۱۸۴۸ء میں اس کی تعمیر کی تھی۔ والد کی رحلت (۹ر دسمبر ۱۹۲۴ء) کے بعد محمد عبدالجمیل اس کے متولی بنے۔ یہ ایک متحرک و فعّال قومی و ملّی کارکن تھے۔ یہ طالب العلمی کے زمانے سے کانگریس پارٹی سے وابستہ رہے اور میسور ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے ممبر رہے نیز خلافت کمیٹی کے بھی ممتاز و متحرک ممبر رہے۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے مشترکہ تحریک ترک موالات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ مدراس میں منعقدہ (۱۶ اور ۱۷ر اپریل ۱۹۲۰ء) خلافت کانفرنس میں جو مولانا شوکت علی کی صدارت میں ہوئی انہوں نے بنگلور خلافت کمیٹی کے مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔ ۱۹۲۶ء میں جب خلافت کمیٹی کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس سے مل گئی تو ۱۹۲۹ء میں علامہ اقبال کے ایما پر عبدالجمیل نے کانگریس کی رکنیت سے استعفا دے دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ ! ء میں یہ ضلع مسلم لیگ کونسل بنگلور کی مجلس عاملہ کے رکن اور سلطان شہید پرائمری مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ یہ شہر بنگلور کی معروف مسلم لائبریری کی مجلس انتظامیہ کے ممتاز رکن بھی رہے۔ ان کی اور محمد صالح بانی و سکریٹری مسلم لائبریری کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ علامہ اقبال نے اس لائبریری کی دعوت کو قبول فرمایا چنانچہ ۹ر جنوری ۱۹۲۹ء کو علامہ اقبال کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

محمد عبدالجمیل کو زبان و بیان پر کافی دسترس تھی۔ اردو کے علاوہ فارسی اور انگریزی پر بھی ان کو عبور تھا۔ کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ ان کے کتب خانے میں انگریزی، اردو اور فارسی کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان کے کئی مقالے بنگلور و بیرون بنگلور کے موقر اخبارات و رسائل میں شائع

ہو چکے ہیں۔

ان کو علامہ اقبال سے اپنی طالب علمی ہی کے زمانے سے والہانہ عقیدت تھی۔ ۱۹۲۰ء کے دسمبر سے ان کے اور علامہ اقبال کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ماخذ:

ظفر الاسلام ظفر۔ علامہ اقبال کے خطوط بنام متولی محمد عبد الجمیل بنگلوری شائع شدہ۔ "اقبال نمبر"۔ رسالہ شاعر جلد اول ۱۹۸۸ء بمبئی۔ ص ۴۹۸-۴۹۹

(مولانا) عبدالحئی فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء — ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء)

سلطنت اودھ کے زمانے میں لکھنؤ کا ایک محلہ جو کسی فرنگی تاجر کا مسکن تھا، فرنگی محل کہلاتا تھا۔ بعد میں اس فرنگی تاجر کے لاولد ہونے کی وجہ سے یہ قطعہ زمین نزول شاہی میں آگیا۔ مولوی عبدالحئی اسی فرنگی محل کے رہنے والے تھے۔ ۲۶ ذیقعدہ ۱۲۶۴ھ / ۲۴ اکتوبر ۱۸۴۸ء کو مقام باندہ (اترپردیش - بھارت) پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اسی دوران فارسی کی کتابیں بھی پڑھیں جب وہ گیارہ برس کے ہوئے تو انھوں نے اپنے والد مولوی عبدالحلیم سے علوم متداولہ کی تحصیل شروع کی اور سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ ۱۲۷۹ھ - ۱۸۶۲ء میں وہ اپنے والد کے ہمراہ حج و زیارت کے لیے گئے اور پھر تنہا دوبارہ ۱۲۹۶ھ - ۱۸۷۹ء میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔

مولانا فرنگی محلی نے ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ - ستمبر ۱۸۸۶ء کو پچاس سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

وہ بڑے سلیم الطبع، کریم النفس، طلیق اللسان اور فصیح البیان تھے۔ ان کی تعلیم اور درس سے کثیر التعداد لوگوں نے فیض حاصل کیا اور نامور فاضل ان کے حلقے سے اٹھے جن میں مولوی رحمان علی صاحب تذکرۂ علمائے ہند خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نواب صدیق حسن بھوپالی سے جو اہل حدیث تھے اُن کے تحریری مناظرات ہوا کرتے تھے۔ ان کے انتقال پر نواب صاحب کو بہت افسوس ہوا۔ کہا کرتے تھے کہ عبدالحئی فرنگی محلی کے بعد اب کس سے علمی مذاکرات ہو سکتے ہیں!

وہ کثیر التصانیف مصنف تھے۔ انھوں نے زیادہ تر کتب درسیہ کی شروح اور حواشی لکھی ہیں۔ جو اساتذہ اور تلامذہ میں بہت متداول ہیں۔ ان کی الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ (دہلی ۱۲۹۳ ہجری اور قاہرہ چار طباعتیں، فاران ۱۹۰۳ء) جو محمود بن سلیمان الکفادی کی کتاب اعلام الاخیار کا خلاصہ

مع زیادات ہے۔ سیر و رجال پر ایک مفید ماخذ ہے۔ اُن کی دیگر تصانیف صرف و نحو، منطق، حکمت، طب، تراجم، تاریخ، علم کلام اور اُصولِ حدیث میں ہیں۔ اِن میں سے زیادہ تر کتابیں چھپ چکی ہیں۔

فقہ میں اکتالیس کتب ہیں۔ ان کتب کے علاوہ دیگر متفرق موضوعات پر کئی تصانیف ہیں جن میں خاص طور پر جمعہ کے نہایت فصیح و بلیغ خطبے قابل ذکر ہیں۔

ماخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد-۱۲-ص ۸۵۷ - ۸۶۰

۲۔ مولوی رحمان علی - تذکرہ علماے ہند-ص ۲۸۷ - ۲۸۸-اردو ترجمہ محمد ایوب قادری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی

بار اول ۱۹۶۱ء

غلام مرسلین: مولانا عبدالحیٔ فرنگی محل (ضلع لکھنؤ)

علی گڑھ

(میاں) عبدالحئی لدھیانوی (متوفی ۱۹۴۶ء)

ان کا آبائی وطن لدھیانہ تھا۔ انھوں نے اپنی سیاسی زندگی وکالت سے شروع کی اور بلدیہ لدھیانہ کے صدر ہونے کے بعد لاہور آنے جانے لگے۔ لاہور میں مولانا غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک سے ملاقات ہوئی اور ان ہی کے ذریعہ اقبال سے شخصی طور پر متعارف ہوئے۔

میاں عبدالحئی نے ۱۹۲۵ء میں لدھیانہ امپریل کونسل کی رکنیت کے لیے شہری حلقے سے انتخاب لڑا۔ ان کے حریف ملک برکت علی ایڈوکیٹ لاہور نے دست کشی کرلی جس کے نتیجہ میں وہ بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ اقبال نے اپنے بعض خطوں میں میاں صاحب کے بلا مقابلہ منتخب ہونے کا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔

جب ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے تعاون کا سوال پیدا ہوا تو مسلم رہنما دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کمیشن سے تعاون کو مسلمانوں کے مفاد میں بغیر ضروری خیال کرتا تھا۔ دوسرے گروہ کی رائے اس سے مختلف تھی۔ وہ ہندوؤں سے تصفیہ کرکے کمیشن کا بائیکاٹ چاہتا تھا۔ اقبال کمیشن سے تعاون کے حامی تھے۔ انھوں نے ۸ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو ایک بیان جاری کیا جس پر میاں صاحب نے بھی دستخط کیے۔

جب سکندر حیات خاں نے وزارت بنائی تو اس میں میاں صاحب وزیر تعلیم ہو گئے۔ انھوں نے مدارس کے لیے نصابی کمیٹیاں مقرر کیں اور ان کے ذریعہ نیا نصاب مرتب کرایا۔ اس نصاب کی طباعت کا ٹھیکہ ایک ہندو فرم کو دیا گیا تھا۔ اس لیے بعض مسلم اخباروں نے بڑی سخت نکتہ چینی کی جس کی وجہ سے وہ اسے رائج کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ میاں صاحب کچھ عرصہ ملک خضر حیات خاں کی وزارت میں بھی وزیر تعلیم رہے۔ جب پنجاب میں مسلم لیگ کو فروغ حاصل ہوا اور اس کی مقبولیت بڑھ گئی تو میاں صاحب

نے وزارت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ساتھ ہی سیاست سے کنارہ کش ہوکر وکالت کرنے لگے۔

۲۰ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو انتقال ہوگیا۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج — رجال اقبال۔ ص ۳۴۶

(مولوی) عبدالسلام ندوی (۱۳۰۰ھ - ۱۹۵۶ء)

مولوی عبدالسلام ندوی ۱۳۰۰ھ میں اعظم گڑھ کے ایک گاؤں علاء الدین پٹی میں ایک متوسط زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ عربی کی تعلیم کے لیے کانپور گئے اور اس کے بعد آگرہ اور غازی پور تعلیم کی غرض سے گئے۔ ۱۹۰۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوگئے اور ۱۹۱۰ء میں فراغت پانے کے بعد وہیں مدرس مقرر ہوگئے۔

جس زمانے میں مولانا شبلی "سیرت النبی" پر کام کر رہے تھے تو مولانا عبدالسلام کو اپنا اسسٹنٹ بنالیا۔ مولانا شبلی کے توسط سے مولانا آزاد بھی عبدالسلام ندوی سے واقف تھے۔ اس لیے ۱۹۱۲ء میں جب انھوں نے "الہلال" نکالا تو عبدالسلام ندوی کو اپنے پاس بلالیا۔ ۱۹۱۴ء میں جب دارالمصنفین قائم ہوا تو علامہ شبلی نے عبدالسلام ندوی کو کلکتہ سے اعظم گڑھ بلالیا اور وہ آخر عمر تک اس سے وابستہ رہے۔ مولانا شبلی کے انتقال کے بعد وہ مولانا سلیمان ندوی کے دست راست رہے۔ ۱۹۵۶ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مولانا عبدالسلام ندوی کو ادب اور انشاء میں امتیاز حاصل تھا۔ ان کے اسلوب میں شبلی اسکول کا انداز نمایاں ہے۔ خشک سے خشک موضوع کو انھوں نے بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ لطافت اور ادبی حسن نمایاں ہو جائے۔ ان کی اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اسوۂ صحابیات
۲۔ اسوۂ صحابہ (دو جلدیں)
۳۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز
۴۔ امام رازی
۵۔ حکمائے اسلام (دو جلدیں)

۶۔ شعرالہند (دو جلدیں)

۷۔ تاریخ فقہ اسلامی — مصر کے ایک فاضل محمد خُضری کی کتاب "التشریع الاسلامی" کا ترجمہ ہے جس میں فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ ہے۔

۸۔ ابن خلدون — طٰہٰ حسین نے ابن خلدون کے فلسفہ پر ایک کتاب فرنچ میں لکھی ہے۔ اس کا عربی میں ترجمہ ہوا ہے۔ یہ اسی عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔

۹۔ اقبال — یہ اقبال کی زندگی اور کلام پر مبسوط کتاب ہے۔

مولانا کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور جلال لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شاعری کا ذوق آخر عمر تک رہا۔

ماخذ:

شاہ معین الدین ندوی۔ ادبی نقوش
شائع شدہ۔ ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ،
فروری ۱۹۷۲ء (دوسرا ایڈیشن)

(مولانا) عبدالقادر قصوری (متوفی ۱۹۴۲ء)

مولانا عبدالقادر قصوری کو کسی زمانے میں ایک سیاسی رہنما اور قانون داں کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل تھی۔ وہ گجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ جب انھوں نے وکالت کا امتحان پاس کیا اور پریکٹس کرنے لگے، تو ان کا ایک موکّل اُن کو ایک مقدمہ کے سلسلے میں قصور تحصیلدار کی پیشی میں لے گیا جہاں انھوں نے بڑی فاضلانہ بحث کی۔ تحصیلدار نے مقدمہ کا فیصلہ سنانے کے بعد اُن سے خواہش کی کہ وہ قصور ہی کو اپنا وطن بنائیں۔ مولانا نے اس کی بات مان لی اور قصوری ہو گئے۔

مولانا قصوری کو وکالت کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ہجرت چلی تو وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ اس میں شامل ہو گئے۔ جب صوبائی خلافت کمیٹی کے قیام کا سوال پیدا ہوا۔ تو ان کو اس کی صدارت سونپ دی گئی۔ ۱۹۲۱ء میں مولانا ابوالکلام آزاد لاہور آئے اور جمعیتہ العلماء ہند کا اجلاس ان کی صدارت میں ہوا۔ مولانا آزاد نے مولانا قصوری سے کہا کہ وہ آل انڈیا کانگریس کے لیے کام کریں۔ مولانا قصوری نے فوری ان کی بات مان لی اور کانگریس کے سرگرم رکن ہو گئے۔ جس کے بعد ان کو صوبہ کانگریس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ ان کے اور اقبال کے سیاسی نظریات میں اختلاف کے باوجود اقبال سے ان کے مراسم بہت اچھے تھے۔

مولانا قصوری نے ایک طویل عرصہ تک کانگریس کے لیے کام کیا۔ اس کے باوجود کانگریس کی ہائی کمان نے ان کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف نہیں کیا، اس وجہ سے پژمردہ ہو گئے تھے۔ جب مسلم لیگ اور کانگریس میں کھلم کھلا تصادم شروع ہوا اور سیاست ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی تو مولانا قصوری نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا۔

ماخذ : عبدالروف عروج۔ رجال اقبال ص ۳۵۷ - ۳۵۸

(علاّمہ) عبداللہ یوسف علی (۱۸۷۲ - ۱۹۵۴ء)

عبداللہ یوسف علی عالم اسلام کے ایک بہت بڑے متبحر عالم تھے۔ یہ ایک بوہرہ خاندان میں ۴ اپریل ۱۸۷۲ء – ۱۲۸۹ھ میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تاجر تھے اور مذہبی آدمی تھے۔ انھوں نے بیٹے کو اوّل قرآن کی تعلیم دی جب انھوں نے قرآن حفظ کیا تو بڑا شاندار جشن کیا۔ جس سے قرآن مجید کی عظمت اُن کے دل میں جاگزیں ہوگئی۔ عبداللہ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ گھر پر عربی پڑھتے رہے۔ بالآخر ۱۸۹۰ء میں بی اے کرنے کے بعد لندن چلے گئے۔ وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے اور ایل ایل ایم کی ڈگری لی۔ پھر بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ انڈین سول سروس کے امتحان میں اوّل آئے۔ واپسی پر ان کو صوبہ جات آگرہ و اودھ میں اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں سلطان پور کے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا میں انڈر سکریٹری اور ڈپٹی سکریٹری کے منصب پر کام کیا۔ فتح پور کی ملازمت سے پنشن لے لی اور حیدر آباد جاکر وزیر صنعت و حرفت ہوگئے۔ اس زمانے میں اُنھوں نے وہاں کی علاقائی زبانوں میں گجراتی، مراٹھی اور تلنگی سیکھی۔ ۱۹۲۷ء میں ان کو اسلامیہ کالج لاہور کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ جب انجمن حمایت اسلام کے عہدیداروں نے ان کی مخالفت کی تو وہ ملازمت چھوڑ کر لندن چلے گئے۔

۱۹۳۱ء میں اقبال گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن پہنچے تو عبداللہ یوسف علی نے ان کی شاعری اور پیغام کو عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

لندن سے واپس آنے کے بعد عبداللہ یوسف علی نے ۱۹۳۵ء میں کچھ دنوں کے لیے مسلمانوں کے ایک انگریزی اخبار "ایسٹرن ٹائمز" کی ادارت کی۔ جب ۱۹۳۷ء میں انتخاب کا اعلان ہوا تو شیخو پورہ کے دیہاتی حلقہ سے بہ حیثیت امیدوار کاغذات نامزدگی داخل کیے۔ اس

کے فوراً بعد اُن کو احساس ہوا کہ وہ سیاسی آدمی نہیں ہیں تو دست برداری اختیار کر لی۔ قیام پاکستان کے بعد جب اُنھوں نے خود کو ناقدری کا شکار پایا تو لندن چلے گئے۔ ان کا سارا وقت مطالعہ میں گزرتا تھا۔

۱۹۵۴ء میں لندن میں انتقال ہوا۔

عبداللہ یوسف علی کو قرآن حکیم کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کے لیے ہر دور میں یاد رکھا جائے گا۔ اُن کی تصانیف میں "انگریزی عہد میں ہندستان کی تمدنی تاریخ" بہت مشہور ہے۔

ماخذ:

۱. عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ۔ ص ۳۲۸ - ۳۲۹

۲۔ قرآن کریم پر ناشر کا نوٹ جس کو امانا کارپوریشن (AMANA CORPORATION) برنٹ ووڈ (BRENTWOOD) میری لینڈ (MARYLAND) امریکہ نے شائع کیا۔

۳۔ قرآن کریم ۔ ترجمہ و تفسیر از عبداللہ یوسف علی ، دارالفکر، بیروت ۔ ص ۲۹

THE GLORIOUS QURAN: TRANSLATION AND COMMENTARY BY ABDULLAH YUSUF ALI, DAR-AL-FIKR, BEIRUT, P.29

مولانا عبدالماجد بدایونی (متوفی۔ ۱۹۳۱ء)

مولانا عبدالماجد کے والد حکیم عبدالقیوم ایک ممتاز فاضل اور حاذق طبیب تھے اور تقریر و خطابت میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے۔ جب والد کا انتقال ہوا تو ان کی عمر بہت تھوڑی ہو گی۔ لیکن علم و فضل گھر کی چیز تھا۔ چنانچہ اپنے جد امجد مولانا شاہ عبدالقادر اور اُن کے فرزند اکبر مولانا عبدالمقتدر اور دوسرے علمائے کبار سے تکمیل علوم کی لیکن یہ واقعہ ہے کہ جتنا ان کا علم تھا اس سے زیادہ اُن کی ذہانت تھی۔ چھوٹی عمر سے جلسے اور انجمنیں قائم کرنا اور ان میں تقریریں کرنا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ جب یہ جمعیۃ العلماء صوبہ متحدہ کے صدر اور رکن جمعیۃ العلماء ہند ہوئے تو ان کی خطابت ملک بھر میں ان کی شہرت کا باعث ہوئی۔ ان کی تقریر میں ایسا جادو تھا کہ ہزاروں کا مجمع دیکھتے ہی دیکھتے ماتم کدہ بن جاتا تھا اور اس مجمع کو جب مولانا چاہتے مسرّت و انبساط کا زعفران زار بن جاتا تھا۔

مولانا کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان سے لے کر عراق و حجاز تک اُن کے شناساؤں اور مدّاحوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔

مولانا اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح شروع میں خانہ نشین تھے لیکن جب انگریزی حکومت نے پہلی جنگ عظیم میں فتح کے بعد جشن صلح منانے کا اعلان کیا تو مولانا نے نہایت بے خوفی کے ساتھ اعلان کیا کہ جشن مذکور دراصل صلح نہیں بلکہ ترکوں پر فتح پانے کی خوشی کا اظہار ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت برطانیہ نے اپنے سابقہ عہد و مواعید کے باوجود مقامات مقدسہ پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو اجتماع مذکور میں شریک ہونا حرام ہے۔ یہ اعلان تھا کہ گرد و نواح میں ایک تہلکہ مچ گیا اور

برطانوی حکام کو مولانا سے سخت پرخاش ہو گئی جو آخر تک باقی رہی۔ اس کے کچھ دنوں بعد جب خلافت، ترک موالات، اور ہندو مسلم اتحاد کی تحریک شروع ہوئی تو مولانا نہ صرف اس کے حامیوں بلکہ ممتاز رہنماؤں میں تھے اور مولانا عبد الباری، شیخ الہند محمود الحسن، مولانا ابوالکلام آزاد، علی برادران اور دوسرے اکابر ملت کے دوش بدوش ہندوستان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشے تک اعلان حق کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ افسوس کچھ عرصہ کے بعد دراندازوں کی کوشش سے مسلمانوں کے خلاف شدھی اور سنگھٹن کی دل آزار تحریکیں وجود میں آئیں۔ تب مجبوراً مولانا نے عام مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے "جماعتِ علمائے اسلام" کو کلکتہ میں منظم کیا اور آخر وقت تک اس کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔

مولانا نے مذہبی اور تاریخی مباحث پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن کی نثر اپنے رنگ میں نہایت البیلی اور دلکش ہے۔ ان کی تصنیف "دربار علم" کا اسلوب بہت کچھ "نیرنگ خیال" سے ملتا ہوا ہے اس کے علاوہ شعر و سخن کا ذوق نہایت ستھرا اور بلند تھا۔ ان کی شاعری میں لطافت اور رنگینی ہے۔

ماخذ:

۱۔ ظہیر احمد صدیقی۔ مولانا عبد الماجد۔ شائع شدہ "فروغ اردو" اکتوبر ۱۹۵۹ء
ص۔ ۳۹۔۴۳۔

(پروین رقم) عبدالمجید (منشی)، (متوفی-۱۹۴۳ء)

ان کے والد منشی عبدالعزیز اور دادا مولوی پیر بخش بھی خوش نویس تھے جو امین آباد کے رہنے والے تھے۔ منشی عبدالمجید نے ابتدا میں خلیفہ نور احمد سے اصلاح لی۔ مگر بعد میں اپنے اکثر شاہکاروں کے نام کے ساتھ حکیم فقیر محمد چشتی کی شاگردی پر فخر کا اظہار کیا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ یہ پیدایش ہی سے ایسا دماغ لے کر آئے تھے جو کسی اصلاح کا محتاج نہیں ہوتا۔ جو ہر گوشے سے متمتع ہوتا اور ہر خرمن سے خوشہ حاصل کر لیتا ہے۔

منشی عبدالمجید نے خداداد ذہانت سے فنِ خوش نویسی میں ایک نئی طرز ایجاد کی جو اُن کے پیش روؤں سے قدرے مختلف اور خوبصورت ہے۔ آج کا ہر خوش نویس اس کی پیروی کر رہا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام کی کتابت کے لیے انہی کو پسند کیا۔ ان کے لکھے ہوئے قطعات دلکشی میں بے مثال ہیں اور بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

منشی عبدالمجید بڑے خوش پوش اور خوبصورت تھے۔ ہاتھوں کی انگلیاں بڑی نرم و نازک تھیں۔ یہی نزاکت ان کے فن میں بھی تھی۔ آخری عمر میں تصوّف کے غلبے کی وجہ سے کام تھوڑا کرتے تھے۔ لباسِ فاخرہ بھی ترک کر دیا تھا۔ نہایت سادہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بازار میں بھی نکلتے تو تسبیح ہاتھ میں ہوتی تھی۔ آخر ۱۹۴۳ء میں قریباً ۷۵ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

ان کے بے شمار شاگرد ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہیں کہ آج کا ہر خوش نویس طرز کے لحاظ سے انہی کا پیروکار ہے۔ ان کے صاحبزادے منشی محمد اقبال ہیں۔ جنہوں نے مرزا اقبال کے فارسی اشعار بڑی خوبی سے لکھے ہیں۔ شاہ ایران نے انہیں پسند فرما کر "خوش نویسی خوب است" کے جملے سے داد کمال دی ہے۔

ماخذ:

۱۔ نقوش: لاہور نمبر۔ ص۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔

عبدالواحد بنگلوری

عبدالواحد بنگلور کے متوطن تھے۔ ادب اور طب سے خاص دلچسپی تھی۔ علامہ اقبال سے عقیدت تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے ان کی درخواست پر انھیں "اسرارِ خودی" کا ایک نسخہ بھیجا۔ علامہ کو جب "سر" کا خطاب ملا تو عبدالواحد نے لکھا کہ وطن دشمن انگریز کا عطا کردہ خطاب قبول نہیں کرنا چاہیے تھا۔

عبدالواحد نے علامہ کو میسور بھی مدعو کیا تھا مگر جب علامہ بنگلور آئے تو عبدالواحد اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ البتہ ان کے فرزند ابو حامد عبدالرحیم سے ملاقات ہوئی۔

ماخذ:

بشکریہ پروفیسر عبدالغفار شکیل، میسور۔

حکیم، عبدالوہاب انصاری (متوفی ۱۹۴۱ء)

حکیم عبدالوہاب انصاری جن کو عام طور پر حکیم نابینا کہا جاتا ہے اپنے دور کے مشہور طبیب اور زبردست نبض شناس تھے۔ برصغیر ہند و پاک کے مشہور لیڈر ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی تھے۔ انھوں نے غازی پور کے ایک قصبہ یوسف پور میں ہوش سنبھالا۔ علوم متداولہ کے ساتھ طب کی تحصیل چند ہی دنوں میں مکمل کر لی۔ پورا ہندوستان ان کی حذاقت، نبّاضی، کمالِ فن اور مہارت کا گردیدہ ہو گیا۔ میر محبوب علی خاں، نظام دکن، نے ان کی قدردانی کی اور ان کو حیدرآباد بلا کر شاہی طبیب مقرر کیا۔ میر محبوب علی خاں کے انتقال کے بعد انھوں نے کچھ دنوں پونا اور بمبئی میں پریکٹس کی۔ پھر دہلی میں قاضی حوض کے قریب مستقل طور پر مطب کھول لیا۔ جہاں غریبوں کو مفت دوائیں دی جاتی تھیں۔

۱۹۱۷ء میں جب اقبال کو پہلی مرتبہ دردِ گردہ کی شکایت ہوئی تو لالہ لاجپت رائے نے مشورہ دیا کہ وہ حکیم عبدالوہاب انصاری سے علاج کرائیں۔ جس کے نتیجہ میں جلد ہی شفا ہو گئی۔ اس کے چند سال بعد ۱۰ جنوری ۱۹۳۴ء سے جب اقبال کی آواز بیٹھ گئی اور ڈاکٹروں سے فائدہ نہیں ہوا تو ایک دوست کی معرفت حکیم صاحب سے خط و کتابت کی۔ حکیم صاحب نے بڑی محبّت سے ان کے حال پر توجہ کی۔ دوائیں مستقل طور پر بھیجتے رہے جن سے خاصا فائدہ ہوا۔ اس کے کچھ دن بعد حکیم صاحب حیدرآباد جا کر میر عثمان علی خاں، نظام دکن کے خاص طبیب ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء میں اقبال کی علالت نے تشویشناک رخ اختیار کر لیا تھا۔ انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ حکیم صاحب کو لاہور بلایا جائے تاکہ وہ اچھی طرح معائنہ کر لیں۔ ان کی خدمت میں کچھ عریضے بھی لکھوائے گئے۔ لیکن حکیم صاحب کے لیے بڑھاپے کی وجہ سے اتنا طویل سفر ممکن نہیں تھا۔ انھوں نے روح الذہب قدیم اور روح الذہب جدید

اور تقویت قلب کی گولیاں ارسال کیں توان کے استعمال سے اقبال کے مرض کی شدت کم ہو گئی۔ انھوں نے شکریہ کے طور پر ایک قطعہ لکھ کر حکیم صاحب کی خدمت میں بھجوایا ؎

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکرِ خاکی مرا
رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوق طلب!
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبحِ ازل
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذّہب!

علامہ اقبال کو حکیم صاحب پر جو اعتماد تھا اس کا اظہار بکثرت مکاتیب میں موجود ہے۔

حکیم صاحب پر میر عثمان علی خاں نظام دکن کو حد درجہ اعتماد تھا۔ اس کے علاوہ بعض امرا اور رؤسا بھی ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ بعض مفاد پرستوں نے ان کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے در پردہ ان کے خلاف سازش شروع کر دی، جس سے وہ دل برداشتہ ہو کر طبیب خاص کے عہدہ سے مستعفی ہو کر دہلی آ گئے اور یہیں ۱۹۴۱ء میں انتقال کیا۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص۔ ۳۶۲-۳۶۱۔

عبدالوہاب نجدی (۱۱۰۶ھ - ۱۱۷۹ھ)

محمد بن عبدالوہاب نجدی نجد کے ایک موضع عینیہ جو ریاض کے شمال میں واقع ہے ۱۱۰۶ھ میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدّ امجد سلیمان علی بن شرف اپنے زمانے کے مشہور عالم اور علمائے نجد کے مرجع و ماوا تھے۔

شیخ عبدالوہاب نے بصرہ و شام کا سفر حصول علم کے ارادہ سے کیا۔ یہاں کے قیام میں آپ نے مفید اور اصلاحی موضوعات پر رسالے لکھنے شروع کیے جن میں بدعات و خرافات کا رد قطعی دلائل سے کیا۔ جس کے نتیجہ میں مخالفین درپئے آزار ہو گئے اور آپ کو شہر سے نکال دیا۔

نجد واپس آکر دعوت و تبلیغ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ انھوں نے حرملہ سے اپنی دعوت شروع کی اور غیر اسلامی عقاید و رسوم کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کے والد بھی ان کے مخالف ہو گئے لیکن ۱۱۵۲ ہجری میں آپ کے والد نے مرنے سے قبل اپنے عقاید سے رجوع کیا اور اپنے بیٹے کی دعوت سے مطمئن ہو گئے۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں شاہ ولی اللہؒ دینی اور معاشرتی اصلاحات کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ عبدالوہاب نجدی کی جماعت کے سات بنیادی اصول تھے۔ (۱) اللہ پر کلی اعتقاد۔ (۲) اللہ اور بندہ کے درمیان کسی کو واسطہ نہ جاننا (۳) قرآن میں ہر شخص کو تاویل کا حق دینا اور تقلید سے کنارہ کرنا۔ (۴) بدعات سے پرہیز (۵) ایسے امام کا انتظار جو آکر تمام برائیوں سے نجات دلائے۔ (۶) جہاد اور (۷) قاید کی اطاعت۔

ہنٹر (HUNTER) کا خیال ہے کہ ہندوستان میں وہابی تحریک اہل سنت کی ایک ترقی یافتہ جماعت ہے جو ابتدا میں ایک شخص (عبدالوہاب نجدی) کی پیروی میں قائم ہوئی تھی جس نے بعد کو ایک دینی فرقہ کی صورت اختیار کر لی۔ ان کے متبعین سلفی المسلک کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

والد کے وفات کے بعد حریملہ سے یہ عیینیہ چلے گئے۔ وہاں کے حاکم عثمان بن حمد بن معمر نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ انھوں نے دعوت و تبلیغ کا کام زیادہ مستعدی اور انہماک سے کیا۔ حاکم عیینیہ کو دھمکی دی گئی کہ اگر تم نے عبدالوہاب کو فوراً قتل نہیں کیا تو ہم تم کو مشکلات میں مبتلا کر دیں گے۔ حاکم عیینیہ نے بھی ان کو جلا وطن کیا۔ راستہ میں ایک سوار ان کا پیچھا کر رہا تھا لیکن وہ ان کو قتل کرتے وقت ڈر گیا۔

امیر محمد بن سعود ان کی دعوت سے متاثر ہوا اور ان کی راہ نمائی اور تعلیمات کے نتیجہ میں جہاد کیا اور نجد و حجاز میں کامیابی حاصل کی۔ شیخ پر سختیاں کی گئیں۔ ۱۲۰۶ھ[1] میں شیخ نے وفات پائی۔

شیخ کی سب سے زیادہ مشہور و معروف تصنیف "کتاب التوحید" ہے ان کی دوسری تصانیف ہیں: "کشف الشبہات"، "تلاش الاصول"، "شرح کبیر"، "کتاب الکبائر"، "نصیحۃ المسلمین باحدیث خاتم المرسلین"، "استنباط من القرآن" (دو جز)۔

اس کے علاوہ بہت سے رسالے بھی تصنیف کیے ہیں۔ شیخ نے زبان قلم اور سیف تینوں سے جہاد کیا۔ اور اسلام میں "خالص دین" کی تحریک کی بنیاد ڈالی۔

مآخذ:

۱۔ علامہ شیخ احمد بن حجر۔ "حیات شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب"، ترجمہ مختار احمد ندوی سلفی۔ مطبوعہ الدار السلفیہ، بمبئی۔ ۱۹۷۸ء

۲۔ مسعود عالم ندوی۔ محمد بن عبدالوہاب۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح، مطبوعہ حیدر آباد۔ ۱۹۴۶ء

۳۔ ظہیر احمد صدیقی، مومن شخصیت اور فن، مطبوعہ شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی۔ ۱۹۷۲ء

[1] مسعود عالم ندوی نے تاریخ ولادت ۱۱۰۶ھ اور تاریخ وفات ۱۱۷۹ھ لکھی ہے۔

عثمان مختاری (متوفی۔ ۵۴۴ھ۔ ۵۴۹ھ)

سراج الدین ابو عمر عثمان بن عمر مختار غزنوی دور کا ممتاز شاعر گزرا ہے۔ اس کا تعلق غزنوی دور کے چار حکمرانوں سے رہا تھا۔ یعنی ابراہیم بن مسعود غزنوی (۴۵۰ھ۔ ۴۹۲ھ) مسعود بن ابراہیم غزنوی (۴۹۲ھ۔ ۵۰۸ھ) عضد الدولہ شیرزاد بن مسعود بن ابراہیم غزنوی (۵۰۸ھ۔ ۵۰۹ھ) اور ارسلان بن مسعود بن ابراہیم (۵۱۱۔ ۵۵۲ھ) اس نے کرمان کے سلاطین کی بھی مدح کی ہے۔ حکیم سنائی نے مختاری کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں اس کو "امیر سخن" کہا ہے اور اس کے فکر و فن کی ستائش کی ہے۔

مختاری کی وفات ۵۴۴ یا ۵۴۹ ھجری میں واقع ہوئی۔ اس کے دیوان کا نہایت محققانہ ایڈیشن پروفیسر جلال ہمائی کی توجہ سے شائع ہوا ہے۔ اس میں جملہ اصناف سخن کے علاوہ ایک مثنوی "شہریار نامہ" ہے جو سلطان مسعود بن ابراہیم کی خواہش پر نظم ہوئی۔ اس میں شہریار کی داستان ہے جو سہراب کا پوتا تھا۔

ماخذ:

صفا۔ تاریخ ادبیات ایران۔ جلد دوم۔ ص۔ ۵۰۱۔

عرشی، حکیم محمد حسین، امرتسری (۱۸۹۳-۱۹۸۵ء)

محمد حسین نام تخلص عرشی تھا۔ ۱۸۹۳ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اسکول میں پانچویں جماعت تک تعلیم پائی۔ اس کے بعد پرائیویٹ طور پر پڑھتے رہے۔ شاعری کا شوق پیدا ہوا تو علامہ حکیم فیروز الدین فیروز طغرائی امرتسری کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے۔ ان سے عربی صرف و نحو، عروض اور فارسی ادب کی کتابیں پڑھیں۔ مختلف علماء سے تفسیر القرآن، عربی ادب اور طب پڑھی۔ چند برس زرگری کا پیشہ اختیار کیا۔ بعد میں طبابت کرنے لگے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ پہلے کراچی اور لاہور میں رہے۔ بعد ازاں راولپنڈی میں آباد ہو گئے اور وہیں ۴ جون ۱۹۸۵ء کو انتقال کیا۔

راولپنڈی میں ایک ماہ نامہ "فیض الاسلام" کی ۲۰ سال تک ادارت کی۔ جوانی میں ماہ نامہ "البیان" اور "البلاغ" امرتسر کی ادارت کی۔ روزنامہ "وکیل" کے نائب مدیر بھی رہے۔

اردو، فارسی، ہندی اور پنجابی زبانوں میں شعر کہنے میں قدرت کاملہ رکھتے تھے ان کی فارسی اور اردو شاعری کے مجموعے "نقش ہائے رنگ رنگ" (فارسی) اور "رسوا کیا مجھے" (اردو) شائع ہو چکے ہیں۔ پنجابی کلام بکھرا پڑا ہے۔

عرشی علامہ اقبال اور ان کے کلام کے شیدائی تھے۔ علامہ اقبال سے ان کی ملاقاتیں اور خط و کتابت بھی رہی۔

۱۹۱۸ء میں جب پہلی جنگ عظیم کے بعد عالم اسلام پر ایک اضطراب طاری تھا تو علامہ اقبال کچھ عرصہ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ ان دردناک حالات میں عرشی نے

روزنامہ "زمیندار" میں علامہ اقبال کے لیے پیغام شائع کرایا جس کا ایک مصرع یہ تھا ؎

اے تو ی در آشیان و گلشنت برباد رفت

(آپ گھونسلے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کا باغ تباہ و برباد ہوگیا ہے)

اس کا اثر یہ ہوا کہ علامہ اقبال کا سکوت ٹوٹ گیا اور انھوں نے "زمیندار" ہی کے سرورق پر اس کا جواب دیا۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار
عرشی! گماں مدار کہ پیمانہ ام شکست

(تو جانتا ہے کہ پختہ کار میخواروں کا شیوہ کیا ہوتا ہے۔ اے عرشی! یہ گمان نہ کر کہ میرا جام ٹوٹ گیا ہے)

عرشی نے اقبال پر دو کتابیں تصنیف کیں (۱) نقوش اقبال اور (۲) اقبال کی پیش گوئیاں۔

نثر میں ان کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) ملت ابراہیم خلیل (۲) تحقیق قربانی (۳) ترجمہ مقدمہ "حیاتِ محمد" از محمد حسنین ہیکل قاہرہ (۴)، مقالہ شرح لفظ دین از جرجی زیدان قاہرہ (۵)، علوم اسلام اور انکار حجیت حدیث (۶) مسیحیت کی آغوش میں (۷)، قرآن سے قرآن تک۔ مگر ان کا سب سے اہم علمی کارنامہ مثنوی مولانا روم کی شرح ہے جو متعدد جلدوں میں شائع ہو کر مقبول ہوئی ہے۔

ماخذ:

ماہنامہ "فیض الاسلام" کا "عرشی نمبر" شائع کردہ انجمن فیض الاسلام راولپنڈی پاکستان نومبر۔ دسمبر ۱۹۸۵ء

(مرزا محمد ہادی) عزیز لکھنوی (۱۸۸۲ء۔۱۹۳۵ء)

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی ۵ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا جوہر قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا۔ جو مولانا صفی لکھنوی کی توجہ سے مجلا ہو کر اوج کمال پر پہنچ گیا۔ ابتدا میں لکھنؤ کے ممتاز و مخیر رئیس مرزا بہادر محمد عباس علی خاں نے ان کو اپنا استاد اور مصاحب بنایا۔ اس زمانے کو عزیز کی شاعری کے شباب کا عہد کہنا چاہیے۔

مرزا بہادر کے بعد عزیز کو تیرہ چودہ برس امین آباد ہائی اسکول میں فارسی کی مدرسی کرنی پڑی۔ صحت نے جواب دے دیا تو ملازمت چھوڑ دی۔ مہاراجہ محمود آباد (سر علی محمد خاں) نے عزیز کو اپنے ولی عہد امیر احمد خاں کا نگراں مقرر کیا لیکن کچھ عرصہ بعد ان کو کتب خانے کی خدمت سپرد ہوگئی جس پر وہ آخر دم تک مامور رہے۔

۲ اگست ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ ہجری انتقال ہوا۔

لکھنو میں شعراء کی ایک نئی اور نوجوان نسل عزیز ہی کے دم سے پروان چڑھی۔ اُن کے نامور شاگردوں میں جگت موہن لال رواںؔ، مرزا جعفر علی خاں اثرؔ، شبیر حسن خاں جوشؔ ملیح آبادی بجائے خود ایک ادارۂ ادب کا حکم رکھتے ہیں۔

مولوی عبدالسلام ندوی نے "شعر الہند" میں لکھا ہے کہ "ان کا کلام اول تا آخر دلی کے رنگ کا ایک عمدہ نمونہ ہے"۔

"کشکول ادب" اور "عزیز اللغات" وغیرہ ان کی تصانیف اور کلام کے دو مجموعے "گل کدہ" اور "صحیفہ" ان کی یادگار ہیں۔ پہلا مجموعہ "گل کدہ" جب ۱۹۱۸ء میں نول کشور پریس لکھنو سے شائع ہوا تو علامہ اقبال نے عزیز کی فن کارانہ عظمت

کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا۔

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

"سبحان اللہ یہ بات ہر کسی کو نصیب نہیں۔ غزل میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں عزیز کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ایک طرف ارباب ذوق لطف زبان اور فن کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو دوسری طرف نوآموز عزیز کے نقش قدم پر چل کر اعلیٰ درجہ کے شاعر ہو سکتے ہیں۔ میں آپ کے کلام کو ہمیشہ بہ نظر استفادہ دیکھتا ہوں۔"

ماخذ:

۱۔ محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرین اقبال کی نظر میں ص۔ ۱۰۱۔ ۱۱۰۔

(نواب) عزیز یار جنگ (۱۸۶۰ء-۱۹۲۴ء)

ان کا نام احمد عبد العزیز تھا۔ ۲۸ دسمبر ۱۸۶۰ء کو بمقام نیلور (آندھرا پردیش) پیدا ہوئے۔۔۔ اُن کا تعلق جنوبی ہند کے اس معزز اور ممتاز خاندان سے تھا جو ..، ہجری میں بصرہ سے کوکن آیا اور نوائط کے نام سے مشہور ہوا۔ پرتگالیوں کے بحری برتری حاصل کرنے سے قبل سمندر پر مسلمانوں کا تسلّط زیادہ تر اسی خاندان کی وساطت سے تھا' اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی انگریزی لفظ 'نیوی'، اسی خاندان کے نام سے ماخوذ ہے۔ یہ خاندان تجارتی اور علمی میدان میں بھی نمایاں تھا۔

ان کے والد ماجد محمد نظام الدین صاحب پہلے شخص تھے جو نواب افضل الدولہ بہادر کے عہد میں سر سالار جنگ اول کی تحریک پر ۱۸۶۵ء میں حیدر آباد میں بطور ملازم داخل ہوئے۔

عزیز یار جنگ چودہ سال کی عمر میں سلک ملازمت میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ملازمت کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اپنی سخت محنت اور دیانت کی وجہ سے یہ نہ صرف اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے بلکہ بالاتر عہدیداروں نے ہمیشہ ان کی قدر افزائی کی۔ اور زینہ بہ زینہ ترقی کرتے ہوئے یہ خدمتِ اول "تعلقداری" .. (کلکٹر) سے وظیفہ (حسنِ خدمت ..) پر علیحدہ ہوئے۔

وظیفہ یاب ہونے کے بعد ان کا تقرر صرفِ خاص میں خدمت صدر محاسبی پر ہوگیا اور بہت جلد معزز کمیٹی صرفِ خاص کے رکن بھی مقرر کیے گئے۔ لیکن

اپنی سخت اصول پسندی کے باعث مستعفی ہو گئے۔

علمی ذوق ان کی فطرت میں ودیعت ہوا تھا۔ انھوں نے اپنی گوناگوں سرکاری مصروفیات کے باوجود مختلف فنون پر قابل قدر تحقیقی کتابیں بطور یادگار چھوڑیں۔ ان کی مشہور تصنیف "آصف اللغات" مبسوط فارسی اردو لغت ہے۔ یہ ۱۷ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور ان ۱۷ جلدوں میں صرف حرف "ج" تک کا احاطہ ہوا ہے۔ اسی سے اس کام کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ ۱۹۰۵ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان شائع ہوئی۔

آخری عمر میں اس کام کو جامعہ عثمانیہ یا فارسی داں اصحاب کی ایک جماعت کو تفویض کرنے کے لیے کوشاں رہے کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ وہ اپنی زندگی میں اس کام کی تکمیل نہ کرسکیں گے۔ لیکن افسوس کہ جس کام کی ایک شخص نے تن تنہا ابتدا کی اس کو افراد تو درکنار کوئی ادارہ بھی تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔

اس کے علاوہ "اعظم العطیات" (۱۸۸۹ء)، "تاریخ النوائط" (۱۹۰۴ء)، "حیوۃ الحمام" (۱۹۰۶ء) (کبوتروں کے بارے میں) اور زراعت پر کتابیں ہیں۔

نواب عزیز جنگ شاعر بھی تھے ولا تخلص کرتے تھے ان کا دیوان "ارمغان عزیز" اور "کلیات ولا" (فارسی و اردو) شائع ہو چکا ہے۔

علامہ اقبال کے ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے خط میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ نواب عزیز یار جنگ نے ان کی خدمت میں کون سا دیوان بھیجا تھا۔ اور اس پر علامہ نے کیا رائے دی تھی۔

ماخذ:

۱۔ حسن الدین احمد: "انجمن"۔ ولا اکیڈمی، عزیز باغ، سلطان پورہ، حیدر آباد (آندھرا پردیش)

۲۔ عابد علی خاں۔ مدیر اعلیٰ روزنامہ "سیاست"، حیدر آباد کی فراہم کردہ معلومات پر مبنی۔

عشرت حسین (۱۸۸۰ء-۱۹۴۵ء)

اکبرالہ آبادی کے بیٹے سیّد عشرت حسین ۳۱؍دسمبر ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں عشرت حسین نے میٹرک پاس کیا۔ پہلے اکبر نے ان کو کالج میں داخل کر دیا۔ عشرت حسین جب ایف۔اے میں دو بارہ فیل ہو گئے تو اکبر نے ان کو ۱۰؍مئی ۱۹۰۰ء کو تعلیم کی غرض سے انگلستان بھیج دیا۔ ۱۹۰۴ء میں قانون کا امتحان پاس کر لیا لیکن ہندوستان کو واپسی فروری ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔

اکبر نے یہ زمانہ بہت تکلیف میں گزارا اور اس موضوع پر کئی اشعار اور قطعات لکھے جن سے ان کی بیقراری کا اندازہ ہوتا ہے۔

عشرتی! گھر کی محبّت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہدِ وفا بھول گئے
موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

"حیاتِ اکبر" میں عشرت حسین نے خود اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ایک انگریز خاتون مس ولسن سے اُن کو لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ گو ولایت جانے سے پہلے اکبر نے اُن کی شادی بھی کر دی تھی۔

۲۷؍جون ۱۹۰۷ء کو بریلی میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنے باپ

کی سوانح حیات "حیاتِ اکبر" کے نام سے لکھی۔ انھوں نے ۱۹۴۵ء
میں انتقال کیا۔

ماخذ:

۱۔ ڈاکٹر صغرا مہدی۔ اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ
جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ ۱۹۸۱ء۔
۲۔ عشرت حسین۔ حیات اکبر۔ ص۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔

ڈاکٹر حافظ، عطا محمد (۱۸۵۹ء۔ ۱۹۲۳ء)

خان بہادر عطا محمد گجرات (پنجاب)، کے ایک معزز کشمیری خاندان میں ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد دینی رسمی علوم کی تکمیل کی اور اس کے بعد ڈاکٹری میں کمال حاصل کیا۔ میڈیکل آفیسر، سول سرجن وغیرہ کے ممتاز عہدوں پر مامور رہے۔ چیف میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے ریاست مالیر کوٹلہ میں قیام پذیر رہے۔ وائس برٹش کونسل کی حیثیت سے کامران اور جدّہ میں قیام رہا۔ دس برس تک سرزمین عرب میں اسی عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ فزیشن (PHYSICIAN) اور سرجن کی حیثیت سے انھوں نے ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں کہ ان کو ملکہ وکٹوریہ نے گولڈ میڈل عطا فرمایا۔ ۲۹ سال کی عمر میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۸۹۹ء میں وائسرائے کا آنریری سرجن مقرر کیا گیا۔ دو سال تک یہ انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔

ان دنیوی اعزازوں کے ساتھ یہ نہایت متقی، غربا پرور اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ میانوالی میں اپنے محاسن اخلاق کے باعث بحیثیت سول سرجن بے حد ہردلعزیز تھے۔ ۱۹۱۰ء میں یہیں سے ریٹائر ہو گئے۔

یہ باوجود متمول ہونے کے مکمل درویش تھے اور یہ درویشی ان میں اور شیخ نور محمد میں صفت مشترک کی حیثیت رکھتی تھی جس کے باعث انھوں نے اپنی بڑی بیٹی کریم بی۔بی علامہ اقبال کے عقد نکاح میں دی تھی۔ ڈاکٹر شیخ عطا محمد نے ۱۹۲۳ء میں انتقال کیا۔

ماخذ: ۱۔ سید حامد جیلانی۔ علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی ص۔ ۲۲۔ ۲۴۔ مجلس محبان علامہ اقبال پاکستان، کراچی۔ جون ۷۷ ۱۹ء۔

عمر حیات خاں (سر) ملک (۱۸۷۴-۱۹۴۴ء)

سر ملک عمر حیات خاں پنجاب کے جاگیردار اور مشہور رئیس تھے۔ کالرا اسٹیٹ ان کی جاگیر تھی۔ ۱۸۸۵ء میں اپنی جاگیر سنبھالی اور زندگی میں متعدد اعزازات حاصل کیے۔ سر کا خطاب ملا۔

۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۹ء تک پنجاب قانون ساز کونسل اور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک امپیریل قانون ساز کونسل کے رکن رہے۔ ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے بعد ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۹ء تک کونسل آف اسٹیٹ فور انڈیا کے رکن رہے۔

فوج میں متعدد موقعوں پر خدمات انجام دیں اور ۱۹۳۵ء میں میجر جنرل کا اعزازی عہدہ ملا۔

ملک خضر حیات خاں ٹوانہ وزیر اعظم پنجاب انہی کے فرزند تھے۔

ماخذ

۱۔ ایس۔ پی۔ سین: نیشنل بایوگریفیز۔ جلد سوم۔ ص۔ ۳۴۴۔

(مولانا محمد) فاخر الہ آبادی (متوفی ۱۹۳۰ء)

اقبال نے گرامی کو اُن کی رباعی پر داد دی ہے جو گرامی نے مولانا فاخر کی مدح میں لکھی تھی۔

یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ مدحیہ رباعی کس تقریب میں لکھی گئی۔ دائرہ شاہ اجمل میں ایک بزرگ شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی مشہور شخصیت ہیں، مگر ان کا زمانہ اقبال سے بہت پہلے کا ہے اور اس کا کوئی قرینہ نہیں کہ گرامی نے زائر کی مدح میں رباعی لکھی ہو۔

یہ مولانا محمد فاخر عرف راشد میاں (متوفی ۱۹۳۰ء) ہو سکتے ہیں۔ ان کی وفات ۹ صفر کو ہوئی۔ مشہور کانگریسی لیڈر مولانا شاہد فاخری ان کے صاحبزادے ہیں۔

مولانا محمد فاخر الہ آبادی حضرت شاہ اجمل الہ آبادی کے سجادہ نشین تھے۔ ان کے پوتے مولانا خالد فاخری اب کراچی میں مقیم ہیں۔

ماخذ:

مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)

فرخی (متوفی ۴۲۹ھ)

علی نام ابوالحسن کنیت فرخی تخلص تھا۔ سیستان وطن تھا۔ امیر خلف ابن احمد حاکم سیستان کے ہاں ملازم ہو گیا۔ پھر ابوالمظفر چغانی گورنر بلخ کے دربار کا رخ کیا۔ وہاں ایک سال سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ ۴۰۰ھ میں یا اس سے پہلے وہ سلطان محمود کے دربار میں آچکا تھا۔ وہاں اس کی بڑی قدر افزائی ہوئی۔ یہ جنگی مہمات میں ہمیشہ سلطان محمود کے ہم رکاب رہا۔ اس کے قصاید میں بھی ان مہمات کا بیان ملتا ہے۔ چنانچہ یہ قصائد تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ فرخی نے ۴۲۹ھ میں عالم جوانی میں وفات پائی۔

فرخی غزنوی دربار کا وہ خوش قسمت شاعر تھا جس کا کم وبیش سارا کلام محفوظ ہے۔ اس نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ لیکن اس کے قصاید پر اس کی شہرت کا دارومدار ہے۔ بقول علامہ شبلی "فرخی کے کلام کا جوہر زبان کی صفائی، سلاست اور روانی ہے۔"

موسیقی میں مہارت کی وجہ سے اس کے کلام میں روانی و ترنّم کا احساس ہوتا ہے۔ فرخی ایک نشاط پرست اور عیش کوش انسان تھا۔ اس لیے نشاطیہ آہنگ اس کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ شاعر نشاط ضرور تھا لیکن اس نے سلطان محمود کی وفات پر جو دلدوز مرثیہ لکھا ہے اس سے سلطان سے اس کی محبت و عقیدت کا پتہ چلتا

ہے۔ علامہ شبلی کے نزدیک اس سے فارسی شاعری میں پہلی مرتبہ شخصی مرثیے کے اصولوں کا تعین ہوا۔

ماخذ:

۱۔ علامہ شبلی نعمانی۔ شعرالعجم حصہ اول۔ ص، ۶۴-۶۹۔

۲۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی۔
ڈاکٹر محمد ریاض۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ ص۔۳۳،۳۴۔

فریاد عظیم آبادی (۱۸۰۳ء-۱۸۸۰ء)

سید شاہ الفت حسین نام فریاد تخلص تھا۔ مولد و مسکن شہر عظیم آباد (صوبہ بہار) تھا۔ ۵ رجب المرجب ۱۲۱۹ھ تاریخ ولادت ہے جبکہ کتاب 'فروغ بزم' مولفہ منشی جگیشر پرشاد خلش گیاوی تلمیذ خواجہ عشرت لکھنوی میں ۱۸۰۳ء ہے۔ موضع اوساس دیوہرہ ضلع گیا میں پیدا ہوئے۔

درسیات عربی و فارسی میں فارغ التحصیل تھے۔ ایک عرصے تک اسکول میں فارسی زبان کے مدرس رہے۔ پھر مستعفی ہو کر ۱۸۱۸ء میں مرشد آباد چلے گئے اور وہاں ریزیڈنٹ صاحب کے توسل سے نواب صاحب کے صاحبزادوں کی اتالیقی پر تین برس تک ملازم رہے۔ اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں نظامت کی طرف سے سفیر ہو کر کلکتہ بھیجے گئے اور سولہ برس تک اس عہدے پر ممتاز رہے۔ پھر بوجوہ چند اس سے بھی استعفا دے دیا اور ایک اخبار "آئینہ گیتی نما" نظم و نثر میں نکالنا شروع کیا۔ اس کے بند ہونے کے بعد ان کے احباب اور شاگردوں نے ۱۸۶۰ء میں "سلطان الاخبار" اور پھر "دوربین" نکالا۔ ان سب اخباروں میں ان کی نظمیں اور نثر کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس طرح مسلسل ۳۵ سال تک کلکتہ میں مقیم رہے۔ اس طویل مدت میں کچھ دنوں کے لیے صرف دو بار عظیم آباد آئے۔ تیسری مرتبہ ۱۸۷۴ء میں مستقل طور پر عظیم آباد واپس آگئے۔ یہیں تقریباً ۷۷ سال کی عمر میں ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا۔

تصانیف فارسی میں "مثنوی گنجینۂ عشق" "دبستان اخلاق" "مثنوی" روضۃ المعانی" اور چھ سات ناتمام مثنویاں ایک فارسی غزلوں کا دیوان اور دس بارہ فارسی قصیدے ہیں۔ اردو میں بھی ایک قصیدہ ایک مثنوی "طلسم جہاں" اور غزلیں تھیں۔ اردو دیوان خواجہ محمد شاہ شہرت جو صاف کرنے کے لیے لے گئے تھے دبا بیٹھے۔ شاد عظیم آبادی نے جنہیں فریاد سے بھی تلمذ حاصل تھا ان کے حالاتِ زندگی پر ایک مستقل کتاب "حیاتِ فریاد" لکھی ہے۔ فریاد کے فرزند سید ہمایوں مرزا بیرسٹر حیدرآباد دکن میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کی بیگم صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ کے نام علامہ اقبال کے چند خطوط شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے حالات زندگی حواشی میں درج ہیں۔

ماخذ:

حکیم سید احمد اللہ ندوی۔ تذکرہ مسلم شعرائے بہار۔ حصہ سوم ۲۲۹-۲۲۵
انٹرنیشنل پریس کراچی۔ ۱۹۶۸ء

اوگسٹ فیشر (AUGUST FISHER) (۱۸۶۵ء - ۱۹۴۹ء)

اوگسٹ فیشر ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد لائپزگ (LEIPZIG) یونیورسٹی میں ۱۸۹۹ء میں مشرقی فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ وہاں کی اکیڈمی آف سائنس کا ممبر بھی رہا۔ نیز قاہرہ اور کوپن ہیگن اکیڈمی کا بھی رکن تھا۔ یہ جرمن اورینٹل ہسٹری سوسائٹی، رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن اور اسلامک ریسرچ بمبئی کا بھی اعزازی رکن تھا۔ اس نے برلن میں بھی عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔

ممتاز تجزیہ نگار اور نقاد کی حیثیت سے اس کا خیال تھا کہ عربی متون کے سائنٹفک مطالعہ کے لیے عربی لسانیات کا علم ضروری ہے۔ عربی صرف ونحو معانی و بیان، لفظیات، قدیم محاوروں کے استعمال اور موجودہ بولیوں میں ان کے ردّ وقبول، ان سب پر اس کی گہری نظر تھی۔ اس نے عربی صرف ونحو کا دقتِ نظر اور ژرف نگاہی سے مطالعہ کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی بھی عربی متن میں الفاظ ومحاورات کے پیچھے جو معنی ومطالب پوشیدہ تھے اس کو ان کا درک تھا۔

متن کے اس درجہ احترام کی وجہ سے اس میں شعوری طور پر ایک زبردست احساسِ ذمہ داری پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے وہ تشریح وتوضیح کے معاملات میں بہت سخت گیر بن گیا تھا۔ چنانچہ اس کی تمام تصانیف ژرف نگاہی اور باریک بینی سے عبارت ہیں۔ اس کے مطالعہ قرآن سے نہ صرف قرآن کے دستیاب ترجموں کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے بلکہ باضابطہ طور پر قرآن کی تشریح سے

متعلقہ سوالوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ بالخصوص قرآن کا نزول قرآنی آیات کے لفظی معنی اور اسلوبی پیرایہ، قرآن کی قرآت کے مختلف پیرائے اور اس مخصوص ماحول کی اہمیت جو عرب میں اسلام سے قبل اور اس کے بعد پیدا ہوا تھا۔ ان سب کا جاننا اور سمجھنا پیغمبر اسلام اور ان کے پیغام کو سمجھنے کے لیے لابدی ہے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں ایک مستند عربی لغت کی شدّت سے کمی محسوس کی جا رہی تھی اور اس کام کے لیے فشر سب سے موزوں شخص تھا۔ یہ اس کی زندگی کا بہت بڑا المیہ ہے کہ اس نے اس وقت لکھنا بند کر دیا جبکہ وہ اس لغت کے ابتدائی اندراجات ہی مکمل کر پایا تھا ۱۹۴۹ء میں اس کی وفات ہو گئی۔

اس کی اہم تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

1. ARABIC PHILOLOGY, ISLAM AND MODERN TURKISH LITERATURE
2. ARABIC CHRESTOMATHY. 5TH EDITION.
3. SWAHID INDICES - INDICES OF RHYM WORDS AND OF THE POETS.
4. MUHAMMAD AND AHMAD : THE NAMES OF ARABIC PROPHETS.
5. CONTRIBUTIONS TOTHE UNDERSTANDING OFMUSLIM RELIGION,TEXT 1.
6. ABDULHAQQ HAMID'S DRAMATICAL WORKS : GERMAN TRANSLATION WITH ANNOLATED TURKISH TEXT.
7. THE QURAN OF ABUL-ALA AL-MA'AARI.
8. THE BEAUTIFUL POEMS OF ABDULHAQQ HAMIDINTURKISHAND GERMAN
9. ADORATION AND TABOOING OF MUHAMMAD'S NAMES BY THE MUSLIMS.
10. GRAMMATICAL DIFFICULTIES : OATH TAKING AND FORMS OF OATH OF CLASSICA L ARABIC.

ماخذ:

نوٹ محرّرہ ۱۰/جولائی ۱۹۹۰ء از اسلام۔ آرکائیو۔ ڈیوش لینڈ، برلن۔

فضل الدین احمد مرزا (متوفی ۱۹۲۲ء)

ان کا تعلق ضلع گورداسپور کے کسی موضع سے تھا۔ انھوں نے جاپان میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ واپسی پر کلکتہ میں اپنے بھائی کی شرکت میں کام شروع کیا جو محکمہ انجینئرنگ میں ملازم تھے۔ ۱۹۰۲ء میں یہیں ان کی ملاقات مولانا آزاد سے ہوئی۔ جب ۱۹۱۶ء میں مولانا نے جریدہ "البلاغ" نکالنا شروع کیا تو یہ اس کے منیجر ہو گئے اور بعد میں "پیغام" کے بھی۔

جب مولانا آزاد رانچی میں نظر بند ہوئے تو انھوں نے مولانا کو اپنی خودنوشت سوانح حیات لکھنے پر رضامند کرلیا جو "تذکرہ" کی صورت میں منظر عام پر آئی۔

جب مولانا آزاد رانچی سے رہا ہوئے تو فضل الدین احمد کلکتہ سے پنجاب جا چکے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں لدھیانہ میونسپل کمیٹی کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ جب عدم تعاون کی تحریک نے زور پکڑا تو انھوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنے گاؤں چلے گئے جہاں ان کا انتقال غالباً ۱۹۲۲ء میں ہوا۔

ماخذ

مالک رام۔ پیش لفظ "تذکرہ" از مولانا ابوالکلام آزاد ساہتیہ اکاڈمی نئی دہلی اول ایڈیشن ۱۹۶۸ء

فضل حسین (سر میاں) (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۶ء)

میاں فضل حسین بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ وہ ۱۴ جون ۱۸۷۷ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۸۹۷ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ اسی زمانے میں اسی کالج سے اقبال نے بھی بی۔اے کی ڈگری لی۔ اور اسی زمانے میں ان کی اقبال سے ملاقات ہوئی۔ میاں فضل حسین اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ وہاں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۰۱ء میں بٹالہ واپس آ گئے۔ میاں صاحب نے کچھ دنوں سیالکوٹ میں پریکٹس کی۔ پھر لاہور آکر چیف کورٹ میں کام کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ ان کا نفوذ بڑھا تو پھر سیاست میں عملی طور پر حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۱۵ء میں پنجاب کونسل کے انتخابات میں یونیورسٹی کے حلقہ سے منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں آئینی اصلاحات کے مطالبہ نے تحریک کی شکل اختیار کی تو پنجاب کے گورنر سر مائیکل اڈوائر نے یہ موقف اختیار کیا کہ پنجاب کے لوگ مطمئن ہیں۔ اس لیے ان کو آئینی اصلاحات کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔ میاں صاحب نے اس موقف کی کھلے عام مخالفت کی۔ اس کے بعد انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی شاخ کی بنیاد رکھی اور اس کے تحت ایک سیاسی کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا اور ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ حکومت کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ آئینی اصلاحات کے مطالبے کو تسلیم کرے۔ اس کے کچھ دنوں بعد عدم تعاون کی تحریک شروع ہوئی تو میاں صاحب نے اس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔

۱۹۱۹ء کی آئینی اصلاحات کے تحت پنجاب کی پہلی لیجسلیٹو کونسل کے

۱۹۲۱ء میں وزیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں کونسل کے ارکان پر مشتمل اتحاد پارٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ پنجاب کونسل کے انتخابات میں جو ۱۹۲۳ء کے آخر میں منعقد ہوئے اتحاد پارٹی نے اکثریت حاصل کرلی۔ اس کے نتیجہ میں انھیں دوبارہ برسرِ اقتدار آنے کا موقع ملا۔ ان کے سیاسی استحکام کی وجہ سے ان میں اور گورنر میں ایک عرصہ تک سرد جنگ جاری رہی۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں ان کو وائسرائے کی انتظامی کونسل کا رکن بنا کر دہلی بھیج دیا گیا۔

میاں فضل حسین نے دہلی میں رہ کر بھی پنجاب کے سیاسی معاملات میں دلچسپی برقرار رکھی۔ ان کی پارٹی کے پروگرام کی بنیادی شق یہ تھی کہ دیہاتی مسلمانوں اور دیہاتی ہندوؤں کے اشتراک سے زراعت پیشہ آبادی کو شہری ہندوؤں کے دولت مند طبقے کے استحصال سے محفوظ رکھا جائے جس نے ذرائع آمدنی کے علاوہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قبضہ کر رکھا ہے۔ پروگرام کی یہ شق ۱۹۳۰ء میں دیہی اور شہری مسلمانوں کے درمیان زبردست تفریق کا باعث بن گئی۔ اقبال کو میاں صاحب کے طریقۂ فکر اور ان کی پارٹی کے طریقۂ کار سے اختلاف تھا۔ انھوں نے ہر موقع اور ہر مقام پر میاں صاحب اور ان کی پارٹی کے نقطۂ نظر کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

میاں فضل حسین نے جب دیکھا کہ پنجاب کی سیاسی صورت حال ان کے خلاف ہو رہی ہے تو وائسرائے کی انتظامی کونسل سے ریٹائر ہو کر لاہور آ پہنچے اور اپنی تقریروں کے ذریعہ اقبال کے خطبۂ الہ آباد اور اس کے زیر اثر ابھرنے والی تخئیلِ پاکستان کی مزاحمت کی۔ پھر ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء کو اتحاد پارٹی کے دورِ جدید کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر اس بات کی بھی وضاحت کی گئی کہ آئندہ نئے آئین کے تحت صوبے میں انتخابات اتحاد پارٹی کے ٹکٹ کی بنیاد پر لڑے جائیں گے۔ اس واقعہ کے دس روز بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے لاہور پہنچ کر مسلم لیگ کے صوبائی انتخابی بورڈ کے قیام کی

کوشش کی۔ اس سلسلے میں میاں صاحب سے ملے لیکن شدید مایوسی ہوئی۔ اس کے بعد قائد اعظم نے اقبال کو صوبائی مسلم لیگ کا صدر بنایا اور ان کی سربراہی میں صوبائی مسلم لیگ کے انتخابی بورڈ کے قیام کا اعلان کیا۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ نے دو نشستیں حاصل لیکن ان میں سے ایک رکن اتحاد پارٹی سے جاملا۔

میاں فضل حسین کا ۸ ر جولائی ۱۹۳۶ء کو انتقال ہوا۔ وہ جب تک زندہ رہے پنجاب کی سیاست پر چھائے رہے۔

ماخذ:

۱۔ عبد الرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص۔ ۳۹۷۔ ۳۹۴۔

۲۔ اردو انسائیکلو پیڈیا۔ ص۔ ۱۱۵۰۔

(۲)ہیری سینٹ جان بی، فلبی (HARRY ST. JOHN B. PHILBY) (۱۸۸۵ء-۱۹۶۰ء)

فلبی عربستان پر مشہور اور ماہر کھوج لگانے والا (EXPLORER) گزرا ہے۔ عربستان کے متعلق جو کچھ معلومات آج دستیاب ہیں وہ اسی کی بدولت ہیں۔

ہیری سینٹ جان۔بی۔فلبی ۳ اپریل ۱۸۸۵ء کو سری لنکا میں پیدا ہوا۔ جہاں اس کے باپ کے چائے کے باغات تھے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور انڈین سول سروس (۱۹۰۷ء) میں داخل ہوگیا۔ پنجاب میں تعینات رہا۔ اسی زمانے میں اس نے متعدد مشرقی زبانوں حیرت انگیز مہارت پیدا کرلی۔ ۱۹۱۵ء میں کلکتہ میں بورڈ آف ایگزامنرز (BOARD OF EXAMINERS) کا سکریٹری رہا۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک میسوپوٹامیا (عراق) میں انگریزی فوجوں کے سیاسی معاملات سے متعلق امور پر مامور کیا گیا۔ وہاں اس کی خدمات کے صلہ میں سی۔آئی۔ای (C.I.E.) کا خطاب ملا۔ پھر برٹش پولیٹکل مشن کا چارج سنبھالا اور شاہ ابن سعود کے دربار میں بھیجا گیا۔

یہاں اسے پورے عربستان میں سفر کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ عرب میں اُبھرتا ہوا آفتاب ابن سعود ہے نہ کہ شاہ حسین۔

فلبی انڈین سول سروس سے سبکدوش ہوگیا اور ۱۹۲۶ء میں جدّہ میں شرقیہ لمیٹڈ کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے اپنا کاروبار شروع کیا۔ ۱۹۳۰ء میں مشرّف بہ اسلام ہوا اور عرب کو اپنا وطن بنالیا۔

۱۹۳۹ء میں لیبر پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے انتخاب میں دوبار ناکامیاب ہوا۔

ابن سعود کی سرپرستی میں فلبی کو عربستان میں کھوج لگانے اور مطالعہ و تحقیق کرنے کے نادر مواقع حاصل ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران انگلستان میں تھا کہ ابن سعود نے واپس آنے کی دعوت دی۔

فلبی ابن سعود کا زبردست حامی تھا۔ تاہم اسے بھی اعتراضات سے نہ بخشا جس کے نتیجہ میں ابن سعود نے اسے ملک بدر کر دیا۔ لیکن سال بھر کے بعد بلا لیا۔ ۱۹۴۰ء میں وہ عرب چھوڑ کر امریکہ منتقل ہو رہا تھا کہ راستہ میں کراچی میں گرفتار کر لیا گیا اور انگلستان بھیج دیا گیا۔ جہاں چار ماہ نظر بند رہا۔ بالآخر رہا کر دیا گیا۔

بیروت میں ۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء کو اس کا انتقال ہوا۔

قسمت کا عجیب کرشمہ ہے کہ اس کا بیٹا ہیرولڈ آڈرین رسل (کم) فلبی (HAROLD ADRIAN RUSSELL (KIM) PHILBY) یکم جنوری ۱۹۱۲ء کو انبالہ میں پیدا ہوا اور ۱۹۸۹ء میں وفات پائی، مشہور مخبر اور دوطرفہ جاسوس (DOUBLE AGENT) بنا جو انگلستان کے سربستہ راز روس کو فراہم کرتا تھا اور روس کے انگلستان کو۔

سینیر فلبی نے عربستان پر مشہور معلومات افزا کتابیں لکھیں۔ اس کی مشہور تصنیفات یہ ہیں۔

1. THE HEART OF ARABIA (1922)
2. SHEBA'S DAUGHTER (1939)
3. ARABIAN DAYS (1948)
4. ARABIAN JUBILEE (1952)
5. SAUDI ARABIA (1955)
6. FORTY YEARS IN THE WILDERNESS (1957)

فلبی عربستان پر ایک ماہر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ تیل کی کھوج اس کے صحیح اور مکمل نقشوں کی بنا پر کامیاب ہوئی۔

برٹش میوزیم اس کا ہمیشہ مرہون منت رہے گا کہ اس نے علم ارضیات اور علم حیوانات سے متعلق برطانوی ذخیرہ میں گراں قدر اور معتد بہ اضافے کیے۔ اس نے بیشمار انواع واقسام کے پرندے جن میں ایک تیتر جس کا نام اس کے نام پر اور ایک ہدہد جس کا نام اس کی بیوی ڈورا (DORA) کے نام پر رکھا گیا ہے فراہم کیے۔ اس نے عربستان میں قدیم سامی کتبوں کو تلاش کرنے اور جمع کرنے کا بھی بے مثال کام کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ دستیاب تلمودی کتبوں کی تعداد اس کی مساعی جمیلہ سے دو ہزار سے تیرہ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

ماخذ : ابی چوریز فرام دی ٹائمز، لندن، ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۶۰ء۔

OBITUARIES FROM THE TIMES (LONDON) - 1951-1960

فیضی (۹۵۴ھ-۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء)

ابوالفیض فیضی بن شیخ مبارک ناگوری ۹۵۴ ہجری میں ہندوستان کے پایۂ تخت آگرہ میں پیدا ہوا۔اس کا چھوٹا بھائی شیخ ابوالفضل عہد اکبر کے مورخوں اور عالموں میں شمار ہوتا ہے۔فیضی نے فارسی شعروسخن میں مہارت تامہ حاصل کی اور اکبر کے دربار کا ملک الشعراء بن گیا ۔اس نے قصیدے اور غزل دونوں میں بلند مقام حاصل کیا ہے اور قدما کی روش کی بہت اچھی تقلید کی ہے۔اس نے ایران سے ہندوستان آنے والے شاعروں کی سرپرستی بھی کی۔

فیضی نے سب اصناف میں استادانہ طبع آزمائی کی ہے چنانچہ اس کے دیوان میں قصیدے، مرثیے، ترکیب بند قطعات اور غزلیں شامل ہیں۔اس نے بھی اور شاعروں کی طرح نظامی کی تقلید میں خمسہ لکھنے کی کوشش کی چنانچہ اس سلسلہ میں اس کی مثنویاں: (۱) سلیمان و بلقیس (۲) ہفت کشور (۳) مرکز ادوار (۴) نل ودمن اور (۵) گیتا ہیں ۔فیضی امیر خسرو اور خواجہ حسن دہلوی کا مقلد تھا۔فیضی نے ہندی علوم اور سنسکرت ادب کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا۔چنانچہ فارسی زبان میں مہابھارت کا ترجمہ اسی کا کیا ہوا ہے۔

فیضی کو حکمت و فلسفے سے شغف تھا اس کی جھلک اس کی شاعری میں بھی ملتی ہے۔اس نے "سواطع الالہام" کے عنوان سے قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی اور اس میں صرف بے نقط (جیسے ا ح د ر س ص وغیرہ) حروف سے کام لیا ہے۔

ماخذ:

۱۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران ص۔ ۴۷۰-۴۷۱۔

۲۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص۔ ۲۳۴۔ اور ڈاکٹر محمد ریاض۔

(مولانا) قاسم نانوتوی

(۱۲۴۸ھ ——— ۱۲۹۷ھ)

محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش صدیقی نانوتہ میں ۱۲۴۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں سہارن پور میں شیخ محمد نواز سے پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لیے دہلی گئے اور شیخ مملوک العلی نانوتوی سے دوسری درسی کتابیں پڑھیں۔ حدیث کی تعلیم انھوں نے شیخ عبدالغنی بن ابوسعید دہلوی سے حاصل کی۔ روحانی تعلیم کے لیے امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھوں پر بعیت کی۔ ذریعہ معاش کے لیے مطبع احمدی میں تصحیح کا کام اپنایا۔ اسی زمانے میں انھوں نے صحیح بخاری شریف پر حاشیہ لکھا اور اس کو شائع کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شیخ امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ساتھ شاملی اور تھانہ بھون میں اہم رول ادا کیا۔ بغاوت کے مجرم گردانے گئے۔ کچھ دن روپوش رہے۔ حجاز کا سفر کیا۔ ہندوستان لوٹنے کے بعد میرٹھ میں قیام کیا اور مطبع مجتبائی میں تصحیح کا کام کرنے لگے۔ اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا نو یہ اس کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں دیوبند میں انتقال کیا۔

عیسائیوں سے مناظرہ میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ "تحذیرالناس"

ختم نبوت اور فضیلت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر نہایت جامع رسالہ ہے۔ دراصل یہ رسالہ ایک استفسار کے جواب میں ہے۔ سائل نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔

"اِنَّ اللّٰہ خَلَقَ سبعَ ارضینَ فی کلِّ ارضٍ آدم کآدمکم و نوحاً کنوحکم ابراھیم کابراھیمکم عیسیٰ کعیسکم و نبیاً کنبیکم"

اور اس کے سلسلے میں دریافت کیا ہے

ماخذ :

نزہتہ الخواطر۔ جلد ۷ ۔ ص ۔ ۲۸۳ ۔ ۲۸۴

مناظر احسن گیلانی : سوانح قاسمی

قدسی شاہ اسد الرحمان

(ولادت ۔ ۱۸۹۱ء)

ان کا نام ناصر الدین اسد الرحمن اور تخلص قدسی تھا۔ یہ بمقام بھوپال ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا حبیب الرحمن رشد و ہدایت اور صوفیائے کرام کے اعلیٰ مسلک سے فیضیاب ہو چکے تھے۔ اور حضرت وارث علی شاہ (دیوہ شریف) کے خلیفہ تھے۔

شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ شعور کو پہنچے تو آئندہ تعلیم کے لیے لاہور بھیج دیے گئے۔ سات سال بعد بھوپال لوٹے۔ والد کا وصال ہو چکا تھا۔ ان کے جانشین ہوئے۔

چار پانچ سال تک صحراؤں، پہاڑوں اور جنگلوں میں ریاضت کی زندگی گزاری آخر میں بھوپال منوا بھانڈہ میں مقیم ہو گئے۔ بھوپال کے تمام صاحبزادگان اور اخوان کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں سے لوگ ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔

۱۹۴۸ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور بالآخر بھون (ضلع جہلم) میں آستانۂ قدسی قائم کیا اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ان کے ارادت مندوں کا ایک بڑا حلقہ ہندوستان و پاکستان دونوں ملکوں میں ہے۔

بھوپال میں علامہ اقبال کی آمد سے پہلے ہی ان کے اور شاہ اسد الرحمن قدسی کے باہمی روابط قائم تھے۔ علامہ بھوپال آنے لگے تو رفتہ رفتہ تعلقات بڑھتے گئے۔

کئی سال تک سلسلۂ مکاتبت بھی جاری رہا۔ افسوس ہے کہ ہجرت کے موقع پر ان کے نام علاّمہ کے تمام خطوط ضائع ہو گئے۔

شاہ صاحب کو نظم و نثر دونوں پر قدرت حاصل تھی۔ شاعری کے مجموعے "آیاتِ قدسی" اور "نغمات" کے علاوہ سلوک و طریقت پر ان کی سات کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ الحبیب۔ (۱۹۱۵ء)

۲۔ سترویں نامہ۔ (۱۹۱۵ء)

۳۔ نامۂ قدسی

۴۔ اطمینانِ قلب

۵۔ کشکولِ قلندری

۶۔ الکلام

۷۔ حفظ البحر

یہ تمام کتب لکھنؤ اور دہلی سے شائع ہو چکی ہیں۔

مآخذ:

۱۔ صہبا لکھنوی۔ اقبال اور بھوپال۔ ص ۳۷، ۳۸/ ۲۲، ۲۲۸، ۳۲۷

۲۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ خطوطِ اقبال۔ ص ۱۴۵/ ۱۴۶

قدوائی (شیخ) مشیر حسین

(۱۸۷۸ء —— ۱۹۳۷ء)

شیخ مشیر حسین قدوائی اودھ کے ایک چھوٹے سے تعلقدار خاندان سے تھے۔ موضع گدیہ، ضلع بارہ بنکی (یو۔ پی) میں ۷ ار اگست ۱۸۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگلستان چلے گئے۔ وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آئے اور ۱۹۲۱ء میں الہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے مشیر ہو گئے۔ لکھنؤ بینچ کے سینئر جج کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔

خلافت تحریک کے سرگرم قائدین میں سے تھے۔ ۱۹۱۳ء کے اوائل میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے ساتھ "حرمین شریفین" کے تحفظ کے لیے ایک سوسائٹی کے قیام کی اسکیم انھوں نے مرتب کی "تاکہ پہلی جنگ عظیم کے دوران ان مقدس مقامات پر غیر مسلموں کے جارحانہ حملے نہ ہوں۔ یہ اسکیم مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال" ۳۰ ر اپریل ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی اسی سلسلہ میں مولانا عبدالباری اور ان کے رفقاء کار نے "انجمن خدام کعبہ" قائم کی۔ ۶ رمئی ۱۹۱۳ء کو مشیر حسین قدوائی اس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔

انھوں نے ایک پمفلٹ "بعنوان "مسلم ریاست کا مستقبل (FUTURE OF MUSLIM STATE) لکھا۔ جو سنٹرل اسلامک سوسائٹی لندن نے ۱۹۲۱ء میں شائع کیا اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ ترکی کا استحصال وانتشار مسلمانِ عالم کو تباہ و برباد کر دے گا۔

انھوں نے قرآن پاک کے انگریزی میں مشہور مترجم پکتھال (M. PICKTHALL)

کے ساتھ لندن میں ایک اسلامک انفارمیشن بیورو بھی چلایا جس نے منجملہ دیگر کارگزاریوں کے ترکی کی حمایت میں کثیر لٹریچر شائع کیا۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں انھوں نے بھی مولانا عبدالباری، مولانا آزاد اور مولانا شوکت علی کے ساتھ ایک مینی فیسٹو پر دستخط کیے جو ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی سازش کے خلاف مرتب کیا گیا تھا۔ مئی ۱۹۲۰ء میں فیض آباد میں اودھ خلافت کانگریس کی صدارت کی۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں برابر شریک ہوتے تھے۔ موپلاؤں کی بغاوت کے اسباب اور واقعات کے تحقیقاتی کمیشن کے رکن تھے۔ جو دسمبر ۱۹۲۱ء میں مسلم لیگ نے بنایا تھا۔

مئی ۱۹۲۶ء میں لیگ کی اس کمیٹی کے بھی رکن تھے جس کا مقصد ہندوستان کے دستور کی اسکیم مرتب کرنا تھا۔

انھوں نے ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو نیشنلسٹ (قوم پرست) مسلم کانفرنس لکھنؤ میں ممتاز مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔

یہ مرکزی مجلس قانون ساز کے چار بار (۱۹۲۴ء، ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۶ء) ممبر رہے اور ہر بار بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ مشیر حسین قدوائی نے مختلف ممالک کا بھی دورہ کیا وہ بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے۔ وہ درجن بھر کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ جن میں مشہور ہیں:

۱۔ (سوراج اور اس کا حصول) SWARAJ AND HOW TO OBTAIN IT (1924)

۲۔ (اتحاد اسلامی اور بالشیوزم) PAN-ISLAM AND BOLSHEVISM

۳۔ (اسلام اور عورت) ISLAM AND WOMAN

۲۲ دسمبر ۱۹۳۷ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ماخذ:

نریش کمار جین۔ مسلمز ان انڈیا۔ جلد دوم۔ ص ۲۲-۲۳

NARESH KUMAR JAIN: MUSLIMS IN INDIA, VOL. II P. 22-23

قرہ خاں

(۱۸۸۹ء ———————— ۱۹۳۷ء)

قرہ خاں روس کا سیاست داں اور ڈپلومیٹ تھا۔ اس کا نام لیو میکائلووچ LEV MIKAILOVICH قرہ خاں تھا اور ایل۔ ایم۔ قرہ خاں L.M. KARAKHAN کے نام سے مشہور تھا۔ ۲۰ جنوری ۱۸۸۹ء کو تبلیسی (TIBLISI) میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ وکیل تھا۔ قرہ خاں نے بی۔ اے پاس کیا اور انقلابی سوشلسٹ "ڈیموکریٹک پارٹی کا ممبر ہو گیا۔ ۱۹۰۵ء میں ہاربن (HARBIN) چلا گیا۔ وہاں ۱۹۱۰ء میں گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء تک پیٹروگراڈ یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۰ء سے ٹریڈ یونین تحریک میں شامل ہو گیا۔ ۱۹۱۵ء میں پھر گرفتار ہوا۔ اور ٹومسک (TOMSK) کو جلا وطن کر دیا گیا جہاں اس نے مقامی یونیورسٹی سے قانون کا امتحان پاس کیا۔

قرہ خاں پارٹی کا کام خفیہ طور پر کرتا رہا۔ اپریل ۱۹۱۷ء کو پیٹروگراڈ واپس آیا۔ جون ۱۹۱۷ء میں مزدوروں اور سپاہیوں کی سوویت (SOVIETS OF WORKERS AND SOLDIERS) کے پہلے سیشن میں کل روس مرکزی انتظامیہ کمیٹی (ALL RUSSIAN CENTRAL EXECUTIVE COMMITTEE) کا رکن منتخب ہوا۔ اگست میں پریذیڈیم (PRESIDIUM) کا ممبر اور پیٹروگراڈ سوویت کا سکریٹری چنا گیا۔ انقلابی سوشلسٹ ڈیموکریٹک پارٹی کی چھٹی کانگریس میں [illegible]۔ اکتوبر کے انقلاب میں پیٹروگراڈ [illegible] ۱۹۱۸ء تک سوویت [illegible] رہا [illegible]

عظیم کے بعد امن کے معاہدہ پر مذاکرات کے لیے بھیجا گیا۔
مارچ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک یہ ڈپٹی منسٹر برائے امور خارجہ رہا۔ ۱۹۲۱ء میں پولینڈ میں با اختیار سفیر رہا اور ستمبر اگست ۱۹۲۶ء تک چین میں سفیر با اختیار کے عہدہ پر فائز رہا۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۴ء تک یہ پھر ڈپٹی کمشنر برائے امور خارجہ رہا۔ پھر ۳ رمئی ۱۹۳۷ء تک ترکی میں سفیر رہا۔
۳۰ رستمبر ۱۹۳۷ء کو اس کی وفات ہوئی۔

ماخذ :

M.S. KAPITSA: THE GREAT SOVIET ENCYCLOPAEDIA,
VOL. II, P.426 MACMILLAN

ایم۔ ایس۔ کاپتسا : دائرۃ المعارف عظمیٰ روس جلد دوم ص ۴۲۶
میک ملن

قیصر (ملک لال دین)

(۱۸۵۵ء ——— ۱۹۵۶ء)

ملک لال دین قیصر ۱۸۵۵ء کے لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ معمولی تعلیم کے بعد لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا۔ قیصر تخلص اختیار کر کے پنجابی میں عشقیہ کہانیاں اور رومانی نظمیں لکھنے لگے۔ یہ عوام میں اس قدر مقبول ہوئیں کہ ان کا نام پنجابی کے مشہور شاعروں کی صف میں لیا جانے لگا۔

جب خلافت تحریک شروع ہوئی تو ملک لال دین قیصر اس میں سیاسی کارکن کی حیثیت سے شامل ہو گئے۔ انھوں نے اس زمانے میں انقلابی اور ولولہ انگیز نظمیں لکھیں، ان نظموں کی وجہ سے انہیں کئی مرتبہ جیل جانا پڑا۔ یہ صورت حال ان کی والدہ کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ انھوں نے لاکھ سمجھایا مگر قیصر سیاسی نظمیں لکھنے اور سیاسی تحریکوں میں شامل ہونے سے باز نہیں رہے۔ چونکہ ملک لال دین قیصر اپنا بیشتر وقت اقبال کی خدمت میں گزارتے اور ان کے خیالات سے استفادہ کرتے تھے اس لیے ان کی والدہ نے براہ راست اقبال سے درخواست کی کہ آپ میرے بیٹے کو خطرناک جلسوں اور تحریکوں میں شامل ہونے سے باز رکھیں۔ چنانچہ اقبال کے منع کرنے پر انھوں نے سیاسی سرگرمیوں میں زیادہ شرکت نہیں کی۔

۱۹۵۰ء میں [illegible] کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا۔ لیکن مالی حیثیت مضبوط نہ

ہونے کی بنا پر چند مہینوں سے زیادہ نہ چل سکا. چنانچہ ۱۹۲۱ء میں انھوں نے کتابوں کی دکان کھول لی. ٹھیکیداری بھی کرنے لگے.

سیاست میں برابر حصہ لیتے رہے. قرارداد پاکستان کو مؤثر بنانے کی بھرپور کوشش کی. قیام پاکستان کے بعد ان کا سیاسی جذبہ سرد پڑ گیا. وہ رفتہ رفتہ عملی سیاست سے الگ ہو گئے. اس کے باوجود ان کی فلاحی سرگرمیاں جاری رہیں.

۱۹۵۶ء میں انتقال کیا.

ماخذ:

عبدالرؤف عروج. رجال اقبال. ص. ۴۰۴ - ۴۰۵

کاظمی تمکین (۱۹۰۲ء۔ ۱۹۶۱ء)

سید مصباح الدین تمکین کاظمی حضرت داغ کے حیدرآبادی شاگرد ابوالمعنی سید منتخب الدین تجلّی (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۲۷ء) کے بیٹے تھے۔ یہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ مروّجہ تعلیم کے علاوہ عربی فارسی اور حدیث وتفسیر کا علم بھی حاصل کیا۔ ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد صوبہ داری گلبرگہ میں ملازم ہو گئے۔ اور مختلف دیوانی ومالی اور ملکی دفتروں میں کام کرتے رہے شاعری میراث میں پائی تھی۔ شعر وشاعری کے سلسلے میں علامہ اقبال سے مراسلت بھی کی تھی۔ اور مثنوی "اسرارِ خودی" کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کی اجازت بھی چاہی تھی۔ اور ترجمہ کا نمونہ بھیجا جسے دیکھ کر اقبال نے اپنے مکتوب محررہ ۴/ستمبر ۱۹۲۸ء میں انہیں ترکِ شعر کا مشورہ دیا۔ اس مشورے کو تمکین کاظمی نے قبول کر کے نثر کی طرف توجہ کی۔

انھوں نے چند کتابیں تصنیف وتالیف کیں جن میں "داغ" بہت مشہور رہے وہ مزاح نگار کی حیثیت سے بھی سامنے آئے "غنچۂ تبسم" ان کے چند مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کی تصانیف میں سے "تذکرہ ریختی" "ازلنت" اور "معاشقہ نویس" بھی شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے اعظم الامرا ارسطو جاہ کی سوانح عمری بھی مرتب کی تھی اُن کا انتقال ۱۹۶۱ء میں ہوا۔

ماخذ:

محمد عبداللہ قریشی "معاصرین اقبال کی نظر میں" ۔ ص ۵۰۸۔ ۵۱۲

کچلو (سیف الدین) (۱۸۸۸ء ۔ ۱۹۶۳ء)

سیف الدین کچلو امرتسر میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے انگلستان میں قانون پڑھا اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے وکالت امرتسر سے شروع کی اور گاندھی جی کے ایک قریبی شریک کار ہو گئے اور ۱۹۰۵ء کی ستیہ گرہ میں حصہ لیا۔ جلیانوالہ باغ کے قتل عام کے بعد مارشل لا کمیشن نے ان کو تاعمر قید بہ عبور دریائے شور کی سزا دی۔ لیکن بعد میں ان کی رہائی ہوگئی۔ اپنی پریکٹس خلافت اور کانگریس ایجی ٹیشن کی خاطر ترک کرکے وہ عدم تعاون تحریک میں شامل ہوئے۔ مشہور کراچی کیس میں ان کو جیل جانا پڑا۔ ساری عمر آزادی کے سپاہی کی حیثیت سے لڑتے رہے۔ تمام تحریکات میں حصہ لیا اور تقریباً ۱۴ سال جیل میں گزارے۔

کچلو آل انڈیا پیس کونسل (ALL INDIA PEACE COUNCIL) کے بانی صدر اور ورلڈ پیس کونسل (WORLD PEACE COUNCIL) کے نائب صدر تھے تحریک امن کے لیے ان کی انتھک محنت کا تمام دنیا نے اعتراف کیا۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو ۱۹۵۲ء میں اسٹالن پیس پرائز کے مستحق بنے اور انھوں نے انعام کی پوری رقم ایک لاکھ پچیس ہزار روپے تحریک امن کو عطیہ کی شکل میں دیدی۔

۱۹۶۳ء میں ان کی وفات ہوئی۔

ماخذ:

احمد ۔ جدید ہندوستان کے معمار ۔ ص۔ ۷۸

کلہن (ولادت بارہویں صدی کا آغاز)

پنڈت کلہن سنسکرت کا ایک ایسا مشہور و معروف شاعر تھا جس کا نام فردوسی کی صف میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہ ایک بے مثال مؤرخ بھی تھا۔ غالباً وہ بارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں پرہی پاس (PARIHAS PURA) میں پیدا ہوا تھا۔ کلہن کا باپ کم پک (CAMPAKA) تھا۔

کلہن کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی ایسے زمانے میں گزری ہے۔ جب کشمیر خانہ جنگی اور فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ اس کے اشلوکوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۳۵ء میں جوان تھا۔ جن فوجی کارروائیوں کا اس نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، وہ اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ کلہن فنِ حرب سے علمی واقفیت بھی رکھتا تھا۔ اسے کشمیر کے جغرافیائی حالات پر بھی عبور حاصل تھا۔ گویا وہ ایسا شاعر تھا جو تاریخ و جغرافیہ کے علوم سے بھی کماحقہٗ واقف تھا۔ یہی بات اسے فردوسی (خالقِ شاہنامہ) کے ہم پلّہ قرار دیتی ہے۔

راج ترنگنی کلہن کی شاہکار تصنیف ہے جو ۱۱۴۵ء/۱۱۴۸ء میں لکھی گئی۔ جب اس کے شباب کا زمانہ گزر چکا تھا۔ یہ سنسکرت نظم میں کشمیر کی مشہور تاریخ ہے۔ اس میں پانچ ہزار سال زیادہ زمانے کے تاریخی حالات و واقعات یکجا کر دیے گئے ہیں۔ یہ تاجدارانِ کشمیر کے عروج و زوال کے حالات و واقعات پر مبنی ہے۔ اس میں ان باون (۵۲) مہاراجوں کا مفصّل تذکرہ بھی شامل ہے جن کے بارے میں اس وقت تک کوئی معلومات نہ تھیں۔ اس میں کشمیر کا قدیم جغرافیہ بھی شامل ہے جو فقید المثال ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے "راج ترنگنی سیاسی، سماجی اور کسی حد تک معاشی بیش بہا معلومات کا خزانہ ہے۔"

راج ترنگنی تقریباً ساڑھے تین ہزار اشلوکوں پر مشتمل ہے۔ اس کا انداز رزمیہ شاعری

کا ہے۔ اس میں اکثر و بیشتر اشلوکوں میں مہابھارت اور رامائن سے تشبیہات دی گئی ہیں۔ یہ نہ صرف تاریخ کی کتاب ہے بلکہ ادب پارہ بھی ہے۔

راج ترنگنی کا پہلا معرکۃ الآرا انگریزی ترجمہ ایم۔ اے اسٹائین (M.A. STEIN) نے کیا تھا۔ جو پنجاب یونیورسٹی میں رجسٹرار تھا۔

۱۹۳۵ء میں۔ آر۔ ایس پنڈت (R.S. PANDIT) نے ایک اور انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ اردو میں اسے ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ نے منتقل کیا ہے جو نظر ثانی کے بعد جناب کبیر کوثر کی نگرانی میں شائع ہوئی اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

ماخذ:

۱۔ کبیر کوثر ۔ راج ترنگنی ۔ لائٹ اینڈ لائف پبلشرز، نئی دہلی ۔ ۱۹۷۹ء

2. PRITHIVI NATH KAUL BAMZAI: A HISTORY OF KASHMIR

METROPOLITAN BOOK CO.(PRIVATE) LTD. DELHI, FIRST EDITION, 1962

کمال اسمٰعیل خجندی

(متوفی ۶۳۵ ہجری)

اسمٰعیل نام اور کمال تخلص تھا۔ اس کا شمار ساتویں صدی ہجری کے مشہور شاعروں اور قصیدہ نگاروں میں ہوتا ہے اور "خلاق المعانی" کہلاتا ہے۔ اصفہان کے مشہور مذہبی خانوادے آل صاعد اور آل خجند کا مداح تھا۔ اس لیے علامہ اقبال نے اسے خجندی لکھا ہے۔ کمال نے خوارزم شاہیوں، اتابکوں اور طبرستان کے سپہ سالاروں کی بھی مداح سرائی کی لیکن دربار میں چنداں قدر نہیں ہوئی۔

۶۳۵ھ میں جب اوکتائی خان نے اصفہان میں قتل عام کا حکم دیا تو یہ گوشہ نشین تھا اور شہر کے ایک محلے میں رہتا تھا۔ اکثر لوگ نقدی وغیرہ اس کے گھر میں لاکر امانت کے طور پر رکھ دیتے تھے۔ گھر میں ایک کنواں تھا، وہ ان امانتوں کا خزانہ بن گیا تھا۔ شہر کی غارت گری میں ایک ترک ادھر آنکلا۔ کمال سے خزانہ کا پتہ پوچھا تو اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے غصہ میں اس کو قتل کر دیا۔

کمال کی شاعری قدما اور متاخرین کی مشترک حد ہے۔ قدما کی متانت اور پختگی اور متاخرین کی مضمون بندی اور خیال آفرینی دونوں یکجا جمع ہو گئے ہیں۔

کمال نے زبان کی صفائی اور سلاست پر خاص توجہ دی، ہجو و ظرافت کو بھی نہایت شلیست اور پُرمزہ کر دیا۔ ایک رئیس سے صلۂ دالنفاخذ کس قدر لطیف پیرایہ میں کیا

ہے

سہ رسم شعر بود شاعرانِ طامع را
یکے مدیح و دوم قطعہ تقاضائی
اگر بداد سوم شکر ور ندادہ ہجا
ازیں سہ بیت دو گفتم دگر چہ فرمائی

(لالچی شاعروں کا طریقہ ہے کہ تین طرح کے شعر لکھتے ہیں۔ پہلے مدح کرتے ہیں۔ پھر دوسرے نمبر پر صلہ کے لیے تقاضا کرتے ہیں۔ اگر ممدوح نے صلہ دے دیا تو تیسری بار شکریہ لکھتے ہیں، نہ دیا تو ہجو۔ میں تینوں میں سے دو تو لکھ چکا ہوں تیسری کی نسبت کیا ارشاد ہے)

مولانا شبلی کہتے ہیں کہ غزل کا پہلا خاکہ کمال ہی نے قائم کیا تھا۔ جس کو شیخ سعدی نے اس قدر ترقی دی کہ موجد بن گئے۔

کمال نے رباعی کو جس قدر ترقی دی قدما اور متوسطین میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔

ماخذ:۔

۱۔ مولانا شبلی نعمانی۔ شعر العجم۔ حصہ دوم، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۸۵ء (طبع پنجم) ص۔ ۱۵۔ ۲۵

۲۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران۔ ص۔ ۳۷۷۔ ۳۷۹

کینز (جان مینارڈ) (JOHN MAYNARD KEYNES)

(۱۸۸۳ء —— ۱۹۴۶ء)

اس صدی کا عظیم ترین بُت شکن ماہر معاشیات گزرا ہے۔ جان مینارڈ کینز ایک خوشحال گھرانے میں ۵ جون ۱۸۸۳ء کو کیمبرج (انگلستان) میں پیدا ہوا۔ اس نے ایٹن (ETON) کے مشہور پبلک اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر ۱۹۰۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک قدیم کالج میں داخلہ لیا۔ ممتاز ماہر معاشیات الفریڈ مارشل[۱] (ALFRED MARSHALL) کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ یہیں پر وہ مخصوص حلقۂ ادب وفنون لطیفہ میں شامل ہوا جس کو بلومبری (BLOOMSBURY) کہا جاتا ہے۔ جس کے ممبران اس زمانے کے ممتاز ناول نگار، فلسفی، مصور، نقاد، ماہر فنون لطیفہ اور سوانح نگار رہتے۔ یہ حلقہ اپنے اقوال میں بے باک تھا اور اپنے افعال میں پابندگی رسم و راہ عام کا سخت مخالف تھا۔

کیمبرج یونیورسٹی سے بی۔ اے پاس کرکے کینز سول سروس میں داخل ہوگیا اور انڈیا آفس میں تعینات ہوا۔ پھر کیمبرج واپس آکر ۱۹۱۴ء تک معاشیات کا استاد رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے چھڑنے کے بعد اس نے پھر گورنمنٹ کی ملازمت کرلی اور اس دفعہ محکمۂ مالیات (TREASURY) میں کام کیا۔ یہاں اسے جنگ کی اقتصادی صورت حال کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ یہاں کی کارگزاری اس قدر شاندار تھی کہ سیاست میں اس کے اعلیٰ مرتبہ کا حصول یقینی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ورسیلی امن کانفرنس نے اس کی زندگی کا رُخ ہی بدل دیا۔ اس کانفرنس میں

---

[۱] الفریڈ مارشل برطانوی ماہر معاشیات (۱۸۴۲ء - ۱۹۲۴ء)

انگلستان کے وزیر اعظم لائڈ جارج کے ہمراہ بحیثیت مشیر معاشیات شریک ہوا تو اس کو سیاست کی شعبدہ بازی اور حیلہ سازی دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ شکست خوردہ جرمنی پر جنگ کے تاوان کا ناقابل برداشت بوجھ ڈالنے کے جو خطرناک نتائج پیدا ہوں گے" ان کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے اس کا اتنا اثر لیا کہ بیمار پڑ گیا اور اپنے عہدے سے مستعفی ہو گیا۔ ۱۹۱۵ء میں اس نے ایک فکر انگیز مضمون بعنوان "امن کے معاشی نتائج" لکھا۔ یہ کتابچہ بے حد انگیز حد تک مقبول ہوا۔

کینز کیمبرج واپس آ گیا۔ وہ وقیع جرائد اور مؤقر اخبارات میں آرٹیکل لکھتا رہا۔

۱۹۳۰ء میں امریکہ اور یورپ میں جو اقتصادی بحران اور کساد بازاری ہوئی وہ کینز کو شہرت دوام عطا کرنے کا باعث بنی۔ تجارت میں حکومت کی عدم مداخلت کی حکمت عملی قطعاً ناکام ثابت ہو چکی تھی۔ کینز نے ۱۹۳۰ء کے اوائل میں وہ عدیم المثال ذی اثر اور معرکۃ الآرا کتاب لکھی جواب تک اس صدی میں کسی ماہر معاشیات نے نہیں لکھی تھی۔ اس کا مقابلہ مشہور زمانہ ماہر معاشیات ایڈم اسمتھ (ADAM SMITH) کی کتاب "دولت اقوام" (WEALTH OF NATIONS) اور مالتھوز (MALTHUS) کی آبادی پر مضمون (ESSAY ON POPULATION) سے کیا جا سکتا ہے۔ کینز کی شہرہ آفاق تصنیف "روزگار، شرح سود اور روپے کا عام نظریہ THE GENERAL THEORY OF EMPLOYMENT, INTEREST AND MONEY ۱۹۳۵ء کے آخر میں شائع ہوئی۔

۱۹۳۷ء میں کینز کو دل کا سخت دورہ پڑا۔ دو سال کے بعد یہ پھر کیمبرج میں تعلیم و تدریس کے کام میں مشغول ہو گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر اس نے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی تنظیم و تشکیل کے لیے نئے بنیادی ڈھانچے کے متعلق غور و فکر کی تاکہ کساد بازاری پھر سے گرم نہ ہو جائے۔ چنانچہ ۱۹۴۴ء میں برٹن ووڈز کانفرنس (BRETTON WOODS CONFERENCE) میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کانفرنس کی سفارش پر انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (INTERNATIONAL MONETARY FUND)

ﻪ ، ﻪ ۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ورلڈ بینک (WORLD BANK) دو بین الاقوامی معاشی ادارے قائم ہوئے۔

اس کا آخری نمایاں کارنامہ ۱۹۴۵ء میں برطانوی حکومت کو امریکہ کی حکومت سے عربوں کا قرضہ دلانے کے شاندار کاروباری مذاکرات تھے۔ اس پر اس کو لارڈ کا خطاب عطا کیا گیا۔

۲۱ر اپریل ۱۹۴۶ء کو کینز کا انتقال ہوگیا۔ بعہد حاضر وہ عظیم ترین ماہر معاشیات تھا۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا : جلد دہم ص ۴۴۷ ۔ ۴۴۸

---

[۱] ایڈم اسمتھ مشہور برطانوی معاشیات داں (متوفی ۱۷۹۰ء)

[۲] تھامس رابرٹ مالتھوز برطانوی معاشیات داں (۱۷۶۶ ۔ ۱۸۳۴ء)

(مہاتما) گاندھی

(۱۸۶۹ ـ ۱۹۴۸ء)

موہن داس کرم چند گاندھی پوربندر کاٹھیاواڑ میں ۲ر اکتوبر ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ راجکوٹ اور بھاؤنگر میں تعلیم پائی۔ ۱۸۸۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۸ء میں انگلستان گئے۔ ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری پاس کی۔ ۱۸۹۳ء میں وہ ایک ہندوستانی فرم کے قانونی مشیر کی حیثیت سے جنوبی افریقہ چلے گئے۔ جہاں ان کا قیام بیس سال سے زیادہ رہا۔ وہاں انھوں نے سفید فام حکومت کے جبر و تشدد کے خلاف نوآباد ہندوستانی فرقہ کی قیادت کی۔ ۱۹۰۶ء اور ۱۹۰۸ء میں عدم تشدد پر مبنی ستیہ گرہ کا تجربہ کیا۔

۱۹۱۴ء ہندوستان واپس آئے۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء تک ہندوستانی سیاست کا مطالعہ کیا۔ اس دوران گاندھی جی نے احمد آباد میں دریائے سابرمتی کے کنارے سے ایک آشرم قائم کیا جس میں ہریجنوں کو داخل کر کے ہندوؤں کے رجعت پسند عقائد میں ہلچل پیدا کر دی۔

گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی پہلی مہم بہار میں چمپارن کے مقام پر ۱۹۱۷ء میں شروع کی۔ جس کی غرض نیل کے کاشتکاروں کی شکایات کو دور کرنا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے احمد آباد میں مزدوروں کی ہڑتال کی قیادت کی اور ضلع کیرا میں ٹیکس ادا نہ کرنے کی تحریک کامیابی کے ساتھ چلائی۔ ۱۹۱۹ء میں رولٹ بل کے خلاف اپنی ستیہ گرہ کے ذریعہ انھوں نے سارے ملک میں ہلچل مچا دی۔ اس زمانے میں خلافت تحریک میں

حصہ لے کر ہندو مسلم اتحاد کی بے نظیر مثال قائم کی۔

حکومت کی ناانصافیوں اور مظالم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء میں عدم تعاون کی اُس عوامی تحریک کو منظم کیا جو سارے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے "نوجوان" اور "ینگ انڈیا" (YOUNG INDIA) دو اخبار نکالے۔ موخرالذکر کا نام بعد میں تبدیل کرکے "ہریجن" کر دیا گیا۔

مارچ ۱۹۲۲ء میں وہ باغیانہ مضامین لکھنے کے جرم میں گرفتار کر لیے گئے اور چند سال کی سزائے قید ملی۔ ۱۹۲۴ء میں طبی وجوہات کی بنا پر رہا ہونے کے بعد انھوں نے فرقہ وارانہ اتحاد کی خاطر برت رکھا اور بعد میں بیلگام کے مقام پر کانگریس کے اجلاس کی صدارت کی۔

شدت کے ساتھ کھادی اور سودیشی کی مہم چلاتے ہوئے گاندھی جی نے عوام میں برطانیہ کے خلاف بغاوت کے جذبات اُبھارے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء کو انھوں نے نمک ستیاگرہ کی قیادت کی اور گرفتار کر لیے گئے۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں رہا ہوئے تاکہ وائسرائے سے گفت و شنید میں شریک ہو سکیں۔ ان مذاکرات کا نتیجہ مارچ ۱۹۳۱ء کے سمجھوتے کی شکل میں برآمد ہوا۔ اس سمجھوتے کے مطابق وہ کانگریس کے واحد نمائندے کی حیثیت سے لندن میں دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے لیکن مختلف فرقوں کے مطالبات اور مجوزہ دستور میں ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی اور یہ کانفرنس ناکام رہی۔

دسمبر ۱۹۳۱ء میں وطن واپس آکر انھوں نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی اور گرفتار ہو کر یروادا جیل میں رکھے گئے۔ جہاں انھوں نے ہریجنوں کے لیے جداگانہ انتخاب کی تجویز کے خلاف جو ایک برطانوی سازش تھی، ستمبر ۱۹۳۲ء میں مرن برت شروع کیا۔ یہ برت "پونا سمجھوتے" کے بعد توڑا گیا۔

۱۹۳۳ء میں رہا ہو کر گاندھی جی فلاحی سرگرمیوں میں پھر مصروف ہو گئے۔ بنیادی تعلیم کے تصورات و نظریات کی تشکیل کرتے ہوئے انھوں نے قومی اور وسیع

عوامی تعلیم کے پروگرام میں بھی گہری دلچسپی لی۔

ہندوستان دوسری عالمی جنگ میں عوام کی مرضی کے خلاف شریک ہوا تھا حکومت برطانیہ کے اس آمرانہ فیصلے کی گاندھی جی نے شدید مخالفت کی اور جنگ کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے انفرادی ستیاگرہ کی تحریک شروع کر دی۔

۱۹۴۲ء میں جب کرپس مشن (CRIPP'S MISSION) ناکام ہو گیا تو گاندھی جی نے اپنی تاریخی قرارداد "ہندوستان چھوڑ دو" پیش کی اور اپنے ہم وطنوں کو للکارا کہ "کرو یا مرو" ("DO OR DIE")۔ ۱۹۴۴ء میں رہائی کے بعد انھوں نے ہندوستان کی آئینی گتھی کو سلجھانے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح سے گفت و شنید شروع کی۔ ۱۹۴۶ء میں برٹش کیبنٹ مشن (BRITISH CABINET MISSION) کے ساتھ اقتدار کی منتقلی کے متعلق تبادلۂ خیال کیا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا۔ لیکن ملک تقسیم ہوا اور دو آزاد مملکتیں ہندوستان اور پاکستان وجود میں آئیں۔ ستمبر ۱۹۴۷ء کو انھوں نے فرقہ وارانہ فسادات کی لہر کو روکنے کے لیے مرن برت رکھا۔ جس کے نتیجہ میں کلکتہ کے فسادات بند ہوئے۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو عدم تشدد کے اس پیامبر اور داعی کو برلا ہاؤس نئی دہلی میں ایک سرپھرے ہندو نے اس وقت قتل کر دیا۔ جب وہ اپنی روزانہ کی پراتھنا سبھا میں آکر بیٹھے ہی تھے۔

گاندھی جی عالم انسانیت کے لیے اپنے عظیم کارنامے چھوڑ گئے۔ حق پرستی، اخلاقی قوت برائیاں، سماج میں انقلابی تبدیلیاں لانے کا عزم ایک ناقابل شکست ارادہ اور بے مثال سادگی، جسے نسل در نسل یاد رکھا جائے گا۔

ان کی خود نوشت سوانح حیات "تلاش حق" (ترجمہ ڈاکٹر سید

عابد حسین) THE STORY OF MY EXPERIMENTS WITH TRUTH ایک مشہور زمانہ کتاب ہے ۔ ان کی تمام تحریریں، مضامین، خطوط اور خطبات وغیرہ COLLECTED WORKS OF MAHATMA GANDHI کی صورت میں ۹۲ جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

ماخذ :
دائرۃ المعارف برطانیکا - جلد ہفتم ۔ ص ۔ ۸۷۴ ۔ ۸۷۸

گائی گر (برن ہارڈ) (BERNHARD GEIGER)

یہ خاصا معروف مستشرق گزرا ہے۔ اس نے عربی اور فارسی زبان وادب پر تحقیق کی ہے۔ اس نے سبعہ معلقات میں طرفہ بن العبد کے قصیدے پر ۱۹۰۵ء میں کام کیا۔ بعد میں یہ ادبیات ایران کی جانب متوجہ ہوگیا۔ اس کی جرمن میں دو اہم تصانیف یہ ہیں :

(1) RELIGION OF AN IRANIAN

(2) RELIGIONS OF THE EARTH IN DETAIL

ماخذ :
بصد شکریہ
اسلام۔ آرکیو۔ ڈیوٹیشن لینڈ برلن (ISLAM-ARCHIV-DEUTSCHLAND BERLIN)

(شیخ) گلاب دین (متوفی ۱۹۳۷ء)

شیخ گلاب دین کا شمار لاہور کے مشہور وکیلوں میں ہوتا تھا۔ وہ سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ ہم وطن اور ہم محلّہ ہونے کی وجہ سے بچپن ہی سے اقبال سے دوستی تھی۔ گلاب دین نے انتہائی غربت میں پرورش پائی۔ شمس العلماء میر حسن نے ان کی بڑی امداد کی۔ ان کو ٹیوشن پڑھانے کا کام دلادیا۔ جس سے ان کو دو روپے ماہانہ ملنے لگے۔ مولوی میر حسن نے ان سے کہا۔ یہ دو روپے میرے پاس جمع کرتے رہو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

جب میٹرک کے امتحان میں پاس ہو گئے تو مولوی میر حسن نے اُن کے داخلے کی فیس اپنی طرف سے جمع کر کے ان سے کہا۔ لاہور جاکر مختار کاری کا امتحان پاس کرو۔ وہیں جاکر بی۔ اے، ایم۔ اے کرو۔ چنانچہ شیخ گلاب دین نے ایسا ہی کیا اور لاہور میں مستقل طور پر رہنے لگے۔

جب اقبال کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر اورینٹل کالج لاہور میں عربک ریڈر مقرر ہوئے اور کچھ مدت کے بعد ان کا تقرر گورنمنٹ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے ہوا تو شیخ گلاب دین نے اپنے مکان کے قریب محلہ جلوٹیاں کے مقابل ایک بالاخانہ اُن کو اقامت کے لیے دلوایا۔ اقبال اس اقامت خانے میں ۱۹۰۵ء تک مقیم رہے۔ اس طرح ان میں اور اقبال میں بے تکلفانہ دوستی پیدا ہو گئی۔

جب اقبال کے برادر زادہ شیخ اعجاز احمد نے ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا

تو اقبال کے ایما پر شیخ گلاب دین نے بڑی محنت اور مشقت سے ان کو وکالت کی تربیت دی۔

شیخ گلاب دین نے وکالت میں بڑی ترقی کی۔ انھوں نے اپنی دولت سے مکان خریدے۔ بستیاں اور شفا خانے بنائے۔ اس طرح ان کے پاس بڑی جائداد ہو گئی۔ جو اس دور کے اور ان کے ہم عصر وکیلوں کے پاس مشکل سے ہو گی۔ شیخ گلاب دین نے ۱۹۳۷ء میں انتقال کیا۔

شیخ گلاب دین کو اردو ادب سے بھی دلچسپی تھی۔ اردو بڑی صاف اور شائستہ لکھتے تھے۔ انھوں نے قانون شہادت اور قانون رواج کا اردو میں ترجمہ کیا تھا اور وہ اب بھی ملتا ہے۔

ماخذ:

عبدالروٗف عروج ۔ رجالِ اقبال ۔ ص ۱۴۳، ۱۱۴

گُل حسن شاہ (متوفی ۱۹۱۹ء)

یہ میرٹھ (اُتر پردیش بھارت) کے ایک کامل بزرگ تھے۔ حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے خلیفہ تھے۔ "تذکرۂ غوثیہ" ان کی مشہور اور مقبول تالیف ہے۔ اس میں اپنے مرشد کے ارشادات جمع کیے ہیں۔ نواب ابراہیم علی خاں والیٔ ریاست ٹونک (راجستھان بھارت) اور اُن کے ولی عہد نواب عبدالحفیظ خاں ان سے ارادت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔

جب علامہ اقبال یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹے تو ان سے عقیدت مندانہ تعلق پیدا ہوا۔ کبھی کبھی اُن کی خانقاہ میں حاضری بھی دیتے تھے۔

اِن کی رحلت ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔ مقبرہ پانی پت میں ہے۔

ماخذ:

صہبا لکھنوی، اقبال اور بھوپال۔ ص۔ ۶۷

گوبنیو (جوزف آرتھر) (JOSEPH ARTHUR GOBINEAU)

(۱۸۱۶ـــــ ۱۸۸۲ء)

جوزف آرتھر گوبنیو ایک فرانسیسی سفیر، ادیب اور ماہر نسلیات تھا۔ یہ پیرس کے قریب ایک موضع داوری (VILLE-d'AVRAY) میں ۱۴ر جولائی ۱۸۱۶ء کو پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم پرائیویٹ ذرائع سے حاصل کر کے سوئٹزرلینڈ میں کالج میں داخل ہوا۔ اسے یورپین اور مشرقی زبانیں سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ملٹری اکیڈمی میں داخلہ لینے میں ناکام ہونے کے بعد پیرس میں آباد ہو گیا۔ امرا کے حلقہ میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔

جب ۱۸۴۹ء میں مشہور سیاستداں اور ادیب ٹوکول (TOCQAVILLE) وزیر خارجہ بنا تو اس نے گوبنیو کو اپنا سکریٹری مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے محکمۂ سفارت میں ملازمت کر لی اور ہانور (HANOVER) (۱۸۵۱ء) فرینک فرٹ (FRANKFURT)، تہران (۱۸۵۵ء ۱۸۵۹ء) ایتھنز (ATHENS) (۱۸۶۴ء) ریو دی جینرو (RIO de JANERREIRO) (۱۸۶۹ء) اور آخر میں اسٹاک ہوم (STOCKHOLM) (۱۸۷۲ء) میں تعینات رہا۔ ۱۸۷۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر اٹلی میں اقامت اختیار کر لی اور وہیں تورن (TURIN) میں ۱۳ر دسمبر ۱۸۸۲ء کو انتقال کیا۔

گوبنیو ملازمت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہا۔

لول حج بابا

(پندرہویں/سولھویں صدی عیسوی)

بابا لول حج کا اصل نام معلوم نہیں۔ انھوں نے بابا لول حج یا لولی حاجی کے نام سے شہرت پائی۔ لول حج بمعنی "عاشق حج"۔ انھوں نے متعدد بار پیادہ حج کیے تھے۔ لول، یا لالہ کشمیر میں پیار یا عزّت کا لفظ ہے۔ جیسے بڑے بھائی کو کاک لال کہتے ہیں ان کا وطن موضع چک پرگنہ آدون تھا۔ قبولِ اسلام سے پہلے برہمن تھے۔ پیشہ زراعت تھا۔ لیکن فقر اختیار کیا تو اس سے کنارہ کش ہو گئے۔ بیوی کے ساتھ تعلقات اچھے نہ تھے اس واسطے ترکِ دنیا کر کے کشمیر سے نکل گئے۔ بارہ سال کشمیر سے باہر رہے اور مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کی۔ واپس آنے پر اشارہ غیبی پا کر حضرت بابا نصیر الدینؒ (متوفی ۱۴۳۹ء) کے مرید ہو گئے جو سلطان زین العابدین بڈشاہ (تخت نشینی ۸۲۴ھ/۱۴۲۰ء ۔ وفات ۔ ۸۷۴ھ/۱۴۷۰ء) کے زمانے میں حضرت شیخ العالم نورالدین ولیؒ کے ارادت مندوں میں تھے۔ بابا لول حج نے بقیہ عمر بابا نصیر الدینؒ کی صحبت میں گذاری۔ ان کی قبر چرار شریف میں احاطہ مزار شیخ نورالدین ولیؒ کے اندر ہے۔

بابا لول حج کا تذکرہ خواجہ اعظم شاہ دیدہ مری نے اپنی کتاب "واقعاتِ کشمیر" (۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء) میں کیا ہے اور ان کو اقبال کا مورثِ اعلیٰ بتایا ہے (خواجہ اعظم پر نوٹ حواشی میں ملاحظہ فرمائیں) دیدہ مری سے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد

ماہر علم الانسان کی حیثیت سے اس کو شہرت اس کی مشہور تصنیف ESSAI sur L'INEQUALE des RACES HUMAINS: کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ یہ چار جلدوں میں ہے اس کا نیا ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔

اس تصنیف میں اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تہذیب و تمدن کی تشکیل نسل کی بدولت ہوتی ہے اور دینی معاشرہ اس وقت تک ترقی پذیر رہے گا جب تک وہ نسلی پاکیزگی قائم رکھے گا۔ اس کا نسل پرست شخصیات پر گہرا اثر پڑا مثلاً نیٹشے پر خصوصاً المانی دانشوروں میں یہ نظریہ عام ہوگیا اور اس میں سامی نسلوں کی مخالفت کے پوشیدہ عنصر کو بڑھا چڑھا کر "گوبنوازم" (GOBINISM) کا نام دیا گیا۔ جسے خود گوبنو نے اپنے خیالات سے توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

اس نے ایران پر دو کتابیں لکھیں، اوّل TRAITE des ECRITURES CUNEIFORMES (1864) (جو دو جلدوں میں جو خط میخی یا خط میکانی یعنی قدیمی آشور و فارس کے خط سے متعلق ہے) اور دوسری HISTOIRE des PERSES (HISTORY OF THE PERSIANS) (1869) دو جلدوں میں ہے۔

اس کی دیگر تصانیف میں بیشتر ناول شامل ہیں یہ آخری دور کی یادگاریں ہیں۔

1. PLEIADES (1874); ENGLISH TRANSLATION [THE PLEIADS (1928)
2. SOUVENIRS de VOYAGE (1872); (THE CRIMSON HANDKERCHIEF (1929)
3. LES NOUVELLES ASIATIQUES (1876);
   [(a) THE DANCING GIRL OF SHAMKHA (1926); (b) TALES OFASIA(1942)

1. RELIGIONS et PHILOSPHIE dans L'ASIE CENTRALE ASIA (1865);
   (RELIGIONS AND PHILOSOPHY IN CENTRAL ASIA)
2. Le RENAISSANCE (1877); [THE RENAISSANCE (1913)]

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا، جلد دہم۔ ص۔ ۱۹۶۳ء

ابو محمد حاجی محی الدین مسکین کی تالیف ("تحائف ابرار فی ذکر الاولیا الاخیار) (تاریخ کبیر کشمیر ۱۹۰۳ء) میں بابا لول حج کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ بابا لول حج کے متعلق مسکین کا بیان دیدہ مری کی تفصیل سے قدرے مختلف ہے۔ بہر حال بقول اقبال اُن کے والد نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ بابا لول حج اُن کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔

فوق نے اپنی تصنیف تاریخِ واقعات کشمیر" (۱۹۴۳ء) میں بھی ان کتابوں کے حوالے سے بابا لول حج کے بارے میں لکھا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں وہ کوئی سند پیش نہیں کرتے۔

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری اپنے مضمون "لولی حاجی اور اقبال" شائع شدہ "ہماری زبان" جون ۱۹۸۰ء میں اس روایت کو بے بنیاد بتاتے ہیں۔

مآخذ:

ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود۔ حیات اقبال کا تشکیلی دور۔ ص۔ ۲، ۴، ۸

ہفت روزہ" ہماری زبان "جون ۱۹۸۰، نئی دہلی۔

لینن (LENIN)

(۱۸۷۰ ——— ۱۹۲۴ء)

لینن روس کمیونسٹ پارٹی کا بانی، انقلاب روس کا معمار، اشتراکی روس کا پہلا صدر۔ اس صدی کا وقیع لیڈر، عظیم انقلابی لیڈر، اور مارکسی نظام فکر کا عظیم ترین انقلابی مفکر تھا۔ اس کا نظریہ لینن ازم ——— (LENINISM) بھی مارکس کے نظریہ کا ہمدرجہ سمجھا جاتا ہے

ولاڈمر ایلچ اولیانوف (VLADIMIR ILICH ULYANOV) ۲۲ اپریل ۱۸۷۰ء میں سمبرک (SIMBIRSK) (اب اس کا نام اولیانوسک (ULYANOVSK) ہے) کے مقام پر پیدا ہوا۔ ۱۹۰۱ء میں سائبیریا میں پارٹی کے خفیہ کام کی خاطر اپنا نام بدل کر لینن رکھ لیا۔ ہائی اسکول میں اپنی جماعت میں اوّل پوزیشن لے کر پاس ہوا

۱۸۸۷ء میں لینن نے کازان (KAZAN) یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا۔ لیکن تین ماہ طلبا کی غیر قانونی ہڑتال میں حصہ لینے کی پاداش میں اس کو نکال دیا گیا۔ اب یُرانے جلاوطن انقلابیوں سے میل جول ہوا اور انقلابی لٹریچر ذوق و شوق سے پڑھنے لگا۔ خصوصاً مارکس کی شہرۂ آفاق تصنیف "سرمایہ داری" (DAS KAPITAL) پڑھ ڈالی جنوری ۱۸۸۹ء میں باضابطہ اشتراکی بن گیا۔

۱۸۹۱ء میں قانون کے امتحان میں کامیاب ہوا۔ اور ہر مضمون میں اوّل آیا

۹۳ - ۱۸۹۲ء میں وکالت شروع کی۔ اگست ۱۸۹۳ء میں سینٹ پیٹرزبرگ (اب اس کا نام لینن گراڈ ہے) منتقل ہو گیا۔ ۱۸۹۵ء میں اس کے رفیقوں نے اس کو مغربی

یورپ میں جلا وطن روسی انقلابیوں سے ربط و ضبط قائم کرنے کے لیے بھیجا۔ ۱۸۹۵ء میں واپس آکر اُس نے اور اُس کے رفقا کار نے (THE UNION FOR THE STRUGGLE FOR THE LIBERATION OF THE WORKING CLASS) (مجلس جد وجہد آزادیٔ مزدوران) قائم کی تاکہ مختلف اشتراکی جماعتوں کو متحد کیا جاسکے۔

دسمبر ۱۸۸۵ء میں مزدوروں کی ہڑتال کرانے کے جرم میں لینن کو تین سال کے لیے سائبیریا میں جلا وطن کر دیا گیا۔ جنوری ۱۸۸۰ء میں رہا ہو کر اس نے بیرونِ ملک کا سفر کیا۔

۱۸۹۹ء میں اس کی تحکمانہ تصنیف DEVELOPMENT OF CAPITALISM IN RUSSIA (روس میں سرمایہ داری کا فروغ) شائع ہوئی۔

اب لینن اور اس کے رفقا رنے ایک انقلابی اشتراکی جماعت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے ۱۸۹۸ء میں پہلی کانگریس اور ۱۹۰۳ء میں دوسری کانگریس لندن میں ہوئی۔ اسی دوران اس نے ایک کتاب لبعنوان WHAT IS TO BE DONE (اب ہمیں کیا کرنا ہے) شائع کی۔

دوسری کانگریس کے بعد انقلابیوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک لینن کا گروہ بالشویک (BOLSHEVIK) (اکثریت کا گروہ) اور دوسرا مان شویک (MENSHEVIK) (اقلیت کا گروہ)

لینن کا گروہ علیحدہ ہو گیا۔ جب روس میں انقلاب آیا تو لینن سوئزرلینڈ میں تھا۔ وہ نومبر میں واپس آیا۔ اور اب اس نے یہ نظریہ عام کیا کہ پرولتاری طبقہ انقلاب کا روح رواں ہے اور کسان اُس کے نہایت معتبر حلیف ہیں۔ اب اُس نے فیصلہ کیا کہ روس میں پرولتاری طبقہ اور کسانوں کی انقلابی جمہوری آمریت قائم کرنا ہوگی۔

پہلی جنگ کی وجہ سے روس کی بگڑتی ہوئی اقتصادی حالت سے مزدور اور فوجی سب نظام حکومت سے بیزار ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۱۷ء میں لینن کی بالشویک پارٹی کو پیٹروگراڈ

اور بڑے شہروں اور قصبوں میں اکثریت حاصل ہوگئی۔ لینن نے اس موقع کو غنیمت جان کر فوجی بغاوت کے ذریعہ عبوری حکومت کا تختہ پلٹنے اور اقتدار حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے اپنے خیالات کا اظہار ایک رسالہ THE STATE AND REVOLUTION (ریاست اور انقلاب) میں کیا۔ ستمبر میں چھپ کر فنلینڈ (FINLAND) چلا گیا۔ ۲۰ اکتوبر کو یہ بھیس بدل کر پیٹروگراڈ میں بالشویک سنٹرل کمیٹی کی میٹنگ میں شریک ہوا۔ فوج کے ذریعہ اقتدار حاصل کرنے کی تائید اکثریت نے کی۔ ۷، ۸ نومبر کو بالشویک ریڈ گارڈز (RED GUARDS) نے فوجی حکومت کو معزول کردیا۔ دوسری کل روس کانگریس — (SECOND ALL RUSSIA CONGRESS OF SOVIETS) میں بالشویک پارٹی کو قطعی اکثریت حاصل ہوئی اور انھوں نے لینن کو COUNCIL OF PEOPLE'S COMMISSARS (عوامی نمائندوں کی کونسل) کا صدر نشین منتخب کیا۔ اس وقت اسکی عمر ۴۷ سال کی تھی۔ یہ عظیم انقلاب دنیا کی تاریخ میں "اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب" کے نام سے مشہور ہے اور اسکی کامیابی کا سہرہ لینن کے سر ہے۔

۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک روس میں خانہ جنگی رہی۔ اگست ۱۹۱۸ء کو ایک قاتل نے لینن پر دو گولیاں چلائیں۔ لیکن وہ جانبر ہوگیا۔

روس کی حکومت کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لینن نے مزدوروں اور کسانوں کو متحد کرکے سُرخ فوج (RED ARMY) منظم کی۔

۱۹۲۲ء میں لینن سخت بیمار ہوا۔ لیکن بیماری کے زمانے میں بھی آرٹیکل، مضامین اور اپنی سیاسی وصیت لکھتا رہا۔ ۲۳ جنوری ۱۹۲۴ء ۵۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا: جلد دہم، ص۔ ۷۹۱۔ ۷۹۷

لیوی ریوبن (REUBEN LEVY)

(۱۸۹۱ـــــــ ۱۹۶۶ء)

ریوبن لیوی ۱۸ر اپریل ۱۸۹۱ء کو مینچسٹر (MANCHESTER) میں پیدا ہوا۔ فریرس اسکول بینگور (FRIARS SCHOOL, BANGOR) میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ نورتھ ویلز (NORTH WALES) یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لیے داخلہ لیا پھر جیسس کالج (JESUS COLLEGE) آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم۔اے اور ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۱۷ء میں فوج کے محکمۂ خبر رسانی میں بھرتی ہوگیا۔ ۱۹۱۸ء میں عراق کی پولیٹیکل سروس میں رہا۔ ۱۹۲۰ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں فارسی کا لیکچرار مقرر ہوا۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک امریکہ میں مقیم رہا۔ ۱۹۲۶ء میں واپس آکر کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی کا پروفیسر مقرر ہوا اور ۱۹۳۵ء تک کام کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران رائل ایرفورس کے محکمہ خبر رسانی میں ملازم ہوگیا۔ اور ۱۹۴۵ء تک کام کیا۔

اس نے ۶ر ستمبر ۱۹۶۶ء کو وفات پائی۔

اس کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ پرشین لٹریچر (۱۹۲۳ء) PERSIAN LITERATURE اس کا اردو میں ترجمہ خان محمد عاطف، شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی نے ۱۹۷۷ء میں کیا۔

۲۔ اے بغداد کرانیکل (۱۹۲۹ء) A BAGHDAD CHRONICLE

۳۔ سوشیالوجی آف اسلام (دو جلدوں میں) (۱۹۳۱ء۔ ۱۹۳۳ء) SOCIOLOGY OF ISLAM - 2 VOLS. اس کی دوسری اشاعت سوشل اسٹریکچر آف اسلام (SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM) کے نام سے ۱۹۵۷ء

میں ہوئی۔

۴۔ MIRROR FOR PRINCES قابوس نامہ کا ترجمہ ہے

۵۔ قابوس نامہ کا فارسی متن (۱۹۵۱ء)

۶۔ پرشین لینگویج (۱۹۵۱ء) PERSIAN LANGUAGE

۷۔ دی ٹیلز آف مرزبان (۱۹۵۹ء) THE TALES OF MARZUBAN

۸۔ THE SHAH NAMA (شاہ نامہ) (۱۹۶۶ء)

اس کی ایک کتاب این انٹروڈکشن ٹو پرشین لٹریچر (AN INTRODUCTION TO PERSIAN LITERATURE) اس کی وفات کے بعد یونیسکو کے زیر اہتمام شائع ہوئی اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر حفیظ الدین کرمانی (کشمیر یونیورسٹی) نے کیا۔ جو ۱۹۸۵ء میں بنارس سے چھپ چکا ہے۔

ماخذ:

WHO WAS WHO 1961-1970,
PUBLISHED BY ADAM CHARLES BLACK, LONDON

مالک بن انسؓ (امام)

(۹۳ھ - ۱۷۹ھ)

مالک نام، کنیت ابوعبداللہ، امام دارالہجرۃ لقب، باپ کا نام انسؒ تھا۔ امام مالک کی پیدائش ۹۳ ہجری ہے۔

مدینہ منورہ کے معروف اور ممتاز شیوخ واساتذہ سے تحصیل علم کی اور پھر درس و تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ امام مالک تقریباً باسٹھ سال مسلسل فقہ وفتاویٰ، درس و تدریس میں مشغول رہے۔ امام شافعی اور امام ابویوسف بھی آپ کے تلامذہ میں ہیں۔

محمد ذوالنفس الزکیہ (متوفی ۱۴۵ھ) نے مدینہ منورہ میں اور ان کے بھائی نے بصرہ میں جب سادات پر منصور کی زیادتیوں سے تنگ آکر علم بغاوت بلند کیا تو امام صاحب نے ان کا ساتھ دیا۔ جس کے نتیجہ میں والی مدینہ جعفر بن سلیمان نے غضبناک ہوکر امام صاحب کی پشت پر ستر کوڑے لگوائے اور اونٹ پر بٹھا کر تمام شہر میں تشہیر کرائی، مگر امام صاحب فرماتے جاتے تھے کہ "جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انسؓ ہوں۔ فتوے دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں" غالباً ۱۴۰ھ میں جب منصور حرمین میں حاضر ہوا تو والی مدینہ سے قصاص لینا چاہا مگر امام صاحب نے روک دیا۔

ربیع الاول ۱۷۹ھ میں ۸۶ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

ان کی سب سے اہم کتاب 'الموطا' ہے۔ موطاؔ کے لغوی معنی 'روندا ہوا' اور 'سہل بنایا ہوا' ہیں۔ موطاؔ سے پہلے اور خود امام مالک کے زمانے میں حدیث کے کئی

مجموعے تیار ہو چکے تھے ۔ مگر ان میں صحت کا وہ التزام نہیں کیا گیا تھا جو کہ موطأ میں کیا گیا ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کی حیات میں یہ کتاب پوری دنیائے اسلام میں مشہور ہو گئی تھی ۔

مؤطا کی مقبولیت و ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ اس کو شارحین و معلقین کی ایک بڑی جماعت ہاتھ آئی ہے ۔

ماخذ :

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری ۔ "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" ص، ۷۳ - ۹۴

مالیر کوٹلہ نواب (سر احمد علی خاں)

(ولادت ۱۸۸۱ء)

نواب مالیر کوٹلہ سر احمد علی خاں ۱۰ ستمبر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں تخت نشین ہوئے۔

۱۹۱۵ء میں کے۔ سی۔ ایس۔ آئی (K.C.S.I) اور ۱۹۲۱ء میں کے سی۔ آئی۔ ای (K.C.I.E.) کا خطاب عطا ہوا۔

ماخذ:

سرکار ہند کی مرتب کردہ مطبوعات۔ میمورنڈم اون انڈین سٹیٹس ۱۹۳۲ء کلکتہ ۱۹۳۳ء ص۔۱۲۳

MEMORANDA ON INDIAN STATES 1932,
CALCUTTA 1933, P.123,
(GOVERNMENT OF INDIA PUBLICATION)

مولوی محرم علی چشتی ۱۱ اگست ۱۸۶۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ کانگریس کے زبردست حامی اور سر سید احمد خاں کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھے۔ ۱۸۸۴ء میں لاہور سے اخبار "رفیق ہند" جاری کیا۔ جو عرصہ تک جاری رہا۔ ۱۹۰۰ء میں وکالت شروع کی۔ لاہور کے نہایت کامیاب وکیل اور مشہور اخبار نویس تھے۔ اپنے اخبار میں اپنے مخالفین پر بڑے سخت اور شدید حملے کرتے رہتے تھے۔ جس میں مقدمہ بازی تک بھی نوبت پہنچ جاتی تھی۔

۸ دسمبر ۱۹۳۴ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ ان کی مشہور کتاب "اسلامی زندگی کا دنیوی پہلو" ہے۔

ماخذ:

نقوش لاہور، نمبر، ص ۹۴۴

(شیخ) محمد اقبال (متوفی ۱۹۶۲ء)

شیخ محمد اقبال گرامی کے دوستوں میں سے تھے۔ گرامی کی وساطت سے ان کی ملاقات اقبال سے ہوئی تھی۔ شیخ محمد اقبال کا آبائی وطن ہوشیارپور تھا۔ لیکن انھوں نے وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد جالندھر میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں وکالت کرنے لگے تھے۔ گرامی جب بھی حیدرآباد سے لاہور آتے تھے ان کی ملاقات شیخ محمد اقبال سے ضرور ہوتی تھی۔ ۱۹۱۸ء میں جب گرامی حیدرآباد سے جالندھر پہنچے تو شیخ محمد اقبال نے کسی کام کے سلسلہ میں سفارش چاہی اور کہا کہ وہ اقبال کے نام خط لکھ دیں تو ان کا کام ہو جائے گا۔ جب وہ گرامی کا خط لیکر اقبال کی خدمت میں پہنچے تو اقبال نے اُن کی بڑی دلجوئی کی اور اُن کا کام کر دیا۔ بعد میں اس امر کی اطلاع اقبال نے گرامی کو اپنے خط محررہ ۱۴ر جولائی ۱۹۲۱ء میں دی۔

۱۹۴۷ء کے بعد شیخ محمد اقبال نے لاہور ہجرت کی اور وکالت کو ہی اپنا ذریعہ روزگار بنایا۔ اور وہیں انتقال کیا۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج، رجالِ اقبال، ص۔ ۸۷۔

محمد ثانی (۱۴۳۲-۱۴۸۱ء)

محمد ثانی "فاتح" ۱۴۴۴ء سے ۱۴۴۶ء تک اور پھر ۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء تک ترکی کا سلطان رہا۔ حقیقت میں یہ عثمانیہ سلطنت کا بانی تھا۔ یہ باکمال جنرل تھا۔ اس نے قسطنطنیہ فتح کیا، اناطولیہ اور بلقان اپنی سلطنت کے زیرنگیں لایا۔ چار صدیوں تک یہی علاقہ سلطنت کا قلب بنا رہا۔ اس نے پہلا ضابطہ فوجداری مرتب کرایا اور دستور تیار کیا۔ آزاد خیال اور وسیع المشرب سلطان تھا۔ اس نے اطالوی انسان دوستوں اور یونانی علماء کو اپنے دربار میں جمع کیا۔ اس نے عیسائیت کے بنیادی عقائد پر ایک کتاب لکھوائی اور اس کا ترکی میں ترجمہ کرایا۔ اس نے یونانی اور لاطینی کتابوں کا ذخیرہ شاہی کتب خانے میں جمع کیا۔ ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ آٹھ علمی تعلیمی درسگاہیں قائم کیں۔ اس کے عہد میں ریاضیات، فلکیات اور اسلامیات کو بڑا فروغ ہوا۔ یہ صاحب دیوان شاعر بھی تھا۔

محمد ثانی ۳۰ مارچ ۱۴۳۲ء کو ایڈریانپول (ADRIANOPLE) میں پیدا ہوا۔ اگست ۱۴۴۴ء میں جب اس کی عمر ۱۲ سال کی تھی اس کا باپ مراد ثانی اسے تخت نشین کر کے خود حکومت سے دستبردار ہو گیا۔ اپنی حکومت کے پہلے دور میں (یعنی ۱۴۴۶ء تک) اس کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہنگری، پاپائے روم، وینس، بزنطینہ (مشرقی رومی سلطنت) نے اس کی کم عمری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا۔ بڑا کشت و خون ہوا۔ جب عیسائیوں نے ورنا (VARNA) کا محاصرہ کر لیا تو مراد ثانی نے آن کر فوج کی کمان سنبھالی اور بحران ختم کیا۔ باپ کی وفات پر محمد ۱۸ فروری ۱۴۵۱ء کو

دوسری بار تخت نشین ہوا۔ اب محمد نے قسطنطنیہ، یورپ اور بزنطینہ کی فتح کا بیڑہ اٹھایا۔ اس نے پہلے ہنگری اور وینس سے صلحنامہ کیا تاکہ وہ غیر جانبدار رہیں۔ پھر ۶ر اپریل سے ۲۹ر مئی ۱۴۵۳ء تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا اور سلطان نے فوج کی کمان اپنے ہاتھوں میں لی۔ آخرکار شہر فتح ہوگیا۔ سب سے پہلے وہاں کے سب سے بڑے گرجا گھر میں مسجد تعمیر کرائی اس کے ساتھ ساتھ عیسائی اور یہودی اور آرمینی رہبرانِ دین کی قیادت بحال کی۔ مزید برآں متعدد اسلامی ادارے اور تجارتی مراکز استنبول کے ارد گرد قائم کیے۔ پچاس سال کے بعد یہ یورپ کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔

محمد نے ترکمان فرماں روا عزون حسن (UZAN HASAN) کو جنگ باشقند میں (۱۱ر اگست ۱۴۷۳ء) میں شکست دی۔ یہ اس کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ اب اس کی حکومت اناطولیہ اور بلقان پر مستحکم ہوگئی تھی۔ محمد نے "قیصر روم" کا لقب اختیار کیا۔ ۱۴۸۰ء میں اس نے جنوبی اطالیہ پر بھی حملہ کر دیا۔ گویا اب یہ پوری دنیا پر اپنی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اگلے سال اناطولیہ کی مہم کے دوران اس کا انتقال ہوگیا۔ (۳ر مئی ۱۴۸۱ء)

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا۔ ص ۸۶۸۔ ۸۵۹

(چودھری) محمد حسین

(۱۸۹۴ء ــــ ۱۹۵۰ء)

چودھری محمد حسین ۲۸ مارچ ۱۸۹۴ء کو موضع بہاڑنگ اونچہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ چودھری صاحب نے پسرور سے انٹرنس پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۱۶ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ابتدا ہی سے اسلامیات کی جانب ان کی توجہ زیادہ تھی۔ نقشبندی طریق پر تربیت حاصل کی۔ قرآن، حدیث اور فقہ کا مطالعہ کیا اور عمر بھر صوفی رہے۔ ۱۹۲۰ء میں اسلامیہ کالج ہی سے ایم۔ اے (عربی) کا امتحان پاس کیا۔ پھر آخری عمر میں اصول فقہ پر درس لیے اور عربی منطق پر عبور حاصل کیا۔

اسکول ہی میں شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ پرانے اساتذہ کا رنگ ان کی فطرت کا حصہ بنتا گیا۔ اس زمانے میں ان کی غزلیں اور نظمیں روزنامہ "زمیندار" میں اکثر شائع ہوتی تھیں۔

۱۹۱۷ء کے اواخر میں انھوں نے اسلامیہ کالج کے پرنسپل ہنری مارٹن کے کہنے پر نواب ذوالفقار علی خاں کے بچوں کی اتالیقی قبول کر لی تھی۔ نواب صاحب کو اقبال سے ملنے کا اکثر موقع ملتا تھا۔ علامہ نے چودھری صاحب کی مخلص دینداری کو بھانپ لیا اور پھر انہیں ایسا اپنایا کہ مرتے دم تک نہ چھوڑا۔

علامہ کے کہنے پر چودھری صاحب نے شاعری ترک کر دی اور نثر کی طرف

توجہ کرکے چند نہایت سلجھے ہوئے متوازن تنقیدی مضامین لکھے۔ جو زیادہ تر علامہ کی تخلیقات مثنوی "اسرارِ خودی" "پیامِ مشرق" "زبورِ عجم" "جاوید نامہ" اور "ارمغانِ حجاز" کے بارے میں ہیں۔

۱۹۲۶ء میں علامہ کے اصرار پر انھوں نے پنجاب سول سکریٹریٹ میں ملازمت کرلی۔ اور ترقی کرتے کرتے ہوم ڈپارٹمنٹ تک پہنچے۔ ۱۹۳۶ء میں ان کو "خان صاحب" کا خطاب ملا۔ اور ۱۹۴۳ء میں "خان بہادر" کا۔ سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ انھوں نے انجمن حمایت اسلام کی بھی خدمت کی۔ انجمن نے تعلیم نسواں کے لیے زنانہ کالج کھولا تو یہ اس کے اعزازی معتمد مقرر ہوئے۔

علامہ چودھری صاحب کو کس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کا اندازہ لگانا قدرے مشکل ہے۔ ان ہی کے مخلصانہ مشورہ سے علامہ نے اپنا کلام مجموعوں کی صورت میں شائع کرانا شروع کیا۔

چودھری صاحب روزانہ بلاناغہ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ عموماً رات کو دیر تک محفل گرم رہتی۔ علامہ تنہائی میں چودھری صاحب کو اپنا کلام سناتے۔ دونوں بزرگ فارسی یا عربی لغت کی مدد سے اشعار میں مضمون کی بندش، الفاظ کی صحت پر یا جذبات کی ہم آہنگی پر بحث کرتے۔ بعض اوقات اسلامی فلسفے یا سیاست پر بھی گفتگو ہوتی۔ ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتیں۔ ایک دفعہ چودھری صاحب نے علامہ کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کی یادداشت لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن وہ چودھری صاحب کے ساتھ ہی دفن ہوگئی۔

جب علامہ نے مدراس میں اسلام پر اپنے مشہور و معروف لیکچر دیے تو چودھری صاحب جنوبی ہند کے دورے پر علامہ کے ہمراہ گئے۔

جنوری ۱۹۳۴ء میں علامہ کی خطرناک بیماری کا آغاز ہوا اور ۱۹۳۵ء میں ان کی اہلیہ والدہ جاوید کا انتقال ہوگیا۔ کمسن بچوں کے حقوق کی نگہداشت کی خاطر علامہ نے ایک وصیت نامہ مرتب کیا جس میں بچوں کے ماموں خواجہ عبدالغنی، شیخ اعجاز احمد، چودھری محمد حسین اور حکیم طاہر الدین کو اپنے کمسن بچوں کا ولی مقرر کیا۔ ۱۹ء مئی ۱۹۳۷ء

کو خواجہ عبدالغنی انتقال کر گئے۔ بیماری کے آخری دنوں میں علامہ نے ایک سربمہر لفافہ چودھری صاحب کو دیا اور فرمایا کہ یہ میری وفات کے بعد کھولا جائے۔

علامہ کے انتقال کے بعد چودھری صاحب نے وصیّت کے ایک ایک حرف پر عمل کر کے امانت و دیانت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ کلام اقبال کی اشاعت کے ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے حقوق کی نگہداشت بھی کی۔ مزارِ اقبال کی تعمیر کا فریضہ انجام دیا۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں علامہ کی صاحبزادی منیرہ بیگم کی شادی ہوئی تو چودھری صاحب اپنے ایک اہم فرض سے سبکدوش ہو کر خوش ہوئے۔ ستمبر ۱۹۴۹ء میں جاوید انگلستان روانہ ہوئے تو انھوں نے انہیں نصیحت کی کہ "علم شکار کرنا علم۔"

۱۶ر جولائی ۱۹۵۰ء کو یہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ماخذ:

محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۳۹۰۔ ۴۰۱۔

(مرزا) محمد سعید (۱۸۶۶ء۔۱۹۶۲ء)

مرزا محمد سعید اگست ۱۸۶۶ء میں دلّی میں اپنی نانی کے گھر پیدا ہوئے جو سر سیّد احمد خاں کی بھتیجی تھیں۔ والد کی سکونت ملازمت کے سلسلے میں لاہور میں تھی۔ اس لیے یہی ان کی تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز قرار پایا۔ مڈل تک تعلیم گھر پر ہوئی۔ پھر سنٹرل ماڈل اسکول سے انٹرنس پاس کیا۔ اس وقت ان کی عمر کوئی تیرہ سال کے لگ بھگ ہوگی ۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے انگریزی میں پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول رہے ۱۹۰۶ء میں ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڑھ میں لیکچرار ہوکر چلے گئے۔ سال بھر کے بعد ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں مستقل اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں آئی۔ ای۔ ایس (I.E.S.) کے درجہ میں ترقی ملی تو پروفیسر ہوئے پھر دہلی اور شملہ میں گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمۂ تعلیم میں اسسٹنٹ سکرٹیری کا عہدہ ملا۔ جب یہ عہدہ تخفیف میں آیا تو پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں اپنے سابقہ عہدہ پر آ گئے۔ جلد ہی لدھیانہ میں ایک نئے سرکاری کالج کے پرنسپل ہوکر چلے گئے۔ ۱۹۲۰ء میں ایک نیا کالج روہتک میں کھلا تو یہاں بھی پرنسپل ہو گئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس زمانے میں روہتک۔ در ان کی تعریف سُن کر ملنے آئے اور گفتگو کے بعد افسوس کیا کہ ایسے قابل آدمی سیاسیات کے بجائے سرکاری ملازمت میں ہیں۔ اس سے قبل مسز سروجنی نایئڈو لاہور آئی تھیں تو وہ کسی ہندو مسلمان عمائدین شہر کی میزبانی کی پیش کش کو رد کر کے اُن کی مہمان ہوئیں۔

روہتک میں چار سال رہنے کے بعد خرابیٔ صحت کی بنا پر قبل از وقت ملازمت ترک کر دی اور پنشن لے کر اپنے آبائی وطن دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں

ادیب، شاعر، اور ماہرین تعلیم، قومی رہنما سب قسم کے لوگ ان سے ملنے کے لیے کھنچے چلے آتے تھے۔

۱۹۴۷ء کے پُرآشوب زمانے میں ترک وطن کرکے راولپنڈی پہنچے اور وہاں ایک سال رہ کر کراچی میں منتقل ہو گئے۔

پنشن کے بعد مرزا محمد سعید دہلی یونیورسٹی، اینگلو عربک کالج، ہارڈنگ لائبریری آل انڈیا ریڈیو کی مشاورتی مجلس کے اعزازی رُکن کی حیثیت سے مفید کام سرانجام دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد سیاست میں حصہ لیا۔ مسلم لیگ کونسل کے ممبر اور صوبائی لیگ کے صدر رہے۔ کراچی یونیورسٹی کے مشیر مقرر ہوئے۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے بیشتر طلبا جن میں سر محمد ظفر اللہ خاں سابق وزیر خارجہ پاکستان اور سابق جج عالمی کورٹ اور پروفیسر احمد شاہ بخاری جیسے نامور لوگ شامل ہیں، ان کے عقیدت مند شاگردوں میں سے ہیں۔ اسی طرح علی گڑھ کالج کے اکثر طلبا جن میں ڈاکٹر سید محمود اور سید حسین جو مشہور اخبار نویس تھے اور آخر میں ہندسرکار کی طرف سے قاہرہ میں سفیر بن گئے تھے، ان کے شاگردوں کی صف میں نظر آتے ہیں۔

مرزا محمد سعید اردو، انگریزی، عربی، فارسی کے علاوہ فرانسیسی اور ہندی میں بھی استعداد رکھتے تھے۔ لکھنے سے زیادہ پڑھنے کا شوق تھا۔ اس لیے ان کی تصنیفات گنتی کی ہیں۔ "خواب ہستی" اور "یاسمین" ان کے معروف ناول ہیں۔ "مذہب اور باطنیت" ان کی عالمانہ کتاب ہے۔ ان کے متفرق مضامین ملک کے مقتدر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

ماخذ:

۱۔ نقوش لاہور۔ شخصیات نمبر۔ ص۔ ۲۷۵: ۲۷۵

۲۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال۔ ص۔ ۱۸۱۔ ۱۸۳

(۱۸۸۱ — ۱۹۶۵ء)

میاں محمد شریف باغبان پورہ لاہور کے میاں خاندان سے تعلق رکھتے تھے مقامی کالجوں میں تحصیل علم کے ... اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج یونیورسٹی گئے جہاں انھوں نے فلسفے کا خاص طور پر مطالعہ کیا اور وہیں سے انھیں ایم. اے کی ڈگری ملی. میاں صاحب ۱۹۱۰ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے وہ پنجاب یونیورسٹی کی فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین بھی رہے. ۱۹۵۹ء میں وہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے. جہاں اُنھوں نے بعض مفید علمی کتابیں شائع کیں. جن میں اقبال اور ان کے افکار پر متعدد ماہرین کی تصنیفات شامل ہیں.

۱۹۱۷ء میں ایم. ... او کالج علی گڑھ کے شعبہ فلسفہ سے منسلک ہو گئے اور کوئی ... سال تک ... شعبہ سے متعلق رہے. بعد ازاں شعبہ کے صدر مقرر ہو گئے.

نواب محمد اسمٰعیل خاں (متوفی ۱۹۵۸ء) کی وائس چانسلر شپ کے دوران اپنے اعزا کے اصرار پر استعفیٰ دے کر اپنے وطن لاہور چلے گئے. پاکستان کے مشہور سیاسی رہنما افتخار الدین (متوفی ۱۹۶۲) اور پروفیسر خواجہ منظور حسین (متوفی

۱۹۸۶ء) صدر شعبۂ انگریزی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ان کے داماد تھے۔ اول الذکر نے سیاست میں اور آخر الذکر نے ادبیات میں شہرت حاصل کی۔

لاہور میں ۸۴ سال کی عمر میں ۱۱ ستمبر ۱۹۷۵ء کو [illegible] وفات پائی۔

میاں محمد شریف اقبال کے مکتوب الیہ ہیں جن [illegible] کے لکھے ہوئے متعدد خطوط ملتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبا کی [illegible] نے جب ۱۹۲۵ء میں اقبال کو اپنے یہاں سالانہ جلسے میں مدعو کرنا چاہا تو طلبا کی طرف سے میاں محمد شریف ہی نے اقبال کو مدعو کیا۔ اقبال نے [illegible] کا شکریہ ادا کیا، لیکن علالت کی بنا پر شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔

میاں صاحب کو معاشیات کے مضمون سے دلچسپی تھی۔ کیمبرج سے انھوں نے ٹرائی پوس (TRIPOS) کیا تھا۔ جن میں تین مضامین میں ایک مضمون معاشیات بھی تھا۔ ان کی دو کتب ہیں "کرٹیک آف اکنومکس" ([illegible] OF ECONOMICS) اور "ہیڈان ازم ان اکنومکس" ([illegible] IN ECONOMICS) اس موضوع پر ملتی ہیں۔ فلسفۂ اسلام اور اس کی تاریخ پر ان کا گہرا مطالعہ تھا۔ مسلم تھاٹ، اٹس اوریجن اینڈ اچیومنٹ MUSLIM THOUGHT, ITS ORIGIN AND ACHIEVEMENT (لاہور ۱۹۵۰ء) اور ہسٹری آف مسلم فلاسفی HISTORY OF MUSLIM PHILOSOPHY جو دنیا بھر کے مسلم و غیر مسلم علما کے مضامین پر مشتمل ہے۔ دو جلدوں میں جرمنی سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا [illegible] سے شائع ہوا۔

فلسفۂ جمالیات" شریف صاحب کا خاص اور پسندیدہ موضوع تھا۔ [illegible] ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ اس موضوع پر ان کی کچھ کتابیں یہ ہیں:

1. CROCE'S THEORY OF ART (1941)
2. [illegible] AND PERCEPTION IN CROCE'S AESTHETICS (1942)
3. [illegible] OBJECTIVE OR SUBJECTIVE? (1944)

ان کی دوسری کتابیں یہ ہیں :

1. NIETZSCHE'S ETHICAL DOCTRINE

2. THREE LECTURES ON THE NATURE OF TRAGEDY (1947)

ان کی یہ کتاب : 'MODERN RENAISSANCE IN MUSLIM LAND'
مقبول کتابوں میں تھی۔

ماخذ :
مختارالدین احمد۔ "تذکرہ مردم دیدہ وشنیدہ (زیرترتیب)

(پروفیسر) محمد شفیع

(۱۸۸۳ــــــــــ۱۹۶۳ء)

وہ قصور ضلع لاہور کے ایک علمی خاندان میں ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے ۱۹۰۴ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کے امتحان میں اعزاز کے ساتھ کامیاب ہوئے اور پورے پنجاب میں عربی و فارسی کے پرچے میں اوّل رہے۔ ۱۹۰۵ء میں اُنھوں نے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔ اگلے سال محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ اُنھوں نے ۱۹۱۳ء میں عربی میں ایم۔اے کیا۔ یونیورسٹی بھر میں اول رہے اور میکلوڈ عربک ریسرچ اسکالرشپ لے کر کیمبرج گئے، جہاں پروفیسر براؤن کی نگرانی میں اُنھوں نے ابن عبدربہ کی کتاب "العقدالفرید" کی تحلیلی فہرست مرتب کی۔ اس زمانے میں انگلستان کی کسی یونیورسٹی میں "ڈاکٹریٹ" کی ڈگری کا انتظام نہ تھا۔ انہیں عربی میں ایم۔اے (بذریعہ تحقیق) کی سند ملی۔ ۱۹۱۹ء میں پنجاب یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اورنٹیل کالج لاہور میں ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۶ء تک وائس پرنسپل اور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۲ء تک پرنسپل رہے۔ تدریسی اور علمی کاموں کے ساتھ ساتھ انتظامی فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۲ء میں سبکدوش ہوئے۔

اورنٹیل کالج میگزین کی اُنھوں نے تاسیس کی اور ایک مدت تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ اس میں اُنھوں نے کثرت سے عربی فارسی اور اسلامیات کے موضوعات پر اپنے اور اپنے رفقاء و تلامذہ کے بڑے قیمتی مضامین شائع کیے۔ یہ متحدہ ہندوستان

کا سب سے قیمتی علمی و تحقیقی رسالہ تھا۔ یونیورسٹی سے سبکدوشی کے بعد بھی وہ عرصہ تک اورنٹیل کالج میگزین مرتب کرتے رہے۔ جس میں بعض بڑے قیمتی اور اہم مضمون مرتب کر کے انھوں نے شائع کیے۔ جب دائرۃ المعارف اسلامیہ کی ترتیب و اشاعت کا خیال پنجاب یونیورسٹی کو ہوا تو اسے پورے ملک میں پروفیسر محمد شفیع سے زیادہ لائق اور اس کام کے لیے موزوں شخص نظر نہ آیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۵۰ء میں اُن کی دوبارہ خدمات حاصل کی گئیں۔ اور دائرہ معارف اسلامیہ کی تدوین کا کام ان کے سپرد ہوا؛ جسے وہ زندگی کے آخری دن تک کرتے رہے۔

تقریباً ۸۰ سال کی عمر پا کر ۱۳۸۳ھ/ مارچ ۱۹۶۳ کی شب کو وہ لاہور میں وفات پا گئے۔ اس وقت تک اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کی جلد اول کے صرف ۳۷۶ صفحات ہی چھپ سکے تھے۔ اگرچہ انھوں نے آگے کی متعدد جلدوں کے مضامین اپنی نگرانی میں تیار کرا لیے تھے۔

پروفیسر محمد شفیع زندگی بھر علمی کاموں میں مصروف رہے۔ ان کی کچھ تالیفات یہ ہیں:

۱۔ العقد الفرید ابن عبدربہ کی تحلیلی فہرست بزبان انگریزی جسے پنجاب یونیورسٹی نے تین جلدوں میں بپٹسٹ پریس کلکتہ سے چھپوا کر شائع کیا۔
۲۔ تتمہ صوان الحکمۃ
۳۔ لیعلی بن زید البیہقی مع حواشی و فہارس
۴۔ درۃ الاخبار (ترجمہ فارسی تتمہ صوان الحکمۃ)
۵۔ مطلع سعدین از کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی متن مع حواشی و فرہنگ،
۶۔ مکاتبات رشیدی
۷۔ مثنوی وامق و عذرا عنصری
۸۔ مقالات دینی و علمی
۹۔ میخانہ عبدالنبی فخر الزماں قزوینی

ان کتابوں کے علاوہ ان کے پچاسوں وہ مضامین قابل ذکر ہیں جو انھوں نے اورنٹیل کالج میگزین وغیرہ میں شائع کیے۔ ان کے مضامین کئی جلدوں میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیے ہیں۔

مراجع:

تذکرۂ مردم دیدہ و شنیدہ، از مختار الدین احمد (زیر ترتیب)

(شیخ الہند حضرت مولانا)

محمود حسن (۱۸۵۱ء - ۱۹۲۰ء)

ان کا آبائی وطن دیوبند، ضلع سہارنپور (یو۔پی) تھا۔ لیکن یہ بمقام بریلی ۱۸۵۱ء / ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی زیر نگرانی تعلیم مکمل کی اور ان سے بیعت ہو کر روحانی تربیت بھی حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت معین مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے بعد صدر المدرسین (پرنسپل) کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ۱۹۱۵ء تک اس عہدے کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کے زمانے میں دارالعلوم نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ انھوں نے دیوبند اور علی گڑھ کی تحریک کی مفاہمت میں بڑا اہم رول انجام دیا۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے ہولناک نتائج سے متاثر ہو کر مولانا محمود حسن نے سیاسی بیداری پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ ۱۸۷۸ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے قیام سے آٹھ سال قبل انھوں نے اپنے طالب علموں اور مریدوں میں جذبۂ انقلاب پیدا کرنے کی غرض سے ایک جماعت قائم کی جس کا نام "ثمرۃ التربیت" رکھا۔ ۱۹۰۹ء میں انھوں نے "جمعیۃ الانصار" کی بنیاد رکھی اور اپنے منظور نظر مرید مولانا عبید اللہ سندھی کو اس کا معتمد بنایا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد، سب کو اس سے عمل کی تحریک ہوئی۔ اس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۱ء میں ہوا۔

جنگ بلقان مولانا کی سیاسی کارگزاریوں کے لیے سندِ شوق پر ایک تازیانہ ثابت ہوئی۔ دیوبند میں اپنے چند رفقاءِ کار سے اختلاف کے باعث آپ نے دہلی کو اپنا مرکز بنالیا۔ اور یہاں ۱۳۳۱ھ میں "نظارت المعارف" کا قیام عمل میں آیا اس کا مقصد نوجوانوں کو ملک کی آزادی کے لیے تیار کرنا تھا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جب دیگر قوموں کے تعاون سے افغانستان حملہ کرے تو ملک بھر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی کو کابل بھیجا۔ جہاں انھوں نے راجہ مہندر پرتاپ کے ساتھ مل کر "آزاد ہندوستان کی عبوری حکومت" قائم کی۔

مولانا محمود حسن کی مجلس نہ صرف ایک تعلیم گاہ تھی بلکہ تربیت گاہ بھی تھی اور خفیہ مشورہ گاہ بھی۔

اسی دوران افغانستان سے تقاضا ہوا کہ مولانا وہاں تشریف لے جائیں۔ لیکن مولانا افغانستان جانے کے بجائے مصر روانہ ہو گئے۔ آپ ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو مکہ معظمہ پہنچے۔ جہاں گورنر حجاز غالب پاشا اور گورنر مدینہ بصری پاشا سے ملاقات کی اور ان کے ذریعہ مشہور ترک رہنما انور پاشا اور جمال پاشا سے بھی ملے اور ان سے گفت و شنید کے بعد ہندوستان کو آزاد کرانے کا ایک منصوبہ بنایا جس کو خفیہ ذرائع سے ہندوستان بھیجا گیا۔

اسی اثنا میں شریف حسین نے برطانوی امداد سے عرب میں حکومت ترکی کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس سے ہندوستان میں شدید بےچینی پیدا ہوئی۔ جب برطانوی حکومت نے فتویٰ منگوانے کی کوشش کی کہ سلاطین آل عثمان کی خلافت کو غیر اسلامی اور شریف حسین کی بغاوت کو جائز قرار دیا جائے تو مولانا موصوف نے اس پر دستخط کرنے سے سختی سے انکار فرمادیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا کو ۲۲ صفر ۱۳۳۵ ہجری کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور پہلے مصر اور پھر ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا روانہ کر دیا گیا جو سیاسی اور جنگی قیدیوں کا مرکز تھا۔ یہ ۲۵ ربیع الثانی مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا پہنچے اور وہاں قید رہے۔ ۲۳ جمادی الثانی

۱۳۳۸ ہجری مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء کو یہ اپنے رفقا کے ساتھ رہا کیے گئے اور ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچے۔ مولانا کو قوم نے "اسیر مالٹ" کا خطاب دیا۔

اس دوران علما، بالخصوص آپ کے مریدوں نے "جمعیتہ العلما ہند" قائم کر لی تھی۔ مولانا محمود حسن نے اس کی قیادت سنبھالی اور بیماری کے باوجود ۱۹-۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اس کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ آپ نے کانگریس کی تحریک عدم تعاون کی بھی پوری تائید اور حمایت کی۔ اور اس کے حق میں فتویٰ صادر فرمایا۔ ان کے زیر اثر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کے کچھ کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ جس کے نتیجہ میں جامعہ ملّیہ اسلامیہ وجود میں آئی اس کا سنگ بنیاد مولانا نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو رکھا۔

مولانا محمود حسن نے ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

مولانا محمود حسن اپنے عہد کے عظیم ترین دینی رہنما اور عالم تھے۔ اور ان کو بجا طور پر شیخ الہند کہا جاتا ہے۔ وہ واقعی ایک عہد ساز شخصیت تھے انھوں نے اپنی پوری عمر ملک کی آزادی کے حصول، ہندو مسلم اتحاد اور ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کی برابر کی شرکت کے لیے وقف کر دی تھی۔

ان کا نہایت اہم کارنامہ قرآن پاک کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے دینی علوم پر درس اور اہم کتابوں کے ترجمے بھی اردو میں کیے۔ وہ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔

ماخذ:

۱۔ مولانا سید محمد میاں: اسیرانِ مالٹا، الجمعیتہ بک ڈپو، گلی قاسم جان، دہلی اگست ۱۹۷۱۔ ص ۳۰۔ ۲۱

۲۔ مسلم انڈیا (انگریزی جریدہ) کتوبر ۱۹۸۴ء

۳۔ سید احمد حسین: حیاتِ شیخ الہند، مطبع قاسمی دیوبند ۱۹۲۱ء

(شیخ) محمود شبستری

(۶۵۰ھ-۷۲۰ھ/ ۱۳۳۰ء)

شیخ سعد الدین بن عبد الکریم محمود شبستری فارسی صوفیانہ مثنوی "گلشن راز" کے مصنف تقریباً ۶۵۰ ہجری میں تبریز سے سات میل کی دوری پر واقع گاؤں شبستری میں پیدا ہوئے اور ۷۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے تفصیلی حالات زندگی معلوم نہیں لیکن ان کی شہرت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا شمار اپنے دور کے اہل اللہ اور علما میں ہوتا تھا۔

خراسان کے ایک بزرگ امیر الحسینی ہروی جو خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ ۷۱۰ ہجری میں پندرہ سوال لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ سوالات تصوف کے بنیادی مسائل سے تعلق رکھتے تھے۔ سوال شعر کی شکل میں تھے۔ شیخ نے ان کے جوابات تقریباً ایک ہزار اشعار میں ایک مثنوی کی شکل میں ۷۱۰ھ/۱۳۱۱ء میں مکمل کیے اور اسے گلشن راز کے نام سے موسوم کیا۔ یہ کتاب صوفیانہ نظریات کی نہایت جامع اور صحیح تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ جس پر ابن العربی کا بہت گہرا رنگ ہے۔ نیز ان اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے جو فارسی کی عاشقانہ و رندانہ شاعری میں استعمال ہوتی ہیں اور جن کے پردے میں شبستری نے حقیقت مطلقہ اور حقیقت اضافی سے متعلق اپنے تصورات اور وجدانی کیفیات بیان کی ہیں۔ مصنف نے کہا ہے کہ انہیں شاعری میں کچھ زیادہ مشق نہیں لیکن ان کی مثنوی کے بعض

حصّوں کو حکیمانہ و صوفیانہ شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے
علامہ اقبال نے ایک مختصر فارسی مثنوی "گلشن رازجدید" کے عنوان سے علامہ محمود شبستری کی "گلشن راز" کے انداز پر لکھی ہے جو "زبورِعجم" (۱۹۲۷ء) کے دوسرے حصّے میں شامل ہے۔ علامہ محمود شبستری نے فتنۂ چنگیز میں قیامت خیز منظر دیکھے۔ اسی طرح اقبال نے ایک دوسرا قیامت خیز انقلاب مغربی افکار کا دیکھا۔ اس فتنہ نے مسلمانوں کے ایمان اور ایقان کو متزلزل کر دیا۔

"گلشن رازجدید" میں اقبال نے مسلمانوں کو خودی کے راز سے آگاہ کیا ہے اور انسان کامل کے رموز منکشف کرکے خودشناسی اور خدا بینی سکھائی ہے تاکہ مغرب سے نجات حاصل کرکے اپنے جادہ و منزل کو پہچان سکیں اور رموزِ حیات پاسکیں۔

اقبال نے پندرہ میں سے گیارہ سوالوں کا جواب لکھا ہے اور ان میں سے بھی بعض جگہ دو سوالوں کو ایک سوال کی شکل دے دی گئی ہے۔ اس طرح گلشن رازجدید میں سوالات کی تعداد نو رہ گئی ہے۔ مگر یہی اہم ترین سوالات ہیں۔ باقی سوالات کا تعلق زیادہ تر صوفیوں کی رمزیت اور علامات سے ہے۔ "گلشن راز" کے علاوہ علامہ محمود شبستری نے تصوف پر تین رسالے نثر میں بھی تالیف کیے ہیں۔

مآخذ:

۱۔ دائرۂ المعارف اسلامیہ۔ جلد ۱۱۔ ص۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵
۲۔ عشرت رحمانی۔ گلشن رازجدید (ایک سرسری مختصر جائزہ) صحیفۂ اقبال ص۔ ۱۲۵۔ ۱۳۱
۳۔ ڈاکٹر عبدالشکور احسن۔ اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ص ۱۲۴، ۱۲۵
۴۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران۔ ص۔ ۳۴۹۔ ۳۵۵

(حافظ) محمود شیرانی

(۱۸۸۰ ـــــــ ۱۹۴۶ء)

حافظ محمود شیرانی اردو کے نامور محقق اور انشا پرداز ہیں انہیں اردو ادب میں اس لحاظ سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ شبلی کی "شعر العجم" کے جواب میں "تنقید شعر العجم" لکھی تھی اور ان غلطیوں اور خامیوں کو نمایاں کیا تھا جو شبلی سے سرزد ہوئی تھیں۔

حافظ محمود شیرانی ۵ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو راجستھان کی سابق ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ اورنٹیل کالج لاہور سے فارسی میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ پھر میٹرک پاس کر کے ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کی تعلیم کے لیے لندن گئے ۱۹۰۸ء میں رومن لا، اور فوجداری قوانین کے امتحانات پاس کیے۔ ایک سال کے بعد تاریخ قانون اور آئین قوانین کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ ابھی وہ ان امتحانوں کے مراحل سے گزر رہے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں ان کے مالی حالات خراب ہو گئے۔ انہیں اپنی بیرسٹری کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت تلاش کرنا پڑی۔

اس زمانے میں سر عبدالقادر، اقبال عبداللہ یوسف علی اور دوسرے مشاہیر سے ان کے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اور پھر انہی کی کوششوں سے ان کو اسلامی مخطوطات اور آثار قدیمہ سے متعلق ایک کمپنی لوزک اینڈ کمپنی (LUZAC AND COMPANY) میں بطور ماہر عتیقیات (ANTIQUE) ملازمت مل گئی۔ اس کے ساتھ ہی لندن کی پان اسلامک سوسائٹی نے ان کو اپنا جنرل سکریٹری مقرر کیا

اس سے ان کے مالی حالات میں اعتدال پیدا ہوگیا اور وہ اس قابل ہوسکے کہ لندن یونیورسٹی میں داخلہ لے سکیں۔

یونیورسٹی میں انھوں نے فارسی کے امتحانوں میں پہلی پوزیشن اور اسکالرشپ حاصل کیا۔ پروفیسر ٹی۔ ڈبلو آرنلڈ نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ان کو عربی زبان کے مطالعہ کی جانب متوجہ کیا۔ اس طرح انھوں نے اس میں نہ صرف مہارت حاصل کی بلکہ السنہ مشرقیہ کے معروف عالم ڈاکٹر ہنری اسٹپ کی کتاب "اسلام کا عروج و ترقی" مرتب کی اور بعید مفید اور اہم حواشی کے ساتھ اسے لندن سے شائع کیا اس کتاب کی اشاعت نے ان کو شہرت اور ناموری کی ایسی منزل پر پہنچا دیا کہ وہ اسلامی مخطوطات اور آثار قدیمہ سے متعلق جس کمپنی میں ملازم تھے اس کے حصہ دار بنا دیے گئے اور پھر اسی کمپنی نے ان کو نادرات کی خریداری اور فراہمی کے لیے ہندوستان بھیج دیا۔

حافظ محمود شیرانی کو دراصل تدریس کے پیشے سے دلچسپی تھی۔ اگرچہ تحقیق اور دریافت کی وجہ سے انھوں نے شہرت پائی تھی، لیکن وہ اس کے ساتھ درس و تدریس کے پیشے کو اپنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں وطن واپس آکر تھوڑی کوشش کے بعد ۱۹۲۲ء کے شروع میں اسلامیہ کالج لاہور میں اردو کے لیکچرار کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا۔ اس زمانے میں ان کی مشہور تصنیف "پنجاب میں اردو" شائع ہوئی جس سے پنجاب میں اردو کے ارتقا پر روشنی پڑتی ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اردو کا اصل مولد پنجاب ہے۔

۱۹۲۸ء میں پنجاب اورنٹیل کالج لاہور میں تدریسی ذمہ داری سنبھالی اور دس برس تک شعبۂ اردو میں پڑھاتے رہے۔ جب ان کے ریٹائرمنٹ کا وقت آیا تو اقبال نے اس امر کی کوشش کی کہ اورنٹیل کالج لاہور ان کی خدمات سے مزید فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ اقبال ہی کی سفارش پر ان کی ملازمت میں دو سال کی توسیع کی گئی۔ اس طرح حافظ محمود شیرانی ۱۹۴۰ء تک لاہور میں رہے۔ انھوں نے ۱۹۴۱ء میں اپنے وطن ٹونک جاکر قیام کیا

ابھی اس قیام کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مولوی عبدالحق نے ان کو دہلی بلالیا جہاں وہ انجمن ترقی اردو سے وابستہ ہو گئے۔ مگر وہ بیمار رہنے لگے تھے۔ اس لیے انجمن ترقی اردو سے اپنی وابستگی ترک کر کے ٹونک چلے گئے۔ مگر ان کی بیماری میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ۱۵ر فروری ۱۹۴۶ء کو انتقال کر گئے۔

حافظ محمود شیرانی نے تحقیقی اور علمی مضامین کثرت سے لکھے۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۴ء تک ان کی کئی کتابیں سامنے آئیں ان میں فردوسی پر چار مقالے، تنقید شعر العجم، خالق باری، پرتھی راج راسا، قابل ذکر ہیں۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال، ص ۔ ۴۳۵ ۔ ۴۳۷

عبدالقیوم ۔ حافظ محمود شیرانی ایک نظر میں، مجلّہ "غالب نامہ" نئی دہلی ۔ حافظ شیرانی نمبر، جولائی ۱۹۹۰ء ۔ ص ۲۹۵ ۔ ۲۹۷

مسیح جہانگیری

(سولہویں، سترہویں صدی عیسوی)

سعد اللہ نام، مسیح و مسیحا تخلص۔ تذکروں میں اس کو کیرانوی پانی پتی لکھا گیا ہے۔ وہ کیرانہ کا رہنے والا تھا۔ مگر کیرانہ مظفر نگر ضلع میں ہے، پانی پت میں نہیں۔ بخوبی ممکن ہے کہ اس زمانے میں کیرانہ پانی پت میں شامل رہا ہو۔ اس نے سیتا اور رام کی داستان کو منظوم کیا ہے۔ جس کے نسخے برٹش میوزیم اور باڈلین کے کتاب خانے میں موجود ہیں۔ مسیح نے یہ قصہ جہاں گیر کے نام معنون کیا تھا۔ اس کے علاوہ مخزن الاسرار، کے جواب میں معدن الابرار، مثنوی لکھی۔ اس کا نسخہ باڈلین لائبریری (فہرست ۱: ۲۳۴) میں موجود ہے۔ قصہ رام و سیتا کے چند شعر مرآۃ العالم، میں درج ہیں:

دل از عشق محمد ریش دارم — رقابت با خدائے خویش دارم
زمین و آسمان بر برز مہتاب — جہاں غوطہ زدہ در موج سیماب
چو آب انداخت بر فرق آں بت مست — زدنش آب ہم میرفت از دست
تدم چون بعد غسل از آب برزد — نہال آتشین از آب سرزد
توی شد قول اہل ہند گویا — کہ ماہ آید برون بشبک زدریا
تنش را پیرہن عریاں ندیدہ — چو جان اندر تن و آن جان ندیدہ
کنم صد سر فدائی پائے سیتا — چہ یکتا سرچہ دوتا سر چہ سی تا

کلمات الشعراؔ کا مصنف چھٹے شعر کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس بیت کو لاکھ

بیت کے برابر تصور کیا گیا ہے۔ محمد علی ماہر فرماتے تھے کہ کاش ہمارے سارے اشعار اس شاعر کے ہو جاتے اور مجھے اُس کی بیت مل جاتی۔

(مرآۃ العالم ج ۲، ص ۶۶۷ - فہرست برٹش میوزیم ج ۲، ص ۶۸۹ ج ۳، ص ۱۰۷۸)

لہ : (ترجمہ)

۱۔ میرا دل محمدؐ کے عشق میں خستہ ہے (اور اس اعتبار سے گویا) میں اپنے خدا سے رقابت رکھتا ہوں۔

۲۔ آسمان اور زمین چاندنی سے لبریز ہیں، جیسے ساری دنیا نے سیماب کی لہروں میں غوطہ لگایا ہوا ہے۔

۳۔ جب اس بُت بدمست نے اپنے سر پر پانی ڈالا تو اس کے ہاتھ سے (چھو کر) پانی بھی بدمست ہوا جاتا تھا۔

۴۔ نہانے کے بعد جب اس نے پانی سے قدم باہر نکالا تو (ایسا نظر آیا جیسے) کہ ایک آتشیں پودا پانی سے نکلا ہے۔

۶۔۵۔ اس سے گویا ہندوستانیوں کے اس قول کی تائید ہوگئی کہ چاند دریا سے نکلتا ہے۔ اس کے جسم کو کبھی لباس نے بھی عریاں نہیں دیکھا جیسے جان جسم کے اندر ہے مگر جسم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔

۷۔ میں سو (۱۰۰) سر سیتا کے قدموں پر نثار کرتا ہوں۔ چاہے ایک سر ہو یا دو ہوں یا تین (سی تا) ہوں۔

ٹہ مرآۃ العالم چھاپ، لاہور، ص ۱۰۳۵-۱۰۴۶۔

مشرقی عنایت اللہ خاں

(۱۸۸۸ء — ۱۹۶۳ء)

عنایت اللہ خاں امرتسری جو علامہ مشرقی کے نام سے مشہور ہیں ۲۱ رجون ۱۸۸۸ء کو موضع اچھرہ (نزد لاہور) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عطا محمد خاں روسائے شہر میں سے تھے۔ مشرقی نے دسویں تک امرتسر میں تعلیم پائی۔ پھر ایف۔ ایس سی کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۰۷ء میں ریاضی میں ایم۔اے پاس کیا اور ریکارڈ قائم کیا۔ اس کے بعد انگلستان چلے گئے۔ وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے ۱۹۱۱ء میں ادبیات میں ٹرائی پوس (TRIPOS) (اعلیٰ درجے کی ڈگری) اور ۱۹۱۲ء میں سائنس میں ٹرائی پوس (TRIPOS) (اعلیٰ درجہ کی ڈگری) چار سال میں حاصل کرکے ایک سنسنی خیز ریکارڈ قائم کردیا۔ ہندوستان واپس آئے تو ۱۹۱۳ء میں پشاور کالج کے اوّل وائس پرنسپل اور پھر ۱۹۱۵ء میں پرنسپل بنے۔ یہاں سے گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں اسسٹنٹ سکریٹری ہوگئے۔ پھر انڈین ایجوکیشن سروس میں آگئے اور ۱۹۲۲ء میں صوبہ سرحد میں گورنمنٹ ٹریننگ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے اور مختلف بلند عہدوں پر فائز رہے۔

مشرقی ۱۹۳۱ء میں قبل از وقت اپنی ملازمت سے ریٹائر ہوگئے۔ اور انقلابی خاکسار تحریک شروع کی۔ اس تحریک کے مقاصد میں برصغیر کی آزادی حاصل کرنا اور مسلمانوں کے عزم و ایمان کو بیدار کرنا شامل تھا۔ یہ تحریک اس قدر مقبول ہوئی کہ اس میں جلد ہی تین لاکھ سے زائد افراد شامل ہوگئے۔ ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ میں

شیعہ سنی قضیہ میں مصالحت کرانے میں ناکام رہے۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے قبل حکومت سے محاذ آرائی ہوئی۔ مشرقی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ۱۹۴۲ء میں رہا ہوئے۔

ایک زمانے میں مشرقی مسلم لیگ میں شامل ہونے کو تیار تھے۔ مگر اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ بلکہ خاکسار تحریک مسلم لیگ کے خلاف ہو گئی۔ ۱۵ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں خاکساروں کے ایک اجتماع نے "عظیم تر پاکستان" کا مطالبہ کیا کہ اس میں صوبجات پنجاب، بنگال، آسام، دلی، یوپی اور آگرہ ڈویژن شامل کیا جائے۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں مشرقی نے خاکسار تحریک ختم کر دی اور اسلامی لیگ قائم کی جس کا موقف پاکستان کو ایک مثالی ریاست بنانا تھا۔ اسی دوران مشرقی نے لیاقت علی خاں کی حکومت کو دھمکی دی کہ اگر حکومت پاکستان نے کشمیر کو آزاد نہ کرایا تو اُن کے لاکھوں مسلح رضاکار سرحدوں کو عبور کریں گے۔ آخر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو گرفتار کیے گئے۔ ڈاکٹر خان کی وفات پر پھر مئی ۱۹۵۸ء میں گرفتار کیے گئے۔ مگر جلد ہی رہا ہو گئے۔ آخر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

علامہ مشرقی نے اپنی تمام زندگی جد و جہد میں گزاری۔ مگر سیاسی شعور و بصیرت کبھی پیدا نہ ہوئی۔

۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو لاہور میں سرطان کے مرض میں انتقال کیا۔

۱۹۲۴ء میں اُن کی فارسی شاعری کا مختصر دیوان "خریطہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے فوری بعد اُن کی تفسیر "تذکرہ" کے عنوان سے منظر عام پر آئی جس پر اخباروں اور جریدوں میں حمایت اور مخالفت میں مضامین کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس صورت حال سے اقبال بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے ۱۵ اگست ۱۹۲۴ء کو مولانا سلیمان ندوی کی توجہ "تذکرہ" کے مطالعے کی جانب مبذول کراتے ہوئے خط لکھا جو اس جلد میں شامل ہے۔

مشرقی کی دیگر تصانیف ہیں :

۱۔ اشارات

۲۔ قول فیصل
۳۔ حدیث القرآن
۴۔ مولوی کا غلط مذہب
۵۔ تکملہ مقالات
۶۔ حریم غریب
۷۔ ارمغان حکیم مشہور ہیں۔
انھوں نے ایک ہفت روزہ "الاصلاح" بھی جاری کیا تھا۔

مآخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص ۲۵۴-۳۵۴
۲۔ DICTIONARY OF NATIONAL BIOGRAPHY, VOL.I
۳۔ N. K. JAIN: MUSLIMS IN INDIA P.211-212

مصطفیٰ کمال

۱۸۸۱ ——— ۱۹۳۸ء

مصطفیٰ کمال پاشا جو کمال اتاترک کے نام سے مشہور ہیں، ایک ممتاز ترکی سپہ سالار، مصلح، سیاست داں اور جمہوریت ترکی کے بانی اور اس کے اول صدر گزرے ہیں۔

مصطفیٰ کمال بمقام سیلونیکا (SALONICA) یونان ۱۸۸۱ء میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرکے وہیں جنگی اسکول میں داخلہ لیا۔ ۱۸۵۵ء میں استنبول میں فوجی کالج (ملٹری اکیڈمی) میں داخل ہوئے۔ یہاں مشہور شاعر نامق کمال کی شاعری سے حب الوطنی اور آزادخیالی پیدا ہوئی۔ ۱۵۰۲ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ اور جنرل اسٹاف کالج پہنچے۔ جنگی تعلیم ختم کرکے فوج کے رسالہ میں کپتان بھرتی ہوکر دمشق گئے۔ وہاں ہم خیال دوستوں کے ساتھ ایک خفیہ تنظیم کی "مادرِ وطن اور آزادی" کے نام سے بنیاد رکھی۔

۱۵۱۱ء میں جب اطالویوں نے عثمانی سلطنت کے ایک صوبہ طرابلس پر دھاوا بول دیا تو انھوں نے دشمن پر چند ہم خیال افسروں کے ساتھ مل کر خوب خوب حملے کیے۔ جنگِ بلقان میں انھوں نے گیلی پولی (GALLIPOLI) کے جزیرہ نما کا دفاع کیا۔ ۱۵۱۳ء میں صوفیہ (SOFIA) میں فوجی اتاشی کی حیثیت سے تقرر ہو گیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران ان کو ایک ڈویژن کی کمان سپرد کی گئی۔ انھوں نے گیلی پولی کے مقام پر دو بار انگریزی فوجوں کو شکست فاش دی۔

۱۹۱۶ء میں مشرقی محاذ پر روسیوں کی بڑھتی ہوئی فوجوں کو روکا۔ ۱۹۱۷ء میں شہزادہ وحیدالدین کے ہمراہ جرمنی کا دورہ کیا۔ ۱۹۱۸ء میں فلسطین میں ان کو فوج کی کمان سپرد کی گئی۔ جرمنی کی شکست کے بعد انھوں نے جنوب مشرقی محاذ پر ترکی فوجوں کی کمان سنبھالی۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر اتحادی افواج (برطانیہ فرانس اٹلی) نے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کا خفیہ منصوبہ بنایا تو سلطان عبدالحمید اور اُن کے حامیوں نے ملک کو برطانیہ یا امریکہ کے زیر نگیں حفاظت کے لیے سپرد کرنے کی سوچی۔ مصطفےٰ کمال نے ایک آزاد ترک قوم کی تنظیم کی اور مملکت ترکی کی حدود کے تعین اور تحفظ کا بیڑہ اٹھایا۔

اسی دوران ۱۳ رمئی ۱۹۱۵ء کو یونانیوں نے سمرنا (ازمیر) پر قبضہ کر کے وہاں قتل عام شروع کر دیا۔ مصطفےٰ کمال نے فوج کی کمان سنبھالی اور ۱۹ رستمبر ۱۹۲۲ء کو ترک افواج سمرنا میں فاتحانہ داخل ہوئیں یونانی افواج نے ایشیائے کوچک میں شکست کھا کر استنبول پر یلغار کا منصوبہ بنایا تو ترکی افواج نے یونانی افواج کو اناتولیہ میں شکست دی اب مصطفےٰ کمال نے فوج سے استعفا دیدیا۔

۲۷ رستمبر کو مصطفےٰ کمال نے قومی تحریک کا مرکز انقرہ (ANKARA) کو بنایا۔ اسی اثنا میں عثمانیہ ایوان بالا میں مصطفےٰ کمال کی پارٹی کو اکثریت حاصل ہوگئی۔ ۲۲ راپریل ۱۹۲۰ء کو مصطفےٰ کمال ترکی کی اعلیٰ قومی اسمبلی کے صدر نشین منتخب ہوئے۔

۲۵ راکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمہوری حکومت کا اعلان ہوا۔ اور یہ اس کے پہلے صدر ہوئے۔ ۲۳ رمارچ ۱۹۲۴ء کو چھ سو سالہ خلافت منسوخ کر دی گئی۔ اب مصطفےٰ کمال کا یہ خواب کہ ترکی ایک مکمل طور پر آزاد قومی مملکت ہو شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اور سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ جسے "یورپ کا بیمار" کہا جاتا تھا اور جس پر یورپ کی غاصبانہ نظریں تھیں۔

۱۹۳۳ء میں قومی اسمبلی نے مصطفےٰ کمال کو "اتاترک" (بابائے ترک) کا خطاب دیا۔ اتاترک کی زندگی کے آخری سال بیماری میں گزرے۔ ۱۰ رنومبر ۱۹۳۸ء کو استنبول میں انتقال کیا۔

اتاترک نے ترکی میں سیاست، قانون، تمدن اور تعلیم میں انقلاب انگیز تبدیلیاں اور اصلاحات کیں۔

اقبال نے ترکانِ احرار کی شاندار اور عظیم الشان فتح سمرنا سے متاثر ہو کر اپنی مشہور نظم "طلوعِ اسلام" لکھی تھی اور کہا تھا۔ "اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا"

پیامِ مشرق میں بھی ایک نظم بعنوان "خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ" (جولائی ۱۹۲۲ء) ہے لیکن جب جدید جمہوریہ ترکیہ نے مغرب کے لادینی نظامِ سیاست و ثقافت کی طرف قدم بڑھایا تو اقبال کو مایوسی ہوئی اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

لادینی و لاطینی، کس پیچ میں الجھا تو
دارو ہے ضعیفوں کا لاغالب الا ہو

یا یہ کہ:

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

"جاوید نامہ" میں بھی فلکِ عطارد پر سعید حلیم پاشا (سابق وزیرِ اعظم ترکی) کی زبانی اقبال نے مصطفیٰ کمال کی تجدید پسندی اور اصلاحاتِ جدیدہ میں تقلیدِ فرنگ کی تنقید کی ہے۔

مآخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا: جلد دوم، ص۔ ۲۵۵ - ۲۵۶
۲۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار: اقبال ایک مطالعہ۔ ص۔ ۱۹۴ - ۱۹۵

موسیٰ بن میمون

(۵۴۵۱ھ۔ ۱۱۳۵ء/ ۶۰۱ھ - ۱۲۰۴ء)

ابو عمران موسیٰ بن میمون بن یوسف بن اسحاق قرطبی مشہور علوم طبیہ کا ماہر اور جلیل القدر یہودی فلسفی گزرا ہے۔ اس کی نشو و نما قرطبہ میں ہوئی۔ پھر وہ اپنے والد میمون بن یوسف بن اسحاق کے ساتھ اندلس کے مختلف شہروں میں سکونت پذیر رہ کر وہاں کے علماء سے درس لیتا رہا اور علمی فیوض حاصل کرتا رہا۔ قبول اسلام سے پہلے وہ مصر کے یہودیوں کا سربراہ تھا اور طبی دنیا میں وہ وحید العصر مانا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ مصر آیا جہاں قاہرہ میں ۳۷ سال تک قیام پذیر رہا۔ وہ شام کے ایوبی حکمرانوں کے دربار سے منسلک رہ کر اپنے علم و فن سے لوگوں کو مستفیض کرتا رہا وہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور شہزادہ افضل کا معالج خاص تھا۔

اس نے ۶۰۱ھ/۱۲۰۴ء میں مقام طبیریہ (فلسطین) میں وفات پائی۔

اس کی تصانیف زیادہ تر طب سے متعلق ہیں ان میں سے قابل ذکر کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دلالۃ الحائرین

۲۔ تنقیح الفصول

۳۔ شرح اسماء العقار
۴۔ تہذیب الاستکمال
۵۔ لابن ہود (علم ریاضی)
۶۔ المقالہ فی تدبیر الصحة الافضلیة
۷۔ تلخیص کتاب حیلة البرد

مآخذ:

۱۔ ابن ابی اصیبعہ : فی طبقات الاطباء ۲ / ۱۱۷
۲۔ ابن القفطی : تاریخ الحکماء ۳۷ ۱۹۰۳ء
۳۔ ابن شاکر الکتبی : فوات الوفیات ۴ / ۱۷۵ (تحقیق استاذ احسان عباس، بیروت (۱۹۷۴ء)

(پیرزادہ غلام احمد)

مہجور کشمیری — (۱۳۰۵ھ/۱۹۵۲ء)

کشمیری زبان کے مشہور شاعر پیرزادہ غلام احمد مہجور موضع متری گام میں ۱۲ر شوال ۱۳۰۵ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ قصبہ ترال کے ایک مکتب میں فارسی کے درس لیے اور سری نگر میں اردو کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن تکمیل نہ ہو سکی۔ اسی دوران امرتسر آ گئے اور وہاں خوش نویسی کا فن سیکھا اور قادیان کے اخبار سے بحیثیت کاتب وابستہ ہو گئے۔ اسی زمانے میں منشی محمد دین فوق نے لاہور سے ایک رسالہ "کشمیری میگزین" جاری کیا۔ مہجور لاہور چلے آئے۔ تین چار سال تک رہ کر ۱۹۰۱ء میں کشمیر واپس آ گئے۔ پیری مریدی کے موروثی پیشہ کی جانب میلان نہ تھا۔ چنانچہ محکمۂ بندوبست لداخ میں شجرہ کش کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ جہاں اس وقت اردو کے مشہور شاعر خوشی محمد ناظر افسر بندوبست تھے۔ دو سال کے بعد والد کے انتقال پر گھر واپس آ گئے اور ملازمت چھوڑ دی۔ کافی جدوجہد کے بعد کشمیر کے محکمۂ بندوبست میں پھر ملازم ہو گئے اور عہدہ پٹواری کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ اس عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ ۵ر اپریل ۱۹۵۲ء کو انتقال کیا۔ وزیر اعظم شیخ عبداللہ کی خواہش پر سرکاری اعزاز کے ساتھ سری نگر میں حبہ خاتون کے مزار (اٹھواجن) کے متصل دفنایا گیا۔

مہجور کو حسن اتفاق سے بچپن سے ہی شاعرانہ ماحول میسر آگیا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی، محمد دین فوق اور علامہ اقبال سے ملاقاتیں کرنے کی بدولت ان کی شاعرانہ

طبیعت کھل اٹھی۔ شروع میں فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کرتے رہے۔ لیکن بعد میں کشمیری زبان میں شعر کہنے لگے۔ حبہ خاتون اور رسول میر کا تتبع کیا۔ لیکن ان کے محدود روحانی مسلک پر اکتفا نہ کی۔ انھوں نے کشمیری زبان و ادب میں وطنی اور قومی شاعری کے نئے دور کا آغاز کیا۔ مہجور کا دیوان محمد یوسف ٹینگ سکریٹری کلچرل اکیڈمی نے مرتب کیا ہے۔

ماخذ:
(الصمد شکریہ)
ڈاکٹر مرغوب بانہال
صدر شعبۂ کشمیری،
کشمیر یونیورسٹی، سری نگر

مہر غلام رسول

(۱۸۹۴ء ـــــ ۱۹۷۱ء)

مولانا غلام رسول مہر کی شخصیت علم و ادب کے مختلف شعبوں پر محیط تھی وہ بے مثل عالم، بے بدل محقق اور بلند پایہ تاریخ نویس ہونے کے علاوہ بے باک صحافی بھی تھے۔ وہ مئی ۱۸۹۴ء میں جالندھر کے ایک قصبہ پھول پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دیہاتی اسکول میں پائی۔ مشن اسکول جالندھر سے میٹرک کیا۔ ۱۹۱۰ء میں حصولِ تعلیم کے لیے لاہور آکر اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں بی۔ اے کا امتحان دیا۔ اور لاہور سے اپنے وطن چلے گئے۔ وہاں سے حیدر آباد کی راہ لی۔ اور وہاں جاکر انسپکٹر مدارس کے فرائض چار سال انجام دیے۔ ترک موالات کے زمانے میں جالندھر واپس آکر مجلس خلافت کی تنظیم کی۔

اس کے کچھ دنوں بعد نومبر ۱۹۲۱ء میں مولانا ظفر علی خاں نے اپنے اخبار "زمیندار" کی ادارت کے لیے بُلا لیا۔

غلام رسول مہر ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک "زمیندار" سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد انھوں نے اور عبدالمجید سالک نے بعض اختلافات کی بنا پر "زمیندار" کی ملازمت چھوڑ دی۔ اور دونوں نے اپنا اخبار "انقلاب" کے نام سے ۴ اپریل ۱۹۲۷ء سے نکالنا شروع کیا۔

اقبال مولانا مہر کی سیاسی سوجھ بوجھ کے بہت قائل تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے ستمبر ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس لندن میں شرکت کی تو مولانا مہر کو بھی اپنے ساتھ

لیا۔ دوسری گول میز کانفرنس کے اختتام پر مولانا مہر اقبال کے ہمراہ اٹلی، مصر، اور فلسطین پہونچے اور موتمر عالم اسلامی کے جلسوں میں شرکت کی۔

مولانا مہر نے ۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۹ء میں "انقلاب" کے بند ہو جانے کے بعد عملی صحافت سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ بعد میں انہیں روزانہ "آفاق" کا مدیر مقرر کیا گیا۔ لیکن جلد ہی اس سے بھی علیحدہ ہو گئے۔ چونکہ ان کی پوری زندگی قلم و قرطاس سے عبارت تھی انھوں نے تحقیقی اور علمی کاموں کو اپنا نصب العین بنایا اور پورے انہماک سے تصنیف و تالیفی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۷۱ء کو انتقال کیا۔

مولانا غلام رسول مہر نے اپنی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزاری۔ ا دو درجن سے زائد کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ جن میں اہم اور مشہور، غالب (۱۹۳۶ء) ۱۸۵۷ء کے مجاہدین، سیرت سید احمد شہید، جماعت مجاہدین، تاریخ سندھ، اور "رسولِ رحمت" ہیں۔

ماخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص۔ ۴۷۶-۴۷۳

۲۔ مجلّہ نقوش۔ شخصیات نمبر۔ ص۔ ۶۳۶-۶۴۱

نجم الدین (فقیر) سید (متوفی ۱۹۳۷ء)

فقیر سید نجم الدین لاہور کے اس نامور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو گذشتہ ڈیڑھ سو صدی میں پایۂ تخت پنجاب کی علمی روایات کا خازن رہا ہے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ فقیر سید نورالدین (متوفی ۱۲۶۸ ہجری مطابق ۱۸۵۲ء) اور فقیر سید عزیزالدین (متوفی ۱۲۶۰ھ) نے جو اہم کردار ادا کیا ہے اسے پنجاب کی تاریخ میں بھلایا نہیں جا سکتا۔ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے معالج مقرر ہوئے اور ان کے بڑے بھائی فقیر سید عزیزالدین وزیر خارجہ کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے۔ رفتہ رفتہ فقیر صاحبان مہاراجہ کے مزاج میں اتنے دخل انداز ہو گئے کہ حکومت کا سیاہ و سفید انہیں کے ہاتھ میں آ گیا۔

فقیر سید نجم الدین علامہ اقبال کے قریبی احباب میں سے تھے۔ ان کو علامہ سے والہانہ عشق تھا۔ علامہ سے اس خاندان کے مراسم کی ابتدا اصل میں ان کے خسر فقیر سید افتخار الدین (متوفی ۱۹۱۸ء) کے وسیلہ سے ہوئی۔ ۱۹۰۱ء میں جب امیر حبیب اللہ والی افغانستان ہوئے تو برطانوی حکومت نے فقیر سید افتخار الدین کو افغانستان کا سفیر بنا کر بھیجا۔ اقبال اوائل عمر میں ان سے ملے اور ان کو بے حد متاثر کیا۔ ۱۹۱۲ء میں جب علامہ نے جب اپنی مشہور نظم "شمع اور شاعر" انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں سنائی تو اس کی پہلی نشست کی صدارت فقیر سید افتخار الدین نے کی، جبکہ دوسری نشست کے صدر مرزا سلطان احمد تھے۔ علامہ نے اس نظم کا پہلا حصہ فقیر صاحب کی صدارت میں اور دوسرا حصہ مرزا صاحب کی صدارت میں پڑھا۔

علامہ نے ایک فارسی قطعہ میں جو ان کے کسی مجموعہ کلام میں نہیں ہے۔ اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

۱۔ ہم نشینِ بے ریایم از رہِ اخلاص گفت
اے کلامِ تو فروغِ دیدۂ برنا و پیر
درمیانِ انجمن معشوقِ ہرجائی مباش
گاہ با سلطان باشی، گاہ باشی با فقیر

سلطان سے مراد مرزا سلطان احمد اور فقیر سے مراد فقیر سید افتخار الدین ہیں۔

فقیر سید نجم الدین کے صاحبزادے فقیر سید وحید الدین نے علامہ سے ملاقاتوں کی ایک معروف یادداشت بعنوان "یادگارِ فقیر" ۱۹۵۰ء میں مرتب کی۔

۱۹۳۷ء میں فقیر سید نجم الدین کا انتقال ہوا۔

۱؎ (ترجمہ) میرے ایک مخلص دوست نے (ازراہ خلاص) کہا کہ اے وہ کہ تیرے کلام سے پیر و جوان دونوں کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں تو محفل میں معشوق ہرجائی نہ بن۔ کبھی سلطان کے ساتھ بیٹھ اور کبھی فقیر کی ہم نشینی کر۔

ماخذ:

۱۔ فقیر سید وحید الدین ۔ روزگار فقیر۔
۲۔ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ص ۔ ۸۲
۳۔ "نقوش" ، لاہور نمبر، حصہ دوم ۔ ص ۱۰۴۴ ۔ ۱۰۴۷

نجیب اشرف ندوی (سیّد)

(۱۹۰۰ ـــــ ۱۹۶۸ء)

سیّد نجیب الدین یکم نومبر ۱۹۰۰ء کو بمقام آرموری، ضلع چاندہ (مہاراشٹر بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔

۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۳ء تک ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ابتدائی درجوں میں تعلیم پائی۔ پھر پٹنہ چلے گئے۔ وہاں اینگلو سنسکرت ہائی اسکول میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۷ء میں میٹرک اور ۱۹۱۹ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پٹنہ یونیورسٹی سے پاس کیا۔

جب ۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں سیاسی تحریکوں کا آغاز ہوا تو یہ اس وقت پٹنہ یونیورسٹی میں بی۔ اے کے دوسرے سال میں زیرِ تعلیم تھے۔ لیکن خلافت تحریک اور ترکِ موالات سے متاثر ہو کر اُنھوں نے کالج چھوڑ دیا اور گھر چلے آئے۔

۱۹۲۳ء میں جب سیاسی تحریکیں سرد پڑ گئیں تو نجیب اشرف اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے کے لیے کلکتہ چلے گئے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک وہاں مقیم رہے ۱۹۲۴ء میں تاریخ میں بی۔ اے آنرز پاس کیا۔ ۱۹۲۶ء میں فارسی میں ایم اے کیا اور دار المصنّفین، اعظم گڑھ میں فیلو کی حیثیت سے کام شروع کیا۔

۱۹۳۰ء میں گجرات گورنمنٹ کالج احمد آباد میں فارسی کے اُستاد ہو گئے۔ یہاں بمشکل ایک سال گزرا تھا کہ اسماعیل یوسف کالج جوگیشوری بمبئی میں اردو کے اُستاد منتخب ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۵۰ء تک تقریباً ۲۰ سال یہاں گزارے۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۱ء تک نجیب اشرف نے اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر

کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۵ ستمبر ۱۹۶۸ء کو انتقال ہوا۔

سید نجیب اشرف ندوی نے اپنی تصنیفی زندگی میں تین مستقل کارنامے پیش کیے ہیں۔ جو کتابی صورت میں "مقدمہ رقعات عالمگیر" "رقعات عالمگیر" جلد اول اور "لغات گجری" کے نام سے شائع ہوئے۔ اول الذکر دونوں کتابیں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ ان کے مطالعہ سے اورنگ زیب عالمگیر پر عائد و وارد سارے الزامات و اعتراضات مرتفع ہو جاتے ہیں اور عالمگیر کی شخصیت کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ بد قسمتی سے رقعاتِ عالم گیر میں صرف عہد شہزادگی کے خطوط ہی چھپے ہیں۔ باقی جلدیں طبع نہ ہو سکیں۔

ندوی صاحب کی آخری یادگار ان کی مشہور و معروف کتاب "لغات گجری" ہے اسے انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لیے ۱۹۶۲ء میں مرتب کر کے شائع کیا۔ "لغات گجری" ایک نامعلوم مصنف کا لغت ہے جس کا متن اپنے عربی حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو کی ابتدائی تعلیم میں "علاقہ گجرات" کو شرفِ اولیت حاصل ہے۔

مآخذ:

ریاست علی تاج۔ سید نجیب اشرف ندوی، شخصیت اور کارنامے
مکتبہ شعر و حکمت، ریڈ ہلز، حیدر آباد، آندھرا پردیش،
جنوری ۱۹۸۱ء ص۔ ۲۸، ۴۶، ۱۲۵، ۱۳۸، ۱۵۰، ۱۵۶، ۲۱۱، ۲۱۲

نشتر سردار عبدالرب

(۱۸۹۹ء — ۱۹۵۸ء)

سردار عبدالرب نشتر ۱۳ جون ۱۸۹۹ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے اور مسلم یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی۔ تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لیا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کے سپاہی پہلے کانگریس اور پھر مسلم لیگ کے سرگرم رکن رہے۔ بلند خیال اور سادہ مزاج شخص تھے۔ اعلیٰ درجے کے مقرر تھے۔ ہندوستان کی عبوری حکومت (INTERIM GOVERNMENT) میں شامل تھے۔ حکومت پاکستان کے مرکزی وزیر بھی رہے۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۴۹ء میں پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے۔

نشتر شعر و ادب کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے فارسی، اردو، پشتو اور انگریزی میں اُن کی تقریریں نہایت شستہ رواں اور اثرانگیز ہوتی تھیں۔ کراچی میں ۱۹۵۸ء میں انتقال کیا۔ کسی نے اُن کا سنہ وفات "غریق رحمت" کہہ کر نکالا۔
۱۹۵۸ء

مآخذ: ۱۔ ماہنامہ فاران ۱۹۰۸ء
۲۔ نقوش، لاہور نمبر ص ۹۰۱

(خواجہ) نصیر الدین طوسی

(۵۹۷ھ/ ۱۲۰۱ء۔ ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۴ء)

خواجہ نصیر الدین طوسی نے ۱۱ جمادی الاول ۵۹۷ ہجری مطابق ۱۸ فروری ۱۲۰۱ء میں بمقام طوس ولادت پائی۔ یہیں تعلیم حاصل کی علوم حکمت ریاضی اور نجوم میں انتہائی تبحر حاصل کیا۔ ایران کے چوٹی کے حکیموں اور عالموں میں شمار ہوا۔ مغلوں کے حملوں سے پہلے اسماعیلی فرقہ کے محتشم ناصر الدین عبدالرحیم بن ابی منصور کے دربار سے وابستہ ہوا۔ اس کے نام سے کتاب "اخلاق ناصری" منسوب ہے۔ پھر مغلوں کے زمانے میں ہلاکو کے دربار کے مقربوں میں شامل ہوا اور اس کا ندیم و مشیر بن گیا۔ بڑے بڑے سفروں میں ہلاکو کے ساتھ رہا اور اس کی رہنمائی کی۔ مغل خواجہ کی بات پر بھروسہ کرتے تھے۔ خاص کر نجوم میں۔ خواجہ کی مہارت کی وجہ سے اسے نجوم کی تحقیق اور رصد پر مقرر کیا۔ اس نے علم نجوم میں کئی تحقیقیں کیں۔ مراغہ میں ہلاکو کے حکم سے خواجہ کی نگرانی میں ایک بڑی رصد گاہ تعمیر کی گئی اور خواجہ نے اسی رصد گاہ میں "زیچ ایلخانی" کے نام سے اپنی زیچیں مرتب کیں۔

خواجہ کی اہم تصنیفیں ریاضی، منطق اور نجوم پر ہیں۔ ان میں سے علم ہندسہ پر تحریر اقلیدس، ہیئت پر "تحریر مجسطی"، منطق اور حکمت پر "شرح اشارات"

ابوعلی" شامل ہیں۔

طوسی سے پہلے بھی امام فخر الدین رازی نے ابوعلی کے اشارات کی شرح لکھی تھی اور اس کے ضمن میں ابوعلی سینا پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ خواجہ نے شرح اشارات میں ان اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ اس کے سوا اس نے "تجرید العقائد" کے نام سے ایک کتاب حکمت کلام اور شیعہ عقائد کے اثبات میں لکھی ہے۔

خواجہ نصیر الدین نے فارسی میں جو اہم کتابیں لکھی ہیں ان میں شہرۂ آفاق تصنیف "اخلاق ناصری" کے سوا منطق میں "اساس الاقتباس" ہیئت میں "تذکرۃ الناصرہ" تصوف میں رسالہ "اوصاف الاشرف" نجوم میں "سی فصل" اور عروض و قافیہ میں "معیار الاشعار" جیسی کتابیں بھی شامل ہیں۔

مغلوں کے دربار میں خواجہ نصیر الدین کے نفوذ و اثر سے ایران کے علم و ادب کو بڑا فائدہ پہنچا۔ کیونکہ اس نے بیشمار عالموں اور ان کی کتابوں کو تباہی سے بچالیا۔

خواجہ نصیر الدین نے ۱۸؍ ذی الحجہ ۶۷۲ ہجری بمطابق ۲۶؍ جون ۱۲۷۴ء میں بمقام بغداد وفات پائی۔

کارادی وا (CARFRA de VAUX) نے "میراثِ اسلام" میں ہیئت اور ریاضیات کے سلسلہ میں طوسی کی بہت تعریف کی ہے۔

علامہ اقبال نے طوسی کے سلسلہ میں لکھا ہے:

" مسلمان ریاضی داں قرون وسطیٰ میں اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ یہ ممکن ہے مکاں کے ابعاد تین سے زیادہ ہوں اور ہمارے اسلامی صوفیہ تو ایک مدت سے تعددِ زمان و مکاں کے قائل ہیں۔"

ماخذ:

۱۔ ڈاکٹر رضا زادہ ۔ تاریخ ادبیات ایران ۔ ص ۴۴۷ ۔ ۴۴۸۔

۲۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص ۵۷۴ ۔ ۵۷۷

۳۔ اقبال نامہ ۔ حصہ دوم ص ۳۴۳ ۳۴۴

(محمد اشرف کشمیری بازار لاہور ۔ ۱۹۵۱ء)

"LEGACY OF ISLAM" EDITED BY SIR THOMAS ARNOLD.

OXFORD PRESS, 1952
PP. 395-397

(سید شاہ) نظیر احمد ہاشمی غازی پوری

سید شاہ نظیر احمد ہاشمی ضلع غازی پور کے موضع نئے سارہ میں پیدا ہوئے۔ اعظم گڑھ کے کسی موضع میں اپنی ننھیال میں تربیت پائی۔ اُردو۔ فارسی اور عربی کے علاوہ انگریزی زبان وادب میں مہارت پیدا کی۔

حصولِ تعلیم کے بعد تحصیل دار کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ کچھ عرصے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ جون پور کے ایک مشہور اور ممتاز رئیس نواب یوسف تھے جو مسلم لیگ سے وابستہ تھے اور الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کے انعقاد میں پیش پیش رہے تھے۔ اُن کی ہمشیرہ سے سید شاہ نظیر احمد کا عقد ہوا۔ غالباً اسی وجہ سے نواب صاحب کی الہ آباد والی کوٹھی میں مقیم رہے۔ نہایت ذہین و فطین تھے۔ مختلف رسائل وجرائد کے لیے کئی مضامین بہ یک وقت لکھا کرتے تھے۔ ایک ماہنامہ کلیم بھی نکالتے تھے۔

ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے شاہ سید احمد ہاشمی کو نواب یوسف نے اپنا متبنّیٰ بنالیا۔ اُن کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ ایک کی وفات ہوگئی۔ دو صاحبزادے حیات ہیں سید خورشید احمد ہاشمی اور سید اقبال احمد ہاشمی۔ جو یوسف کیسل (YUSUF CASTLE) نواب یوسف روڈ۔ جون پور (اتر پردیش بھارت) میں رہائش پذیر ہیں۔

ماخذ

بصد شکریہ:

جناب سید احمد ہاشمی صاحب، سابق ممبرِ پارلیمنٹ، نئی دہلی

مولوی نورالاسلام

خان بہادر قاضی نورالاسلام صدیقی کا تعلق خاندان قاضیاں قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور سے تھا۔ یہ خاندان صدیوں تک دولت اور علم دونوں میں ممتاز رہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ۳۴ ویں پشت پر مولوی محمد یاسین تھے۔ جو تعلیم کے بعد امرتسر میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ یہ شاعر بھی تھے اور غزلیں تخلص کرتے تھے۔

(سال وفات ۱۸۸۰ء ہے)

مولوی محمد یاسین غزلیں کے ایک بیٹے حاجی عبدالسلام تھے جو مولوی نورالاسلام صدیقی کے والد ماجد تھے۔ مولوی صاحب نے غالباً علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ پنجاب اور بلوچستان میں اچھی ملازمتوں پر مامور رہے۔ قندھار میں حکومت کے سفیر بنے۔ حکومت انگلشیہ نے انہیں خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ انہیں فارسی سے عشق تھا۔ اردو میں شعر کہتے تھے۔ لیکن اب کلام نہیں ملتا۔

خان بہادر نورالاسلام کے دو بیٹے تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری (۱۸۸۱ء۔ ۱۹۱۸ء) اور حبیب الرحمن۔

مولوی نورالاسلام کے نام بجنوری کے خطوط باقیات بجنوری میں ملتے ہیں جو ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۲ء کے عرصے میں مارسیلز، استنبول، روم اور وینس سے لکھے گئے ہیں مولوی نورالاسلام کو خلافت تحریک اور ترکی کی نشاۃ ثانیہ سے گہری دلچسپی تھی۔

قاضی نورالاسلام اقبال کے ملنے والوں میں تھے۔

عبدالرحمن بجنوری کی وفات پر اقبال نے لوح مزار پر کندہ کرانے کے لیے انہیں ایک فارسی رباعی لکھ بھیجی تھی۔ لیکن ان کی تربت جو بھوپال کے لال گھاٹی قبرستان میں ہے اقبال کے فارسی شعر کے بجائے اردو کے دو قطعات درج ہیں جن میں ایک قاضی محمد تحسین بیدل کا لکھا ہوا ہے۔

مآخذ:

۱۔ قاضی محمد تحسین بیدل بجنوری۔ جمیع التاریخ۔ مطبوعہ پنجاب پریس، لاہور ۱۹۵۳ء

۲۔ محمد فاتح فرخ (مرتب) باقیات بجنوری۔ مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۵۴ء

۳۔ محمد فاتح فرخ (مرتب) یادگار بجنور۔ سول اینڈ ملٹری پریس کراچی ۱۹۶۴ء

۴۔ پروفیسر خورشید الاسلام، تنقیدیں۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۷۷ء

نولدیکے تھیوڈور (THEODOR NOLDEKE)

(۱۸۳۶ ـــــ ۱۹۳۰ء)

تھیوڈور نولدیکے ہاربرگ (HARBURG) جرمنی میں دو مارچ ۱۸۳۶ء کو پیدا ہوا۔ ۱۸۶۸ء سے کیل یونیورسٹی (KIEL UNIVERSITY) میں اور ۱۸۷۲ء سے ۱۹۰۶ء تک اسٹراس برگ (STRASSBURG) میں پروفیسر رہا۔

اس نے قرآن کا خصوصی مطالعہ کیا تھا۔ سامی اقوام کے متعلق موضوعات پر گہری نظر رکھتا تھا۔ تاریخ، ادبیات عرب، ابتدائی تاریخ اسلام اور عہد ساسانیاں میں بھی اُس کا خصوصی مطالعہ تھا۔

اس کی تصنیف میں "تاریخ قرآن" ۱۸۶۰ء میں چار جلدوں میں چھپی۔ ۱۹۶۱ء میں اس کا ری پرنٹ (RE-PRINT) شائع ہوا۔

نولدیکے نے ۲۵ دسمبر ۱۹۳۰ء کو کارل سروہے (KARLSRUHE) میں انتقال کیا۔

ماخذ:

بالصد شکریہ ہاسیکسمیولر بھون، نئی دہلی

(۱۸۸۴ ـــــــ ۱۹۶۶ء)

پورا نام نیاز محمد خاں اور تاریخی نام لیاقت علی خاں (۱۳۰۲ھ) تھا۔ ۱۸۸۴ء میں فتح پور ہسوا میں پیدا ہوئے۔ دنیائے ادب میں نیاز فتح پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ علم و ادب سے دلچسپی اوائل عمر ہی سے تھی۔ اپنے شوق سے ایف اے تک انگریزی بھی پڑھی۔ پھر کسبِ معاش کے لیے ۱۹۰۰ء میں پولس کے محکمے میں ملازمت بھی کر لی۔ مگر اُن کی طبیعت اس کام میں نہ لگی۔ اور دو سال بعد اسے چھوڑ کر مدرسی کرنے لگے اور پھر علمی اور ادبی کاموں میں لگ گئے۔ ۱۹۱۰ء میں صحافتی دنیا میں قدم رکھا۔ مختلف اخباروں، 'زمیندار'، 'توحید' میرٹھ 'خطیب'، دہلی اور 'رعیت'، دہلی سے وابستہ رہے۔ بھوپال میں خود اپنا رسالہ "نگار" جاری کیا۔ جسے کچھ عرصے بعد لکھنؤ لے آئے۔ یہاں وہ 'نگار' بڑی پابندی سے نکالتے تھے۔ 'نگار' کے زیادہ تر مضامین خود اُنہیں کے لکھے ہوئے ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ رسالہ اردو کے نہایت وقیع رسالوں میں شمار ہونے لگا۔ اور نہ جانے کتنے ادیب اور شاعر 'نگار' کے ذریعہ بامِ شہرت پر پہنچے۔

'نگار' کے ساتھ وہ دیگر ادبی کاموں میں بھی لگے رہے۔ ٹیگور کی "گیتانجلی" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اپنے ادبی مقالات کا مجموعہ 'نگارستان' اور 'جمالستان' کے

نام سے شائع کیا۔ رومانی افسانوں کے مجموعے جنھیں ادب لطیف کا نام دیا گیا ہے شاعر کا انجام، شہاب کی سرگزشت، کیوپڈ اور سائیکی، ایک سیاح کی ڈائری کے ناموں سے شائع کیا۔ اس کے علاوہ مذہبیات، جنسیات لسانیات اور نہ جانے کتنے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔

غرضیکہ نیاز فتح پوری خود اپنی ذات سے ایک قاموس تھے اور ان کو ہر علم میں درک حاصل تھا۔ حکومت ہند نے ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو پدم بھوشن کا خطاب عطا کیا۔ مگر اس کے چند ہی ماہ بعد وہ یکایک پاکستان چلے گئے اور وہاں "نگار پاکستان" کے نام سے رسالہ پھر جاری کیا۔ اور اس میں قابل قدر مضامین خود بھی لکھے اور دوسروں سے بھی لکھواتے رہے۔ آخر کار وقت موعود آ پہنچا اور ۲۴ رمئی ۱۹۶۶ء میں کینسر کے مرض سے کراچی میں انتقال ہوا۔

نیاز فتحپوری کی شہرت زیادہ تر ان کے رومانی افسانوں کی وجہ سے ہوئی انھوں نے ٹیگور کی تقلید میں نثر لطیف یا شعر منثور کو رواج دیا۔

نیاز فتحپوری ایک مستند نقاد بھی ہیں اور انھوں نے ادبی موضوعات اور جدید و قدیم شعرا پر کثرت سے تنقیدیں لکھی ہیں۔ چونکہ ان کو فارسی، عربی اور اردو کے ادب عالیہ پر عبور حاصل تھا اس لیے ان کی تنقیدوں میں وزن و وقار اور گہرائی نظر آتی ہے۔

نیاز فتحپوری ایک صاحب طرز ادیب، صحافی، شاعر، نقاد، افسانہ و ناول نگار، مورخ اور ماہر لسانیات تھے۔ ان کا مقام عصر حاضر کے اردو ادب میں ممتاز اور نمایاں ہے۔

ماخذ:

۱۔ مہ لقا اعجاز۔ نقوش ادب، فیصل طلعت پبلیکیشنز، ہمایوں باغ، آہن گنج کانپور، ۱۹۷۰ء

۲۔ نگار پاکستان، نیاز فتحپوری ۱۹۶۲ء

نیپولین بوناپارٹ (NAPOLEAN BONAPART)

(۱۷۶۹ — ۱۸۲۱ء)

نیپولین بوناپارٹ اجاچیو (AJACCIO) جزیرہ کورسیکا (CORSICA) میں ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا۔ اس نے فوجی اسکول ملٹری کالج اور ملٹری اکاڈمی میں تعلیم حاصل کی۔ ستمبر ۱۷۸۵ء کو اس نے ملٹری اکاڈمی سے گریجویشن کیا۔ اور فوج میں توپ خانہ میں سکنڈ لفٹیننٹ کی حیثیت سے بھرتی ہوا۔ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ۲۴ سال کی عمر میں برگیڈیر جنرل (۱۷۹۳ء) ۱۷۹۴ء میں اٹلی میں فرانسیسی توپ خانہ کا کمانڈر انچیف اور پھر کمانڈران چیف (۱۷۹۶ء) مقرر ہوا۔ اس نے آسٹریا کے خلاف کئی بہت اہم جنگیں جیتیں۔ اور آسٹریا معاہدے کے بعد اس کی مقبولیت فرانس میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اب صرف برطانیہ کے خلاف لڑائی جاری رہی۔ اس نے برطانیہ کی دولت و تجارت کو نقصان پہنچاتے کے لیے مصر اور ہندوستان کے بحری راستوں کی ناکہ بندی کی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۷۹۸ء میں مالٹا، اسکندریہ اور دریائے نیل پر قبضہ کر لیا۔

برطانیہ آسٹریا روس اور ترکی نے مل کر فرانس کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا۔ ۱۷۹۷ء میں اٹلی میں فرانسیسی فوجوں کو شکست ہوئی جس کی وجہ سے فرانس میں بھی گڑبڑ شروع ہوئی۔ اگست ۱۷۹۹ء میں اس نے مصر کو خیرباد کہا۔ نومبر ۱۷۹۹ء میں ایک نئی حکومت (CONSULATE) قائم ہوئی جس میں نیپولین ۳۰ سال کی عمر میں فرانس کا بااختیار حاکم بن گیا۔

اب نیپولین نے دور رس انتظامی اصلاحات شروع کیں۔ انتخاب کی بجائے ججوں کی نامزدگی کا طریقہ رائج کیا۔ بنک آف فرانس قائم کیا۔ تعلیم کی تنظیم نو کی۔ اور یونیورسٹیوں میں نئی فیکلٹیاں قائم کیں۔ ۱۸۰۴ء میں ضابطہ دیوانی مرتب کیا۔ جو ضابطہ

"نپولین" کے نام سے مشہور ہے۔
۱۸۰۴ء میں نپولین کو قتل کرنے کی سازش کا پردہ چاک ہوا تو اس قسم کی سازشوں کو روکنے کے لیے بادشاہی نظام حکومت "قائم ہوا اور ۲ دسمبر ۱۸۰۴ء کو نپولین کی تاج پوشی ہوئی۔
اسی دوران نپولین انگریزوں سے برسرِ پیکار رہا۔ اکتوبر ۱۸۰۵ء میں ٹریفالگر (TRAFALGAR) کی بحری جنگ میں گو انگریزی بحریہ کا سالار نیلسن (NELSON) مارا گیا لیکن فرانسیسی بیڑہ کو شکست فاش ہوئی۔ دسمبر ۱۸۰۵ء میں نپولین نے برطانیہ، روس اور آسٹریا کے متحدہ محاذ کو جنگ آسٹرلٹیز (AUSTERLITZ) میں شکست دی۔ اس کے بعد اس نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۰۶ء کو جرمن فوجوں کو جینا (JENA) کے مقام پر شکست دی۔
۱۸۱۲ء میں نپولین نے روس کے خلاف نہایت خونی اور وحشیانہ جنگ شروع کی مگر موسم سرما کی شدت کے باعث اُسے پسپا ہونا پڑا۔ اس جنگ میں پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی دوسری قومیں بھی نپولین کے خلاف صف آرا ہوگئیں۔ جنوری ۱۸۱۴ء میں فرانس پر ہر طرف سے حملے ہونے لگے۔ نپولین کو معزول کر دیا گیا۔ اور وہ ۶ اپریل ۱۸۱۴ء کو تخت و تاج چھوڑ کر جزیرۂ البا (ELBA) میں پناہ گزیں ہوا۔
نپولین جلد ہی جنگ پر کمربستہ ہوگیا اور ۱۸۱۵ء میں فرانس لوٹ کر دوبارہ اقتدار حاصل کیا۔
۱۶ جون ۱۸۱۵ء میں بلجیم میں جرمن فوجوں کو شکست دی۔ اور اس کے صرف دو دن بعد واٹرلو (WATERLOO) کی جنگ میں انگریز جنرل ولنگٹن WELLINGTON نے نپولین کو شکست فاش دی۔ اس کے نتیجہ میں جون ۱۸۱۵ء کو اپنے بیٹے کے حق میں تخت و تاج سے دستبردار ہوگیا اور سینٹ ہیلینا (ST. HELENA) میں قید کر دیا گیا (اکتوبر ۱۸۱۵ء) وہیں ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو ۵۲ سال کی عمر میں اُس نے انتقال کیا۔
نپولین ایک روشن خیال حکمران تھا۔ رواداری اور انسانی زندگی کا احترام اس کی ممتاز خصوصیات تھیں۔ اُس پر روسیو اور والٹر کا زبردست اثر تھا۔

نپولین نہ صرف ایک جلیل القدر جنرل تھا بلکہ روشن خیال، منتظم اور ممتاز سیاستدان بھی تھا۔ اس نے فرانس اور دنیا کی تاریخ کا رُخ بدل ڈالا۔

ماخذ :

دائرۃ المعارف برطانیکا ۔ جلد ۔ ۱۲ ۔ ص ۸۳۱ ۔ ۸۴۱

نیٹشے (فریڈرک) (۱۸۴۴ء۔۱۹۰۰ء)

فریڈرک نیٹشے انیسویں صدی کا جرمن فلسفی عصرجدید کا نہایت ذی اثر مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ نیٹشے کا جنم ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو روکن (ROCKEN) کے مقام پر ایک پادری گھرانے میں ہوا۔ ۱۸۵۰ء میں اُس کا خاندان نوم برگ (NAUMBURG) منتقل ہوگیا۔ جہاں اُس نے ایک اعلیٰ اسکول میں تعلیم پائی۔ ۱۸۶۴ء میں گریجویشن کیا۔ پھر بون (BONN) یونیورسٹی میں دینیات اور لسانیات کے خصوصی مطالعے کے لیے داخلہ لیا۔ لیکن دینیات کا مضمون سال بھر کے بعد چھوڑ دیا۔ جلد ہی اس کی دلچسپی لسانیات سے زیادہ فلسفہ میں بڑھ گئی۔ اکتوبر ۱۸۶۷ء میں فوج میں بھرتی ہوا لیکن چند ماہ بعد زخمی ہوجانے کی وجہ سے ملازمت ترک کردی۔ اسی دوران بسل (BASAL) یونیورسٹی سوئٹزرلینڈ میں لسانیات کا پروفیسر مقرر ہوگیا (اپریل ۱۸۶۹ء) جب ۱۸۷۰ء میں جرمنی اور فرانس میں جنگ چھڑی تو فوج میں میڈیکل اردلی بھرتی ہوگیا مہینہ بھر کے بعد بیمار ہوکر واپس بسل آگیا۔

۱۸۷۹ء میں یونیورسٹی کی ملازمت سے بسبب علالت سبکدوش ہوگیا۔ معالجوں نے پڑھنے لکھنے پر پابندی لگا دی تھی۔ لیکن اُس نے اگلے دس برس میں (۱۸۷۹ء۔۱۸۸۹ء) مختلف امراض کے باوجود اپنے آپ کو تصنیف و تخلیق کے لیے وقف کردیا۔ مختلف جگہوں میں مقیم رہ کر ہر سال ایک نئی کتاب تصنیف کرتا رہا۔

زندگی کے آخری گیارہ سال دیوانگی کے عالم میں گزرے۔ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو ویمر (WEIMAR) میں انتقال کیا۔ ۱۰۶۵

اس کی پہلی تصنیف THE BIRTH OF TRAGEDY (آغاز المیہ) ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی۔ ۸۴-۱۸۸۳ء میں اس کی شہرہ آفاق تصنیف (لنقول زردشت) THUS SPAKE ZARATHUSTRA کے پہلے تین حصے شائع ہوئے اور چوتھا حصہ ۱۸۹۲ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ اس کی مقبول ترین کتاب ہے جو بہت پڑھی جاتی ہے۔ لیکن بہت کم سمجھی جاتی ہے۔ یہ دنیا کے ادب کا ایک شاہکار شمار ہوتی ہے۔ اس میں اس نے اپنا پورا نظام فکر پیش کیا ہے۔

اس نے اپنی اگلی تصنیف (خیر و شر سے ماورا) BEYOND GOOD AND EVIL (۱۸۸۶ء) میں اپنے خیالات کو زیادہ صاف طور پر واضح کیا ہے

۱۸۸۸ء میں کوپن ہیگن (COPENHAGEN) یونیورسٹی میں نیٹشے پر لیکچر دیا گیا۔ یہ اس کی اہم تصانیف اور نظریات کا پہلا اعترافِ عام تھا۔ اسی سال اس نے چار تصانیف مکمل کیں۔ اپنی ایک اہم تصنیف (دجال) ANTI-CHRIST میں اس نے عیسائیت کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

اس کی زندگی کا ایک المناک پہلو یہ بھی ہے کہ جب اس کی شہرت پھیلنے لگی تو اس کی بہن الزبیتھ نے اس کے نظریات کو غلط انداز سے پیش کیا حتیٰ کہ جعل سازی سے بھی کام لیا۔ اس کی مختصر یادداشت کا انتخاب THE WILL TO POWER (ارادہ برائے اقتدار) کے نام سے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا۔

نیٹشے نے سقراط کو بحیثیت فنکار پیش کیا۔ فلسفہ اور شاعری کی آمیزش خود اس کی شخصیت کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس کے بعد چار کتابیں بعنوان 'اندیشہ ہائے دور دراز' THOUGHTS OUT OF SEASON یکے بعد دیگرے شائع ہوئیں یہ اس کے مضامین کا مجموعہ ہیں لیکن نیٹشے کی شہرت اس کی بعد کی تصانیف کی وجہ سے ہے۔ ۱۸۷۸ء میں اس نے اپنے اقوال زریں کے پانچ مجموعے HUMAN ALL TOO HUMAN (بشری اور محض بشری) شائع کیے۔

بحیثیت جرمن نثر نگار، نیٹشے کا آج تک ثانی پیدا نہیں ہوا۔ اسکی شاعری بھی اثر انگیز ہے۔ لیکن اس کا اصل مقام ایک عظیم فلسفی کی حیثیت سے ہے۔ مغربی مفکرین میں نیٹشے کا

اثر کلام اقبال میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اقبال نے نیٹشے کا ذکر بھی اپنے کلام میں متعدد موقعوں پر کیا ہے۔ اقبال نے اس کے لیے کہا ہے۔

ع : قلبِ اُو مومن دماغش کافر است[1]!

اور وضاحت کی ہے کہ اس کا دماغ اس لیے کافر ہے کہ وہ خدا کا منکر ہے۔ مگر بعض اخلاقی نتائج میں اس کے افکار مذہبِ اسلام کے بہت قریب ہیں۔ کہیں اسے "مجذوبِ فرنگی" کہا ہے اور کہیں "حلاجِ بے دار و رسن" علاوہ ازیں اقبال کے 'مردِ مومن' اور نیٹشے کے 'فوق البشر' میں کسی حد تک مماثلت کے پہلو موجود ہیں۔ اقبال بھی نیٹشے کی طرح تصادم و پیکار، صلابت و طاقت، تخلیق آرزو، قوتِ ارادی کے حامی ہیں۔ "پیام مشرق" میں نیٹشے کا ذکر اس کے نام کے زیرِ عنوان چار بار آیا ہے۔ "اسرار خودی" کی کہانی "الماس و زغال" نیٹشے ہی سے لی ہے۔

---

[1] یہ مصرع اقبال نے کارل مارکس کے بارے میں بھی دہرایا ہے

زاں کہ حق در باطلِ اُو مضمر است
قلبِ اُو مومن دماغش کافر است

(وہ کہ حق اس کے باطل کے اندر چھپا ہوا ہے۔ اُس کا قلب مومن ہے اور دماغ کافر ہے)

ماخذ :

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا جلد ۱۳ ۔ ص ۔ ۷۴ ۔ ۷۵

۲۔ جگن ناتھ آزاد۔ اقبال اور مغربی مفکرین ۔ ص ۔ ۹۷ ۔ ۱۱۴

واحد محمود (۸۰۰ھ-۸۳۱ھ)

واحد محمود گیلان کے ایک قصبہ بیخوان میں ۸۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے مدت تک آذربائیجان میں رودِ ارس کے کنارے قیام کیا۔ حافظ شیرازی نے جو بقول واحدی اُن کے مسلک کے پیرو تھے، اپنے ایک شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اے صبا گر بگذری بر ساحلِ رودِ ارس
بوسہ زن بر خاک آن وادی و مشکیں کُن نفس

(اے صبا! اگر تو کبھی رودِ ارس کے ساحل سے گذرے تو اس کی وادی کی خاک کو بوسہ دینا اور اس طرح اپنی سانس میں مشک کی خوشبو بسانا)

واحد محمود کے ماننے والوں کی کثیر تعداد ہوگئی تھی۔ اُن کو بیخوانی (ان کی زاد بوم کی نسبت سے) نقطوی (لفظ نقطو بہ معنی خاک عام کرنے کی وجہ سے) واحدیہ (بہ سبب مجرّد زندگی بسر کرنے کے) تناسخیہ (نظریہ تناسخ اُن کے معتقدات میں سے تھا) وغیرہ کہتے ہیں۔

واحد محمود کا انتقال ۸۳۱ ہجری میں ہوا۔

واحد محمود متقی اور پرہیزگار عالم تھے۔ فصیح البیان تھے۔ عالم باعمل تھے۔ ان کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ جسد محمد بالآخر محمود میں کامل تر ہو کے ظاہر ہوا ہے۔ قرآن کی آیت عَسیٰ اَنْ یَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا o کی تاویل کرتے ہوئے وہ لفظ "محمود" سے اپنی ذات کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ع از محمد گریز در محمود،

کاندران کاست، واندرین افزود

ترجمہ: (محمد سے نکل کر محمود میں سما جا، وہاں گھٹتا ہے اور یہاں بڑھتا ہے یعنی ذاتِ محمد میں (نعوذ باللہ) رہ کر تو گھٹے گا اور ذاتِ محمود میں آئے گا تو بڑھوتری ہوگی۔ اِس طرح کا عقیدہ خواہ اس کی کچھ بھی تاویل کی ...... ظاہرا کفر و زندقہ ہی ہے۔)

ان کے قریبی معتقدوں کا خیال ہے کہ جب شخص واحد نقطہ کہتا ہے تو اس کی مراد "خاک" سے ہوتی ہے کہ دوسرے سارے عناصر خاک ہی کے اندر موجود ہیں۔ وہ نقطۂ خاک کو واجب اور مبداء اول شمار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں آفتاب نفس آتش ہے۔ کعبۂ عبادت ہے اور آتش کدہ اطاعت ہے۔ وہ اسے ذاتِ اقدس کہتے ہیں نیز یہ کہ کعبہ کا دروازہ بھی آفتاب کے رُخ پر ہے۔

واحد محمود کا ذکر علاّمہ اقبال نے "اسرار خودی" کے دیباچہ میں اس طرح کیا ہے:

"علماء قوم میں سب سے پہلے غالباً ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ اور حکماء میں واحد محمود نے اسلامی تخیل کے اس ہمہ گیر میلان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی مگر افسوس ہے کہ واحد محمود کی تصانیف آج ناپید ہیں۔ ملا محسن فانی کشمیری نے اپنی کتاب "دبستان مذاہب" میں اس حکیم کا تھوڑا سا تذکرہ لکھا ہے جس سے اس کے خیالات کا پورا اندازہ نہیں ہوسکتا۔"

واحد محمود کی بہت سی تصانیف ہیں جنھیں نسخ و رسائل کہتے ہیں۔ ہر نسخے اور ہر رسالے کا ایک نام ہے۔ ازاں جملہ ایک کا نام میزان ہے جو بہت مشہور ہے۔

ماخذ

(۱) دبستانِ مذاہب۔ مرتبہ رحیم رضازادہ ملک، کتاب خانہ طہوری تہران۔ ۱۹۸۳ء

(۲) سید وحید الدین فقیر، روزگار فقیر جلد دوم ص ۳۰۴

۱۔ مسئلۂ وحدت الوجود سے مراد ہے۔ (مؤلف)

وحید احمد مسعود

(۱۸۹۳ ـــــــــــ ۱۹۷۶ء)

وحید احمد مسعود قصبہ شیخو پورہ، ضلع بدایوں (یو۔پی) کے ایک امیر گھرانے میں ۱۸ مارچ ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ لیکن پہلی جنگ عظیم چھڑنے کے سبب بغیر کوئی ڈگری لیے واپس آ گئے۔

وحید احمد کی زندگی عجیب تضاد کا مجموعہ ہے۔ ایک طرف فقیروں اور درویشوں سے عقیدت اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ دوسری طرف پختہ کار سیاسی کارکن اور وطن پرست بھی تھے۔ اسی وجہ سے اپنے ماحول کے خلاف کانگریس میں شمولیت اختیار کی۔ ہندوستان کی آزادی کا جھنڈا سب سے پہلے ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو پولس گراؤنڈ بدایوں میں ان کے ہاتھوں سے لہرایا گیا تھا۔ یہ اس وقت یو۔پی کانگریس گورنمنٹ میں پارلیمنٹری سکریٹری تھے۔

وحید احمد تصوف پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے تصوف کو سید علی ہجویری داتا گنج بخش کی تعلیمات کی روشنی میں عوام کو سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ علامہ اقبال کے نظریہ کے حامی تھے کہ صوفی کو بے عمل نہیں ہونا چاہیے۔ عمل ہی کوشاں رہنا چاہیے۔

وحید احمد ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ بدایوں سے ایک رسالہ "نقیب" نکالتے تھے۔ جس میں علامہ اقبال کے کلام کی اشاعت کے لیے برابر خط لکھا

کرتے تھے۔

اُن کی مشہور تصانیف میں۔ حضرت بابا فرید، سید احمد شہید، اسلام مشرق میں، اور گرد و راہ شامل ہیں۔

وہ شاعر بھی تھے۔ وحید تخلص کرتے تھے۔ زمینداری کے خاتمہ کے بعد سیاسی زندگی سے سبکدوشی پر اس شعر کے مصداق زندگی بسر کرتے رہے۔

کٹ گئی وہ بھی کہ جس پر زندگی کو رشک تھا
کٹ گئی وہ بھی جو رشک زندگی میں کٹ گئی

۱۵ ر جنوری ۱۹۷۶ء کو انتقال کیا۔

ماخذ:

چودھری صغیر احمد، صدیقی بدایونی ' بدایوں کے تابندہ ستارے
بدایوں ۱۹۸۵ء

وصل بلگرامی (متوفی ۱۹۴۲ء)

سید مقبول حسین نام، وصل تخلص، بلگرام کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کی نہایت ہنگامہ پرور شخصیت گزرے ہیں۔ جوش ملیح آبادی اُن کے بارے میں "یادوں کی بارات" میں لکھتے ہیں کہ:

"انگریزوں کی طرح گورے، بلند پیشانی، متوسط القامت، نورانی چہرے اور گھنی داڑھی کے فرشتہ سورت اور نپولین سیرت انسان تھے میں نے ان کا سا آہنی عزم و شیر دل انسان آج تک نہیں دیکھا ہے۔ وہ جب کسی بات پر کمر باندھ لیتے تھے تو وہ تمام امور جو دنیا بھر کے لیے ناممکن ہیں انھیں پل بھر میں ممکن بنا دیا کرتے تھے۔"

وصل بلگرامی نے شروع میں ماہانہ رسالہ "عالمگیر" نکالا۔ پھر ۱۹۲۵ء کے آخر میں لکھنؤ سے ادبی رسالہ "مرقع" کے نام سے چھاپنا چاہا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے مختلف ادیبوں اور شاعروں کو قلمی تعاون کے لیے لکھا۔ اقبال سے فرمائش کی تھی کہ وہ سرورق کے لیے کوئی اچھا سا شعر تجویز کریں جس کا ذکر اقبال کے خط محررہ ۱۸ ار نومبر ۱۹۲۵ء میں ہے۔ دوسرا شعر جس کا عکس وصل بلگرامی نے جنوری ۱۹۲۶ء کے "مرقع" میں شائع کیا تھا۔ درج ذیل ہے۔

"تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کارے است کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

(میں نے نالہ اس لیے کھینچا ہے کہ تو جاگ جائے ورنہ عشق تو بغیر
آہ و فغاں بھی کیا جاتا ہے۔)

یہ شعر "زبور عجم" کے حصہ دوم میں موجود ہے۔

اقبال کا صرف یہ شعر مولانا ابوالکلام آزاد کو یاد تھا اور اسے "غبار خاطر"
میں رقم کیا ہے۔

وصل بلگرامی کی وفات تھانہ بھون میں ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو ہوئی۔ یہ مولانا اشرف
علی تھانوی صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔

ماخذ:

ماہنامہ 'شاعر' — اقبال نمبر — جلد اول — ۱۹۸۸ء
بمبئی ——— ص۔ ۷۷۴

ولی کرمانی شاہ نعمت اللہ

(۷۳۰ھ - ۸۳۴ھ / ۱۴۳۱ء)

شاہ سید نعمت اللہ شاہ ولی کرمانی آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے بہت بڑے عارف تھے۔ آپ کا نام امیر نورالدین نعمت اللہ بن میر عبداللہ تھا۔ ۷۳۰ھ میں حلب پیدا ہوئے۔ ۲۴ سال کی عمر میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور تقریباً سات سال؛ وہیں مکہ معظمہ میں گزارے۔

عمر کا آخری حصہ سمرقند، ہرات اور یزد میں گزارا اور آخر کار ۷۷۵ ہجری میں ماہان (کرمان) میں مقیم ہوئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہیں ۸۳۴ھ مطابق ۱۴۳۱ء میں وفات ہوئی۔ سو سال سے زیادہ عمر پائی۔

شاہ رخ مرزا ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ عربی اور فارسی میں سو سے زیادہ کتب و رسائل کے مصنف ہیں۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ان کے نام سے ایک قصیدہ بھی مشہور ہے۔ جس میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اور ہر زمانے میں اس میں کچھ شعروں کا اضافہ ہوتا رہا ہے۔ مگر اس کا مستند ہونا مشکوک ہے۔ وہ وحدت الوجود کے قائل اور مبلغ تھے۔ ان کے دیوان میں چودہ ہزار بیت ہیں جو مثنوی اور رباعی کی صورت میں ہیں۔

آج بھی ان کے سلسلہ تصوف "نعمت اللہی" کے مریدوں کی ایک بڑی

تعداد ایران میں موجود ہے۔ اور ماہان (کرمان) میں ان کے مقبرے پر عرس و اجتماع ہوتا ہے۔

اُن کے پوتے بیدر (کرناٹک) میں مدفون ہیں، جنھیں شاہان بہمنی نے بلوایا تھا۔

مآخذ:

۱۔ فرہنگ ادبیات فارسی دری ص ۵۱۵

۲۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی اور
ڈاکٹر محمد ریاض
فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ
ص ۵۴

ویمبری (ہرمن) (HERMANN VAMBREY)

(۱۸۳۲ــــــ۱۹۳۲ء)

ہرمن ویمبری یا ہرمن وین برگر (WEINBERGER کا تعلق جرمنی کے قصبہ بیم برگ (BAMBERG) یا ویمبرگ (VAMBERG) سے تھا۔ جس کی وجہ سے ویمبری کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اصل میں ترکی نسل کا ہنگرین تھا۔ یہ ۱۹ مارچ ۱۸۳۲ء کو سینٹ جورجن (ST. GEORGEN) میں ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا۔ جو اب جر پری براٹی سلاؤ (JUR PRI BRATISLAVE) کہلاتا ہے۔

اس نے ۱۸۶۴ء میں درویش کا بھیس بدل کر وسط ایشیا کی سیاحت کی۔ ۱۸۶۵ء میں بوڈاپیسٹ (BUDAPEST) میں مشرقی زبانوں کا پروفیسر مقرر ہوا۔

یہ تحریک صیہونیت کا سرگرم حامی تھا۔ اس نے صیہونی مجاہد تھیوڈور ہرزل (THEODOR HERZL) کی سلطان عبدالحمید کے دربار میں حاضری اور ملاقات کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

ان سرگرمیوں کے باوصف ویمبری نے اپنے ایک خط بنام نواب عبداللطیف بہادر مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۸۹ء جو روزنامہ "ٹائمز آف انڈیا" میں شائع ہوا تھا۔ ہندوستان میں اسلام کی زبردست حمایت کی تھی۔ جس سے برصغیر کے مسلمانوں میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ ویمبری پہلا مغربی اسکالر تھا جس نے "خوابیدہ" اسلام کی بیداری اور احیا کی بشارت دی تھی۔ اس نے ۱۸۷۸ء میں اپنے ایک مضمون بعنوان "مشرقی سوال کا تمدنی اثر" میں لکھا تھا۔

"وہ نیم خوابیدہ اسلامی مشرق جس نے اب تک عیسائی مغرب کی منتقمانہ سازش کا محض ایک دھندلا خواب سا دیکھا تھا۔ آخر ایک دن بیدار ہوگا۔ اور نشأۃ ثانیہ کے بعد وہ اسلام جسے اب تک بے فائدہ گفت گو کا ایک موضوع سمجھا جاتا تھا۔ اسی حکمت عملی کی بدولت اُبھر کر سامنے آئے گا اور ایک نہایت پُرجوش قوت ثابت ہوگا جس کا ہمارے نہایت زیرک سیاست داں ابھی تک پوری طرح ادراک بھی نہیں کر سکے ہیں۔"

اس کی اہم تصنیفات یہ ہیں :

1. JOURNEY TO CENTRAL ASIA (1865, 1873)
2. MY TRAVELS AND EXPERIENCES IN PERSIA (1868:
3 HISTORY OF BUKHARA OR TRANSOXANIENS, 2 VOLUMES (1872, REPRINT 1969)
4. ETYMOLOGY OF TURKOTARTAR LANGUAGES (1878)
5. THE ORIGIN OF MAGYARS (1882)
6. TURKISH FOLK IN THEIR ETHNOLOGY AND DEMOCRATIC RELATIONS (1885, REPRINT 1971)
7. THE STORY OF MY STRUGGLE, MEMORIES 2 VOLUMES (1904)

اس نے بوڈاپیسٹ میں ۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو وفات پائی۔

ماخذ :
نوٹ محررہ ۱۷ جولائی ۱۹۹۰ء از اسلام۔ آرکائیو۔ ڈیوش لینڈ، برلن

(ڈاکٹر) ہادی حسن

(۱۸۹۴ ——— ۱۹۶۳ء)

ہادی حسن حیدرآباد دکن میں ۳ر ستمبر ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید امیر حسن اٹاوہ (یو۔پی) کے رہنے والے تھے اور حیدرآباد چلے گئے تھے۔ ہادی حسن سینٹ زیویر کالج (ST. XAVIER) بمبئی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگلستان گئے۔ وہاں ایمینول کالج (EMMANUEL COLLEGE) کیمبرج یونیورسٹی سے بی۔ اے (آنرز) کیا۔ اور اسکول آف اورنٹیل اسٹاڈیز (SCHOOL OF ORIENTAL STUDIES) لندن سے ڈاکٹریٹ کی۔ واپس آکر مسلم یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ مختلف یونیورسٹیوں میں توسیعی خطبات دیے شانتی نکیتن کے اعزازی پروفیسر رہے۔ ایرانی اکیڈمی تہران کے اعزازی رکن مقرر ہوئے۔

۱۵ر اگست ۱۹۵۹ء کو صدر جمہوریہ ہند نے انہیں سرٹیفکٹ آف میرٹ (CERTIFICATE OF MERIT) سے نوازا۔ اسی سال حکومت ایران نے انہیں "نشانِ دانش" عطا کیا۔

ان کا انتقال ۱۹۶۳ء میں ہوا۔

ان کی تصنیفات حسبِ ذیل ہیں :

1. STUDIES IN PERSIAN LITERATURE (1923)
2. A HISTORY OF PERSIAN NAVIGATION (1928)
3. FALAKI SHIRWANI (1928)
4. UNIQUE DIWAN OF FALAKI (1950)
5. MUGAL POETRY (1952)
6. UNIQUE DIWAN OF THE EMPEROR HUMAYUN (1953)
7. KAHI, HIS LIFE, TIMES AND WORKS (1954)
8. DIWAN-I-KAHI (1955)
9. ESSAYS IN PERSIAN (1959)
10. PERSIAN TRANSLATION OF SHAKUNTALA (1959)
11. RESEARCHES IN PERSIAN LITERATURE (1958)

۱۔ (فارسی ادب میں تحقیقات)
۲۔ (ایرانی جہازرانی کی تاریخ)
۳۔ (فلکی شیروانی)
۴۔ (نایاب دیوان فلکی)
۵۔ (عہد مغلیہ کی شاعری)
۶۔ (شہنشاہ ہمایوں کا نایاب دیوان)
۷۔ (کاہی، حیات، عصر اور تصنیفات)
۸۔ (دیوان کاہی)
۹۔ (مضامین فارسی)
۱۰۔ (شکنتلا کا فارسی ترجمہ)
۱۱۔ (ادبیات فارسی میں تحقیقات)

(ملا) ہادی سبزواری

(۱۲۱۲ھ ــــ ۱۲۸۹ھ)

ملاہادی سبزوار (خراسان) میں ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مشہد اور اصفہان میں حکمت، فقہ، اصولِ کلام کی تعلیم حاصل کی۔ ملّا ہادی کا شمار ایران کے ممتاز ترین حکماء و فلاسفہ میں ہوتا ہے۔ اور قاچاری عہد کے سب سے بڑے دانشور سمجھے جاتے ہیں۔

ان کی تصانیف میں ایک "شرح منظومہ" کے نام سے معروف ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول "اللآلی المنتظم" اور حصہ دوم "غرر الفوائد" (حکمت اور فلسفہ کے بارے میں) کے نام سے ایک ہی جلد میں شائع ہو چکی ہیں۔ شیخ کی ایک مشہور فارسی تصنیف "اسرار الحکم" ہے جو حکمت الٰہی کے موضوع پر ہے۔ مصنف نے توحید اور دینی عقائد کے اصول کی تفہیم کی ہے۔ یہ کتاب ناصرالدین شاہ قاچار کی خواہش پر لکھی گئی۔ انھوں نے ملّا صدرا کی تمام تصانیف پر حاشیے لکھے۔ "اسرار" تخلص کرتے تھے۔ عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کے منظوم کلام میں عرفان و تصوف کی چاشنی پائی جاتی ہے۔

مآخذ:

۱۔ فرہنگ معین۔ جلد ۶ ص۔ ۲۲۳۸

۲۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ "تاریخ ادبیات ایران" ص ۵۰۴

(۱۸۹۵—۱۹۶۴ء)

نصیر الدین ہاشمی دکنی ادب کے نامور محقق تھے۔ انھوں نے ساری زندگی پڑھنے لکھنے میں گزاری اور تصانیف کا ایسا بیش بہا خزانہ چھوڑا جس کو کوئی ادبی مورخ نظر انداز نہیں کر سکے گا۔

وہ ۱۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی عبدالقادر مدراس کے ایک جاگیر دار غلام محمد اشرف الدولہ کے صاحبزادے تھے۔ جن کو حکومت آصفیہ نے حیدر آباد بلا کر پہلے مجسٹریٹ بنایا اور پھر بلدیہ کے رجسٹرار کا عہدہ دیا۔ ہاشمی صاحب کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد کے انتقال کے بعد مشرقی علوم کی تحصیل کی اور محکمہ مال و دیوانی میں ملازم ہو گئے۔ اسی زمانے میں ان کو مضمون نگاری کا شوق ہوا اور ان کے مضامین ملک کے مختلف رسالوں اور جرائد میں شائع ہونے لگے۔ ہاشمی صاحب کو دکنی ادب سے خاص دلچسپی تھی اور ان کی اس دلچسپی کے پیش نظر سر راس مسعود اور سر امین جنگ کی سفارش پر حکومت نے وظیفہ دیا اور انہوں نے انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور فرانس کے مختلف کتب خانوں میں دکنی کے سینکڑوں مخطوطات کی ورق گردانی کی اور تیرہ ماہ بعد مواد لے کر لوٹے اور اپنی مشہور تحقیقی تصنیف "دکن میں اردو" (۱۹۲۳ء) لکھی۔ ۱۹۲۵ء میں ہاشمی صاحب نے اپنی تصنیف کا پہلا ایڈیشن اقبال کی خدمت میں روانہ کیا۔

اقبال نے بغور مطالعہ کرنے کے بعد اپنے خط محررہ ۷ مئی ۱۹۲۵ء میں اس کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ خط اس جلد میں شامل ہے۔

"دکن میں اردو" کی اشاعت اور مقبولیت کے بعد ہاشمی صاحب نے یہ بھی سمجھا کہ دکنی ادب سے متعلق ان کتابوں کی بھی وضاحتی فہرست مرتب کر دی جائے جو یورپ کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یہ کام بڑا مشکل اور صبر آزما تھا۔ انھوں نے ہر ممکن طریقے سے اسے مکمل کر کے "یورپ میں دکنی مخطوطات" کے عنوان سے پیش کیا۔ علمی اور تحقیقی حلقوں میں اس کی دھوم مچ گئی۔ اس کے بعد ہاشمی صاحب نے بیشمار کتابیں لکھیں جن میں حسب ذیل کتب شامل ہیں:

۱۔ مخزن شافعیہ (فقہ شافعی ۱۹۲۴ء)
۲۔ سلاطین دکن کی اردو شاعری (۱۹۳۳ء)
۳۔ مدراس میں اردو (۱۹۳۸ء)
۴۔ خیابان نسواں (۱۹۳۸ء)
۵۔ خواتین دکن کی اردو خدمات (۱۹۴۰ء)
۶۔ عہد آصفی کی قدیم تعلیم (۱۹۴۰ء)
۷۔ جنگ آزادی کی کہانی (۱۹۴۷ء)
۸۔ دکنی ہندی اردو (۱۹۵۸ء)
۹۔ زبیدہ کے دیس میں (سفرنامہ عراق)

۱۹۵۵ء میں بلدیہ کے عہدہ سے پنشن لینے کے بعد انھوں نے اپنی سوانح عمری نظم بند کرنی شروع کی جس کا نام تھا "زیست کی گراں باریاں"۔ لیکن انجمن ترقی اردو ہند کی خواہش پر ان کو کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست مرتب کرنے کا کام مل گیا۔ جسے انھوں نے دو سال میں مکمل کر دیا۔ اس سے پہلے کتب خانہ سالار جنگ میں موجود اردو کتابوں کی وضاحتی فہرست مرتب کی تھی۔

ان کا انتقال حیدرآباد میں ۲۶ ستمبر ۱۹۶۴ء کو ہوا۔

مآخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج رجالِ اقبال ۔ ص ۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵
۲۔ سب رس "حیدرآباد" "ہاشمی نمبر" جنوری ۱۹۶۵ء
۳۔ ڈاکٹر حمیرا جلیلی ۔ "نصیر الدین ہاشمی ۔ حیات اور کارنامے
عثمانیہ یونیورسٹی کا ایم۔ اے کا مقالہ

(۱۸۹۵ء ــــــ ۱۹۶۱ء)

مہاراجہ پرتاب سنگھ کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے اپنے بھتیجے ہری سنگھ کو گود لیا۔ یہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ امر سنگھ کی وفات کے بعد برطانیہ حکومت نے اس کی تعلیم و تربیت کی جانب خاص توجہ کی۔ ۱۹۰۸ء میں اس نے میو کالج میں داخلہ لیا اور وہاں کورس مکمل کرکے امپریل کیڈٹ کور (IMPERIAL CADET CORPS) دہرہ دون میں فوجی تربیت حاصل کی۔ ۱۹۱۵ء میں اسٹیٹ کونسل کا سینئر ممبر مقرر ہوا۔ ستمبر ۱۹۲۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی وفات کے بعد گدی نشین ہوا۔

مہاراجہ ہری سنگھ عوام میں بہت مقبول تھا۔ لیکن جلد ہی عیش و عشرت میں پڑنے کی وجہ سے اپنی مقبولیت کھو دی۔ اس کے زمانے میں ریاست میں سیاسی خلفشار شروع ہوا۔ ادھر کانگریس کی عدم تعاون اور ستیہ گرہ کی تحریک زور پکڑ رہی تھی اس کا اثر کشمیر کی عوامی تحریک پر بھی ہوا۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس قائم ہوئی اور شیخ عبداللہ اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ ایک دستوری اصلاحات کمیشن مقرر ہوا۔ کمیشن نے مجلس قانون ساز کے قیام کی سفارش کی جس کے نتیجہ میں پرجا سبھا قائم ہوئی۔ ۱۹۳۴ء کے انتخابات

میں مسلم کانفرنس نے ۲۱ میں سے ۱۹ سیٹیں حاصل کیں۔ ۲۸ جون ۱۹۳۸ء کو مسلم کانفرنس کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس رکھا گیا۔ مئی ۱۹۴۶ء میں نیشنل کانفرنس نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک شروع کی۔ ریاستی حکومت نے اس تحریک کو سختی سے کچلنے کی کوشش کی اور عوام پر مظالم ڈھائے جواہر لال نہرو کشمیریوں کی حمایت کرنے آئے۔ ریاست میں داخل ہوتے ہی انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں گاندھی جی کشمیر آئے۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ ریاست جموں و کشمیر کا ہندوستان میں انضمام ہو یا پاکستان میں۔ اس فیصلے کی اہمیت سمجھانے کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو کشمیر آیا۔ اسی دوران کشمیر میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مسلح پاکستانی حملہ آور کشمیر میں داخل ہوگئے۔

بالآخر ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست جموں و کشمیر کا باضابطہ انضمام ہندوستان میں ہوگیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ تخت سے دستبردار ہوگیا اور اس کا بیٹا ڈاکٹر کرن سنگھ صدر ریاست مقرر ہوا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی وفات ۲۱ اپریل ۱۹۶۱ء کو ہوئی۔

ماخذ :

پرتھوی ناتھ کول، بمبئی۔ تاریخ کشمیر۔ ص۔ ۶۴۵۔ ۷۱۳

ہمدانی (امیر سیّد علی)

(متوفی ۷۸۵ —— ۷۸۶ ہجری)

مولانا جامی "نفحات الانس" میں فرماتے ہیں کہ حضرت باطنی و ظاہری علوم میں جامع تھے۔ وہ شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ کے مرید تھے۔ لیکن کسب طریقت شیخ تقی الدین علی سے کیا تھا۔ جب شیخ تقی الدین کا وصال ہوگیا تو امیر سید علی ہمدانی نے اپنے پیر شیخ شرف الدین محمود سے درخواست کی کہ آیندہ کے لیے کیا کرنا چاہیے تو شیخ نے ان کو اقصائے عالم کے سفر کا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے تین مرتبہ دنیا کا سفر کیا اور متعدد اولیائے کبار کی صحبت حاصل کی۔ آپ سید اشرف الدین جہانگیر سمنانی کے معاصر ہیں۔

کئی سال ختلان (کولاب) واقع تاجکستان میں رہے۔ جب آپ سے امیر تیمور ناراض ہوا اور حکم دیا کہ سید صاحب اس کی حکومت سے نکل جائیں تو آپ ۷۷۳/۷۷۴ ہجری میں وہاں سے کشمیر تشریف لائے اور وہاں تصوف و اسلام کی شمع روشن کی۔ وادی بلیستان اور گلگت وغیرہ میں آپ نے کوئی دس برس تک تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دیں۔ آپ کی خانقاہ آج تک کشمیر میں مرجع خلائق ہے اور آپ کشمیر کے صاحب ولایت ہیں۔ آپ کو "علی ثانی" اور "حواری کشمیر" کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں آپ کی خدمات کو سراہا ہے۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے آپ کی تاریخ وصال نکلتی ہے۔ بدخشاں کے نواح

میں آپ کا مزار ہے۔
آپ، علی اور علائی تخلص کرتے تھے۔ آپ کی نثری کتابیں عربی اور فارسی میں سو سے متجاوز ہیں۔ علوم اہلِ باطن میں اُن کی مشہور تصانیف" درج ذیل ہیں۔

۱۔ ذخیرۃ الملوک
۲۔ اسرار النقطہ
۳۔ شرح اسماء اللہ
۴۔ شرح فصوص الحکم، وغیرہ ۔ ان میں آپ کے شعر بھی ملتے ہیں

جداگانہ طور پر آپ کی اکتالیس غزلیں اور نو دوبیتیاں دستیاب ہیں اور تہران سے شائع ہو چکی ہیں (۱۵۶۸ء)

مآخذ:

۱۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی — فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ۔ ص ۲۶۲
ڈاکٹر محمد ریاض
۲۔ مرآۃ الاسرار
۳۔ ملّا جامی ۔ نفحات الانس

ہوروٹس جوزف (JOSEPH HOROVITZ)

(۱۸۷۴ــــــ ۱۹۳۱ء)

جوزف ہوروٹس مشہور جرمن مستشرق ہیں جنھوں نے یورپ کی ایک نسل کو اپنے علمی کاموں کی بنا پر متاثر کیا ہے۔ 'ہندوستان میں اسلام' اُن کے پسندیدہ موضوعات میں ہے۔ اُنھوں نے متحارہ ہندوستان کے عربی کتبات پر برسوں بڑی عرق ریزی کی ہے۔ وہ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر ہوکر ۱۹۰۷ء میں آئے اور جنگ عظیم کی ابتدا، ۱۹۱۴ء تک یہاں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

علی گڑھ کے دورانِ قیام میں وہ حکومت ہند کے محکمۂ آثار قدیمہ کے عربی و فارسی کتبات کی شاخ کے نگراں مقرر ہوئے۔ اُنھوں نے عربی کتبات تلاش کیے۔ انھیں پڑھا، متن متعین کیا۔ انگریزی میں اُن کا ترجمہ کیا۔ اشخاص و مقامات پر نوٹس لکھے اور اُنھیں حکومت ہند کے رسالے (EPIGRAPHIS INDO MOSLEMICS) میں شائع کیا۔ جن لوگوں نے اس علمی مجلّہ کے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۲ء تک کے شمارے دیکھے ہیں۔ انھیں اندازہ ہوگا کہ پروفیسر جوزف ہوروٹس نے ان کتبات کی قرأت اور اُن کے ترجمہ پر کتنی محنت کی ہے۔

وہ ابتدائی اسلامی غزوات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اُنھوں نے علامہ الواقدی (متوفی ۲۰۷ھ) کی کتاب المغازی پر ۱۸۹۸ء میں ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ مغازی کی ابتدائی تصانیف و مصنفین پر ان کے جامع

مقالے کا عربی ترجمہ ڈاکٹر حسین نصار نے قاہرہ سے شائع کیا۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی) نے "سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مولفین" کے نام سے اسے اردو میں منتقل کر کے ۱۹۷۴ء میں ادارۂ ادبیات دہلی سے شائع کر دیا ہے۔

زخاؤ SACHAU (۱۸۴۵ء۔ ۱۹۳۰ء) کی تحریک پر انھوں نے الطبقات الکبریٰ ابن سعد کی پہلی دو جلدیں مرتب کیں جو لائڈن سے (۱۹۰۴ء۔ ۱۹۱۸ء) شائع ہوئیں انھوں نے الکمیت بن زید الاسدی (۶۰ ــ ۱۲۶ھ) کی القصائد الہاشمیات کا متن اور اس کا جرمن ترجمہ بھی شائع کیا ہے۔

ابن قتیبہ (۲۱۳ھ۔ ۲۷۶ھ) کی عیون الاخبار اور اس کا انگریزی ترجمہ انہی کی توجہ کی بدولت پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا۔ (۱۹۳۰ء۔ ۱۹۳۱ء) یورپ کے رسائل اور اسلامک کلچر، حیدر آباد میں انھوں نے کثرت سے مضامین لکھے ہیں۔ (مضامین کی فہرست نجیب العقیقی کی المستشرقون ۳/۷۴۴ میں دیکھی جائے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں شائع شدہ مضامین سے بھی ان کی جلالت علمی کا پتا چلتا ہے۔ ہندوستانی علما، بالخصوص علامہ سید سلیمان ندوی۔ ہوروٹس کے مذہبی تعصبات اور تنگ نظری کے ہمیشہ شاکی رہے۔ رسالہ "معارف" کے شمارے اس کے گواہ ہیں۔

ہوروٹس نے عمر زیادہ نہیں پائی۔ ۵۷ سال کی عمر میں ۱۹۳۱ء میں اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔ انساب الاشراف للبلاذری (برلن ۱۹۳۶ء ــ ۱۹۳۸ء) کے مرتب اور مشہور سامی زبان یہودی عالم گوئٹین (S.D.GOITEIN) ہوروٹس کے خاص معتقدوں میں تھے اس نے مجلہ اسلام (ہامبرگ ۱۹۳۵ء) میں اس پر ایک پُر معلومات مضمون شائع کر کے خراج تحسین ادا کیا ہے۔

ماخذ:

مقالہ طارق مختار، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (زیر طبع)

ہیلی سر ولیم مالکم

(SIR WILLIAM MALCOM HAILEY)

(ولادت ۱۸۷۲ء)

ولیم مالکم ہیلی ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوا مرچنٹ ٹیلرز اسکول (MERCHANT TAYLORS SCHOOL) اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۴ء میں آئی. سی. ایس میں داخل ہوا۔ ۶ر دسمبر ۱۸۹۵ء کو ہندوستان میں وارد ہوا اور پنجاب میں ملازمت کا آغاز کیا۔ اسسٹنٹ کمشنر اور جوڈیشل کمشنر کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ (اپریل ۱۸۹۸ء اکتوبر ۱۸۹۹ء) سیٹلمنٹ افسر اور جہلم نہر کے کولونائزیشن افسر کی حیثیت سے مامور رہا۔ (دسمبر ۱۸۹۹ء۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء) پھر ڈپٹی کمشنر مقرر رہا۔ (دسمبر ۱۹۰۵ء مارچ ۱۹۰۷ء) اکتوبر ۱۹۰۷ء میں پنجاب گورنمنٹ میں سکریٹری بنا اور پھر گورنمنٹ آف انڈیا فائننس منسٹری میں منتقل ہوگیا (جولائی ۱۹۰۸ء) اور مختلف عہدوں پر فائز رہا۔

دسمبر ۱۹۱۱ء — اکتوبر ۱۹۱۲ء میں دلّی کا پہلا چیف کمشنر مقرر رہا۔ نومبر ۱۹۱۸ء سے اصلاحات کمیٹی کے ساتھ وابستہ ہوگیا۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں گورنر جنرل کی انتظامی کونسل میں فنانس ممبر کے عہدہ پر فائز ہوا

۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۸ء تک پنجاب کے گورنر کے عہدہ پر فائز رہا۔ اس کے بعد یو۔ پی کا گورنر مقرر رہا۔ (۱۹۲۸ء۔ ۱۹۳۴ء) اسکول آف اورنٹیل اینڈ

افریقن اسٹڈیز (SCHOOL OF ORIENTAL AND AFRICAN STUDIES)
کی مجلس عامہ کا صدر رہا۔ (۱۹۴۱ء ۱۹۴۸ء)۔ ۱۹۴۸ء میں پریوی کونسلر
مقرر ہوا۔ ۱۹۵۶ء میں آرڈر آف میرٹ (ORDER OF MERIT) ملا۔

ماخذ:
نکولس نورگ۔ دی ٹرانسفر آف پاور
جلد چہارم ۔ ص۔ ۱۲۷۲
لندن ۔ ۱۹۱۳ء

NICHOLAS NAWERG: THE TRANSFER OF POWER.

VOL.IV, P.1272 LONDON, 1973

یاس عظیم آبادی

(۱۸۸۳ — ۱۹۵۶ء)

مرزا واجد حسین نام، یاس یگانہ چنگیزی تخلص، چنگیزی نسبت ہے ۱۸۸۳ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا ذوق فطری تھا۔ پہلے یاس تخلص رکھا۔ بعد میں یگانہ اختیار کیا۔ شاعری میں مولوی سید علی خاں بیتاب سے مشورہ سخن کیا۔ بعد میں شاد عظیم آبادی سے اصلاح لی۔ پھر پیارے صاحب رشید لکھنوی کو اپنا کلام دکھایا۔ ۱۹۰۴ء میں کلکتہ کا سفر کیا۔ وہاں بیمار پڑ گئے۔ اس لیے ان کو لکھنؤ لایا گیا۔ لکھنؤ کی فضا ان کو اس قدر راس آئی کہ وہیں رہ پڑے۔ لکھنؤ کی ادبی محفلوں میں بہت جلد مقبول ہو گئے مگر اہل لکھنؤ سے بگاڑ شروع ہو گیا۔ اس لیے حیدرآباد کا رُخ کیا۔ وہاں لاتور میں سب رجسٹرار کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ عرصے تک اس عہدہ پر کام کیا اور وہاں سے کچھ عرصے کے لیے لاہور چلے گئے۔ پھر لکھنؤ آ گئے۔ اور یہیں ۱۹۵۶ء میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

یاس نے غزلوں کے علاوہ قطعات اور رباعیات بھی کہی ہیں۔ ان کی تصنیفات میں "آیات وجدانی" "غالب شکن" "گنجینہ" "چراغِ سخن" اور "ترانہ" ہیں۔

یاس کی شاعری کی ممتاز خصوصیت ان کا مردانہ عزم، اعتماد، کرارا پن، کڑک دار انداز بیان، لہجہ کی کھنک ہے۔ ان کے لہجے میں طنز کی شدت ہے۔ مگر اس

ہیں ندرتِ ادا بھی موجود ہے۔ شدت اور غنائیت ان کے کلام کا خاص وصف ہے۔ ان کے یہاں تمثیلی پیرایۂ بیان ہے انھوں نے مسائل کائنات پر ایک مفکر کی حیثیت سے سوچا ہے اور شعر کا جامہ پہنایا ہے۔

یاس کے یہاں تکنیک کا پہلو بے حد نمایاں ہے۔ وہ مسئلہ مذہب کا ہو یا ادب کا وہ اُمید و بیم، حقیقت اور مجاز کے درمیان متشکک نظر آتے ہیں۔ ان کی انا کی لَے بے حد تیز ہے جس نے ان سے "غالب شکن" لکھوائی اور اقبال پر بھی حملے کیے۔

ماخذ :

محمد حبیب خاں — اردو کے کلاسیکی شعرا

یلدرم سیّد سجاد حیدر

(۱۸۸۰ــــــــ۱۹۴۳ء)

سیّد سجّاد حیدر یلدرم اردو کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ اُنھوں نے ترکی زبان سے اپنا قلمی نام اختیار کیا۔ ترکی میں "یلدرم" کے معنی برق کے ہیں۔ ان کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ اردو میں ترکی ادب ان ہی کے ذریعہ عام ہوا۔ ۱۸۸۰ء میں بجنور کے ایک قصبہ نہٹور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں علی گڑھ سے بی۔ اے کیا۔ پھر بغداد کے برطانوی قونصل خانے میں تُرکی ترجمان کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔ بغداد سے واپسی پر راجہ محمود آباد نے اُن کی قدر افزائی کی اور ان کو اپنا سکریٹری مقرر کیا۔

۱۹۲۰ء میں علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ ملا تو یلدرم اس میں رجسٹرار ہوگئے۔ چند سال یونیورسٹی کے رجسٹرار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۸ء میں وہ جزائر انڈمان کے ریونیوکمشنر ہوکر چلے گئے۔ ملازمت کا آخری زمانہ غازی پور اور اٹاوہ میں گزرا۔ ۱۹۳۵ء میں خرابی صحت کی بنا پر ملازمت سے علیحدہ ہوگئے۔ اسی زمانے میں حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

۵؍اپریل ۱۹۴۳ء کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔ مشہور افسانہ نگار اور ناول نگار قرۃ العین حیدر اُن کی صاحبزادی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے ناول "کارِ جہاں دراز ہے" میں خاندانی وجاہت اور مرتبے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

یلدرم کی پہلی تصنیف "سفرنامہ بغداد" (۱۹۰۴ء) ہے جو محض سفرنامہ نہیں بلکہ

اردو کا پہلا رپورتاژ بھی ہے۔ انھوں نے انگریزی اور ترکی زبانوں سے بہت سے افسانوں ناولوں اور ڈراموں کے تراجم بھی کیے جو بڑے مقبول ہوئے۔ طبعزاد افسانے لکھنے پر بھی انہیں قدرت حاصل تھی۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ "خیالستان" کے نام سے مشہور رہے۔ اردو ادب میں ادب لطیف کی تحریک کی ابتداء کرنے والوں میں سجّاد حیدر یلدرم کا ایک خاص مقام ہے۔

مآخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ۔ ص ۔ ۵۱۴
۲۔ قرۃ العین حیدر ۔ نقوش ۔ "شخصیات نمبر" ۱۹۵۵ء

(حکیم) یوسف حسین

(۱۸۹۲ء ـــــــ ۱۹۸۱ء)

اردو ادیب و طبیب۔ لاہور میں پیدا ہوئے۔ نجی طور پر اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں طب پڑھی اور طبابت کو ذریعہ معاش بنایا۔ بچپن ہی سے علم و ادب سے لگاؤ تھا۔ ابتدا میں چند اخبارات و رسائل کی ادارت کی۔ ۱۹۲۴ء میں لاہور سے اپنا ذاتی ادبی مجلہ "نیرنگ خیال" جاری کیا۔ جسے بلند پایہ ادبا اور شعرا کا قلمی تعاون حاصل تھا۔ اس مجلہ کے ۵۵ سالہ دور میں ایک سو خاص نمبر شائع ہوئے۔ جن میں اقبال نمبر (۱۹۳۲ء) خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اس وقت تک علامہ اقبال کی زندگی و فن پر کوئی قابل کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ متعدد ادبی و طبی کتابوں کے مصنف ہیں۔

ماخذ:

اردو انسائیکلوپیڈیا۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۴ء۔ ص ۱۰۰۷

تعلیقات

اثرِ ابنِ عباسؓ

ایک قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منسوب ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"انّ اللہ خلق سبع أرضین فی کلّ أرض آدم کآدمکم ونوحاً کنوحکم، ابراھیم کابراھیمکم عیسیٰ کعیساکم ونبیٌ کنبیکم۔"

(ترجمہ) "تمہاری اس دنیا جیسی سات زمینیں اللہ نے پیدا کی ہیں، ہر زمین پر ایک آدم ہے، تمہارے آدم کی طرح، ایک نوح تمہارے نوح جیسا، ابراہیم تمہارے ابراہیم کی طرح، عیسیٰ تمہارے عیسیٰ کی طرح اور ایک نبی تمہارے نبی کی مثل پیدا کیا۔"

اس روایت نے کئی مباحث پیدا کر دیے۔ عقیدہ ختم نبوت بھی متاثر ہوتا ہے۔ تناسخ کے عقیدے کو بھی تقویت ملتی ہے اور امکانِ نظیر کا سوال بھی اسی سے پیدا ہوا بہادر شاہ ظفر کے عہد میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علماء کے درمیان تحریری مناظرہ بھی ہوا۔ غالبؔ نے بھی مولانا خیر آبادی کی فرمائش پر ایک مثنوی لکھی جو اُن کے کلیات نظم فارسی میں موجود ہے۔ اسی میں غالبؔ نے کہا ہے:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃٌ للعالمینے ہم بود

(ترجمہ: جہاں بھی دنیا کا ہنگامہ ہوگا، وہاں ایک رحمۃٌللعالمین بھی ہوگا)

پھر یہ مسئلہ دوسرے بعض مسائل کی طرح احناف کے دو دھڑوں میں

اختلاف کا سبب بن گیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اسی سلسلہ میں تحذیر الناس عَنْ اِنکارِ اثرِ ابن عبّاس لکھی۔ اُن کے شاگرد مولانا سید احمد حسن محدث امروہی نے ازالۃ الوسواس تصنیف کی۔ علماے بریلی، بدایوں اور لکھنؤ نے بھی اس بحث میں حصّہ لیا۔ مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی نے بھی لکھا۔ مولانا عبد السمیع بیدل رامپوری (شاگرد مرزا غالب وخلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) نے اپنی کتاب انوارِ ساطعہ میں بھی اِس مسئلہ سے بحث کی ہے۔

ماخذ:
(بہ شکریہ) پروفیسر نثار احمد فاروقی۔ شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی۔

اسماعیلیہ فرقہ

یہ فرقہ امام جعفر صادق کے فرزند اسماعیل کو امام ہفتم اور اُن کے فرزند محمد کو امام قائم مانتا تھا۔ یہ لوگ اپنے عقاید چھپاتے تھے اور باطنی کہلاتے تھے۔ مصر میں اسماعیلی فرقہ کا بہت اثر تھا۔ ایران میں سلجوقی دور میں حکیم ناصر خسرو (ولادت ۳۹۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب "زاد المسافرین" میں اسماعیلی عقاید کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ماخذ:
ڈاکٹر رضا زادہ شفق ۔ تاریخ ادبیات ایران۔ ص ۸۱ - ۱۸۰

اقبال اور مسئلۂ فلسطین[1]

اقبال کو ذاتی طور پر مسئلۂ فلسطین اور عربوں کے مستقبل سے نہایت گہری دلچسپی تھی۔ وہ مس فارقوہرسن کو لکھتے ہیں:

"فلسطین پر یہودیوں کا بھی کوئی حق نہیں۔ یہودیوں نے تو اس ملک کو رضامندانہ طور پر عربوں کے فلسطین پر قبضہ سے بہت پہلے خیرباد کہہ دیا تھا۔ صیہونیت بھی کوئی مذہبی تحریک نہیں۔ علاوہ اس امر کے کہ مذہبی یہودیوں کو صیہونیت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ خود فلسطین رپورٹ نے اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے[2]:"

ہندوستان میں جتنی فلسطین کانفرنسیں ہوئیں سب میں اقبال کے مشورے اور ہمدردیاں شامل تھیں۔ علامہ نے فلسطین رپورٹ کے خلاف مسلمانان لاہور کی کانفرنس کے موقع پر ایک بیان دیا تھا جس میں انھوں نے لکھا تھا:

"عربوں کے ساتھ جو ناانصافی برتی گئی ہے، مجھے اس کا ایسا ہی شدید احساس ہے، جیسا مشرق قریب کی صورت حال سے واقف کسی شخص کو ہو سکتا ہے۔ یہ مسئلہ مسلمانانِ عالم کو ایک موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ پوری قوت سے اس امر کا اعلان کر دیں کہ وہ مسئلہ جس کا حل برطانوی سیاستدان تلاش کر رہے ہیں، محض قضیہ فلسطین ہی نہیں بلکہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا شدید اثر تمام دنیائے اسلام پر ہوگا ——— مسئلہ فلسطین کو اگر اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو فلسطین ایک خالص اسلامی مسئلہ ہے۔ بنی اسرائیل کی

---

[1] از قلم مترجم [2] اقبال نامہ ۱/۴۴۶

تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو فلسطین میں مسئلہ یہود تو ۱۳ صدیاں ہوئیں حضرت عمرؓ کے یروشلم میں داخلہ سے قبل ختم ہو چکا تھا۔ فلسطین سے یہودیوں کا جبری اخراج کبھی بھی عمل میں نہیں آیا بلکہ بقول پروفیسر ہوکنگ یہود اپنی مرضی اور ارادہ سے اس ملک سے باہر پھیل گئے اور ان کے مقدس صحائف کا غالب حصہ فلسطین سے باہر ہی مرتب و مدوّن ہوا۔ مسئلہ فلسطین کبھی بھی عیسائیوں کا مسئلہ نہیں رہا۔ زمانہ حال کے تاریخی انکشافات نے "پیٹر دی ہرمٹ" کی ہستی ہی کو محل اشتباہ قرار دیدیا ہے۔ ...الخ[1]

پہلی جنگِ عظیم کا افسوسناک انجام یہ تھا کہ نزلہ عالم اسلام پر گرا۔ ادھر ترکی کی خلافت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور اتحادیوں نے سیاسی بندر بانٹ اور تقسیم کا پرانا حربہ آزادی سے استعمال کیا۔ چنانچہ ترکی کا مشرقی حصہ روس کے ہاتھ لگا اور مغرب کے یورپی صوبے بلقان، ہنگری، بلغاریہ وغیرہ مکمل طور پر خود مختار ہو گئے۔ شام فرانس کے ہاتھ لگا اور مصر و عراق پر برطانیہ نے قبضہ جمایا۔ اس طرح عالم اسلام کے حصے بخرے ہو گئے۔ فلسطین کا مسئلہ ذرا بین الاقوامی نوعیت کا تھا۔ اس لیے اسے "تہذیب و ترقی" کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے برطانیہ کے زیر انتداب رکھا گیا۔ اقبال اس صورت حال پر روشنی ڈالتے ہیں اور یورپ کی اس سیاسی چال کو [illegible] بتاتے ہیں کہ وہ پہلے کمزور ممالک کو ظلم کا نشانہ بناتا ہے اور پھر ان کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بھی بہاتا اور ہمدردی ظاہر کرتا ہے تاکہ عامی سیاسیات [illegible] فائدہ [illegible] اور اپنا مقصد بھی نکل آئے۔ یورپ اس حکمت عملی کو تہذیب اور اصلاح، انتداب اور نگرانی کا نام دیتا ہے۔ لیکن یہ استحصال کے سوا اور کچھ نہیں:

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے　　ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے خریدار

---

[1] اقبال نامہ ۴۵۲/۱

جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مرا دل | تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ دشوار
ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر | بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار

جمعیت اقوام (LEAGUE OF NATIONS) نے اس زمانے میں بھی عربوں اور ایشیائیوں کے ساتھ موجودہ امتیازی سلوک جاری رکھا تھا اور اس پر یہودی اور مغربی ممالک مسلّط تھے۔ اقبال اسی لیے اسے کہیں "داشتۂ پیرکِ افرنگ" کہتے ہیں، کہیں اُن کفن چوروں سے تشبیہ دیتے ہیں، جو مشرق کو قبرستان بنا کر اسے بھی تقسیم کر لینے کے در پے رہتے ہیں۔ ع

بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند

اقبال مغربی سیاسیات پر یہودیوں کے بڑھتے ہوئے اثر کو سمجھ گئے تھے۔ اُن کا خیال ہے کہ ایک نہ ایک دن یورپ ان کے دامِ فریب کا شکار ہو کر رہے گا:

تاک میں بیٹھے ہیں مدّت سے یہودی سود خوار | جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ
خود بخود گرنے کو ہے پکّے ہوئے پھل کی طرح | دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

اپنی دوسری نظم "یورپ اور یہود" میں یہی خیال ظاہر فرماتے ہیں:

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جواں مرگ
شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولّی!

۵ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد یہودی اور یہود نواز حلقوں کی ایک رائے یہ سننے میں آ رہی ہے کہ یہودیوں کو عرب نے ان کے وطن سے نکالا تھا، اس لیے اگر انھوں نے اپنا وطن دوبارہ زبردستی لے لیا ہے، تو اس میں ان کا کیا قصور، یہ سرزمین تو جیسا کہ صیہونی (ZOINISTS) کہتے ہیں ارضِ موعودہ (PROMISED LAND) ہے، جہاں ہر یہودی کا آنا ضروری ہے۔

اقبال نے اپنے خطوط و بیانات میں اس کا جواب دیا تھا کہ یہودی فلسطین سے اپنی مرضی سے نکلے تھے اور یہ "خروج" عربوں کی فتح فلسطین سے پہلے ہی ہو چکا تھا، تاہم اقبال نے یہودیوں کے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہوئے ایک چبھتا ہوا

سوال یہ اٹھا دیا کہ اگر فلسطین پر یہودیوں کا حق ہے تو عربوں کا حق اسپین اور سسلی اور دوسرے یورپین مفتوحہ علاقوں پر کیوں نہیں ہو سکتا ہے۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ ایسا ہی ہے، جیسے ریڈانڈین امریکہ پر اور ہن، گاتھ اور گال قومیں برطانیہ پر دعویٰ کر دیں یا ہندوستان کے آریہ ایران اور روس پر دعویٰ کر دیں کہ ان کا وطنِ اصلی واپس دیا جائے — اقبال کی نظر میں یہ تاریخ پر ظلم، اس کے ساتھ مذاق اور اسے اپنی مرضی سے بدلنے کی مضحک کوشش ہے۔ اگر انھیں وطن دینا ہی ہے تو جرمنی میں دینا چاہیئے جہاں سے وہ نکالے گئے۔ اپنے دعویٰ سے ہزار سالہ دستبرداری اور خاموشی کے بعد یہودیوں کا نیا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے اور اس کے پیچھے مغرب کا ہاتھ ہے:

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق   ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا
مقصد ہے ملوکیتِ انگلیس کا کچھ اور   قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا!

وہ فلسطینی عربوں کے مضمرات و امکانات اور ان کی صلاحیتوں سے واقف ہیں، اس لیے انھیں خودی کی پرورش اور لذتِ نمود کی خلش کے لیے ابھارنا چاہتے ہیں، اور وہ سوز و ساز یاد دلاتے ہیں، جس سے زمانہ اب بھی محروم نہیں ہے۔ اقبال کے پیامِ خودی میں ظاہر ہے کہ عربی جذبات اور اسلامی احساسات ایمان و یقین کی کیفیات، روحانی امکانات اور عزم و ثبات ہی بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ عربوں کو انھی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر جنگِ حریت میں آنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا اور خودی پر بھروسے کے سوا یورپ اور اقوامِ متحدہ پر اعتماد خوش فہمی یا خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں:

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ   میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں   فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات   خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

ماخذ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی : نقوشِ اقبال ۔ ص ۱۹۵ ۔ ۲۰۰

بابی اور بہائی تحریکیں

انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں ایران میں جو تحریکیں پیدا ہوئیں ان میں مذہبی اور سیاسی ردعمل کے اعتبار سے بابیت کو قابل ذکر سمجھا جاتا ہے۔

محمد شاہ قاچار کے عہد (۱۸۳۴-۱۸۴۸ء) میں سید علی شیرازی (ولادت ۱۸۲۰ء) نے "باب" یعنی امام غائب کے قائم مقام ہونے کا دعویٰ کیا۔ "باب" دروازے کو کہتے ہیں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ایسا دروازہ ہے جس سے گزر کر لوگ امام موعود کے بارے میں علم حاصل کر سکتے ہیں۔ بعد میں اس نے ایک نئی شریعت کا دعویٰ کیا۔ اس کی تصانیف میں سب سے مشہور "بیان" ہے کہ جو بابیوں کے لیے صحیفۂ آسمانی کا مقام رکھتی ہے۔ بالآخر علماء کے فتویٰ اور ناصر الدین شاہ قاچار کے حکم کے مطابق اسے ۱۸۵۰ء میں تبریز میں قتل کر دیا گیا۔ باب کے حامیوں نے بڑی مزاحمت دکھائی۔ اگست ۱۸۵۲ء کو شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس پر اس فتنے کو سختی سے دبا دیا گیا۔

اس کے بعد باب کے خلیفہ میرزا یحییٰ "صبح ازل" (متوفی ۱۹۱۲ء) اور بہاء اللہ نے "بابیت" کی تبلیغ کے فرائض سنبھالے اور بابی تحریک کا مرکز ایران سے بغداد اور ترکی کے مقبوضات میں منتقل ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد بہاء اللہ نے "بہائیت" نام کے نئے مذہب کا اعلان کیا۔ بہاء اللہ کے لیے دیکھیے: حواشی۔

مآخذ:

دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد سوم۔ ص ۸۳۰-۸۳۹

ڈاکٹر محمد صدیق شبلی } فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص ۱۳۹
ڈاکٹر محمد ریاض

بنگال اسکول کی مصوری

انیسویں صدی میں ہندوستان میں فنون لطیفہ میں زوال آیا۔ لیکن جب مغربی اثرات کی وجہ سے احیاءِ علوم وفنون ہوا تو ۱۸۵۴ء میں کلکتہ میں آرٹ اسکول قائم ہوا۔ اس وقت فنی معیار محض کتابی اور درسی تھے۔ چنانچہ کلکتہ آرٹ اسکول میں کارآمد فنون پر زور دیا گیا۔ مثلاً آرائشی تصاویر، لکڑی پر نقاشی کا کام، سنگی طباعت اور فوٹوگرافی۔ بعد میں ہندوستانی فنون لطیفہ کی قدیم روایات کو تازہ کرنے کی سعی ہوئی اور اس طرح اس صدی کی پہلی دہائی میں بنگال میں نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔

اس وقت قدیم روایات کی پیروی کے لیے اجنتا اور ایلورا گپھاؤں کی مصوری کو سرچشمۂ ہدایت سمجھا گیا۔ مغل اور بعد میں راجپوت اور پہاڑی مصوری میں از سرِ نو دلچسپی لی جانے لگی۔ اساطیر، مذہبی اور کلاسیکی ادب نے مصوری کے لیے موضوعات فراہم کیے۔ تکنیک میں یورپین روغنی رنگوں (OIL PAINTING) کی جگہ پانی کے رنگ استعمال کرنا شروع کیے گئے۔ مشرقی مصوری کی اہمیت کے پیش نظر چینی اور جاپانی مصوری کا خاص طور پر مطالعہ کیا گیا۔ ٹیگور کی تصاویر میں مختلف روایات چینی خطاطی، جاپانی رنگ آمیزی اور ایرانی حسنِ تکمیل کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ نندن لال بوس نے اپنی تصاویر میں بدھ مت کے فنکاروں کے شوق و شغف کی آئینہ داری کی۔ اسیت کمار ہلدار نے حسیت پر مبنی پیکر تراشے۔ سریندر ناتھ گپتا نے اپنی مصوری میں شاعرانہ خصوصیت کو سمویا اور یہ روایت عبدالرحمٰن چغتائی تک پہنچی۔ دیوی پرشاد رائے چودھری نے مشرقی اور مغربی اسالیب کا امتزاج پیش کیا۔

اس کے بعد انتہا پسندی اور جدیدیت کا ظہور ہوا۔ اس کے حامی پرانی ڈگر پر چلنے کی بجائے نئی راہیں نکالنا چاہتے تھے۔ جدیدیت کے عظیم علمبرداروں میں نگیندرناتھ ٹیگور، رابندرناتھ ٹیگور اور جیمنی رائے شامل ہیں۔ رابندرناتھ ٹیگور کو

اپنے زورِ تخیل اور وفورِ جذبۂ تخلیق کے پیشِ نظر اساطیر اور قدیم قصّوں کا سہارا لینے کی ضرورت نہ ہوئی۔ ان کی تصاویر میں غیر معمولی سادگی، داخلیت، پوشیدہ معانی جو تحت الشعور کی گہرائیوں سے اخذ کیے ہیں، پائے جاتے ہیں۔ عصرِ حاضر کی اظہاریت ان کی مرہونِ منت ہے۔ نگیندر ناتھ ٹیگور نے حقیقت پسندی پر زور دیا اور مہندسانہ نقاشی (CUBISM) کے بھی تجربات کیے۔ انھوں نے روایت پسندی میں جدت نگاری کی روایت تلاش کی۔ جیمنی رائے نے روایتی اسلوب کو نیا رنگ دیا اور اپنی مصوری میں لوک آرٹ کی روایت کو جگہ دی۔

الغرض بنگال اسکول کی تصاویر کی خصوصیات میں قدیم روایت پرستی، انتہا پسندی، جدیدیت، حقیقت پسندی اور لوک آرٹ کی روایت کا فروغ شامل ہیں۔

مآخذ :

INDIAN ART THROUGH THE AGES PP 41-48

ہندوستانی مصوری مختلف ادوار میں۔ ص ۴۱-۴۸۔

تزک[1] تیموری

یہ کتاب مختلف ناموں سے مذکور ہے۔ ملفوظاتِ امیر تیمور، ملفوظاتِ تیموری، ملفوظاتِ صاحبقران، واقعاتِ تیموری، توزوکِ تیموری۔ امیر تیمور نے اپنی ابتدائی زندگی سے لے کر ۷۱ ویں سال تک کے واقعات ترکی زبان میں لکھے تھے۔ تزکِ تیموری اس کا فارسی ترجمہ ہے۔ مترجم ابو طالب حسینی ہے، جس نے اپنا ترجمہ ۱۰۴۷ ہجری میں شاہجہاں کو پیش کیا تھا۔ بعض مورخین کو ان ملفوظات کے مستند ہونے میں شک ہے۔ فارسی ترجمہ عام ہے اور اس کے نسخے عام طور پر مل جاتے ہیں۔

---

[1] اس کا املا توزوک بھی ہے۔ "فتح نامہ تیموری" عنوان کہیں نہیں دیکھا ہے۔

ماخذ :

سی ۔ اے ۔ سٹوری : پرشین لٹریچر ۲ / ۲۸۰ ریو

فہرست فارسی مخطوطات در برٹش میوزیم ، جلد اول ۔ ص ۱۷۹ ۔ ۱۷۷

C.A. STOREY, PERSIAN
LITERATURY, 2:280, REV.

CES OF PERSIAN MSS IN THE BRITISH MUSEUM V.I. PP 177-179

چیمبر آف پرنسیز (CHAMBER OF PRINCES)

مانٹیگو چیمس فورڈ رپورٹ میں ایک سفارش یہ بھی تھی کہ ریاستوں کے حکمرانوں کی ایک کونسل قائم کی جائے ۔ چنانچہ جنوری ۱۹۱۹ء میں ریاستوں کے حکمرانوں کی کانفرنس ہوئی جس میں بالاتفاق رائے چیمبر آف پرنسیز قائم کرنے کی تجویز منظور کی گئی ۔ وائسرائے نے سکریٹری آف اسٹیٹ سے صلاح و مشورہ کے بعد اسے باضابطہ منظور کر لیا ۔ چنانچہ یکم فروری ۱۹۲۱ء کو چیمبر آف پرنسیز کا باضابطہ قیام عمل میں آیا ۔ اس کا افتتاح ڈیوک آف کناٹ نے دلی کے لال قلعہ میں کیا ۔

اس چیمبر کی نوعیت مشاورتی تھی اور اس کے خاص فرائض حسب ذیل تھے :

۱ ۔ اُن معاہدوں کا تحفظ جو سرکار برطانیہ اور ریاستوں کے درمیان ہوئے ہیں ۔

۲ ۔ دیسی ریاستوں اُن کے حکمرانوں اور ان کے جملہ افراد خاندان کے اختیارات و مراعات کی برقراری ۔

یہ چیمبر صدر ، سکریٹری ، چانسلر ، پرو چانسلر اور ارکان پر مشتمل تھا ۔

۱۹۴۷ء میں یہ چیمبر توڑ دیا گیا ۔

ماخذ :

ڈاکٹر ایس ۔ ایم ۔ ورما ۔ چیمبر آف پرنسیز ۔ دہلی ۔

DR. S. M. VERMA: CHAMBER OF PRINCES, DELHI

حیاتِ رحیم

یہ غلام احمد مہجور کشمیری کی تصنیف ہے۔ انھیں تاریخ کشمیر کو منظوم کرنے کا شوق تھا۔ انھوں نے ایک مختصر تذکرہ "حیاتِ رحیم" کے نام سے لکھا۔ اس کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ:

"میرے دل میں عرصہ سے یہ تمنا چلی آتی ہے کہ میں مفتخر متقدمین کشمیر کے حالاتِ زندگی فرداً فرداً کتابی صورت میں مروّجہ زبان اُردو کا لباس پہنا کر اہلِ دُنیا کے آگے پیش کروں۔ لیکن بوجوہات چند در چند یہ خیال عالمِ وجود میں نہ آسکا۔
..........میں نے بہ کوشش تمام شعرائے کشمیر کی چند غیر مطبوعہ تصانیف فراہم کی ہیں جن کو میں انشاءاللہ تعالیٰ ضرور شائع کروں گا۔"

ان صوفی بزرگ کا پورا نام رحیم صاحب قلندر صفی پوری تھا۔ ان کی کشمیر کے حلقۂ صوفیا میں بڑی عزّت و توقیر تھی۔ یہ مہجور کے پیرو مرشد بھی تھے۔ ان کا انتقال بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہوا۔ ان کا مقبرہ موضع صفی پور میں ہے۔ جو مشہور منسبال جھیل کے کنارہ واقع ہے۔ ان کا مقبرہ آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔

"حیاتِ رحیم"، اُردو میں لکھی گئی او تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

مآخذ:

۱۔ مجلّہ "انہار"، کشمیری ڈپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر، ۱۹۷۹ء۔ ص۔۴۳۔۴۵
۲۔ بصد شکریہ جناب محمد یوسف ٹینگ، سکریٹری، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچرل اینڈ لینگویجیز، سری نگر، جموں۔

سائمن کمیشن

نومبر ۱۹۲۷ء میں برطانوی سرکار نے ایک کمیشن سر جان (SIR JOHN, LATER VISCOUNT SIMON) (بعد میں وائی کانٹ) سائمن کی صدارت میں مقرر کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کی کارگزاری کا جائزہ لیا جائے نیز یہ کہ کس حد تک ذمہّ دار حکومت کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس کے تمام ممبران انگریز تھے اس بنا پر تمام سیاسی جماعتوں نے اس کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ جہاں جہاں کمیشن نے تحقیقات کیں، وہاں ہڑتالیں کی گئیں اور "سائمن واپس جاؤ" کے نعروں سے اُن کا استقبال کیا گیا۔ اس کی وجہ سے کہیں کہیں تشدد کی وارداتیں بھی ہوئیں۔ سرکار نے اسے دبانے کے لیے سخت اقدامات کیے جس کے خلاف مظاہرے کیے گئے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ انڈین نیشنل کانگریس نے ۱۹۲۹ء کے لاہور کے سالانہ اجلاس میں ہندوستان کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا اور سول نافرمانی کی تحریک زور شور سے شروع کی۔

سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ ۲۷ مئی ۱۹۳۰ء کو پیش کی۔ اسے دیکھ کر ہندوستانی لیڈروں کو شدید مایوسی ہوئی۔ اس میں سفارش کی گئی تھی کہ نظام دوعملی DYARCHY ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ صوبوں میں مکمل ذمہّ دار حکومت کی تشکیل کی جائے۔ ہندوستانی قومی رہنماؤں کو یہ شکایت تھی کہ اس نے مرکز میں مکمل ذمہ دار حکومت کے قیام کی سفارش نہیں کی تھی۔

ہندوستانی قوم پرستوں نے کمیشن کی سفارشات کو یکسر رد کر دیا تھا۔ بہرحال اس کی سفارشات پر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء نافذ کیا گیا۔

ماخذ:
آر۔ کوپ لینڈ ـــ دی کونسٹی ٹیوشنل پرابلم اِن انڈیا، آکسفورڈ ۱۹۴۴ء، ص ۹۷-۱۱۲

R. COUPLAND: THE CONSTITUTIONAL PROBLEM IN INDIA,
OXFORD, 1944
P.P. 97-112

شدّھی تحریک

شدّھی (لغوی معنی پاک کرنا)۔ سوامی دیانند اور اُن کی تنظیم آریہ سماج نے انیسویں صدی کے آخر میں نیچی ذات کے ہندوؤں کو اوپر اُٹھانے کے لیے دہرہ دون سے یہ تحریک شروع کی۔ اس تحریک کے تحت جن ہندوؤں نے حال یا ماضی بعید میں کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیا تھا، انھیں ہندو مت میں واپس لانے کی کوششیں کی گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام، سکھ مت اور عیسائی دھرم کے پیروؤں کو بھی ہندو مت میں لانے کے لیے مہم چلائی گئی۔ دہرہ دون میں خود سوامی دیانند نے محمد عمر نامی ایک مسلمان کو آریہ سماج میں داخل کیا اور اس کا نام "الکھ دھاری" رکھا۔
۱۹۲۰ء کی دہائی میں شدھی تحریک نے سنگٹھن تحریک کے تعاون سے ملک میں فرقہ واریت کی آگ بھڑکائی۔ ردّ عمل کے طور پر مسلمانوں نے بھی تبلیغ کی تحریک شروع کی۔

ماخذ:

کینتھ ولیم جونس — آریہ دھرم۔ ص ۳۰۷-۳۱۲

KENNITH WILLIAM JONES ARYA DHARAM P 307-312

شمسِ بازغہ

ملّا محمود جونپوری (۹۹۳-۱۰۶۲ھ) کی تصنیف شمس بازغہ جو ان کی کتاب الحکمۃ البالغہ کی شرح ہے، فلسفہ قدیم کی اہم اور بنیادی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اور سیکڑوں سال سے ہندوستان کی قدیم درسگاہوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اپنی سلاست بیان کے لحاظ سے فلسفے کی کتابوں میں شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ ملّا صاحب کا ارادہ علوم عقلیہ کی تینوں شاخوں (منطق، طبیعیات اور مابعد الطبیعیات) پر کتاب

لکھنے کا تھا۔ لیکن اپنی علالت کے باعث صرف ایک شاخ یعنی طبیعیات پر اپنے خیالات منضبط کر سکے۔ یہ پہلی بار ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

مصنف کا پورا نام ملاّ محمود جونپوری بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروق تھا۔ علوم حکمیہ و ادبیہ میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے جدِّ امجد شاہ محمد سے حاصل کی۔ پھر انھوں نے ملاّ محمد افضل جونپوری کی خدمت میں رہ کر درسیات کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بہت دنوں تک وہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اپنے عہد میں وہ معقولات کے امام سمجھے جاتے تھے۔

فوائد فی شرح الفوائد ان کی دوسری اہم تصنیف ہے۔ شیخ محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) کے رسالہ "تسویہ" کے رد میں انھوں نے "الدوحۃ المیادۃ فی تحقیق الصورۃ والمادّۃ" لکھی ہے۔ فارسی کا ایک دیوان بھی ان کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔

ماخذ:

۱۔ مآثر الکرام دفتر اول۔ ص ۲۰۲-۲۰۳

۲۔ حدائق الحنفیہ۔ ص ۴۱۳-۴۱۴

۳۔ سبحۃ المرجان۔ ص ۵۳-۶۵

۴۔ ابجد العلوم۔ ص ۹۰۱-۹۰۲

۵۔ تذکرہ علماء ہند۔ ص ۴۸۶-۴۸۷

۶۔ تاریخ شیراز ہند جونپور۔ مرتبہ سید اقبال حسین۔ مطبوعہ جونپور ۱۹۶۳ء

۷۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند۔ جلد دوم، ص ۲۷۸۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقیوم۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ۱۹۷۰ء

۸۔ براکلمن۔ جلد دوم۔ ص ۴۲۰ ذیل ۲/۶۲۱

طبقات ابن سعد

"الطبقات الکبیر" جو طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ عبداللہ ابن سعد کاتب الواقدی (۱۶۸ھ۔۲۳۰ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ ۷۸۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۸۴۵ ہجری میں فوت ہوئے۔ حدیث و رجال کے بہت بڑے عالم ہیں۔ الطبقات الکبیر دس جلدوں میں ہے۔ پہلی دو جلدوں میں سیرۃ طیبہ کا مواد ہے۔ باقی صحابہ اور تابعین کے احوال پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی، اور متفرق جلدیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں گوشہ گمنامی میں پڑی تھیں۔ جرمنی کے شہنشاہ کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال پیدا ہوا اور اس نے پروفیسر زخاؤ (SACHAU) کو اس کام پر مامور کیا۔ وہ قسطنطنیہ، مصر اور یورپ میں جا بجا پھر کر اس کتاب کے اجزا فراہم کر کے لایا۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (LEIDEN) ہالینڈ میں چھپ کر شائع ہوا اور آج کل اسلام کی ابتدائی تین صدیوں کی تاریخ اور معاشرت پر ایک مستند نسخہ سمجھا جاتا ہے۔

ماخذ:

اردو دائرہ المعارف اسلامیہ۔ جلد اوّل۔ ص۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔

فیہ ما فیہ

مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ - ۱۲۷۳) کے خطوط کا مجموعہ جو معین الدین پروانہ کو وقتاً فوقتاً لکھے گئے ۔ یہ رکن الدین قلیج ارسلان شاہ قونیہ کے حاجب تھے اور مولانا سے بہت عقیدت رکھتے تھے ۔ مولانا کی یہ کتاب ایک عرصہ تک گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی ۔ اس گمنام کتاب کی دریافت اور اشاعت کا سہرا مولانا عبدالماجد دریابادی کے سر ہے ۔ ان کو ۱۹۲۳ء میں حیدر آباد دکن میں اس کے دو نسخے ملے ۔ انھوں نے ۱۹۲۸ء میں اس کی تصحیح کی اور اعظم گڑھ سے شائع کیا ۔ رضا لائبریری رامپور میں بھی اس کا ایک نسخہ تھا ۔ ایران میں یہ کتاب استاد بدیع الزماں فروزانفر کے اہتمام میں ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی ۔ ملفوظات رومی کے نام سے عبدالرشید تبسم نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا ہے ۔

اس میں تصوف، اخلاق اور سادہ عقائد دین سے بحث کی گئی ہے ۔

ماخذ : ۱۔ قاضی سجاد حسین ۔ مقدمہ مثنوی مولانائے روم ۔ ص ۸

۲۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی ۔ ادب نامہ ایران ۔ ص ۴۱۹

۳ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی

ڈاکٹر محمد ریاض ۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ۔ ص ۱۰۶ - ۱۰۷ ۔

کتاب الفرج

عربی میں تصوف پر "کتاب الفجر" کے نام سے کسی کتاب کا سراغ نہیں ملا۔ البتہ تین تصنیفات "کتاب الفرج" کے نام سے ہیں۔ ایک المدائنی (۱۳۵ھ/۷۵۲ء - ۲۲۵ھ/۸۴۰ء) کی تصنیف ہے۔ اس کا موضوع تاریخ ادبیات ہے اور اس میں اقوال، حکایات اور ضرب المثل وغیرہ جمع کی گئی ہیں۔ دوسری الفنوفی (۳۲۷ھ/۹۳۹ء-۳۸۴ھ/۹۹۴ء) نے اس کتاب اور دوسری کتابوں سے استفادہ کر کے لکھی۔ تیسری کتاب ابوسعید بن عیسیٰ الخرّاز کی ہے جو تصوف پر ہے۔ یہ بغداد کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کے بہت کم حالات معلوم ہیں۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے فنا اور بقا کے متعلق اظہار خیال کیا۔ اس کی تصنیف "کتاب السّر" نے سخت غلط فہمیاں پیدا کر دیں جس کے باعث اسے بغداد سے فرار ہو کر بخارا جانا پڑا۔ پھر قاہرہ چلا گیا جہاں اس نے ذوالنونؒ اور جنیدؒ سے مذاکرات کیے۔

اس کا انتقال قاہرہ میں ۲۷۹ھ/۸۹۲ء یا ۲۸۶ھ/۸۹۹ء میں ہوا۔

یقیناً علامہ اقبال کی مراد الخرّاز کی "کتاب الفرج" سے تھی۔ بدقسمتی سے اس خط کا عکس دستیاب نہیں، ورنہ مطبوعہ خط کے متن کے ساتھ موازنہ کر کے صحیح صورت حال واضح ہو جاتی۔

ماخذ:

فواد سیزگن - تاریخ التراث العربی۔ جلد اوّل

مآثر الکرام

مآثر الکرام از غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) ہندوستانی علما، شیوخ اور شعرا کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ (الف) دفتر اول مآثر الکرام

دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں ۸۰ صوفیاء کا تذکرہ ہے اور دوسری فصل میں ۴۳ علماء کا تذکرہ ہے۔ (ب) دفتر ثانی مآثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد بھی دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں ۱۴۳ شعرائے فارسی اور دوسری فصل میں آٹھ شعرائے ہندی کا تذکرہ ہے۔

مسلم ایسوسی ایشن مدراس

حاجی محمد جمال بن حاجی جمال محی الدین مدراس کے متموّل اور بین الاقوامی تاجر تھے اور جاپان، آسٹریلیا، امریکہ، یورپ کے تمام بڑے ممالک سے اُن کا سلسلۂ تجارت تھا۔ یہ اپنی فیاضیوں کی وجہ سے تمام ہندوستان میں "مسلمانوں کے برلا" کہلاتے تھے۔ یہ محض سیٹھ ہی نہیں بلکہ علم و فضل کے مالک بھی تھے۔ علامہ اقبال نے ان کی تعریف یوں کی ہے:

"اللہ اللہ! یہ انسان ایک کروڑ سالانہ کی تجارت کرتا ہے، تہمد پہنتا ہے اور حقیقت مادّہ و روح جیسے علمی مسائل پر انگریزی اور اردو میں گفت گو کرتا ہے۔ اس کو فکر دامن گیر ہے کہ مسلمانوں کی قدیم اور نئی تعلیم کا حقیقی اتصال ہو اور اسلام اپنی اصل شان میں دنیا پر ظاہر ہو۔ مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ پیدا نہ ہوگا، نصب العین تک رسائی محال ہے۔"

۲۶۔۱۹۲۵ء کے قریب سیٹھ محمد جمال نے ایک ادارہ "مسلم ایسوسی ایشن مدراس" کے نام سے قائم کیا اور خطبات اسلامیہ کا سلسلہ شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو مذہب سے واقف کرایا جائے اور قابل اور محقق اصحاب کو مدراس مدعو کیا جائے اور اس مجلس کی سرپرستی میں مختلف تقاریر ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرت محمدی کے مختلف پہلوؤں پر لیکچر دیے اور

پیغام محمدی کی حقیقت کو آشکار کیا۔ یہ "خطبات مدراس" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد محمد مارماڈیوک پکتھال (MOHAMMAD MARMADUKE PICKTHAL) پرنسپل چادر گھاٹ ہائی اسکول حیدر آباد (سابق ایڈیٹر، بمبئی کرانیکل) (ان پر نوٹ حواشی میں ملاحظہ فرمائیں) کو مدعو کیا۔ ان کے انگریزی لیکچر "اسلام اور مدنیت" بہت مقبول ہوئے۔ بعد میں یہ تقریریں ایسوسی ایشن کی جانب سے مجموعے کی صورت میں شائع کی گئیں۔

۱۹۲۸ء میں اراکین ایسوسی ایشن کی نظر انتخاب علامہ اقبال پر پڑی اور بذریعہ خط و کتابت یہ امر طے پایا کہ علّامہ موصوف "اسلام اور فلسفہ" کے عنوان پر چھ خطبات دیں۔ لیکن کثرت کار اور مشاغل کی وجہ سے یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ ۱۹۲۸ء میں ماہ دسمبر کے وسط میں تین لیکچروں کا انتظام ہو۔ بعض وجوہ کی بنا پر دسمبر ۱۹۲۸ء کے بجائے اقبال ۵ر جنوری ۱۹۲۹ء کو مدراس پہنچے۔ چار دن قیام رہا۔ جس میں ایسوسی ایشن کی سرپرستی میں تین تقریریں ہوئیں۔ یہ خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" (مترجم سید نذیر نیازی) کے نام سے مکتبہ جامعہ، نئی دہلی سے شائع ہوئے۔

ماخذ:

سلیم تمنائی۔ دانائے راز دیار دکن میں۔ ص ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۵، ۴۲، ۴۳

نوابان کنج پورہ

ریاست کنج پورہ کی بنیاد نواب نجابت خاں نے اٹھارویں صدی میں ڈالی۔ نواب نجابت خاں کاکڑ زئی پٹھان تھا۔ ۱۷۲۸ء میں ہندوستان آیا۔ کچھ عرصہ لاہور اور ملتان میں شاہی صوبہ دار کی فوجی ملازمت میں رہا۔ اس کے بعد تین سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ کرنال آیا۔ اس زمانے میں مغلیہ شہنشاہ محمد شاہ کی فرمانروائی تھی۔ دربار عیش و عشرت میں مصروف تھا اور ملک میں شاہی انتظام بگڑ چکا تھا۔ ایسے مواقع

سے فائدہ اٹھاکر نواب نجابت خاں نے کرنال کے قرب وجوار کے کچھ علاقہ پر قبضہ کر کے دریائے جمنا کے کنارے ریاست نجابت گڑھ کی بنا ڈالی۔ اسی نجابت گڑھ کا نام بعد میں کنج پورہ ہوا۔ یہ نئی بستی مضبوط فصیلوں اور خندق سے محفوظ کر کے پٹھانوں اور دوسری قوموں سے آباد کر دی گئی۔ اس کے بعد دہلی دربار سے صوبہ سہارنپور کے فوجدار کو نجابت خاں پر فوج کشی کرنے کا حکم پہنچا۔ جنگ کی نوبت آئی اور نجابت خاں کی فتح ہوئی۔ آخر میں دہلی دربار نے نجابت خاں کو باقاعدہ نواب تسلیم کر لیا۔ لیکن ایک ہی سال بعد مرہٹوں سے جنگ ہوئی۔ نجابت خاں کو شکست ہوئی اور مرہٹوں کے ہاتھوں اسیر ہوا۔ اسی اسیری میں انتقال ہوا۔

۱۷۶۱ء میں احمد شاہ دُرّانی اور مرہٹوں میں پانی پت کی مشہور تاریخی جنگ ہوئی جس میں مرہٹوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ اس جنگ میں نواب نجابت خاں کے بیٹے دلیر خاں نے درّانی کی طرف سے مرہٹوں کے خلاف ایسی جانبازی سے جنگ کی تھی کہ اس نے اس کے صلہ میں دلیر خاں کو کنج پورہ کا نواب بنا دیا اور اس طرح یہ ریاست نواب نجابت خاں کے خاندان میں بارِ دگر واپس آئی۔ پنجاب کی چھ بڑی ریاستوں میں کنج پورہ کی ریاست بھی شمار ہوتی ہے۔ جب امن و راحت کا زمانہ نصیب ہوا تو خاندان کنج پورہ کے رئیس آرام طلب ہو گئے۔ آخر سکھوں نے ریاست کا ایک بڑا حصّہ چھین لیا۔

نواب ابراہیم علی خاں بانی ریاست کنج پورہ کی پانچویں پشت میں تھے۔ ان کے بھائی غلام احمد خاں کے دو بیٹے ہوئے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور صاحبزادہ سر سلطان احمد خاں۔ موخر الذکر ۱۸۶۴ء میں کنج پورہ میں پیدا ہوئے۔ ریاست گوالیار میں چیف جسٹس رہے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کا سوانحی خاکہ حواشی میں ملاحظہ فرمائیں۔

ماخذ:

حبیب اللہ خاں ۔ حیات آفتاب ۔ پرنٹر عبدالمجید ۔ اسرار کریمی پریس، الہ آباد (یو پی) ۱۹۴۷ء

کیپٹن منظور حسن کے نام

جناب من: تسلیم

میٹرک کے طلبا کو شعراء کے حالات جاننے کی کوئی ضرورت نہیں تاہم اگر امتحان میں ایسے سوالات پوچھے جاتے ہوں گے تو ان مشکلات کو فرہنگ کی کتاب میں حل کرایا جائے گا جس کے لیے پبلشر تیاری کر رہا ہے۔ ویسے شعراء کے حالات مجمع الفصحا میں مل جائیں گے اور بعض مشہور تذکروں میں حسین دانش ابھی زندہ ہیں۔ اس وقت قسطنطنیہ میں شاید کسی اخبار کے ایڈیٹر ہیں

محمد اقبال

(رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ)

(غیر مدون) (اقبال شناسی اور فنون)

(نوٹ) مندرجہ بالا غیر مطبوعہ سطور جس خط کی پشت پر تحریر فرمائی گئی تھیں وہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) کو حضرت علامہ کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا منظور حسن صاحب ان دنوں مدرسہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں فارسی کے اول مدرس تھے۔ حضرت علامہ نے میٹریکولیشن کے مقررہ نصاب کے مطابق کتاب آئینۂ عجم مرتب فرمائی تھی جس کے حصہ نظم میں مندرجہ ذیل شعرا کے کلام کا انتخاب درج ہے۔

سعدی، حسین دانش، عبید زاکانی، نوائی، میرزا نصیر، میر حسینی، ناصر خسرو، وہ خدا، فرصت شیرازی، بدایع بلخی، جبلی، جمال الدین اصفہانی، اقبال، نظامی، ظہوری، عصمت اللہ، ابن یمین، جنتی خاقانی، انوری، عماد فقیہہ، فردوسی، ہاتفی، سنائی وغیرہ۔

منظور صاحب نے گزارش کی تھی کہ کرم فرما کر ان شعرا کا نہایت مختصر حال (طلبہ کی آگاہی اور خود میری تعلیم کے لیے) ارسال فرمائیں یا کسی ایسی کتاب کا حوالہ عنایت کریں جس کے مطالعہ سے مطلوبہ معلومات حاصل ہو سکیں۔

(ڈاکٹر سلیم اختر۔ اقبال شناسی اور فنون (ص۔ ۵۶۔ ۵۵) بزم اقبال، لاہور۔ ۱۹۸۸ء)

کتابیات

۱ ادبی نقوش، شاہ معین الدین ندوی، ادارۂ فروغِ اردو، لکھنؤ۔

۲ اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۶۶ء

۳ اردو کے کلاسیکی شعرا، محمد حبیب خاں۔

۴ اسیرانِ مالٹا، مولانا سید محمد میاں، الجمعیۃ بک ڈپو، دہلی ۱۹۷۱ء

۵ اشاریۂ مکاتیبِ اقبال، صابر کلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۴ء

۶ اقبال بنام شاد، محمد عبداللہ قریشی، بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۸۶ء

۷ اقبال نامہ، شیخ عطاء اللہ، (زیرِ اشاعت) اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۸ اقبال کے ہم نشین، صابر کلوروی، مکتبہ خلیل، لاہور ۱۹۸۵ء

۹ اقبال شناسی اور فنون، ڈاکٹر سلیم اختر، بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۸۸ء

۱۰ اقبال اور عاکف۔ ثروت صولت، فکر و فن، اسلام آباد، اگست ۱۹۷۵ء

۱۱ اقبال اور بھوپال، صہبا لکھنوی، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور ۱۹۷۳ء

۱۲ اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ڈاکٹر عبدالشکور احسن، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء

۱۳ اقبال یورپ میں سعید اختر درانی اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۵ء

۱۴ اقبال — جہانِ دیگر، فرید الحق، گردیزی پبلشرز، کراچی ۱۹۸۲ء
۱۵ اقبال اور مغربی مفکّرین، جگن ناتھ آزاد، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۷۵ء
۱۶ اقبال ایک مطالعہ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۷ء
۱۷ اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر صغریٰ مہدی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۱۹۸۱ء
۱۸ الاعلام۔ جلد چہارم، خیر الدین الزرکلی، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۶ء
۱۹ انجمن، حسن الدین احمد، ولا اکیڈمی، سلطان پورہ، حیدر آباد، (بھارت)
۲۰ انوارِ اقبال، بشیر احمد ڈار، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۶۷ء
۲۱ اوراقِ گم گشتہ، رحیم بخش شاہین، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۹ء
۲۲ آئینِ اکبری۔ ابو الفضل
۲۳ باقیاتِ بجنوری، مرتبہ محمد فاتح فرخ، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔ ۱۹۵۴ء
۲۴ بدایوں کے تابندہ ستارے، چودھری صغیر احمد صدیقی بدایونی، بدایوں، ۱۹۸۹ء
۲۵ تاریخ ادبیاتِ ایران، ڈاکٹر رضا زادہ شفق، ندوۃ المصنّفین، ۱۹۸۵ء
۲۶ تاریخ ادبیاتِ ایران، پروفیسر ذبیح اللہ صفا، تہران، ۱۹۵۶ء
۲۷ تاریخ تصوّف، صابر کلوروی، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار، لاہور، مارچ ۱۹۸۵ء
۲۸ تاریخ الحکما، ابن القفطی
۲۹ تاریخ صحافتِ اُردو، امداد صابری، جلد پنجم، مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس، دہلی۔

۳۰ تذکرہ ، مولانا ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۶۸ء
۳۱ تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی، اردو ترجمہ، محمد ایوب قادری،
پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء
۳۲ تذکرہ مردم دیدہ و شنیدہ مختارالدین احمد (زیرِ ترتیب)
۳۳ تذکرۂ شمعِ انجمن، نواب صدیق حسن، مطبع شاہ جہانی بھوپال،
۳۴ تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حکیم سیّد احمد اللہ ندوی، انٹرنیشنل پریس،
کراچی، ۱۹۶۸ء
۳۵ تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ، مترجم، سید نذیر نیازی، بزمِ اقبال،
لاہور، ۱۹۵۷ء
۳۶ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی،
اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۲ء
۳۷ ترکی کے عظیم مفکّر ضیا گوک آلپ، پروفیسر اکمل ایوبی، مجلہ علوم اسلامیہ
جلد ۱۳، شمارہ ۲، علی گڑھ۔
۳۸ تلمیحاتِ اقبال، سیّد عابد علی عابد، بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۸۵ء
۳۹ تنقیدیں، پروفیسر خورشید الاسلام۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس،
علی گڑھ ۱۹۷۷ء
۴۰ جدید ہندوستان کے معمار— احمد، ترقی اردو بیورو، حکومت ہند،
۴۱ جمع التاریخ، قاضی محمد تحسین بیدل بجنوری، پنجاب پریس،
لاہور ۱۹۵۳ء
۴۲ چغتائی، مصورِ مشرق، چغتائی میوزیم، کارڈن ٹاؤن، لاہور
۴۳ چغتائی کی ہندوستانی مصوری، دھومی مل دھرم داس،
کناٹ پلیس، نئی دہلی۔
۴۴ حیاتِ اکبر— عشرت حسین

۴۵ حیاتِ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، علامہ شیخ احمد بن حجر اردو ترجمہ مختار احمد ندوی سلفی، مطبوعہ الدار السلفیہ ۱۹۷۸ء
۴۶ حیاتِ شیخ الہند، سید اصغر حسین، دیوبند، (بھارت)
۴۷ خاندان لوہارو کے شعراء، حمیدہ سلطان احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی جون ۱۹۸۱ء
۴۸ خطوطِ اقبال، رفیع الدین ہاشمی، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء
۴۹ دانائے راز دیار دکن ہیں، سلیم تمنائی، انجمن اشاعتِ اردو، میسور، ۱۹۸۲ء
۵۰ دائرۃ المعارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جلد، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۹، ۱۱ اور ۱۲،
۵۱ دائرۃ المعارف برطانیکا جلد، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۱۰، ۱۵۔
۵۲ دائرۃ المعارف عظمیٰ روس، ایم۔ ایس۔ کا بننا، جلد دوم میک ملن،
۵۳ دبستانِ مذاہب، مرتبہ، رضا زادہ ملک، کتاب خانہ طہوری، تہران ۱۹۸۳ء
۵۴ دیوانِ عرفی۔ مطبوعہ نولکشور، کانپور ۱۸۸۰ء
۵۵ رجالِ اقبال، عبدالرؤف عروج، نفیس اکیڈمی، کراچی
۵۶ روحِ مکاتیبِ اقبال، محمد عبداللہ قریشی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء
۵۷ روزگارِ فقیر، سید وحید الدین فقیر، جلد اول و دوم، لائن آرٹ پریس کراچی، ۱۹۶۶ء
۵۸ زندہ رود۔ حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور، ڈاکٹر جاوید اقبال
۵۹ سروِ آزاد — آزاد بلگرامی، مطبع رفاہِ عام، لاہور ۱۹۱۳ء
۶۰ سلطنتِ خداداد میسور، محمود خاں محمود بنگلوری۔ بنگلور ۱۹۳۴ء

۶۱ سوانحِ قاسمی، مناظر احسن گیلانی
۶۲ سید نجیب اشرف — شخصیت اور کارنامے، ریاست علی تاج مکتبہ شوکت، حیدر آباد، بھارت
۶۳ شاد اقبال، محی الدین قادری زور، سب رس کتاب گھر، حیدر آباد، ۱۹۴۲ء
۶۴ شعر العجم، علامہ شبلی نعمانی حصہ اول، اعظم گڑھ، ۱۹۸۶ء
۶۵ علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوی، سید حامد جیلانی، مجلس محبانِ اقبال پاکستان، کراچی، جون ۷۷ ۱۹ء
۶۶ علی نہاد تارلان (اردو ترجمہ) محمد عاکف، لاہور ۷۰ ۱۹ء
۶۷ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ڈاکٹر محمد ریاض اور ڈاکٹر محمد صدیق شبلی سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۷۴ ۱۹ء
۶۸ فرہنگِ ادبیات فارسی دری، زہرای خانلری، بنیادِ فرہنگ ایران،
۶۹ فرہنگ فارسی، ڈاکٹر محمد معین، تہران ۱۹۶۳ء
۷۰ فوات الوفیات، ابن شاکر الکتبی
۷۱ فی طبقات الاطباء، ابن ابی اُصیبعہ
۷۲ کشف الظنون، جلد اول
۷۳ گفتارِ اقبال، محمد رفیق افضل، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۷۷ ۱۹ء
۷۴ لغت نامہ دہخدا، ابو سعید
۷۵ مآثر الامرا، شاہ نواز خاں، کلکتہ، ۱۹۴۴
۷۶ معجم المطبوعات، مطبوعہ ۱۹۲۸ء
۷۷ محمد علی کا غذات، مخطوطہ، ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔

۷۸ محدثین عظام اور اُن کے علمی کارنامے، مولانا تقی الدّین ندوی مظاہری،
۷۹ محمد بن عبدالوہاب — ایک مظلوم اور بدنام مُصلح، مسعود عالم ندوی حیدرآباد۔ ۱۹۴۶ء
۸۰ مختصر تاریخ ادبِ اردو، ڈاکٹر اعجاز حسین، آزاد کتاب گھر، دہلی
۸۱ مرآۃ العالم، جلد دوم
۸۲ مرآۃ الاسرار (قلمی)، نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد۔
۸۳ مرقع چغتائی، دین پرنٹنگ پریس، بل روڈ، لاہور
۸۴ معاصرین اقبال کی نظر میں، محمد عبداللہ قریشی، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۷ء
۸۵ مظلوم اقبال، شیخ اعجاز احمد، داؤد پوتہ روڈ کراچی۔ ۱۹۸۵ء
۸۶ مقالات علمائے روس۔ سید سلیمان ندوی، معارف ۱۹۲۲ء
۸۷ مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، محمد عبداللہ قریشی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۶۹ء
۸۸ مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدّین خاں، بزم اقبال، لاہور ۱۹۵۴۔
۸۹ مکاتیب اقبال کے مآخذ — چند مزید حقائق، صابر کلوروی
۹۰ مکاتیبِ اقبال کے مآخذ — ایک تحقیقی جائزہ، صابر کلوروی
۹۱ مکتوباتِ اقبال، سیّد نذیر نیازی، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور ۱۹۵۷ء
۹۲ مولانا عبدالحی فرنگی محلی، غلام مرسلین
۹۳ مومن شخصیت اور فن۔ ظہیر احمد صدیقی، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء۔

۹۴ نزہتہ الخواطر، سیّد عبدالحیٰ، دائرۃ المعارف اسلامیہ، حیدرآباد (بھارت) ۷ ۱۹ء
۹۵ نصیرالدین ہاشمی — حیات اور کارنامے، ڈاکٹر حمیرا جلیل، عثمانیہ یونیورسٹی کا ایم فل کا مقالہ،
۹۶ نفحات الانس، ملّا جامی،
۹۷ نقوشِ ادب، مولانا اعجاز، طلعت پبلی کیشنز، ہمایوں باغ کانپور، ۱۹۷۷ء
۹۸ نقوش اقبال، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی
۹۹ نوادر، ذوالفقار احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۵ء
۱۰۰ یادگار بجنوری، مرتبہ محمد فائح فرخ، سول اینڈ ملٹری پریس، کراچی ۱۹۴۶ء

اخبارات و رسائل

۱ اسلامک کلچر، حیدرآباد، بھارت جلد ۶۳، شمارہ جولائی ۱۹۸۹ء
۲ اقبال ریویو، سہ ماہی جریدہ، اپریل، جون ۱۹۸۴ء، اقبال اکادمی، حیدرآباد، بھارت،
۳ الفاظ، علی گڑھ، جنوری ۱۹۸۰ء
۴ مجلہ النبار، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر
۵ سب رس، ہاشمی نمبر، جنوری ۱۹۶۵ء حیدرآباد
۶ شاعر اقبال نمبر بمبئی جلد اول ۱۹۸۸ء
۷ صحیفہ اقبال نمبر، حصّہ اول، ڈاکٹر وحید عشرت، بزم اقبال، لاہور ۱۹۸۶ء

۸ مجلہ غالب نامہ حافظ محمود شیرانی نمبر، جولائی ۱۹۹۰ء غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی۔

۹ فروغ اردو۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء

۱۰ فیض الاسلام، عرشی نمبر، راولپنڈی، نومبر۔دسمبر ۱۹۸۵ء

۱۱ ماہ نو اقبال نمبر، ستمبر ۱۹۷۷ء

۱۲ ماہ نامہ مسلم انڈیا، نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۸۴ء

۱۳ معارف جلد نمبر ۱۱، شمارہ مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۶۸ء

۱۴ نقوش اقبال نمبر۔ ۱۹۷۷ء

۱۵ نقوش شخصیات نمبر، ۱۹۵۵ء

۱۶ نقوش لاہور نمبر، ۱۹۶۷ء

۱۷ نقوش مکاتیب نمبر، ۱۹۶۸ء

۱۸ نگار، پاکستان، ۶۲ ۱۹ء

۱۹ رسالہ ہمایوں، اپریل، ۱۹۵۳ء

۲۰ ہماری زبان، جون ۱۹۸۰ء نئی دہلی

اشخاص

آ

ا

ب

ت

ٹ

ث

ج

خ

ز

س

ش

ص

غ

ل

ن

ی

مقامات

ب

پ

ت

ٹ

ج

ش

ص

ط

ع

ک

گ

ہ

ی

کتابیں، رسائل

خ

د

ز

ش

ق

ک

گ

ل

م

ن

ادارے، تنظیمیں

آ

ا

ث

ج

چ

ح

خ

د

ن

و

ہ

ی

18. M.S. KOPITSA: THE GREAT SOVIET ENCYCLOPAEDIA, MACMILLAN,

19. NARESH KUMAR JAIN: MUSLIMS IN INDIA (A BIOGRAPHICAL DICTIONARY) VOL. I & II, MANOHAR PUBLICATIONS, DELHI, 1979, 1983

20. NICHOLAS NAWERG: THE TRANSFER OF POWER, LONDON, 1973

21. OBITUARIES FROM THE TIMES(LONDON),1951-1960

22. PAKISTAN CIVIL LIST, APRIL-JUNE, 1951

23. PARITHIVE NATH KAUL BAMZAI: A HISTORY OF KASHMIR, METROPOLITAN BOOK CO. (PVT) LTD., NEW DELHI,1962

24. P. N. CHOPRA: ROLE OF INDIAN MUSLIMS IN THE STRUGGLE FOR FREEDOM, LIGHT & LIFE PUBLISHER, NEW DELHI,1979

25. R. COUPLAND: THE CONSTITUTIONAL PROBLEM IN INDIA, OXFORD , 1944

26. RAMA SHANKER AVASTHY: THE MUGHAL EMPEROR HUMAYUN, ALLAHABAD, 1967

27. S. BHATTACHARYA: A DICTIONARY OF INDIAN HISTORY, NEW YORK, 1967

28. S. P. SEN: DICTIONARY OF NATIONAL BIOGRAPHY, INSTITUTE OF HISTORICAL STUDIES, CALCUTTA

29. THOMAS ARNOLD(SIR): LEGACY OF ISLAM, EXFORD PRESS, 1952

30. TURKISH NATIONALISM AND WESTERN CIVILIZATION, SELECTED ESSAYS OF ZIYA GOKALP

31. UNIVERSAL ENCYCLOPAEDIA OF THE MOST EMINENT MEN AND WOMEN, DEEP & DEEP PUBLICATIONS, NEW DELHI,1988

32. V. N. DUTTA: IDEOLOGY OF POLITICAL ELITE IN PUNJAB (1900-1920), SITA RAM MOHLI MEMORIAL LECTURE,1977 PUNJAB UNIVERSITY, PATIALA

33. WHO'S WHO, 1900-1980, DURGA DASS PRIVATE LTD.,NEW DELHI

34. WHO IS WHO, 1929-1940, LONDON, 1941

35. WHO WAS WHO, 1961-1976, ADAM CHARLES BLACK,LONDON

1. ABDULLAH YUSUF ALI: THE GLORIOUS QURAN, TRANSLATION AND COMMENTARY, DAR-UL-FIKR, BEIRUT

2. B.A. DAR: LETTERS OF IQBAL, IQBAL ACADEMY PAKISTAN, LAHORE, 1978

3. B.A. DAR: LETTERS AND WRITINGS OF IQBAL, IQBAL ACADEMY PAKISTAN, LAHORE, 1981

4. DR. B. SHEIK ALI: TIPU SULTAN NATIONAL, NATIONAL BOOK TRUST, NEW DELHI, 1972

5. COLLECTED WORKS OF MAHATMA GANDHI, PUBLICATION DIVISION, NEW DELHI, 1979

6. GANDA SINGH: AHMED SHAH DURRANI [illegible], 1959

7. HARI RAM GUPTA: MARATHAS AND PANIPAT, CHANDIGARH,1961

8. INDIAN YEAR BOOK - 1947

9. ISHRAT ALI QURESHI: THE ALIGARH MOVEMENT

10. KALAKRANJAN QANUNGO: SHER SHAH AND HIS TIME, CALCUTTA,1965

11. KENNITH WILLIAM JONES: ARYA DHARM

12. LAJAPAT RAI NAIR: SIKANDER HAYAT KHAN, THE SOLDIER - STATEMAN OF THE PUNJAB, IN [illegible] CURRENT AFFAIRS, LAHORE

13. LATIF AHMAD SHERWANI: SPEECHES, STATEMENT AND WRITINGS OF IQBAL, IQBAL ACADEMY PAKISTAN, LAHORE, 1977

14. Mc GRAWHILL: ENCYCLOPAEDIA OF WORLD BIOGRAPHY

15. MEMORANDA ON INDIAN STATES - 1932, CALCUTTA 1933 - GOVERNMENT OF INDIA PUBLICATION

16. MOHD. IQBAL: THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM, OXFORD UNIVERSITY PRESS, 1934

17. MORELAND - HISTORY OF INDIA

فی الواقع آپ نے اقبالیات کے سلسلے کا اہم کام انجام دیا ہے۔ جو ہر اعتبار سے لائقِ ستائش ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، لاہور

۳۰/دسمبر ۱۹۸۹ء

برنی صاحب نے یہ خطوط انتہائی سائنٹفک انداز میں مرتب کیے ہیں متنی تنقید کے تمام جدید اصول وضوابط کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ متن درست ترین ہو۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، علامہ کے خطوط کے تمام مجموعوں سے زیادہ بہتر اور سائنٹفک ہے۔

ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی

(ہماری زبان، یکم جنوری ۱۹۹۰ء)

اقبالیات پر گذشتہ برسوں جو اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں علامہ اقبال کی سوانح حیات "زندہ رود" (تین جلدوں میں) اور "اشاریہ مکاتیبِ اقبال" (مرتبہ صابر کلوروی) شامل ہیں۔ تیسری اہم کتاب "کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" حصہ اوّل ہے جسے جناب سید مظفر حسین برنی صاحب نے مرتب کی ہے۔ برنی صاحب کا مقدمہ بصیرت افروز اور معلوماتی ہے۔ حواشی اور اشاریہ نے کتاب کی افادیت میں قیمتی اضافہ کیا ہے۔

ڈاکٹر اخلاق اثر، بھوپال

۵/فروری ۱۹۹۰ء

برنی صاحب نے اقبال سے گہری وابستگی کا ثبوت ہی پیش نہیں کیا ہے بلکہ اقبالیات کے میدان میں ہندوستان کا سر بلند کیا ہے۔

عبدالقوی دسنوی، بھوپال

(ہماری زبان، ۸/فروری ۱۹۹۰ء)

ISBN 81-7121-073-2